دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

تیسویں جلد

از

جولائی سنہ ۱۹۳۲ء تا دسمبر سنہ ۱۹۳۲ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ

فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد سیٔ ام جولائی ۱۹۳۲ء تا دسمبر ۱۹۳۲ء

(بہ ترتیبِ حروفِ تہجی)

شعراء

فہرستِ مضامین

جلد سی ام، جولائی سنہ ۱۹۳۲ء تا دسمبر سنہ ۱۹۳۲ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد سی ام	ماہ صفر المظفر ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۳۲ء	عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

پچھلے سال پنجاب یونیورسٹی کی اسلامی تاریخ کی بعض نصابی کتابوں پر اعتراضات کئے گئے تھے، اور آخر کار اُن میں سے بعض کتابیں خارج کردی گئیں، تعین امسال شاید اسی ڈر سے کہ انگریزی میں اسلامی تاریخ کی قابل قبول کتابیں نہیں ملسکتیں، سرے سے اسلامی تاریخ ہی کے مضمون کو یونیورسٹی سے خارج کردیا گیا ہے، اور اس پر پنجاب کے مسلمانوں میں بجا شورش برپا ہے، ہر قوم کی تاریخ اس قوم کی روح ہوتی ہے، کسی قوم کے تعلیمی جسم سے اسکی روح کو سلب کرلینا کہاں کا انصاف کرتا ہے، مگر ضرورت اسکی ہے کہ خود مسلمان فضلاء اپنی تاریخ کی طرف آپ متوجہ ہوں اور اپنا سرمایہ خود اپنے ہاتھ سے جمع کریں، بغیر اس کے یہ مسئلہ "بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ" کی مثال ہوگا، تاریخ اسلام رکھی جائے، مگر کتابیں وہ ہوں جو ہمدردی کے بجائے عداوت کے رنگ میں لکھی گئی ہیں، تو ان کا قبول کرنا بھی مشکل، اور اگر اس ڈر سے سرے سے تاریخ اسلام ہی حذف کردی جائے تو بھی ناقابل قبول، اس بنا پر مسلمانوں پر دو کام فرض ہیں، اول یہ کہ یونیورسٹی اس ضروری مضمون کو داخل نصاب کرے، اور دوسرے یہ کہ مسلمان اس کے لیے مناسب کتابیں بہم پہنچائیں، یا ایسے لائق اساتذہ رکھوائیں، جو تعلیم و تدریس کیساتھ فرض تالیف بھی انجام دیں،

پچھلے پرچہ میں مصر کے تعلیمی فتنہ کی نسبت ہم نے جو کچھ لکھا تھا، اسکو گرچہ قوم کے اکثر "بزرگوں" نے پسند کیا، مگر ہمارے ایک "عزیز اور دوست"، جو مصر سے تعلیم پاکر آئے ہیں، اور ایک روزنامہ کے اڈیٹر ہیں سخت برہم ہوئے ہیں، یہانتک کہ ہم کو جہالت اور نادانی اور رجعت پسندی کا ملزم قرار دیا ہے، اور بتایا ہے کہ ہمارے خیالات جہلاء اور عوام کو خوش کرینگے، مگر اہل علم کی نظر میں انکی وقعت نہ ہوگی، ہم ان اعتراضات کے ترکی بہ ترکی جواب دیسکتے تھے، مگر اسلئے

نہین دیتے کہ ہماری جہالت اور رجعت پسندی ہمکو یہ سبق نہین بھولنے دیتی کہ وَاِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا

عزیز موصوف سے ہمکو اب بھی اسی طرح محبت ہے، اور ان کے حق مین ہم اب بھی اسی طرح دعائے خیر کرتے ہین، اور ان کی اینٹ کے جواب مین ہم پتھر نہین مارنا چاہتے کہ

واذا رمیتُ یصیبنی سهمی،

جہالت و نادانی تو خیر ایسی چیز ہے کہ اسکی نسبت خود خدا کا فیصلہ ہے کہ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ، البتہ رجعت پسندی سے مقصود اگر مذہبی قدامت پسندی ہے تو ہم اس الزام کو فخراً قبول کرتے ہین، اور اگر سیاسی رجعت پسندی کی طرف اشارہ ہے تو یہ قطعاً بے بنیاد ہے وَاِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ،

کلکتہ سے ماڈرن ریویو کے مالک بابو رامانند چٹرجی کی ملکیت مین ہندی کا ایک رسالہ وشال بھارت نکلتا ہے، اور اسوقت وہ ہندی کے اوّل درجہ کے رسالون مین شمار ہوتا ہے، اسکے اپریل سنہ ۱۹۳۲ء نمبر مین ایک صاحب گیانند و صوفی مولوی فاضل کا ایک مضمون شائع ہوا ہے کہ کیا پراچین عرب نواسی ہندو تھے؟ اور اسکا جواب مختلف دلیلون سے اثبات مین دیا ہے، مگر افسوس کہ یہ تمام دلیلین پا در ہوا ہین، اگر ممکن ہوا تو اس مضمون کا مفصل جواب ہندی ہی مین شائع کرایا جائیگا، لیکن اچھا ہوتا کہ مولوی فاضل کسی مولوی فاضل والی زبان مین اپنی تحقیقات پیش کرتے کہ اسکو ہندی جاننے والون سے نہین بلکہ عربی و فارسی جاننے والون سے منوانا ہے،

پچھلے نمبر مین ہمنے اپنی سیرۃ النبی کے ترجمہ کی نسبت غلطی سے یہ لکھا تھا، کہ وہ مدراس کی ملیالم زبان مین ہے، حالانکہ وہ درحقیقت ٹامل مین ہے، چونکہ ہم اس زبان کو نہین جانتے اسلئے کتاب کی اصلی حیثیت کی نسبت کچھ نہین کہہ سکتے، مگر جہانتک فصول و ابواب اور فہرست کا تعلق ہے یہ کہہ سکتے ہین کہ شاید اردو کے علاوہ ہندوستان کی کسی صوبہ دار زبان مین اسکی مثال نہ ملسکی، حافظ محمد یوسف صاحب باقوی اور ان کے رفیق کار کو انکی اس کامیاب کوشش پر مبارکباد دیتے ہین، امید ہے کہ وہ سیرت کے اس ترجمہ کو مکمل کرینگے، یہ سنکر بھی خوشی ہوئی کہ موصوفین ہمارے رسالہ اہلسنت کا ترجمہ بھی ٹامل مین چھاپنا چاہتے ہین،

عربی رسالہ الضیاء لکھنؤ ہمارے عزیز مولوی مسعود عالم صاحب ندوی کے زیر ادارت نکل گیا، مضامین اگرچہ بہت بلند نہین ہین، تاہم عربیت کے لحاظ سے خاصہ بلند ہے، حسن ترتیب اور معنوی بلندی کی بھی بہت کچھ توقعات ہین اگر ضرورت

اسکی ہو کہ عربیت کے حامی اور شایق اسکی طرف توجہ کرین، کیا ملک مین پانچ سو بھی اس کے خریدار بہم نہ پہنچ سکینگے، یہ بھی ارادہ ہے کہ عربی کے نادر قلمی رسائل اور متوسط الحجم کتابین، تصحیح و تحشیہ کے بعد اس کے ساتھ شایع کیجائین، چنانچہ ہمارے فاضل دوست مولانا راغب بدایونی ریاضیات کا ایک نادر رسالہ اسکے لیے تیار کر رہے ہین، امید ہے کہ اسکے ذریعہ عربی کی قدیم قلمی کتابون کی اشاعت کا ایک مفید سلسلہ بھی پیدا ہو جائیگا، اور اس پر بھی رسالہ کی سالانہ قیمت وہی ستے رہیگی،

غازیپور مین حضرت شاہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان ایک مدت سے آباد ہے، اللہ تعالیٰ نے شرافت حسب و نسب کے ساتھ علم و دولت کو بھی اس خاندان مین جمع کر دیا ہے، اس خاندان کے ایک مشہور ممبر شاہ منیر عالم صاحب ہین جنکو بزرگون کے اندوختہ کی حفاظت کا بڑا شوق ہے، لوگون کو یاد ہوگا کہ الہ آباد مین بزرگون کی یادگار منشی غلام غوث صاحب بیخبر، میر منشی لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ، ایک بزرگ تھے، جنکے نام غالب مرحوم کے خطوط چھپے ہوئے ہین، ان کے پاس فارسی دواوین کا بڑا ذخیرہ تھا، یہ ذخیرہ جناب شاہ منیر عالم صاحب نے خرید لیا تھا، اور اس وقت ان کے پاس ہے، مجھے بھی شاہ صاحب کی عنایت سے اس ذخیرہ کی کچھ کتابین دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی، جنمین حسب ذیل چیزین قابل ذکر معلوم ہوئین، دیوان ملا سعید اشرف ماژندرانی، استاد زیب النسا بیگم، رسائل نعمت خان عالی، دیوان نوعی، رقعات حزین، دیوان کمال، دیوان کامل عرفی کلیات خواجہ میر اثر دہلوی مع مثنوی خواب و خیال، دیوان محتشم کاشی، دیوان ظہیر فاریابی، دیوان صائب، دیوان فاخر مکین مثنوی فارسی شہزادہ بلند اختر در قصہ مرگ معشوقہ خویش، سب سے بہتر چیز حافظ کا ایک دیوان ہے جسکو ملا معصوم ولد آقا ملا اسرائیل نے اکبر کے عہد مین ایران مین دس برس کی مدت مین مختلف قدیم نسخون سے مقابلہ کرکے صحیح کیا ہے، اس مین حافظ کے نام کی یہ غزل موجود نہین، ع آنچہ شوریست کہ در دور قمر می بینم "اس سے اس غزل کے الحاقی ہونے کا گمان ہوتا ہے،

مقالات

ہندوون کا ایک عجیب فرقہ

چند مہینون کا ذکر ہے کہ جونپور یا اعظم گڈھ کے کسی مقام سے چند ہندو جو سوناری کا پیشہ کرتے تھے تانبے کا ایک پتّر لیکر اس غرض سے میرے پاس آئے تھے کہ مین اس پتّر کی تحریر کو جو فارسی مین تھی پڑھکر اوس کا مطالب اون کو سمجھا دون، شاید یہ ضرورت کسی مقدمہ کے سبب سے اون کو پیش آئی تھی، اس زمانہ مین مین مصروف زیادہ تھا، اون کے اس پتّر کا فوٹو نہ لے سکا، البتہ اوسکی ایک نقل کراکر اپنے پاس رکھ لی،

یہ تحریر ۸۱۹ھ مین دار القضا دہلی مین رجسٹرڈ کرائی گئی، اور ۸۲۲ھ مین اسی مسی تختہ پر نقش کی گئی ہے، ۸۱۹ اور ۸۲۲ھ، سید بادشاہون کے خاندان کے بانی سید خضر خان بن ملک سلیمان کا زمانہ ہے، جس نے ۸۱۷ھ سے ۸۲۴ھ تک دلّی مین فرمانروائی کی، اس وقت کے دار القضاء کے قاضی کا نام اسکی مہر پر لطیع اللہ علوی، اور مفتی کا نام بطور گواہ کے رحیم اللہ ہے، اسی طرح وسط تحریر مین سرکار شاہی کے خزانچی کا نام منّی رام سیٹھ ہے، اور بطور گواہ کے دوسرا نام ونیدیال دیوان سرکار شاہی کا ہی، اس سی معلوم ہوتا ہی، کہ ہندوستان کا خزانہ اس عہدِ قدیم مین بھی ہندو بھائیون ہی کے ہاتھون مین تھا،

اس تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ متعدد ہندو جو شاہی چوبدار تھے، کسی سرکاری الزام مین ماخوذ ہوئے، اور اون کو توپ سے اوڑا دینے کا حکم ہوا، مگر شاہی خزانچی سیٹھ منی رام نے اپنے گرو نند جی رام چوبے ساکن جونپور کے اشارہ سے بادشاہ کے حضور مین ان کی سفارش کی، جو منظور ہوئی، لیکن یہ حکم ہوا کہ یہ ہتھیار نہ باندھین زنار

نہ پہنین، اور اپنا پیشہ اور قومیت بدل لین، اور سوناری کا پیشہ اختیار کرین، لیکن چونکہ انکی معافی گروجی کے ذریعہ سے ہوئی تھی، اس لئے یہ شرط ٹھہری کہ یہ لوگ گروجی کے مرید بن جائین، اور سنسکار (مراسم) ادا کرکے کشب گوت بن جائین، اور درگاجی کا زنار باندھین، اور نترو کنٹھی پہنین، اور ہر شادی مین زنار بندی کے وقت عہر اور پیشہ شروع کرتے اور دکان کھولتے وقت عہر اور ہر سال ساون سودی ایکادشی مین گروجی کے نذر کیا کرین گے، اور یہ معاہدہ گروجی اور ان کے ان مریدون مین نسلاً بعد نسلٍ قائم رہے گا، چنانچہ وہ آج تک قائم ہے،

اس تمہید کے بعد اوس منقوش تحریر کی نقل ذیل مین درج کیجاتی ہے:۔

اقرار صحیح شرعی نمودند حروف مکلفون مجروں باسمائ (؟) دتا سم سینون نول سنگہ رام تولی رگھوبنسی ساکن تولارام پور و پرتاب سنگہ ٹھاکر سورج بنسی ساکن ٹھاکر پورہ و بہادر سنگہ نوگریا گوتم ساکن نوگھٹیا ڈیہہ و انوپ سنگہ ترد ڈا در گنبین ساکن سنگر پور تاڑا و تھال سنگہ الری موبھگوتی ساکن الدی موپچا دہاو گلاب سنگہ بنودھیا گرگ بنسی ساکن بنو دہا گھاٹ و درشن سنگہ انگوریا چندیل ساکن انگوری گانون و جگت سنگہ رجگھیا پوار ساکن راج گھاٹی و ظالم سنگہ نوتنکی بیس ساکن نوسنگ پور ادنچا و فتح سنگہ بنول رجوار ساکن پھولمان پور پوادھا، و مادھو سنگہ تانتا بیس ساکن تانتی مود و نواز سنگہ پہا کا کوسک ساکن سلکی پور کہالی چودہاران بدین معنی کہ مایان بوقوع قصور از خدمت خود ہا کہ پیسر کار حضرت شاہی خلد اللہ ملکہ داشتیم برطرف شدہ بانتزاع اسلحہ بندی و زنار بندی و تبدیل قومیت و پیشہ و کشاد کرییمی کچھ حالا ماذون پیشہ زرگری شدہ

آوارہ و سرگردانیم چون شفاعت و جان بخشی مایان از دم توبہ محض یمن انفاس متبرکہ نیات گروجی تندرام چوبی ساکن جونپور ذریعہ ایمائے جناب شان بمنی رام سیٹھ خزانچی سرکار شاہی کہ او ہم یکے از معتقدان گروجی صاحب ست گردید لاجرم بصدق نیت از روی حلف بحلقہ ارادت گروجی صاحب در آمدیم و پس از سنسکار ما ہمہ را بہ کشب گوت نامیدِ زنار درگاجی و منتر و کنٹی بمایان ارزانی فرمودند کہ ہنگام عروسی بر بندیم پس بمایان واجب است کہ چنین زنار بندی درگاجی وقت شادی عروسی عہ دہنگام تجدید و شروع پیشہ معیشت دوکانداری خود ماعہ نقد و ۲۱ شیرینی و نیز در ہر سالی بروز ساون سودی ایکادشی عہ بطریق نذرانہ پیشکش آستان گروجی نمودہ مطیع و منقاد بہ حلقہ ارادت کیشان ایشان باشیم نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن ہرکیکہ در اولاد و احفاد مایان و اولاد گروجی باشد نوعی تخلف نورزیم والا عاصی شویم و این توثیق عہود بہ نقش تختہ مسی سوگند ارادت در ۲۲سنہ بمقام دارالسلطنت دہلی مکمل گردیدہ کہ عندالحاجت مستند باشد، بقلم کاشی ناتھ،،

نفسیات ترغیب

کسی انسان کو کسی کام یا چیز یا تحریک کے لئے ہم کیونکر آمادہ کر سکتے ہین، اور اوس کو ترغیب اور شوق دلا سکتے ہین، اس کے نفسیاتی اصول کیا ہین، اور اس کتاب مین انھین اصول کی تشریح ہے، تجارت، اشتہارات، اور تقریر و وعظ مین ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہے، اسلئے تجارت کے مشتہرین، واعظین، مدرسین اور وکلا، سب کو اس کتاب کی ضرورت ہے، ضخامت ۱۱۲ صفحے قیمت:- عہ

"منیجر"

عبادت

از

مولوی ابو الاعلی صاحب مودودی مصنف الجہاد فی الاسلام

انسان کے مذہبی تصورات مین عبادت کا تصور سب سے پہلا اور اہم تصور ہے، بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ مذہب کا بنیادی تصور عبادت ہی ہی، یہی وجہ ہے کہ آجتک نوع انسانی کے جتنے مذاہب کا پتہ چلا ہے، عام اس سے کہ وہ انتہا درجہ کی وحشی اقوام کے اوہام ہون، یا اعلی درجہ کی متمدن اقوام کے پاکیزہ معتقدات، ان مین سے ایک بھی عبادت کے تخیل و تصور سے خالی نہین ہی۔ آثار قدیمہ کی تلاش و جستجو کے سلسلہ مین پرانی سے پرانی قومون کے جو نشانات ملے ہین وہ اس امر کی شہادت دے رہے ہین کہ گو وہ قومین عقل و شعور کے بالکل ابتدائی درجو مین تھین، لیکن اس حالت مین بھی انھون نے اپنی بساط کے مطابق کسی نہ کسی معبود کو ڈھونڈھ لیا ہے اور کوئی نہ کوئی طریق عبادت ضرور اختیار کیا ہے، قدیم قومون کو جانے دیجئے، آج بھی بہت سی انسانی جماعتین زمین کے مختلف گوشون مین موجود ہین جو عقلی و ذہنی اعتبار سے اپنی نوع کے ابتدائی ادوار کی نمایندگی کرتی ہین، ان کے حالات کا مطالعہ کرنے والون نے گواہی دی ہو کہ ان مین مشکل ہی سے کوئی ایسی جماعت دیکھی گئی ہے جو عبادت کے تصور سے کلیۃً خالی ہو، پس یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہو کہ انسان قدیم ترین وحشت و بداوت سے لیکر جدید ترین تہذیب و حضریت تک جتنے مدارج سے گذرا ہے، ان مین سے ہر درجہ مین عبادت کا تصور اس کے ساتھ ساتھ رہا ہے، گو اس کے مظاہر اور اشکال مین بیشمار تغیرات و اختلافات رونما ہوئے ہین،،

غور کرنا چاہیئے کہ ایسا کیون ہے؟ کیا وجہ ہو کہ یہ خیال سارے بنی آدم پر حاوی ہے اور تمام زمانون مین

باوجود اختلافِ احوال یکسان حاوی رہا ہے؟ کیا یہ بالارادہ اختیار کیا گیا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو ساری نوع کا
اس کا اس طرح حاوی ہوجانا غیر ممکن تھا، کیونکہ بالارادہ اختیار کی ہوئی چیزون مین کبھی کامل اتفاق نہین ہوتا ا
اور نہین ہو سکتا، انسان کی اپنی اختیار کردہ چیزون مین ایک بھی ایسی نہ ملے گی جس کے اندر ہر مرتبہ اور ہر دور
کی تمام انسانی جماعتین یکسان مشترک ہون، اور یہ کسی طرح متصور نہین ہے کہ ہر زمانہ کے آدمیون نے ایک
عالمگیر انسانی کانفرنس کرکے باہم یہ ٹھہرا لیا ہو کہ وہ کسی نہ کسی کی عبادت ضرور کرین گے، خواہ معبود مختلف اور طریقہائے
عبادت بے شمار ہون، پھر جب یہ چیز اختیاری نہین ہو سکتی تو لامحالہ یہ ماننا پڑیگا، کہ عبادت کا جذبہ انسان کے اندر
ایک فطری جذبہ ہے، جس طرح انسان کو بھوک فطری طور پر لگتی ہے اور اس کو فرو کرنے کے لیے وہ غذا کو تلاش
کرتا ہے، جس طرح اُسے سردی اور گرمی فطری طور پر محسوس ہوتی ہے، اور اس سے بچنے کے لیے وہ سایہ اور
لباس کو ڈھونڈتا ہے، جس طرح اداے مافی الضمیر کی خواہش اُسمین فطری طور پر پیدا ہوتی ہے اور اسے پورا کرنے
کے لیے وہ الفاظ و اشارات بہم پہنچاتا ہے، بالکل اسیطرح عبادت کا جذبہ بھی انسان مین فطری طور پر پیدا ہوتا ہے
اور اسکی تسکین کے لیے وہ کسی معبود کو تلاش کرتا اور اس کی بندگی کرتا ہے، مگر جیسا کہ ہم بھوک، اور احساس سردی
و گرمی، اور خواہش اداے مافی الضمیر کے معاملہ مین دیکھتے ہین، فطرت کا اثر زیادہ تر اس مجرد داعیہ کی حد تک رہتا ہے

ل؎ معترض کہہ سکتا ہے کہ ایسے افراد بکثرت پائے جاتے ہین، اور ایسی جماعتین بھی موجود ہین اور تقریبًا ہر زمانہ مین موجود
رہی ہین جن کا کوئی مذہب نہین ہے اور جو عملاً و اعتقادًا کسی کی عبادت نہین کرتین، اس کا جواب یہ ہے کہ
جس طرح مخنثون کی ایک کثیر جماعت کا موجود ہونا اس بات کے ثبوت مین نہین پیش کیا جاسکتا کہ جذبۂ شہوت
ایک فطری جذبہ نہین ہے، یا جس طرح مجردون اور راہبون کے ایک بڑے گروہ کا وجود اس دعوے کا ثبوت
نہین بن سکتا کہ ازدواج کی خواہش ایک فطری خواہش نہین ہے، اسی طرح ایسے افراد یا جماعتون کا موجود ہونا،
جن کے اندر مخصوص اسباب کے تحت عبادت کا فطری جذبہ مردہ یا بے حس ہوچکا ہے، اس ادعا کی دلیل نہین
بن سکتا کہ انسان مین عبادت کا جذبہ ایک فطری جذبہ نہین ہے،

جوانسان کو غذا، سایہ، لباس اور ذریعۂ کلام کی تلاش پر مجبور کرتا اور جسم کے ان اعضا کو جو ان کاموں سے متعلق ہیں، حرکت دینے پر ابھارتا ہے، اور اسی حد تک تمام انسانوں میں اشتراک بھی پایا جاتا ہے، اس کے آگے فطرت کا اثر کمزور اور خود انسان کا اپنا اختیار غالب ہوجاتا ہے، اور یہیں سے وہ بیشمار اختلافات شروع ہوتے ہیں، جو غذا، مکان، لباس، زبان، اور اشارات وعلامات کی مختلف صورتوں اور ہیئتوں کے اعتبار سے ہر زمانہ کی مختلف قوموں اور جماعتوں میں پائے گئے ہیں، قریب قریب یہی حال جذبۂ عبادت کا بھی ہے کہ وہ فطری طور پر انسان کو بندگی و پرستش پر مجبور کرکے چھوڑ دیتا ہے، اور پھر یہ خود انسان کا اپنا کام ہوتا کہ اس جذبہ کی تسکین کے لیے کوئی معبود تلاش کرے اور اس کی عبادت کا کوئی طریقہ نکالے، اور اس اختیار کی حد پر پہنچکر معبودوں اور عبادت کے طریقوں میں وہ اختلاف شروع ہوتا ہے، جو انسان کی اختیار کی ہوئی تمام چیزوں میں پھیلا ہوا ہے، گو اس معاملہ میں بھی فطرت کی رہنمائی انسان کا ساتھ بالکل نہیں چھوڑتی، جس طرح غذا اور لباس وغیرہ فطری مطلوبات کے انتخاب میں نہیں چھوڑتی ہے، لیکن یہ رہنمائی اتنی دھندلی اور خفی ہوتی ہے کہ اس کا ادراک کرنے کے لیے نہایت لطیف و نازک شعور کی ضرورت ہوتی ہے، جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے،

آیئے اب ہم یہ سراغ لگائیں کہ اس فطری داعیہ کا سر رشتہ کہاں سے ملتا ہے؟ اس کشش کا مرکز کہاں ہے، جو انسان کو عبادت کے لیے کھینچتی ہے؟ وہ کونسی قوتیں ہیں جو اسے معبود کی تلاش اور اس کی عبادت پر ابھارتی ہیں؟ اور وہ کیا رہنمائی ہے جو اس تلاش معبود میں ہم کو خود فطرت سے حاصل ہوتی ہے؟ اس کیلئے ہم کو سب سے پہلے خود عبادت کی حقیقت پر غور کرنا چاہئے، کہ اس کے بغیر ان سوالات کا حل مشکل ہے،

عبادت کا تصور دراصل ایک جامع تصور ہے جو دو ذیلی تصورات کے امتزاج سے مکمل ہوتا ہے، ایک بندگی، دوسرے پرستش، بندگی کے معنی ہیں کسی بالاتر قوت کی بڑائی تسلیم کرکے اسکی فرمانبرداری اور اطاعت کرنا، اور پرستش کے معنی ہیں کسی بالاتر ہستی کو پاک، مقدس اور بزرگ سمجھکر اس کے آگے سرنیاز جھکا دینا،

اور اسے پوجنا، ان مین سے پہلا تصور عبادت کا ابتدائی اور بنیادی تصور ہے، اور دوسرا تصور انتہائی اور تکمیلی پہلا زمین کی حیثیت رکھتا ہے، اور دوسرا عمارت کی، اسلیے ہمین اپنی تحقیق کی ابتدا پہلے تصور سے کرنی چاہئے،

بندگی یا فرمانبرداری واطاعت ہمیشہ اس قوت کے مقابلہ مین کیجاتی ہے جو بندگی کرنے والے پر قہر وغلبہ اور قدرت واستیلار رکھتی ہو، اور بندے یا مطیع مین اس کے حکم سے سرتابی کا یارا نہ ہو، اسکی ایک محدود شکل تو وہ ہے جو آقا اور نوکر کے درمیان ہم عموماً دیکھتے ہین، لیکن اس سے زیادہ وسیع تصور کے لیے سب واضح تر مثال وہ بندگی ہے جو رعایا اپنی حکومت کی کرتی ہے، حکومت کوئی مادی شے نہین، نہ محسوس و مشاہد چیز ہے، ایک نظام وضابطہ کی بندش ہے، جس کا غلبہ واستیلار لاکھون کرورون آدمیون پر حاوی ہوتا ہے، رعایا اس کے قانون پر طوعاً وکرہاً چلتی ہے، لوگ اپنے گھرون مین، کسان اپنے کھیتون مین، اور مسافر دور دراز جنگلون مین، جہان بظاہر حکومت کا زور جتانے والی کوئی چیز موجود نہین ہوتی، اس کے قوانین کی اطاعت کرتے ہین، اور اس کے حدود اختیار مین رہ کر جو شخص اس کے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے، وہ سزا پاتا ہے اور زیادہ شدید نافرمانی کی صورت مین اس کے تمام وہ حقوق سلب ہوجاتے ہین، جو رعیت ہونے کی حیثیت سے اسکو حاصل تھے، اس لحاظ سے جس قدر لوگ کسی حکومت کے حدود مین رہتے ہین اور اس کے قوانین کی پابندی کرتے ہین، ان کے متعلق ہم کہا کرتے ہین کہ فلان حکومت کی فرمانبرداری واطاعت کر رہے ہین، اور اگر ہم ان الفاظ کی جگہ مذہبی اصطلاح رکھدین تو کہہ سکتے ہین کہ وہ اسکی بندگی وعبادت کر رہے ہین،

اب اس تصور کو اور زیادہ وسیع کیجئے، اور کائنات پر نظر ڈالیے، تو معلوم ہوتا ہے کہ سارا عالم اور اس کا ایک ایک ذرہ ایک زبردست نظام مین جکڑا ہوا ہے، اور ایک قانون ہے جس پر خاک کے ایک ذرہ سے لیکر آفتاب عالمتاب تک ساری کائنات طوعاً وکرہاً عمل کر رہی ہے، کسی شے کی یہ مجال نہین ہے کہ اس قانون کے خلاف چل سکے، اور جو چیز اس سے ذرہ برابر سرتابی کرتی ہے، وہ فساد اور فنا کی شکار ہوجاتی ہے،

یہ زبردست قانون جو انسان، حیوان، درخت، پتھر، ہوا، پانی، اجسام ارضی، اور اجرام فلکی سب پر یکساں حاوی ہے، ہماری زبان مین قانون فطرت یا قانون قدرت کہلاتا ہے، اس کے ماتحت جو کام جس چیز کے سپرد کر دیا گیا ہے وہ اس کے کرنے مین مشغول ہے، ہوائین اس کے اشارے پر چلتی ہین، بارش اسکے حکم سے ہوتی ہے، پانی اس کے فرمان سے بہتا ہے، سیارے اس کے ارشاد سے حرکت کرتے ہین، غرض اس تمام کائنات مین جو کچھ ہو رہا ہے، اسی قانون کے ماتحت ہو رہا ہے، اور ہر ہر ذرہ اسی کام مین لگا ہوا ہے، جس پر اس قانون نے اسے لگایا ہے، جس چیز کو ہم زندگی، بقا اور کون کہتے ہین وہ دراصل نتیجہ ہے اسی قانون کی اطاعت کا، اور جس چیز کو ہم موت، فنا اور فساد کہتے ہین، وہ حقیقۃً وبال ہے، اسی قانون کی خلاف ورزی کا، دوسرے الفاظ مین ہم کہہ سکتے ہین کہ ہر شے جو زندہ اور باقی ہے وہ اس قانون کی اطاعت کر رہی ہے، اور کائنات عالم مین کوئی شے زندہ اور باقی رہ ہی نہین سکتی جبتک کہ وہ اس کی اطاعت نہ کرے

لیکن جسطرح حکومت کی مثال مین ہم دیکھتے ہین کہ قانون کی اطاعت دراصل قانون کی اطاعت نہین ہے، بلکہ اس حکومت کی اطاعت ہے جس نے اپنے قہر و غلبہ سے وہ قانون نافذ کیا ہے، اور حکومت کا نظم و ضبط قائم کرنے کے لیے لامحالہ ایک حاکم، ایک مرکزی فرمانروا، ایک مقتدر اعلیٰ ہستی کا وجود ضروری ہوتا ہے، بالکل اسی طرح قانون فطرت کی اطاعت بھی دراصل اس قاہر و غالب حکومت کی اطاعت ہے جو اس قانون کو بنانے اور اس کو زور و قوت سے چلانے والی ہے، اور یہ حکومت ایک فرمانروا کے دست قدرت مین ہے، جس کے بغیر اتنا بڑا عالم گیر نظام ایک لمحہ کے لیے بھی نہین چل سکتا، یہان اگر ہم پھر قانونی لفظ اطاعت کو مذہبی اصطلاح عبادت سے بدل دین اور لفظ حاکم کی جگہ اللہ یا خدا کا لفظ رکھدین تو یہ کہہ سکتے ہین کہ ساری کائنات اور اس کی ہر ہر چیز اللہ کی عبادت کر رہی ہے، اور یہ ایسی عبادت ہے جس پر ہر شے کے وجود و بقا کا انحصار ہے، کائنات کی کوئی شے اور مجموعی طور پر تمام کائنات اللہ کی عبادت سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہین ہو سکتی، اور اگر غافل ہو جائے تو ایک لمحہ کے لیے بھی باقی نہین رہ سکتی،

قرآن مجید میں اس بندگی کو کہیں عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے، کہیں تسبیح و تقدیس سے، کہیں سجود سے اور کہیں قنوت سے، چنانچہ جگہ جگہ اس مضمون کی آیات آئی ہیں،

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۵۱-۳)

میں نے جن اور انسان کو اسی لیے پیدا کیا ہو کہ میری عبادت کریں،

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قَانِتُوْنَ۔ (۳۰-۳)

آسمان اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں سب خدا ہی کی ہیں اور اسی کے حکم کے آگے جھکی ہوئی ہیں،

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ (۲۱-۲)

آسمان اور زمین میں جسقدر مخلوقات ہیں اور جو اس کے پاس ہیں سب اسی کے ہیں، وہ اسکی عبادت سے سرتابی نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں، رات دن اس کی تسبیح میں لگے ہوے ہیں اور کبھی اس سے کاہلی نہیں کرتے،

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۶۲-۱)

آسمان اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی ہیں، وہ بادشاہ ہے، پاک، غالب، اور صاحب حکمت،

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ (۲۴-۵)

کیا تو نہیں دیکھتا کہ جس قدر مخلوق آسمان اور زمین میں ہے اور جو پرندے پر پھیلاے اڑ رہے ہیں، سب اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں سب اپنی نماز اور اپنی تسبیح کا طریقہ جانتے ہیں اور زمین و آسمان کی حکومت اللہ ہی کے ہاتھ

یعنی صلوٰۃ سے اوپر کی طرف اشارہ ہے

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (۱۷-۵)	ساتون آسمان اور زمین اور جو کچھ چیزین انمین ہین انکی تسبیح کر رہی ہین، اور کوئی چیز نہین ہے جو اس کی حمد کے گیت نہ گاتی ہو، مگر تم انکی تسبیح کو سمجھتے نہین ہو،
اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۔ (۵۵-۱)	سورج اور چاند ایک حساب سے چکر لگا رہے ہین اور تارے اور درخت سجدہ مین ہین

"کیا[1] ان لوگون نے خدا کی مخلوق مین سے کسی چیز کی طرف نظر نہین کی، جنکے سایے داہین اور باہین جھکتے ہین، گویا اللہ کے آگے سربسجود ہین اور اظہار عجز کر رہے ہین، اور جتنے جاندار اور ملائکہ آسمانون اور زمین مین ہین سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہین اور اس کے حکم سے سرتابی نہین کرتے، اور اپنے رب سے جو بالاتر ہے ڈرتے ہین اور جو ان کو حکم دیاجاتا ہے وہی کرتے ہین" (۱۶-۵)

"کیا تو نہین دیکھتا کہ جو مخلوق آسمانون مین ہے اور جو زمین مین ہے اور چاند اور سورج اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے نیک آدمی اور بہت سے وہ بھی جو اپنی نافرمانی کی وجہ سے مستحق عذاب ہو چکے ہین، سب کے سب اللہ کے آگے سربسجود ہین" (۲-۲۲)

"زمین اور آسمان مین جسقدر چیزین ہین سب طوعًا و کرہًا اللہ ہی کو سجدہ کر رہی ہین" (۱۳-۲)

یہ عبادت، یہ سجود، یہ تسبیح، یہ قنوت تمام جاندار اور بے جان، ذی شعور اور بے شعور چیزون پر یکسان حاوی ہے، اور انسان بھی اس پر اسی طرح مجبور و مجبول ہے جس طرح مٹی کا ایک ذرہ، پانی کا ایک قطرہ اور گھانس کا ایک تنکہ، انسان خواہ وہ خدا کا قائل ہو یا منکر، خدا کو سجدہ کرتا ہو یا کسی پتھر کو، خدا کی پرستش کرتا ہو یا غیر خدا کی، جب تک وہ قانون فطرت پر چل رہا ہے اور اس قانون کے ماتحت زندہ ہے، بغیر جانے بوجھے

[1] ان آیات کے اصل الفاظ مین نے اسلیے نقل نہین کیے کہ انکے پڑھنے اور سننے اور لکھنے اور دیکھنے والون پر سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے؛

بلا عمد و اختیار، طوعاً و کرہاً خدا کی عبادت کر رہا ہے، اسی کے سامنے سر بسجود ہے، اور اسی کی تسبیح مین لگا ہوا ہے اس کا چلنا پھرنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، سب اسی کی عبادت ہے، اور چاہے وہ اپنے اختیار سے کسی اور کی عبادت کر رہا ہو، اور اپنی زبان سے کسی اور کی بندگی و اطاعت کا اقرار کر رہا ہو، مگر اس کا رونگٹا رونگٹا اسی خدا کی عبادت مین مشغول ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے، اس کا خون اسی کی عبادت مین چکر لگا رہا ہے اسکا قلب اسی کی عبادت مین حرکت کر رہا ہے، اس کے اعضا اسی کی عبادت مین کام کر رہے ہین، اور خود اسکی وہ زبان جس سے وہ خدا کو جھٹلاتا ہے، اسی کی عبادت مین چل رہی ہے،

اس عبادت کا صلہ یا اجر خدا کی طرف سے اُسے کیا ملتا ہے؟ فیضانِ وجود، رزق، اور قوت بقا، جتنی چیزین خدا کے قانون پر چل رہی ہین، اور اس کے مطابق حرکت کرتی ہین، وہ زندہ اور باقی رہتی ہین اور انھین وسیلۂ بقا عطا کیا جاتا ہے جسے ہم اپنی بولی مین "رزق" کہتے ہین، اور جو چیزین اس کے قانون کے مطابق عمل کرنا چھوڑ دیتی ہین ان پر فساد مسلط ہو جاتا ہے، ان کا رزق بند ہو جاتا ہے، اور وہ فیضانِ وجود سے محروم ہو جاتی ہین، یہ معاملہ کائنات کی ہر چیز کے ساتھ ہو رہا ہے، اور اس مین شجر و حجر، حیوان و انسان اور کافر و شاکر کے درمیان کوئی امتیاز نہین ہے،

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا (۱۱-۱)

کوئی چیز زمین مین چلنے والی ایسی نہین ہے جسکا رزق اللہ کے ذمہ نہو اور اللہ اسکے ٹھکانے اور اسکے سونپے جانے کی جگہ جانتا ہے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ (۳۵-۱)

لوگو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو تمھین آسمان اور زمین سے رزق عطا کرتا ہو؟ وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہین ہے، پھر تم

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (۶۷-۲)

وہی ہے جس نے زمین کو تمھارے لیے مطیع و مسخر بنا دیا، پس تم اس کے اوپر چلو اور اسکا رزق کھاؤ،

اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ، (۲۷-۵)

کون ہے جو مخلوقات کو اوّل پیدا کرتا ہے اور پھر ویسی ہی مخلوق بار بار لاتا ہے؟ اور کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے! کیا خدا کیساتھ کوئی اور خدا شامل ہے؟ اگر تم سچے ہو تو

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ، مَا یُمْسِکُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ، اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّکُمْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ، اِنِ الْکٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ، اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُکُمْ اِنْ اَمْسَکَ رِزْقَهٗ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ، (۶۷-۲)

کیا یہ لوگ پرندوں کو اپنے اوپر نہیں دیکھتے کہ پر پھیلاتے اور سکڑتے ہوے اڑ رہے ہیں؟ رحمٰن کے سوا کوئی نہیں ہے جو ان کو سنبھالتا ہو، وہ ہر چیز کی دیکھ بھال کرنے والا ہے اور یہ اگر رحمٰن نہیں تو اور کون ہے جو تمھارا لشکر بنکر تمھاری مدد کرتا ہے؟ مگر ناشکرے لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، اور اگر وہ اپنا رزق دینا بند کر دے تو وہ کون ہے جو تمھیں دیسکتا ہو؟ مگر کافر سرکشی و سرتابی پر جمے ہوئے ہیں،

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جسطرح انسان اپنی اس بندگی میں دوسری اشیاء کے ساتھ مساوی ہے، اسی طرح اس کے اجر و معاوضہ میں بھی وہ مساوی رکھا گیا ہے، انعام کی صورتوں کا فرق جو کچھ بھی ہے وہ دراصل استعداد اور حاجتوں کی نوعیت کے فرق پر مبنی ہے، لیکن صورتوں سے قطع نظر کر کے

اگر حقیقت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے، کہ جسطرح ایک درخت، ایک جانور، ایک چڑیا، ایک گھانس کی پتی کی احتیاج واستعداد کے مطابق اللہ اسکی دیکھ بھال، اس کی خبرگیری، اسکی مدد کرتا ہے، اور اسے رزق پہنچاتا ہے، اسی طرح انسان کی بھی احتیاج واستعداد کے مطابق اس پر انعام فرماتا ہے، اس بارے مین انسان کو ادنی ترین مخلوقات کے مقابلہ مین اگر کوئی فضیلت ہے تو وہ محض صورتِ انعام کے اعتبار سے ہے، نہ کہ حقیقتِ انعام کے اعتبار سے، ایک بڑے سے بڑا منعم انسان جو آرام اپنی پھولون کی سیج پر محسوس کرتا ہے، وہی آرام ایک چھوٹا سا پرندہ اپنے گھاس پھونس کے گھونسلے مین محسوس کرتا ہے، پھولون کی سیج، تنکون کے گھونسلے پر لاکھ فخر کرے، مگر حقیقت مین گھونسلا والے کی استعداد کے مطابق اس کی احتیاج اس طرح پوری کیگئی ہے جس طرح پھولون کی سیج پر سونے والے کی استعداد کے مطابق اس کی احتیاج پوری کیگئی ہے، اس حیثیت سے دونون پر خدا کا انعام یکسان ہے، پھر یہ معاملہ کافر وشاکر، اور مومن ومشرک کیساتھ بھی یکسان ہے، جو لوگ خدا کے منکر ہین اور اس کی پرستش نہین کرتے، جو اس کے ساتھ اسکی مخلوق کو شریک کرتے ہین، جو شجر وحجر کو اس کا مد مقابل بناتے ہین، ان پر بھی رزق اور فیضان وجود، اور حفاظت وخبرگیری کا انعام اسی طرح ہوتا ہے جس طرح پکے موحدون اور خدا پرستون پر ہو رہا ہے، بلکہ اگر قانون فطرت کی پیروی یا بالفاظ دیگر فطری عبادت مین ایک کافر مومن سے بڑھا ہوا ہے، تو اس عبادت کا صلہ بھی کافر کو مومن سے بہتر صورت مین عطا ہوتا ہے، خواہ وہ حقیقت بین نگاہ مین متاع غرور ہی کیون نہ ہو،

اب یہ سوال بآسانی حل ہو جاتا ہے کہ انسان مین عبادت کا جذبہ فطری طور پر کیون پیدا ہوتا ہے؟ اور وہ کیون اپنے معبود کو تلاش کرتا ہے؟ جب کہ ساری کائنات اور اسکی ہر چیز ایک غالب وقاہر فرمانروا کی بندگی کر رہی ہے، اور خود انسان کا ایک ایک رونگٹا اسکی عبادت مین لگا ہوا ہے، اور وہ تمام عناصر جن سے انسان مرکب ہے اس کے آگے سربسجود ہین، اور ان عناصر کی ترکیب اسی کے فرمان سے ہوئی ہے، اور انسان کا وجود ہر آن اسی کی بندگی پر منحصر ہے، تو آپ سے آپ بندگی وعبودیت انسان کی سرشت مین داخل ہوگئی ہے، گو وہ اس طاقت کو

نہین دیکھتا جس کا وہ بندہ ہے، نہ دنیوی حکومتون کیطرح اس طاقت کے عامل اور نمایندے اس کے سامنے آتے ہین، مگر چونکہ وہ بندہ پیدا ہوا ہے، اور بلا ارادہ ہر وقت بندگی کر رہا ہے، اور اس کے مالک کی حکومت نے ہر طرف سے اس کو اور اس کے گردوپیش تمام چیزون کو جکڑ رکھا ہے، اس لیے فطری طور پر اس کے اندر ایک نیازمندی، ایک نیایش وگرایش، ایک پرستش و عبودیت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور اس کا دل بے اختیار کسی معبود کو تلاش کرتا ہے، کہ اس کی حمد وثنا کرے، اس کی بڑائی بیان کرے، اس کے آگے اپنی بندگی و عقیدت پیش کرے، اور اس سے اپنی حاجتون مین مدد مانگے، یہی سرشت ہے، جس نے ابتداے آفرینش سے انسان کو تلاشِ معبود پر مجبور کیا ہے، اس کی تحریک پر اس نے ہمیشہ پرستش کی کوئی نہ کوئی شکل اختیار کی ہے، اور یہی وہ عنصر ہے، جس سے مذہب کی پیدایش ہوئی ہے،

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، فطرت نے ہر معاملہ مین انسان کے اندر ایک مجرد طلب، ایک خواہش، ایک کشش پیدا کر کے اس کو چھوڑ دیا ہے کہ اپنے مطلوب کو خود تلاش کرے، اور اس مقام پر پہنچکر انسان کو مشکلات پیش آئی ہین، اور اس نے اپنی عقل و استعداد، اپنی قوت تمیز کی رسائی، اور اپنے ذوق و وجدان کی صلاحیت کے مطابق اپنے لیے مختلف راستے نکال لیے ہین، جو آج نوع انسانی کے تمدن اور معاشرت کی گوناگونی مین ہم دیکھ رہے ہین، اس مین شک نہین کہ اس تلاش و جستجو اور اختیار و انتخاب مین فطرت نے کبھی اس کا ساتھ بالکل نہین چھوڑا ہے، مگر اس کی رہنمائی اتنی دھندلی اور خفی ہے، کہ معمولی عقل و ادراک کا انسان اس کے اشارون اور اس کی ہدایتون کو سمجھنے سے قاصر رہا ہے، اور اسی وجہ سے اکثر اس کا اختیار و تمیز صحیح راستے کی تلاش مین ناکام ہوا، اور ہواے نفس اسکو غلط راستون پر لے گئی ہے، مثال کے طور پر غذا کی خواہش پیدا کرنے سے فطرت کا منشا یہ تھا کہ انسان ایسا مواد اپنے جسم کو مہیا کرے جس سے وہ زندہ رہ سکے اور اسے تحلیل شدہ اجزاء کا بدل حاصل ہو، مگر انسان اس خوردن براے زیستن کی حقیقت کو نہ سمجھا، کھانے سے اسکو جو لذت حاصل ہوئی، اسی کو وہ اصل مقصود سمجھ بیٹھا، اور ہواے نفس اسکو زیستن براے خوردن کی غلط فہمی مین مبتلا کر کے فطرت کے

منشا سے دور ہٹالے گئی، اسی طرح لباس پہننے اور مکان بنانے کی خواہش دراصل موسمی اثرات سے جسم کو محفوظ رکھنے کے لیے پیدا کیگئی تھی، مگر ہوائے نفس نے اسکو زینت و آرایش اور اظہار شان و ترفع کا ذریعہ بنا لیا، اور انسان فطرت کے منشا سے تجاوز کرکے انواع و اقسام کے نفیس لباس اور عالی شان محل بنانے لگا، یہی حال ان تمام داعیات فطرت کا ہوا ہے جنھون نے انسان مین مختلف چیزون کی طلب پیدا کی، اور اس نے فطرت کے منشا کو نہ سمجھ کر، یا بسا اوقات سمجھنے کے باوجود نظر انداز کرکے اپنے اختیار سے اس طلب کو پورا کرنے کے لیے وہ مختلف ڈھنگ اور طریقے نکال لیے جو فطرت کے اصل مقصود سے زائد اور بہت سے معاملات مین اس کے خلاف تھے، پھر یہی چیزین اگلون سے پچھلون تک تمدن و تہذیب، رسم و رواج، اور آداب و اطوار بنکر پہنچین، جنکی گرفت نے بعد کی انسانی نسلون کو ایسا جکڑا کہ فطرت کی رہنمائی کو سمجھنا تو در کنار ان کے لیے اپنے اختیار تمیزی کو استعمال کرنے کے مواقع بھی کم رہگئے، اور اسلاف کے طریقون نے مقدس قوانین بنکر ان کو تقلید و پیروی کے راستے پر ڈال دیا، حالانکہ فطرت جسطرح پہلے انسان کو لطیف اشارے اور ہدایتین دے رہی تھی اسی طرح آج بھی دے رہی ہے، اور ہمیشہ دیتی رہیگی، جنھین عقل سلیم تھوڑے یا بہت اجتہاد سے ہر وقت سمجھ سکتی ہے،

تلاش معبود کی فطری خواہش کے ساتھ بھی کچھ اسی قسم کا معاملہ پیش آیا ہے، جب انسان نے عبادت کے جذبہ سے بے چین ہوکر اپنے لیے کسی معبود کو ڈھونڈنا شروع کیا، تو فطرت نے اُسے لطیف اشارات دیئے کہ تیرا معبود وہ ہے جس نے تجھے پیدا کیا ہے، جو تجھ سے بالاتر ہے، جس کی قوت کے سامنے تو عاجز ہے، جو ہر چیز پر غالب ہے، جو تجھے اور ہر جاندار کو روزی دیتا ہے، جو اپنے حسن و جمال اور خوبی و رعنائی کی بنا پر ہر طرح تیری مدح و ستایش کا مستحق ہے، جس کا نور تجھے اور ہر چیز کو روشنی دیتا ہے، جس کا جلال تجھے اور ہر شے کو غارت کر دیتا ہے، اور جسکی محبت و شفقت تجھے اور ہر چیز کو پالتی اور آفتون سے بچاتی ہے، یہ لطیف اشارے ہر زمانے مین مختلف استعداد اور مختلف سمجھ بوجھ کے لوگون کو دیئے گئے، اور انھون نے اپنی بساط کے مطابق ان اَنوکھی پہیلی باتون سے اس پہیلی کو بوجھنے کی کوشش کی، کچھ لوگون نے ان صفات کے معبود کو زمین پر تلاش کیا اور پہاڑ، دریا، درخت، طاقتور

اور نفع وضرر پہنچانے والے جانور، عورت صنفی اعضا، آگ، ہوا، زمین اور اسی قسم کی چیزون کو ان صفات کا حامل سمجھ کر اپنا معبود بنا لیا، کچھ لوگ جنکی نظرین اُن سے زیادہ بلند تھین ان ارضی معبودون سے مطمئن نہ ہوئے، کیونکہ انھون نے دیکھا کہ یہ سب چیزین تو انھی کی طرح کسی اور کی بندگی مین مبتلا ہین، اور خود اپنے وجود وبقا کے لیے بھی غیر کی محتاج ہین، اس لیے انھون نے اپنے معبود کو آسمان پر تلاش کیا، اور سورج چاند اور دوسرے اجرام فلکیہ کو عبادت کے لائق قرار دیا، مگر جو لوگ اُن سے بھی زیادہ باریک نظر رکھتے تھے، انھون نے محسوس کیا کہ آسمان والون کا حال بھی زمین والون سے کچھ زیادہ مختلف نہین ہے، وہ لاکھ بلند و برتر اور درخشان سہی، مگر اپنے اختیار سے کچھ بھی نہین کر سکتے، بلکہ ایک مقرر قانون اور بندھے ہوے نظام کے ماتحت گردش کئے جا رہے ہین، سورج کو کبھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ مشرق کے بجاے مغرب سے نکل آتا، یا اپنے مقام سے ہٹ کر کسی اور مقام سے نمودار ہوتا، چاند آجتک اس قابل نہ ہوا، کہ بدر کے بجائے ہلال یا ہلال کی جگہ بدر بن کر نکلتا، اسی طرح کوئی اور سیارہ بھی اپنی مقرر گردش سے کبھی یک سرمو تجاوز نہ کر سکا، اس غلامی، اس بندگی، اس بیچارگی کو دیکھ کر انھون نے تمام مادی وجسمانی چیزون کو ناقابل پرستش قرار دیدیا، اور اپنے معبود کی تلاش مین معانی مجردہ اور روحانیات کی طرف بڑھے، کسی نے نور کو اپنا معبود بنایا، کوئی دولت کی دیوی پر فریفتہ ہوا، کسی نے قوت کے دیوتا کی پرستش کی، کوئی محبت کے خیالی دیوتا کے آگے جھکا، کسی نے حسن کی دیوی کے آگے سرنیاز خم کر دیا، کسی نے روح کو سجدہ کیا، اور کسی نے مدبرات عالم کے ہیکل تجویز کئے، اور اُن کی عبادت اختیار کی، اسطرح کائنات کی ہر وہ چیز جس کے اندر مختلف قابلیتون کے لوگون کو اپنی فکر کی رسائی، اور نظر کی استعداد کے مطابق برتری، ربوبیت، قدرت، حسن، جلال، اور خالقیت کی جھلک نظر آئی اس کے آگے جھک گئے، اور فطرت کے دیئے ہوے سراغ پر جو شخص جتنی دور جا سکا، گیا، اور ٹھہر گیا، مگر جو لوگ زیادہ صحیح وجدان، لطیف ادراک، اور سلیم عقل رکھتے تھے، اور فطرت کے بتائے ہوئے نشانات پر ٹھیک ٹھیک سفر کر رہے تھے وہ ان ارضی وسماوی معبودون، اور روحانی وخیالی دیوتاؤن مین سے ایک سے بھی مطمئن نہ ہوئے، نیچ

کی منازل مین سے ایک پر بھی ٹھہرے، اور بڑھتے بڑھتے اس منزل تک پہنچ گئے جہان انھین کائنات کی تمام مادّی، روحانی، ذہنی، علوی اور سفلی قوتین کسی اور کی گرفت مین جکڑی ہوئی، کسی اور کی بندگی مین مشغول، کسی اور کے آگے جھکی ہوئی، کسی اور کی تسبیح پڑھتی ہوئی نظر آگئین اور ان کے قلب سلیم نے گواہی دیدی کہ ان مین سے تو ایک بھی انسان کی پرستش کے قابل نہین ہے، اب انھون نے فطرت سے اپنے معبود کا صاف، قطعی اور واضح پتہ پوچھا، اور فطرت نے اپنے سب سے زیادہ لطیف اشارہ سے جس کو ارباب نظر ہی سمجھ سکتے ہین، یہ پتہ دیا کہ تو اسی کی پرستش کر جسکی تو اور تیرے ساتھ سارا عالم بندگی کر رہا ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا،	تو ایک خدا کا ہو کر اُسکی طرف اپنا رخ کیے رہ،
فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ	یہ اللہ کی فطرت ہے، جسپر اس نے لوگون کو بنایا
عَلَيْهَا، لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ	ہے، اور اللہ کی اس بناوٹ مین کوئی ردوبدل
ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ، (۳۰-۴)	نہین ہے، یہی دین کا سیدھا راستہ ہے،
يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ (۲-۳)	لوگو اپنے اس پالنے والے کو پوجو جسنے تمکو پیدا کیا،
وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ	لوگون کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ ایک خدا کی پرستش کرین جسکے
اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۹-۵)	سوا کوئی معبود نہین ہے، اور جو شرک وہ کرتے ہین اس سے
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ	اور اے محمد! تم سے پہلے ہم نے جو رسول بھی
رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ	بھیجا ہو اُسے یہی وحی کرتے رہے ہین کہ میرے سوا
اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ، (۲۱-۲)	کوئی معبود نہین ہے، لہذا تم میری پرستش کرو،

یہ آخری مقام تھا جہان پہنچکر تلاشِ معبود کا سفر ختم ہو گیا، ڈھونڈنے والے مطمئن ہو گئے، اور اس واقعہ سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ فطرت کی اس آخری ہدایت کو پانے کے بعد پھر کوئی مزید تلاش و جستجو کے لیے بیچین نہوا اور اگر کسی مسلک نے کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی بھی تو اس سے آگے وہ کچھ نہ پا سکا، (باقی)

ابو العلاء المعری

اور

عمر خیام

از

جناب قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڑھی

فارسی کی مثل مشہور ہی کہ "آدم از آدم رنگ می گیرد"، دنیا مین انسانی خیالات کا ارتقا اسی طرح ہوتا رہا ہی، کہ انسان ایک دوسرے کے افکار و آرار سے استفادہ کرے، اور اپنی قوتِ اختراع سے اون کو ترقی دے کر ان پر اضافہ کرتا رہے،

انسانی خیالات کی نیرنگیان بھی عجیب ہین، کہنے کو یون سب انسان ہین، مگر بمضمونِ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مبدءِ فیاض نے کسی کو دماغی اور ذہنی قابلیت کم عطا ہوئی ہے اور کسی کو زیادہ؛ اس لئے ضروری ہی کہ کم استعداد والے اپنے بڑھی ہوئی استعداد والون سے استفادہ کرین، یہ ممکن ہے کہ ایک خیال کسی وقت کئی آدمیون کے دماغ مین پیدا ہو، لیکن اسکے اظہار کے طریقے مختلف ہوا کرتے ہین، ہر شخص ایک خیال کو اس طرح کامل طور پر خوبصورتی کے ساتھ ادا نہین کر سکتا، جیسا کہ ایک غیر معمولی استعداد کا آدمی ظاہر کر سکتا ہی، اور اگر کوئی شخص بعینہ اسی طرح یا کم وبیش اسی ترکیب اور طرزِ ادا کے ساتھ اس خیال کو ظاہر کرے تو اس پر سرقہ کا الزام عائد ہوگا، بشرطیکہ یہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ خیال بعینہ کسی متقدم شخص سے ماخوذ ہے لیکن اگر ایسے قرائن موجود نہین ہین، تو اس پر توارُد یا موارَدہ کا اطلاق ہوگا، کیونکہ سرقہ کا الزام لگانے کے لئے حتمی اور بین ثبوت کا موجود ہونا ضروری ہی جیسا کہ علامہ تفتازانی فرماتے ہین،:-

"سرقہ کا حکم اسی وقت لگایا جا سکتا ہے، کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ دوسرے نے پہلے سے اخذ کیا ہے اور یہ کہ نظم کرتے وقت اسکو پہلے کا قول یاد تھا، یا وہ خود کہے کہ اوس نے ایسا کیا ہے، ورنہ ایک کے سابق ہونے اور دوسرے کے اتباع کرنے کا حکم لگایا جائے گا کیونکہ دو سخنوروں کا توارد خاطر یعنی بلا قصد محض اتفاقیہ طور پر جائز ہے مگر جب یہ معلوم ہو کہ دوسرے نے پہلے سے اخذ کیا ہے، تو کہا جائے گا کہ فلاں نے ایسا کہا ہے، اور دوسرا اسی بات کو اس سے پہلے اسطرح کہہ چکا ہے، اس طرح صداقت کی فضیلت کو غنیمت جانے اور خود کو علم غیب اور دوسرے کی تنقیص کے دعوے سے محفوظ رکھے[۱]"

اس طرح خیالات کا تصادم ہونے سے انسانی خیالات کی یکرنگی معلوم ہوتی ہے، اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کسی سخنور کا توارد سے بچنا ناممکن ہے، چنانچہ علامہ آزاد بلگرامی فرماتے ہیں:-

"اگر کسے بنظر تفتیش ملاحظہ کند کم شاعرے را از توارد خالی یابد چہ احاطہ جمیع معلومات خاصہ حضرت علم الٰہی است تعالیٰ شانہ، خامہ معنی نگار تیرے بتاریکی می افگند چہ داند کہ صید دارستہ است یا بال و پر بستہ[۲]"

ادب اور شاعری کی دنیا میں خیالات کا التقاط یا انتحال بہ نسبت نثر کے نظم میں زیادہ معیوب سمجھا جاتا ہے، البتہ احیاناً اگر کوئی مضمون یا خیال بندھ جائے، خواہ وہ کسی خیال یا مضمون کے ساتھ ٹکر کھاتا ہو، یا کسی ماقبل ادیب یا شاعر کے کسی خیال خاص کو قصداً لیکر اوس کو ترقی دینے اور اسمیں بلندی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ اعلیٰ دماغی قابلیت کی ایک دلیل ہوگی، کسی متقدم ادیب یا شاعر کے خیال کا کسی متاخر سے مقابلہ کرنا دنیائے ادب کے فرائض میں داخل ہے، تاکہ تحسین کلام کے لئے اس کے ترکیبی عناصر کا تجزیہ کرتے وقت اس پر صحیح طور سے تنقید کی جا سکے،

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے، کہ آج کل مغربی تعلیم کی وجہ سے "مقابلہ" اور "تنقید" کا فن پیدا ہو گیا ہے، لیکن عربی ادبیات میں یہ فن بہت ترقی کر چکا تھا، ادب اور خصوصاً شاعری میں "ادبی تنقید" کا یہ شعبہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، چنانچہ نقادان سخن نے خاص اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی ہیں، علاوہ ازیں فنون معانی و بیان، بلاغت اور بدیع

---

[۱] مطول صفحہ ۴۴۳، ۴۴۴ مطبوعہ شاہجہانی [۲] سرو آزاد صفحہ ۱۹،

کی اکثر کتابون مین جابجا اس قسم کی ادبی تنقیدات کی مثالین پائی جاتی ہین،

خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا، سردست ہمکو اسلامی دنیا کے دو نامور فلسفی شاعرون کا مقابلہ کرنا ہے جو ابو العلا المعری اور عمر خیام کے نام سے جریدۂ عالم پر اپنی شہرت دوام ثبت کر چکے ہین،

معری نے ۴۴۹ھ مین وفات پائی ہے[1] اور خیام کا سال ولادت ۴۱۰ھ اور سنہ وفات ۵۱۷ھ ہے[2]، اس لحاظ سے دونون ہمعصر تھے، کیونکہ معری کی وفات کے وقت خیام کی عمر ۳۹ سال کی ہوتی ہے، اوّل الذکر ملک شام مین گذرا ہے، اور دوسرا خراسان مین، اور یہ تو ہمین معلوم ہے، کہ اس زمانہ مین ابو العلار کی شہرت عراق اور شام مین پھیل چکی تھی، جیسا کہ معری کے ایک سوانح نگار کا بیان ہے کہ

"معرہ سے لیکر بحیرہ اندلس کے اندرونی حصون اور خراسان کی انتہائی حدود تک اوسکی شہرت پھیل گئی"[3]

اس لئے قرین قیاس ہے کہ خیام کو ابو العلار کے عین حیات مین، یا اس کی وفات کے بعد اس کا کلام پہنچا ہو، اور اس طرح سقط الزند اور لزومیات معری کا اثر رباعیات خیام پر بلا واسطہ پڑا ہو،

معری اور خیام کے مقابلہ کا خیال مستشرقین مین سب سے پہلے فرانسیسی مستشرق سالمون کو ہوا جس نے ابو العلا پر ایک کتاب فرنچ مین لکھی ہو، اس کتاب کا نام "نابینا شاعر" (LE POETE AVEUGLE) ہے، اور ۱۹۰۴ء مین پیرس مین شائع ہوئی ہے، اس مین مصنف نے معری کو خیام کا "پیشرو" (PRECURSOR) بتایا ہو، سالمون کا خیال ہے کہ معری نے "شراب ارغوانی" کی جو تعریف کی ہے، اس مین عمر خیام اس کا ہمزبان ہے[4]

لیکن یہ صریحاً غلط ہے، اور اسی لئے پروفیسر نکلسن اس بنا پر اسکو نہین تسلیم کرتا، کہ معری نے جہان کہین شراب کا

---

[1] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۳۴، [2] خیام کی تاریخ ولادت و وفات مین مورخین کا اختلاف ہے، لیکن معتبر ماخذ کی بنا پر اس کا سن ولادت ۴۱۰ اور تاریخ وفات ۵۰۰ھ سے ۵۳۰ھ کے مابین مقرر کی گئی ہے، (دیکھو مجمع الفصحا اور چہار مقالہ)

[3] ابو العلا، وما الیہ صفحہ ۲۰۲ طبع سلفیہ مصر،

[4] سالمون کی کتاب صفحہ ۴۰،

ذکر کیا ہے وہان نفرت کے ساتھ کیا ہے، تاہم وہ لکھتا ہے کہ

"اگر وہ مان لیا جائے کہ خیام (اپنے خیالات مین) معری سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا تو ہمین یہ بھی ماننا پڑے گا کہ خیام کی رباعیات کے انگریزی تراجم مین دونون شاعرون کا مقابلہ کرنے کے لئے معتبر شہادت بہت ناکافی ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دونون کی فلسفیانہ زندگی کے بعض خط وخال مشترک ہین، اور لزومیات معری مین کئی مقامات ایسے ہین، جو خیام کی بعض رباعیات کو یاد دلاتے ہین"[1]

سالمون کے بعد دوسرا نمبر ابن ریحانی کا ہے، جو شام کا ایک مشہور عیسائی مصنف اور ادیب ہے، جس نے معری کے بعض اشعار کا انگریزی ترجمہ کر کے رباعیات ابو العلا (QUATRAAINS OF ABUL ALA) نام سے شائع کیا ہے، اس نے معری کے اشعار کے مقابلہ مین خیام کی چند رباعیان بھی (انگریزی ترجمہ) نقل کی ہین، جن مین خیالات کا اتحاد ہے اور مطابقت پائی جاتی ہی، اس بنا پر اوس نے خیام کو معری کا پیرو بتایا ہے، چنانچہ دیباچہ مین رقمطراز ہے:-

"مین اس مشابہت کی طرف اشارہ کرتا ہون، جو عمر خیام اور ابو العلا المعری کے خیالات مین پائی جاتی ہے، مین بدلائل اس بات کو مانتا ہون، کہ خیام معری کا مقلد یا شاگرد تھا، خیام کی ولادت اور معری کی وفات مین کچھ زیادہ فرق نہین ہے، کیونکہ دونون گیارھوین صدی کے وسط مین گذرے ہین"[2]

لیکن اس مشابہت اور مماثلت کے باوجود ابن ریحانی یہ تسلیم نہین کرتا کہ یہ خیالات خیام نے معری سے سرقہ کئے ہین، چنانچہ لکھتا ہی:-

"مین یہ نہین کہتا کہ خیام نے سرقہ کیا ہے، میرا مطلب صرف یہی ہو کہ اوس نے اپنے کئی ملحدانہ اور آزادانہ خیالات ابو العلا سے حاصل کئے ہین"[3]

مصر کا عیسائی ادیب ودیع البستانی جس نے رباعیات خیام کا عربی مین ترجمہ کیا ہے، وہ بھی ریحانی کی

---

[1] اسٹڈیز ان اسلامک پوئٹری صد ۲۰۵، ۲۰۶، [2] رباعیات ابو العلا ص ۱۹، [3] دیباچہ ایضاً صفحہ ۱۹

راے پر اظہار خیال کرتے ہوے اس بات کو تسلیم نہین کرتا، کہ خیام نے معری کے خیالات سے سرقہ کیا ہے، چنانچہ لکھا ہے:-

"اور ایسا کہنے والے لوگ بھی موجود ہین، جو یہ کہتے ہین کہ خیام کی رباعیات معری کے لزومیات کے طرز پر گڑھی ہوئی ہین، نیز یہ کہ خیام اپنے خیالات کے لحاظ سے معری کا شاگرد ہے، اور اوس کی آرار مین اس کا پیرو ہے، اس مین شک نہین ہے کہ ان دونون کے اقوال مین بہت قریبی مشابہت بکثرت اور واضح طور پر پائی جاتی ہی، اور اس لئے اس کا احتمال صاف ظاہر ہے، کیونکہ خیام عربی زبان، اس کے علوم و آداب مین کامل دستگاہ رکھتا تھا، بلکہ اس زبان مین کتابین لکھتا، اور شعر کہتا تھا، لیکن اس بنا پر ہمارے لئے یہ مناسب نہین ہے، کہ ہم اس فارسی شاعر پر، عربی شاعر کے خیالات سے سرقہ کرنے کا الزام لگائین، کیونکہ ان دونون مین جو بات مشترک ہی، وہ حقائق کی تصویر اور عقلی دلائل و براہین ہین، جو شعری قالب مین رنگے ہوئے ہین، اور استعارات و کنایات اور خیال آرائی کے اقسام مین سے نہین ہین کہ جس کا فخر اس کے موجد اور متقدم کو ہو سکتا ہی، اور جب ہم نے تقدم اور تاخر زمانی کے اعتبار سے حکم لگانے پر اکتفا کیا ہے، تو اس کے ساتھ ہی ہمین اس کے بغیر بھی چارہ نہ ہوگا کہ ہم معری کو اس کی فضیلت سے معرّیٰ کردین، اور اوس پر بھی اس سے پہلے کے فلاسفۂ یونان و روم سے اخذ کرنے کا اتہام لگائین"[1]

لزومیات معری اور رباعیات خیام کے مابین جو امور مشترک ہین، وہ حسب ذیل ہین:-

(۱) دونون کا موضوع سخن حکمت و اخلاق کی تعلیم دینا ہے۔

(۲) دونون دنیا کی آرایشون اور زیبایشون سے بیزار ہین، اور زہد و ترک دنیا کی تعلیم دیتے ہین،

(۳) دونون حکماے یونان کے افکار و آرار سے متاثر ہین۔

---

[1] مقدمۂ رباعیات عربی صـ۱۲۲، صـ۱۲۳،

(۴) دونون مذہب کو عقل کے معیار پر پرکھنا چاہتے ہین،

(۵) بعض مذہبی اعتقادات کی نسبت ملحدانہ اور آزادانہ خیالات کے اظہار مین دونون ہم آہنگ ہین،

اس مین کوئی شک نہین ہے کہ رباعیاتِ خیام مین جابجا وہی روح دائر و سائر نظر آتی ہے، جو لزومیات معری کے قریب قریب ہر صفحہ پر نمایان ہے، لیکن کوئی حتمی ثبوت ایسا موجود نہین ہے، جسکی بناپر یہ کہا جاسکے کہ خیام نے معری کے کلام سے براہِ راست اخذ کیا ہے، تذکرۂ خیام کے معتبر ماخذ مین سے قاضی اکرم بن القفطی کی تاریخ الحکما ہے اسمین خیام کی نسبت لکھا ہے:-

"خراسان کا امام اور اپنے زمانے کا علامہ ہے، یونانیون کا علم جانتا ہے، اور جسمانی حرکات کی پاکیزگی سے نفس انسانی کی صفائی کے ذریعہ خدائے واحد (وجزا دہندہ) کو طلب کرنے کی ترغیب دیتا ہے، اور یونانیون کے قواعد کے مطابق سیاستِ مدن کے التزام کا حکم دیتا ہے"[۱]

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے، کہ خیام علومِ یونان کا عالم اور فلسفہ و حکمت کا بہت بڑا ماہر تھا، اور غالبًا یہی وجہ تھی جس نے اس کو دوسرے فلاسفہ کی طرح مذہب کی نسبت آزاد خیال بنایا تھا، اس لئے بقول بستانی بجائے اسکے کہ ہم خیام کے فلسفیانہ خیالات و آرار کو لزومیاتِ معری سے ماخوذ ثابت کرین مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جمہوریت افلاطون سے منسوب کردین[۲]"،

ایک بات یہان خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، کہ اگر خیام نے اپنے افکار و آرار کی بنیاد معری کے کلام پر رکھی ہوتی، تو کم از کم تذکرہ نویس اور مورخین ضرور اسکی طرف اشارہ کرتے خصوصًا قفطی ایسا متجسس اور فلسفی مزاج مورخ جو دونون کے حالات سے باخبر تھا، اس کا ذکر کئے بغیر نہ رہتا،

بہرحال خیام اور معری کے بعض کلام مین جو مماثلت قریبہ پائی جاتی ہے، اس سے انکار نہین کیا

[۱] تاریخ الحکما صفحہ ۲۴۴ طبع جرمنی، یہان قواعد یونانیہ سے کون وحیاۃ اور معاشرت و اخلاق کی نسبت فلاسفۂ یونان کے نظریات مراد ہین، [۲] مقدمۂ رباعیات عربی صفحہ ۱۴۱،

جاسکتا، یہان ہم دونون شاعرون کے وہ اشعار نقل کرتے ہین جنمین مشترک خیالات پائے جاتے ہین،:۔

(۱) معری:۔

غیر مجدٍ فی ملتی واعتقادی	میرے مذہب اور عقیدہ مین رونے والے کا نوحہ
نوح باکٍ ولا ترنم شادٍ	اور گانے والے کا ترنم دونون مین کوئی بزرگی نہین ہے
أبکت تلکم الحمامة ام غنّت	خواہ وہ کبوتر روتے ہون یا اس (درخت) کی
علیٰ فرع غصنها المیّادِ[1]	ٹوٹی ہوئی ڈالی پر بیٹھ کر گا رہے ہون،

خیام:۔

آنرا کہ وقوفست بر احوال جہان	شادی وغم و رنج بر وشد یکسان
چون نیک وبد جہان بسر خواہد شد	خواہی تو بدرد باش خواہی درمان

ایک فلسفی کی نظر مین "نوحۂ غم" اور "نغمۂ شادی" یکسان ہوتے ہین، جیسا کہ مرزا غالب اسی خیال مین ایک خاص نتیجہ پیدا کرتے ہوئے فرماتے ہین،:۔

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق	نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی،!

(۲) معری:۔

خفف الوطأ ما اظن ادیم الـ	قدم آہستہ رکھ کیونکہ میرے خیال مین
ارض الا من هذه الاجساد	زمین کی جلد (سطح) انھی اجسام سے بنی ہے
وقبیح بنا وان قدم العهـ	اور ہمارے لئے بہت بری بات ہے خواہ ہمارے
ـد هوان الآباء والاجداد[2]	آباواجداد کو گئے ہوئے ایک زمانہ گذر چکا ہو،

ایک اور جگہ کہتا ہے،:۔

[1] سقط الزند صفحہ ۱۸۱ مطبع ہندیہ مصر، [2] سقط الزند ص ۱۸۲

عجباً لنا و لمن مضیٰ اقدامنا   یمشین فوق جسومھم و لا ہم رمس

ہمین تعجب ہوتا ہے اپنے لئے اور ان لوگون کے لئے جو گذر چکے ہین، کہ ہمارے قدم ان کے جسمون اور سرون پر چلتے ہین

و سوف یفعلہ بنا من بعدنا   ان المنون سہامہا فی الاقوس[1]

اور قریب ہے کہ وہ ہمارے ساتھ بھی یہی سلوک کرے کیونکہ اجل کے تیر اسکی کمانون مین رکھے ہوئے ہین،

خیام:-

ہر سبزہ کہ بر کنار جوئے رستست   گوئی ز لب فرشتہ خوئے رستست

ہان بر سر سبزہ پا بخواری ننہی   کان سبزہ بخاک لالہ روئے رستست

قریب قریب اسی خیال کی ایک جھلک مرزا غالب کے اس شعر مین پائی جاتی ہے:-

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہوگئین   خاک مین کیا صورتین ہونگی کہ پنہان ہوگئین

(۳) معری:-

یا روح کم تحملین الجسم لاھیۃً   اے روح کب تک ہنسی خوشی سے اس جسم کو

ابلیتہ فاطرحیہ طالما لبسا   اوٹھائے رہیگی، تونے اسکی آزمایش کرلی ہو اب

ان کنت آثرت سکناہ فمخطئۃ   اسے اتار پھینک کہ اس کو پہنے ہوے زمانہ گذر گیا،

فیما فعلت و کم من ضاحک عبسا[2]   اگر تونے اسی مین رہنا پسند کیا ہو، تو تونے بڑی خطا کی ہے اور کئی ہنسنے والے ہین جو آخر کو خشک

([illegible])

خیام:-

اے دل ز غبار جسم اگر پاک شوی   تو روح مجردی بر افلاک شوی

عرش است نشیمن تو شرمت بادا   کائی و مقیم خطۂ خاک شوی

[1] لزومیات جلد ۲ صفحہ ۴۲ [2] لزومیات ج ۲ صفحہ ۲۷

(۴) معری:-

عیوبی ان سألت بہا کثیر — اگر تم پوچھتے ہو تو مجھ میں بکثرت عیوب موجود ہیں

وای الناس لیس لہ عیوب — اور کون ایسا ہے، جس میں عیوب نہیں ہیں

وللانسان ظاہر ما یراہ — انسان کا ایک ظاہر ہے جسکو وہ دکھا سکتا ہے،

ولیس علیہ ما تخفی الغیوب[۱] — لیکن جو باتیں کہ اسمیں پوشیدہ ہیں انکو وہ نہیں (دکھا سکتا)

خیام:-

ناکردہ گناہ درجہان کیست بگو — آنکس کہ گنہ نہ کرد چون زیست بگو

(۵) معری:-

خذ الآن فیما نحن فیہ وخلیا — موجودہ وقت کہ جسمین ہم ہین، لے لے، اور فردا

غدًا فہو لم یقدم وامس فقد مرا[۲] — کو جو ابھی نہیں آیا، اور دیروز کو جو گذر گیا چھوڑدے

خیام:-

روزے کہ گذشت ازو گر یاد مکن — فردا کہ نیامدہ است فریاد مکن

برنامدہ و گذشتہ بنیاد منہ — حالے خوش باش و عمر بر باد مکن

(۶) معری:-

ہفت الحنیفۃ والنصاری ما اہتدت — دین حنیفی والے بھٹک گئے اور نصاری ہدایت

ویہود حارت والمجوس مضللۃ — یاب نہ ہوئے، یہودی حیران رہ گئے اور مجوس گمراہ ہوگئے

اثنان اہل الارض ذو عقل بلا — اہل دنیا دو قسم کے ہین، ایک وہ جو عقل رکھتے

دین وآخر دین لا عقل لہ[۳] — ہین، مگر دین نہیں رکھتے، اور دوسرے وہ جو دین رکھتے

[۱] لزومیات جلد اول صفحہ ۷۴، [۲] ایضاً صفحہ ۲۸۸، [۳] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۷۵،

خیام :-

جمعے متفکر اند در مذہب و دین ٭ جمعے متحیر اند در شک و یقین ،

ناگاہ منادئی بر آید ز کمین ٭٭ کاے بے خبران راہ نہ آن است نہ این

ہمارے فارسی اور عربی شعراء کی قدیم محبوبہ "بنت العنب" ہر وقت ان کے لباس شعری مین جلوہ گر ہوتی رہتی ہے، اور خیام کی بادہ پرستی کی شہرت تو ایشیا اور یورپ کے ہر ایک گوشہ مین پہنچ چکی ہے، لیکن جہان معری اور خیام کی فلسفیانہ زندگیان اپنی مشابہت کی وجہ سے متعدد امور مین مشترک ہین، وہان شراب کے متعلق ان دونون کے خیالات مین پورا تضاد پایا جاتا ہی، شراب کا ذکر ابو العلاء نے بھی کیا ہے اور بار بار کیا ہے، مگر اسی طرح جیسا کہ عہد حاضر کے مشہور امریکن "مانع المسکرات" (PROHIBITIONIST) جان پسی فوٹ (JOHNPUSSYFOOT) نے کیا ہی، معری کا بکرات و مرات مختلف عقلی اور اخلاقی خرابیون کی بناپر "دختر رز" سے محترز رہنے کی ہدایت کرنا اس قدر اہم ہے کہ وہ ایک علٰحدہ مضمون کا محتاج ہے، بہر حال معری سا "انگور کی بیٹی" کا "عدوے ازرق" بھی آلام و مصائب دنیوی کو فراموش کر دینے کے لئے آرزو کرتا ہو کہ کاش شراب صرف مدہوشی کے لئے جائز ہوتی! چنانچہ کہتا ہے :-

(۱) تمنّیتُ انّ الخمرَ حلّت لنشوۃٍ ٭ میری آرزو تھی کہ شراب صرف نشہ لانے کیلئے جائز

تجھلنی کیف اطمأننّت بی الحالُ[1] ٭ ہوتی تاکہ وہ مجھے اس بات کو بھلا دیتی کہ مجھ پر کیا گذری

ایک اور جگہ کہتا ہی،

أیأتی نبیٌ یجعل الخمرَ طلقۃً ٭ کیا اب کوئی نبی آنے والا ہی جو شراب کو حلال کردے

فتحمل شیئًا من ھمومی واحزانی[2] ٭ تاکہ وہ میرے رنج و غم کا کچھ حصہ دور کر دے

اسی معنی مین خیام کہتا ہے :-

[1] سقط الزند صفحہ ۱، [2] لزومیات جلد ۲ صفحہ ۳۰۶،

اے رب بکشائے بر من از رزق درے — بے منت مخلوق رسان ماحضرے

از بادہ چنان مست نگہ دار مرا — کز بے خبری نباشدم دردسرے

اسی خیال کو مرزا غالب نے اس طرح باندھا ہے،

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو — اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

(۸) اری واحنا معنا ولیس لنا بھا — ہماری روحین ہمارے ساتھ ہین پھر بھی ہمین انکا علم نہیں ہے

علم فکیف اذا حوتھا الاقبر — توجبکہ ارواح کو قبرین گھیرلین گی اسوقت کیا معلوم ہوگا

خیام :-

دل سر حیات اگر کماہی دانست — در موت ہم اسرار الٰہی دانست

امروز کہ باخودی ندانستی ہیچ — فردا کہ زخود روی چہ خواہی دانست

ان چند مثالون سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ معری کے فلسفیانہ خیالات کا اثر خیام کی رباعیات مین کس قدر پایا جاتا ہے، حتی کہ خیالات کے توارد اور تخیل کی یکرنگی کی بنا پر بعض جگہ سرقہ کا دھوکا ہوتا ہے،

ان اشعار کے علاوہ بھی معری اور خیام کے موضوعاتِ کلام مین بکثرت اشتراک پایا جاتا ہی، مثلاً - دنیا کی بے ثباتی، جبریت، اخلاقی تعلیم، فقہا، اور واعظین کی مذمت، حشر و نشر کا انکار، مذہبی آزاد خیالی وغیرہ، فرق صرف اس قدر ہے کہ معری صاف صاف ملحدانہ بولی بولتا ہے، اور خیام دبی زبان سے لیکن زیر لب تبسم کے ساتھ اشارات و کنایات مین گفتگو کرتا ہے،

انشاء اللہ آیندہ ہم دونون کے مشترک خیالات کا مقابلہ کرین گے اور دکھائین گے کہ دونون فلسفی شاعرون کے کلام مین کس قدر مشابہت پائی جاتی ہے،

لہ لزومیات جلد اول صفحہ ۲۶۴،

تاریخ گجرات کا ایک ورق

ولبھی راج

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی سابق مدرس عربی و فارسی مہا ودیالے احمد آباد،

ولبھی خاندان کی اصل

خاندان گپت نے یونانیون کے بعد اس ملک گجرات پر قبضہ جمایا، اور تاریخ سے ثابت ہو کہ سکندر گپت سنہ ۴۷۰ء تک اس پر قابض رہا، پھر اس کے بعد کی کڑی بظاہر غیر مربوط ہو جاتی ہے، لیکن ہم دیکھتے ہین کہ اسی عہد سے گوجرون کی آمد ہند مین شروع ہو جاتی ہے، گوجر قوم گرجستان سے آئی اور سیستان سے ہوتے ہوئے ہند پر حملہ آور ہوئی، اس کے حملے سنہ ۴۶۵ء سے سنہ ۵۲۰ء تک ہوتے رہے[1] مگر ان کے مقبوضات ہند کا اصلی زمانہ سنہ ۴۷۰ء ہے، اسی عہد سے اپنی فتوحات کو وسیع کرتے رہے، ملتان اور سندھ کے بعد ماروا ڑ ہوتے ہوئے گجرات، مالوہ اور دکن کو نکل گئے، شمالی ہند پر قبضہ اس کے بعد ہوا، اور غالباً اسکی وجہ یہ ہو گی کہ گپت اور دوسرے طاقتور خاندان ابھی وہان موجود تھے ان گوجرون کا پہلا مرکز بھلمان تھا، جہان سے منتقل ہو کر اجین (مالوہ) گئے، یہ ان کا دوسرا مرکز ہوا، اس جگہ سے ان کے سپہ سالار دو طرف گئے، ایک نے گجرات فتح کر کے بھروچ مین قیام کیا اور دوسرے نے دکن پہنچکر کلیان کو پایۂ تخت بنایا، کچھ دنون کے بعد اس قوم مین سب سے پہلے جو شخصیت نمایان ہوئی وہ "شری بھٹ ٹارک" ہے، جس کو بھٹ رک اور بھٹا کر بھی کہتے ہین، اس نے گجرات پر ۵۰۹ء سے سنہ ۵۲۰ء تک حکومت کی، اس شخص کو ولبھی پور کا

[1] نندی پور (نادوت) والے راجہ نے سنہ ۵۹۴ء مین اپنے آپ کو گوجر کہا ہے (گجرات کی پراچین اتہاس فصل ولبھی)

بانی کہا جاتا ہے، جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم مین جسقدر فرمانروا گذرے ہین، ان مین سے پہلے کے نام کے ساتھ "شری بھٹ ٹارک" کا لفظ ہے، اور ان کے بعد دو کے ساتھ "سیناپت" (سپہ سالار) کا لفظ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ دونون راجگان اجین (مالوہ) کے ماتحت تھے، اس کے بعد سے تمام راجون کے نام کے ساتھ مہاراجا کا لفظ ہے، جو اس بات کی دلیل ہے، کہ اسوقت سے وہ گجرات کے آزاد اور مستقل حاکم ہوئے اس وقت تک کتابون اور مختلف سکون اور کتبون سے اس قدر معلوم ہوا ہے کہ تقریباً ۱۹ - ۲۰ راجے ہوئے[۱]، ان مین سے آخری چار راجے عموماً "شیلادت" کہے جاتے تھے، ان کی حکومت عام طور پر تین سَو برس تک بیان کیجاتی ہے، یہ مدت مرکزی حکومت کی ہے، اور اس کے بعد بھی عرصہ تک اس قوم کی شاخ حکمران رہی، جیسا کہ آگے مین اسی پر مفصل بحث کرونگا،

شہر کا بانی اور نام اس شہر کا اصل بانی "بھٹ ٹارک" ہے، جینی کتابون سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس شہر کا اصلی نام "ولبھی پور" ہوگا، پھر سنسکرت تلفظ مین آکر "ولبھی پور" ہوگیا، "ولبھ" اصل مین چھپر کے اُس حصہ کو کہتے ہین، جو برآمدے سے آگے بڑھ کر بنایا جاتا ہے، تاکہ بارش کی بوچھار سے مکان کے رہنے والے محفوظ رہین، قیاس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک مین اس قسم کے چھپرون کا عام رواج نہ تھا، ولبھی پور مین جب اس قسم کے مکانات بکثرت بنائے گئے تو لوگون نے اس کا نام ہی ولبھی پور رکھ دیا، اور یہی عوام مین مشہور ہوگیا، مگر میرے خیال مین اس کی دوسری وجہ شاید یہ ہوگی، کہ "ولبھی" کے معنی محمود کے آتے ہین، اور نیک شگون کے خیال سے اس کا نام (ولبھی پور) "محمود پور" رکھا ہو،

ولبھی پور کا موقع ایک سوال یہ بھی ہے کہ ولبھی پور کہان واقع ہے، عرب سیاحون نے اس کے متعلق کچھ نہین

---

[۱] تاریخ گجرات ڈاکٹر بھگوان لال [۲] تاریخ ہند متعلقہ گجرات ذکا، اللہ صاحب، ولبھی پور کے متعلق کرنل ٹاڈ صاحب نے یا بعض جینیون نے جو تحریر کئے ہین، جدید تحقیقات سے ناقابل اعتبار سمجھے گئے ہین، اس لئے مین نے ترک کردیا، گجرات پراچین اتہاس مین "بھٹ ٹارک" کی مدت حکومت ۵۰۹ء سے ۵۲۰ء دیا ہے،

لکھا ہی، لیکن جسقدر بڑے بڑے شہر اس زمانہ مین تھے، انکا علحدہ نام لینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کوئی عظیم الشان مستقل شہر تھا، ورنہ معمولی بڑے شہر کو لوگ عموماً "پٹن" کہتے تھے، قدیم سے قدیم سیاحون مین چینی سیاح "ہونگ شیانگ چین" کا بیان ملتا ہے، جو لکھتا ہی کہ لاریکا (لار یعنی بھروچ) دیش کے اتر مین واقع ہے، بیرونی کہتا ہے کہ "انہل واڑا" سے دکن طرف ۳۰ جوجن (غالباً اس سے مراد منزل ہے) کے قریب ہی، الیٹ صاحب کے بیان کے موافق موجودہ ریاست بھاؤنگر سے ۲۰ میل اور بندر گھوگھہ کے درمیان میں آباد تھا، موجودہ تحقیقات بھی قریب قریب یہی ہے، "گھیلار ندی" کے کنارے "وڑا" نامی گاؤن کے پاس "ولبہ" یا "ولبھی" نام کا ایک چھوٹا سا گاؤن موجود ہے جسکو اس شہر کی یادگار سمجھو، اور وہ آج کل ایک گوہیل رئیس کا مقبوضہ ہی، اسکے شمال اور مغرب مین ببلیہ کے درختون کا ایک جنگل ہے، اس مین سب طرف اینٹین بنی ہوئی ہین، اسی کے اندر ولبھی پور کے کھنڈر موجود ہین، موسم برسات مین اکثر قدیم اشیار سکے وغیرہ دستیاب ہوتی ہین، اکثر لوگ کھود کھود کر ملبہ اور عمارتون کے مصالحہ نکالتے ہین، [۱]

ولبھی سلطنت کے حدود اربعہ

اس سلطنت کے حدود اربعہ صحیح اور یقینی طور پر تو نہین متعین کیے جا سکتے لیکن چینی سیاح کے عہد (۶۴۰ء) مین چھ ہزار "لی" تھا، اس لیے اگر تین "لی" کا ایک میل مان لیا جائے، تو اس حساب سے دو ہزار میل ہوتا ہے، یہ ایک مجمل بیان ہے، جس کی تفصیل بعض کتبون سے ہم معلوم کر سکتے ہین، بعض کتبے جو موربی اور ویراول سے دستیاب ہوئے ہین ان سے ہم قیاس کرتے ہین، کہ کاٹھیاواڑ کا مشرقی اور شمالی حصہ بھی اُن کا مقبوضہ تھا، چونکہ ابتدا اُن گوجرون کا مرکز بھن مال تھا، اور پھر مالوہ اسی لیے یقیناً خود مختاری کے بعد سارا گجرات اُن کے ماتحت ہوگا، اس حساب سے مشرق مین اجین، بھن مال، مغرب مین بحر عرب، شمال مین موربی، سومناتھ وغیرہ جنوب مین کوکن (تھانہ) وغیرہ ان کے حدود اربعہ ہون گے،

آب وہوا اور باشندے

چینی سیاح کا بیان ہے کہ اس ملک کی آب وہوا ملک مالدہ کے مانند ہے اور یہان آفتاب وہی

---

[۱] گجرات پراچین اتہاس فصل ولبھی پور،

چنیرین اور ویسی ہی گرمی سردی پیدا کرتا ہے، جیسا ملک مالوہ مین اور یہان کے باشندون کے اوضاع واطوار صورت وشکل، اخلاق وعادات بھی اہل مالوہ کے مماثل ہین،

ولبھی پور شہر خاص شہر ولبھی پور کا احاطہ چینی سیاح ایک میل بتلاتا ہے لیکن جدید تحقیقات سے اس وسیع شہر کا رقبہ تقریباً پانچ میل تک پایا جاتا ہی، کیونکہ اس گاؤن سے پانچ میل تک زمین کھودنے سے دیوارون کی بنیادین ملتی ہین، یہ بنیادین عموماً مٹی اور اینٹون کی ہین، چونکہ اس وقت تک کوئی عمارت یا کسی دیوار کی بنیاد پتھر کی نہین ملی، اس لئے قیاس کیا جاتا ہے، کہ اس عہد مین کاٹھیاواڑ مین پتھر کی دیوارون کا رواج نہ تھا،

فصیل شہر اس شہر کی فصیل جیسا کہ اوپر بیان ہوا بقول چینی سیاح ایک میل کی تھی، جس کی بنیادی دیوارین ۱/۲ ۴ فٹ چوڑی تھین، یہ دیوارین مٹی اور کچی اینٹون سے تیار کی گئی تھین، اینٹ کا طول ۱۶/۱ سولہ انچ اور عرض دس انچ اور موٹائی تین انچ کی تھی فصیل کے چارون طرف خندق تھی، جو اس قدر گہری تھی کہ پانی نکل آیا تھا اس خندق کی صورت جو گرداگرد تھی، بالکل انسان کے کان جیسی تھی،[۱]

ولبھی سن ویراول مین "ہرسد ماتا" کے دیول مین جو کتبہ پایا گیا ہے، اس مین مندرجہ ذیل سنین دئے گئے ہین، ۶۶۲ھ سنہ ۱۳۲۰ بکرمی ۹۴۵ سنہ ولبھی ۱۵۰ سنہ سین اس سے معلوم ہوا کہ ولبھی سنہ ۳۱۹ع سے شروع ہوتا ہی، اور یہی سنہ گپت کا بھی ہے، جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ ولبھی سنہ کے بانیون نے گپت سنہ کو اختیار کر لیا، اور اسی کے آخر مین فقط "ولبھی" بڑھا دیا، ابوریحان بیرونی کی بھی یہی رائے ہے، کہ ولبھی اور گپت دونون کا سنہ ایک ہی ہے، اور جسطرح موجودہ حکومت ہند فقط اپنا عیسوی سنہ استعمال کرتی ہے، مگر مختلف باشندگان ہند اپنا اپنا مختلف سنہ بکرمی فصلی، اور ہجری وغیرہ استعمال کرتے ہین، اسی طرح اُس عہد مین بھی رعایا فقط گپت کا سنہ ہی بعض دفعہ استعمال مین لاتی تھی، جیسا کہ موربی کے کتبہ (جبکہ دیکھا تاریخ) سے معلوم

---

[۱] تاریخ ہند ج ۴ ص ۱۲۳ م علی گڈھ،

ہوتا ہے اس پر ۳۲۶ گپت درج ہے، اور یہ معلوم ہے کہ اس سنہ مین ولبھی تھے گپت فرمانروا نہ تھے،

آبادی واقتصادی حالت

اس شہر کی آبادی کے متعلق یقینی طور پر ہم کچھ نہین کہہ سکتے بجز اس کے کہ ایک بڑے شہر ہونے کے سبب سے آبادی بھی بہت بڑی ہوگی، اور شہر کے جو آثار چار پانچ میل تک ملتے ہین، اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہی، کہ جو شہر چار میل تک آباد تھا، اس کی آبادی کی تعداد کیا ہوگی، اس کی تائید ہونگ شیانگسان کے سفرنامہ سے بھی ہوتی ہے وہ لکھتا ہے کہ "باشندون کی کثرت ہے، پھر امرا کی تعداد سیکڑون بتلاتا ہی، مدرسون خانقاہون اور معابد کا بھی یہی حال ہے، واعظین کا شمار ہزارون تک تھا ظاہر ہے کہ ہزارون واعظین کسی شہر مین اسی وقت ہو سکتے ہین جب کہ ان کے وعظ سننے والے لاکھون ہونگے اس لئے مندرجۂ بالا امور کو مدنظر رکھ کر ہم کہہ سکتے ہین کہ اس شہر مین لاکھون کی آبادی ہوگی، اس شہر کی اقتصادی حالت بہت اچھی تھی، ہونگ شیانگ سے لیکر آخری عرب سیاح تک اسکی دولت مندی کے مداح ہین، تجارت کی بھی بڑی گرم بازاری تھی، تمام بندرگاہین تجارتی مالون سے بھرپور، دیوپٹن، کھنبائت، بھروچ، چمبور، سوپارہ، سندان، تھانہ، بڑے بڑے بندرگاہ تھے، چینی سیاح لکھتا ہی کہ دور دور کی دولت یہان جمع ہونے کے لئے آتی ہے، چینی سیاح کا یہ بھی بیان ہے، کہ اس شہر مین مالدار خاندان بہت ہین، ایک سو سے زیادہ کروڑپتی رہتے ہین،

حکمران کے حالات

افسوس ہے کہ ہمارے ہندوستانی بھائیون کی بدمذاقی سے اس مہتم بالشان قوم کے حالات کسی تاریخ سے دستیاب نہین ہو سکتے ان کے حالات معلوم کرنے کا واحد ذریعہ صرف آثار ہین یعنی سکے اور وہ کتبے جو مختلف مقامات سے حاصل کئے گئے ہین، ان کتبون سے بڑے قیمتی معلومات حاصل ہوئے، یہ کتبات عموماً تانبے کے ہین جو بعض فرامین کی حیثیت رکھتے ہین، ان کو گجرات مین "تامرپتر" کہتے ہین، ان کے دو ٹکڑے ہوتے ہین، اور کڑی کے ذریعہ سے جڑے ہوتے ہین، کڑی کے پاس راجہ کا سکہ جیسا ہوتا ہے، جسمین "نندی" کی تصویر ہوتی ہی "نندی" ہندوون کے ہان "شنکر" کے بیل کا نام ہے، نندی بیل کے نیچے "بھٹارک" کا نام بانی ولبھی پور کی حیثیت سے لکھا ہوتا ہے اس مین جو تحریر ہوتی ہے، وہ سنسکرت نثر مین ہوتی ہے، ان فرامین مین مندرجۂ ذیل نام خصوصیت سے ہوتے ہین، خیرات دینے والے کا نام

خیرات لینے والے کا نام، جو چیز دی گئی ہو، اس کا نام، محرر کا نام، سفارش کرنیوالے کا نام جس جگہ یہ فرمان صادر کیا گیا ہو، اُس جگہ کا نام، راجہ کا پورا سلسلۂ نسب، مکان یا جائداد اگر دی گئی ہو، تو اس کے حدود اربعہ، سنہ، ماہ، دن، آخر مین بادشاہ کا لقب اور اوسکا دستخط، ایسے نامہ جن پر راجہ کا پورا سلسلۂ نسب نامہ لکھا ہو، وہ صرف چند راجاؤن کے ہین، باقی پران کا تنہا نام ہوتا تھا، اس وقت تک بیس راجاؤن کے نام ملے ہین، ان مین سے ۵۲۶ء مین "دھروسین" (دھرسین) نامی جو راجہ تھا، اس کا لقب "پرم بھاگوت" تھا، اور اوس کے بھائی کا لقب "پرم دتیہ بھگت" تھا، راجہ "گوہ سین" کا لقب "پرم پاسک" ہوا، اس کے بعد بعض راجاؤن کا لقب "پرم ماہیش ور" ملتا ہی، شیلادت چہارم کا لقب "باپ پادانودھیات" لکھا ہوا ملا ہی، جو غالباً گرو (مرشد) کا چیلا ہونے کے سبب رکھا گیا ہوگا، بھٹارک جو اس سلطنت کا بانی ہے، اس نے ۵۰۹ء سے ۵۲۰ء تک حکومت کی، اسکے تیسرے لڑکے "دھروسین" اول کے تین کتبے ملے ہین، اول کتبہ ۵۲۶ء کا ہے اور دوسرے کتبہ پر ۵۲۹ء لکھا ہو، اور آخری کتبہ ۵۳۵ء کا ملا ہی، اس سے اس قدر تو معلوم ہوا کہ ۵۳۵ء تک تو وہ یقیناً حکمران رہا،

گوہ سین:- اس راجہ کے متعدد کتبے دستیاب ہوئے ہین، بعض مقام "وڑا"، اور بعض "بھاونگر" سے ایک کتبہ پر ۵۵۹ء گپت اور دوسرے پر ۵۶۵ء گپت، درج ہے، بھاونگر کے کتبہ پر ۵۶۷ء لکھا ہوا ہے مٹی کے برتن پر جو تحریر ہے اس مین ۵۶۶ء ہے، یہ راجہ اس خاندان مین نہایت مدبر گذرا ہے، اس کے بعد کے راجاؤن کا نسب اسی گوہ سین سے شروع کیا جاتا ہی، اغلباً راجپوتانہ اور کاٹھیاواڑ مین گوہیل وغیرہ راجپوت اسی خاندان سے ہین، اس کے نام کے ساتھ لفظ "مہاراجا" کا ہوتا ہے ایک کتبہ مین اس کا لقب "پرم ماہیش ور" ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک یہ "شیو" مذہب رکھتا تھا، مگر دوسرے کتبہ مین اس کا لقب "پرم پاسک" ہے، جو اس بات کی دلیل ہے، کہ پھر وہ بودھ مت کا پیرو گیا، اس کی پھوپھی زاد بہن نے ایک بودھ مٹھ بنایا تھا، خود اس راجہ نے بھی بہت سے خیرات کئے ہین،-،

دھرسین دوم:- ۵۶۹ء تا ۵۸۹ء اس عہد کے پانچ کتبے ملے ہین، ان مین سے تین پر ۵۷۱ء اور جو تھے

کے اوپر سنہ ۵۸۸ء اور آخری پر سنہ ۵۸۹ء (سنہ ۲۷۰ گ) لکھا ہے، تین پہلے کتبے مین اس کو مہا راجہ اور دوبعد

مین "مہا سامنت" لکھا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر مین کسی دوسرے راجہ کے ماتحت ہوگیا تھا،

اس کا لقب چونکہ "پرم ماہیش ور" ہی، اس لئے سمجھا جاتا ہو کہ یہ "شیو" کا ماننے والا تھا،

شلادت اوّل:- سنہ ۵۹۴ء سے ۶۰۴ء تک، اس کا دوسرا نام دھرمادت ہے، تامر پتر سے اس کا شیو ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن بودھ دھرم والون کو خیرات بہت دیا ہے اس لئے قیاس کیا جاتا ہے، کہ بودھ والون کی بہت عزت کرتا تھا، آخر مین اس نے اپنے جانشین کے لئے تخت خالی کردیا، اور خود مرتاض بن کر عبادتِ الٰہی مین مشغول ہوگیا،

کھرگرہ اوّل:- کتبہ سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کو شلادت اول نے اپنے سامنے ہی تخت نشین کرایا، اس کا زمانہ سنہ ۶۱۵ء ہے،

دھرسین سوم:- کا زمانہ سنہ ۶۱۵ء سے ۶۲۰ء تک ہے، افسوس ہے، کہ اس کا کچھ حال معلوم نہین ہوسکا،

دھروسین دوم:- (سنہ ۶۲۰ء سے ۶۴۰ء) یہ دھرسین سوم کا بھائی ہے اس کا دوسرا نام "بالادت" ہے[1] اسی کے عہد مین چینی سیاح ہانگ شیانگ چین سے ولبھی پور آیا ہے، بعض تامر پتر سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس نے بڑے فتوحات حاصل کئے اور سلطنت کو بڑی وسعت دی، لیکن جو تامر پتر نوساری سے دستیاب ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ قنوج کے راجہ ہرشن نے سنہ ۶۴۸ء مین اس کو شکست دی تھی، اس وقت بھرو چ کے راجہ "دو" نے جو دوسرا راجہ تھا، اس کی مدد کی تھی، یہ کتبہ بھروچ کے تیسرے راجہ "جے بھٹ" سنہ ۷۰۶ء سے ۷۳۴ء کے عہد کا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شاید یہی بھروچ کا راجہ ہوگا، جس نے بیچ مین پڑکر صلح کرائی اور پھر راجہ قنوج کی لڑکی سے شادی کرائی جیسا کہ چینی سیاح نے لکھا ہے، کہ یہان چھتری (کشتری) راجپوت راج کرتے ہین، مالوہ کے شلادت کا بھتیجا پہلے راج کرتا تھا اب شلادت راجہ قنوج کا داماد ہے،

---

[1] چینی سیاح نے اس کا نام "ویردو بھٹ" لکھا ہے صفحہ ۸ مطبوعہ لاہور،

بعض تاریخون مین ہے کہ چھٹی صدی کے آخر مین سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے، ایک کا ولبھی پور اور دوسرے کا بھروچ پایۂ تخت تھا، اس کتبہ سے جو نوساری مین ملا ہے، اس کی تائید ہوئی غالباً یہ تفریق دھر سین دوم کے آخر عہد مین ہوئی، پہلے راجہ کا نام ددا اول (۵۸۵ تا ۶۰۵ء) اور دوسرا جے بھٹ (۶۲۰ تا ۶۲۵ء) اور کتبہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس کے بعد کے راجہ کا نام "ددا دوم" (بھٹ) ہے، اور پھر "جے بھٹ دوم" بعض تاریخون مین لکھا ہو کہ "ددا" سوم (سنہ ۶۷۵ء) اس وقت تک ہندو مذہب مین داخل نہین ہوا تھا، بعد کو برہمنون نے اسکو کشتری (چھتریون) مین داخل کر کے اپنے مذہب مین شامل کیا[1]

دھروسین چہارم: سنہ ۶۴۹ء کا جو کتبہ ملا ہے، اس پر اس کا نام "پرم بھٹارک مہاراج ادہیراج چکرورتی" درج ہے، اس لقب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوی زبردست راجہ تھا، جو نہ صرف خود آزاد تھا بلکہ بڑے وسیع فتوحات کے ذریعہ اس وسیع ملک کا شہنشاہ بن گیا تھا، اور غالباً اسکے بعد پھر کوئی اس قدر طاقتور راجہ نہ ہوا کیونکہ اور کسی کتبہ مین "چکرورتی" کا لفظ نہین ملتا ہو، اس کے دو کتبے اور ملے ہین، اول پر سنہ ۶۴۸ء اور دوسرے پر سنہ ۶۴۹ء مرقوم ہے،

دھروسین دوم:۔ (۶۵۰ تا ۶۵۶ء) دھرسین چہارم کے باپ (دھروسین دوم) کا چچا (شلادت اول) کے لڑکے ویربھٹ کا یہ راجہ بیٹا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ولبھی نہ تھا، یعنی ولبھی مین اس کے باپ کی سلطنت نہ تھی، بلکہ جنوب (بھروچ) کے طرف کوئی چھوٹا راجہ تھا، جو موقع پا کر ولبھی تخت پر قابض ہو گیا، نوانگر راج مین ایک گاؤن دان دیا ہو، اس کے تامرپتر پر سنہ ۶۵۱ء ہو،

کھرگرہ دوم:۔ (۶۵۶ تا ۶۶۵ء) اس وقت تک اس کا کوئی حال معلوم نہین ہوا، صرف بعض کتبے ایسے ملے ہین، جس مین ماسبق راجاؤن کا نام معمولی طرح سے کندہ ہے، جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ غالباً اس نے ان سے سلطنت چھین کر لی ہو،

---

[1] تاریخ گوجران صفحہ ۲۱ مطبوعہ لاہور،

شلادت سوم (۶۶۶ء) کھرگرہ دوم کے بھائی شلادت دوم کا لڑکا ہی، جو غالبًا وندھیاچل کا سرحدی حاکم تھا، ان کے تین کتبے ملے ہین، دو پر ۶۶۵ء اور تیسرے پر ۶۷۱ء مرقوم ہے، اس کا لقب "پرم بھٹ ٹارک مہاراجہ دھیراج پرمیشور" ہے، اس کے بعد والے راجاؤن نے بھی اس لقب کو اختیار کیا ہے،

شلادت چہارم:۔ (۶۹۱ء) اسی سنہ کا ایک کتبہ ملا ہے، جس سے اسقدر معلوم ہوا کہ اس کے لڑکے کا نام کھرگرہ تھا،

شلادت پنجم (۷۲۲ء) گونڈل مین دو کتبے ملے ہین، انمین یہ سنہ مذکور ہی، اور یہ بھی لکھا ہی، کہ اس کے لڑکے شلادت کی سفارش سے یہ دان دیا جا رہا ہے،

شلادت ششم:۔ ۱۴۴۱ء مین کسی کو دان دیا ہے، یہ ایک کتبہ سے پتہ چلا ہے،

شلادت ہفتم:۔ ۷۶۶ء کا ایک کتبہ ملا ہے،

ولبھی عہد کے عہدہ دار اس عہد مین جس قدر عہدہ دار ہوتے تھے، اُن سب کا نام بتانا نا ممکن ہے، لیکن کتبات کے ذریعہ سے جن عہدون کے نام ملے ہین، اور ان کے جو معانی سمجھے گئے ہین، وہ مندرجہ ذیل ہین،

نام عہدہ	معانی
۱۔ دران بک	کوتوال
۲۔ مہتر	پٹیل
۳۔ چاٹ بھٹ	حوالدار
۴۔ دھروو	تلاٹی (پٹواری)
۵۔ آدھی کرنیک	قاضی
۶۔ ڈنڈ پاشک	پولیس کا افسرِ اعلیٰ،

نام عہدہ	معانی
۷- چور ودھرنک	کھوجی (نقش قدم کے ذریعہ چور تلاش کرنے والا؛ یہ عہدہ، پنجاب، سندھ، راجپوتانہ مین اسوقت بھی موجود ہے)
۸- راج استھانیہ	وزیر خارجہ،
۹- اماتیہ	وزیر (یہ عہدہ عموماً ولی عہد کو ملتا تھا)
۱۰- الوت پنا دان سمد گراہک	بقایا مالگذاری وصول کرنے والا عملہ،
۱۱- شول کک	مال کا محصول لینے والا عملہ،
۱۲- بھوگک (یا) بھوگدرنک	زمین کے پیداوار کا محصول لینے والا (تحصیلدار)
۱۳- دنڈ پال	تھانے دار
۱۴- پرتی سرک	گاؤن کا چوکی دار،
۱۵- راسٹرپتی	کمشنر
۱۶- گرام کٹ	گاؤن کا مکھی
۱۷- دوی پتی	چیف سکریٹری
۱۸- پرماتری	پیمایش کا افسر

ملکی تقسیم کس طرح تھی، اس عہد مین ملک کے چار حصے تھے،

(۱) وے شے	صوبہ
(۲) آہار	ضلع
(۳) پتھک	تحصیل
(۴) استھلی	پٹو (غالباً تحصیل سے چھوٹا حصہ)

زراعتی محصول سلطنت کے دو حصے تھے، (۱) شمالی یعنی کاٹھیاواڑ وغیرہ (۲) جنوبی یعنی کھیڑا بھروچ وغیرہ ان دونون مقامون مین محصول کی ادائی کا طریقہ علٰحدہ علٰحدہ تھا، کھیڑا یعنی جنوبی حصے مین کل پیداوار مین حصہ لیا جاتا تھا، لیکن کاٹھیاواڑ مین یہ طریقہ رائج نہ تھا، بلکہ پیمایش زمین کے حساب سے وصول کیاجاتا اور پیمایش قدم سے کرتے تھے، اوران معاملات مین وزن کا طریقہ رائج نہ تھا، بلکہ ٹوکریون سے ناپ کر دیتے تھے، جیسا کہ آج بھی برما مین رائج ہے، کھیتون کا نام عموماً کسی تالاب یا درخت یا دیو پر رکھتے تھے،

ولبھی راجاؤن کا مذہب جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ ولبھی دراصل گوجرون کی شاخ ہین، اور گوجرون کا اصل مذہب سورج پرستی ہے، ایران مین بھی یہ مہر یعنی سورج کے پوجاری تھے، یہ لوگ جب ہندستان پہنچے، توان کے سامنے مفتوح قوم کے متعدد مذہب تھے، اوّل برہمنی مذہب (شیو اور وشنو کے ماننے والے) دوم بودھ مذہب سوم جینی، اوّل برہمنون کا تمام ہندوستان پر راج رہا، پھر بودھ کے بعد اشوک نے تمام ہندوستان مین بودھ دھرم قائم کیا، اور ہندوستان کی ایک بڑی مخلوق بودھ ہوگئی، لیکن بکرماجیت نے بودھون کو ہر جگہ سے نکالنا شروع کیا، پس جس وقت گوجر یہان پہنچے، تو اکثر مقامات کے فرمان روا تو عموماً برہمنی مذہب کے تھے، مگر عام رعایا بودھ مذہب کی تھی، یہ حالت خصوصاً گجرات، کاٹھیاواڑ اور سندھ کی تھی، اور مسلمانون کے آنے تک بھی یہی حالت رہی، اور جین مذہب اس ملک مین تیسرے نمبر پر تھا، جب بودھ فنا ہوگئے، تو جین مت نے اس کی جگہ لے لی، جب گوجر یہان آئے تو ہر مذہب نے ان کو اپنے مین جذب کرنا چاہا، چنانچہ کچھ بودھ ہوگئے، اور کچھ شیو، مگر اس جنگجو قوم سکے لئے جو حاکمانہ اقتدار بھی رکھنا چاہتی تھی، بودھ مذہب مناسب نہ پڑا، اس لئے شیو مذہب کی طرف مائل ہوئے، چنانچہ ولبھی راجاؤن مین بھٹ ٹارک سا پہلا شخص ہے، جو شیو ہوگیا، اور اسی لئے ہم دیکھتے ہین کہ کئی پشت تک ہر کتبہ پر بھٹ ٹارک کے نام اور تصویر کے ساتھ نندی بیل کی تصویر موجود رہتی ہے، برہمنون نے آبو پہاڑ پر اگنی دیوتا بھڑ کا کر ان گوجرون کو کس طرح

پوتر کرکے کشتری راجپوت بنا کر "شیو" مین داخل کیا، یہ گوجرون کی تاریخ پڑھنے سے واضح ہوتا ہے، بھروچ کا گوجر راجہ "دد بھٹ سوم" ۶۴۸ء نے تبلایا ہے کہ کس طرح برہمن گوجرون کو کشتری راجپوت بنا کر اس کا سلسلۂ نسب پران سے ملا کر ایک سند دیتے تھے، اور وہ خود بھی کس طرح اس پر عامل ہوا، غرض جن لوگون نے اس عہد مین تبدیل مذہب کرکے برہمنون کا ساتھ دیا، وہ راجپوت کہلانے لگے، اور جن لوگون نے برہمنون سے علحدگی اختیار کی، وہ آج تک گوجر کہلاتے ہین، جیسا کہ گجرات اور پنجاب مین اب بھی یہ لوگ اس نام سے پکارے جاتے ہین، گوہ سین سے پہلے بھٹ ارک خاندان سب اسی مذہب کے پرستار رہے، مگر مورخین اس بات پر متفق ہین کہ گوہ سین بودھ مذہب کا پابند تھا،

گوہ سین کا لقب پرم ماہیشور تھا، جو شیو مذہب کے راجہ رکھتے تھے اور آخری کتبہ پر وہ لقب ہے، جو بودھ مذہب والے رکھتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ابتدا مین وہ اپنے آبائی مذہب پر تھے، لیکن بودھ مذہب والون نے (جو ابتدا سے تبدیل مذہب کی کوشش مین لگے ہوئے تھے،) اس پر ایسا اثر ڈالا، کہ آخر مین بودھ ہوگیا، غالباً محل مین بھی اکثر عورتین بودھ تھین، چنانچہ گوہ سین کی پھوپھی زاد بہن بھی بودھ تھی، اس نے متعدد بودھ مٹھ بنائے اور بہت خیرات دے، اس کے بعد سے اس خاندان مین مذہب کے لئے ایسی ہی کشمکش شروع ہوئی جیسی قیاصرۂ روم مین عیسائیت کے لئے، اور چنگیز خان کی اولاد مین اسلام کے لئے، چنانچہ کچھ شیو ہوئے اور کچھ بودھ، ولبھی راجے شیو ہون یا بودھ، لیکن نہایت مخیر ہوتے تھے، اونھون نے برہمنون اور بودھون کو یکسان بڑی بڑی خیراتین دین، اُن مین سے جو راجہ شیو تھے، وہ زیادہ تر "لکولیش" فرقے کے تھے، اس فرقہ کا سب سے بڑا مندر "کارون" مین نربدا کے پاس تھا، غالباً اسی سبب سے "شیو دھرم" کے لوگ نربدا ندی کو متبرک سمجھتے ہین، شیو کی ایک شاخ "پاشوپت" ہے اس مذہب کی خاص خصوصیت یہ ہے، کہ مذہب کے واسطے ہر وقت جنگ (جہاد) کرنے کو مجاہدین کا ایک فرقہ تیار رہتا تھا، ایسے مجاہدین شادی نہین کرتے تھے، اور بڑی محتاط زندگی بسر کرنے کے باعث نہایت طویل عمرین پاتے، اور توانا و تندرست رہتے (پراچین اتہاس فصل ولبھی پور)

راجہ اکثر اس مذہب کو صرف اس لئے اختیار کر لیتے تھے، کہ فوج کیلئے بہترین سپاہی ان کو مل جاتے تھے، چینی سیاح ہونگ شیانگ چین ولبھی پورآیا ہے، تو مذہبی اعتبار سے بھی یہ شہر بڑا پر رونق تھا، یہان لیک سو سے زیادہ بودھون کی خانقاہین (دہار) تھین، اور چھ ہزار سے بھی زیادہ اس مذہب کے واعظ (سادھو) تھے، جو مقدس کتابون کا دن رات مطالعہ کیا کرتے تھے، یہ لوگ زیادہ تر بودھ کے "ہی نیانہ" فرقہ کے تھے، اور دیوتاؤن کے کئی سو معابد بھی یہان موجود تھے، پھر لکھتا ہے، کہ "جب آدمی کہ دنیا مین بودھ تھا، تو وہ اکثر اس ملک مین آیا کرتا تھا، جن درختون کے نیچے وہ یہان آکر بیٹھا کرتا تھا، ان کے پاس راجہ اشوک نے بطور یادگار "اسٹوپ" بنوایا ہے جن بودھ کے بیٹھنے کی جگہ معلوم ہوتی ہے، اس قسم کے اسٹوپ آج بھی بودھون کے برھما مین بکثرت ہین، جن کی تعمیر بہت ٹھوس اور پائدار ہے،

سیاح مذکور یہ بھی لکھتا ہے، کہ یہان اہل بدعت بہت ہین، اس سے غالباً اس کی مراد یا تو وہ لوگ ہین، جو بودھ تو ہین مگر اُن کا تعلق بودھون کے دوسرے فرقون سے ہے، اور سیاح مذکور کے ہم خیال فرقہ کے متبع نہین ہین یا اس سے مراد وہ غیر مذاہب کے پیرو ہین، جو بودھ مذہب کے مخالف ہین، اور انکی شناخت کے لئے لکھا ہے کہ وہ بدن پر بھبوت ملتے ہین، غالباً اس سے مراد ہندو سادھو ہین"

چنگیز خان

تاتاریون کے پہلے باقاعدہ فرمانروا چنگیز خان کے حالات اور کارنامون پر ہیرلڈ لیمب کی دلچسپ و محققانہ کتاب کا اردو ترجمہ مصنف نے اس مین تاتاری، فرنگی، عربی و فارسی ماخذون سے اس عجیب و غریب بادشاہ کے حالات مرتب کئے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیونکر دنیائے اسلام پر چھا جانے کا مستحق ہو سکا، ترجمہ کی خوبی اور صحت کے لئے مولوی شیخ عنایت اللہ صاحب بی اے ناظم دار الترجمہ عثمانیہ کا نام کافی ضمانت ہے، معارف پریس کی بہترین لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ضخامت ۲۴۲ صفحے قیمت عہ/ "منیجر"

ایک قدیم دکھنی شعر

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی،

قدیم دکھنی زبان مین اردو کا ایک شعر یہ ہے،

کن دھر کھون، کان جاون مین، مجھ دل پہ بہل بچھرات ہی
ایک بات کئے ہون گے سجن یہان جیو بارہ مات ہی

یہ شعر، شعر الہند حصہ اول کے صفحہ ۴۲ مین انھی الفاظ کے ساتھ نقل ہوا ہے، اور شعر الہند کی تصنیف کے وقت جو تذکرے پیش نظر تھے، وہ سب کے سب اس وقت موجود نہین، اس لئے یہ نہین کہا جا سکتا کہ کس تذکرے سے نقل ہوا ہی، لیکن جو تذکرے دار المصنفین کے کتبخانے مین موجود ہین، ان مین یہ شعر مختلف الفاظ مین منقول ہی، تذکرہ گلشن ہند مین یہ شعر غیر یقینی طور پر ابو الحسن تانا شاہ کی طرف منسوب کیا گیا ہی، اور ان الفاظ مین نقل ہوا ہی:-

کس در کھون، جاون کہان، مجھ دل پہ بہل بچھراٹ ہے،
اک بات کے ہون گے سجن، یہان جی ہی بارہ باٹ ہے[1]

میر حسن نے اپنے تذکرے مین اس شعر کو ان الفاظ مین نقل کیا ہی،

کس دہر کھون، کان جاؤن مین مجھ دلپہ پہل بچھڑات ہی،
ایک بات کے ہونگے سجن، یہان جیو بارہ بات ہی[2]

---

[1] تذکرہ مذکور صفحہ ۷، [2] تذکرہ مذکور صفحہ ۷،

لیکن قائم نے اس شعر کو عبداللہ قطب شاہ کی طرف منسوب کیا ہو اور ان الفاظ مین نقل کیا ہو،

کسدر کہون، کان جاؤن مین مجھ دل پہ کٹھن بھراٹ ہے،

یک باٹ کے ہون گے سجن یہان جیو بارہ باٹ ہے[1]،

ان تذکرون کے علاوہ میر، قدرت اور شفیق کے تذکرے بھی دار المصنفین کے کتبخانہ مین موجود ہین، مگر ان مین غالبًا یہ شعر منقول نہین ہو، لیکن بہرحال شعر کسی کا ہو اور کتنے ہی مختلف الفاظ مین نقل کیا گیا ہو، اسکے نقل کرنے سے ان تذکرہ نویسون کو صرف ابتدائی زبان اردو اور ابتدائی رنگ تغزل کا نمونہ دکھانا مقصود تھا، اس لئے کسی نے وس کے الفاظ و معانی کی تحقیق نہین کی، اور شعر الہند مین بھی یہ شعر اسی حیثیت سے نقل کر دیا گیا لیکن خوش قسمتی سے شعر الہند بعض یونیورسٹیون کے نصاب تعلیم مین داخل ہوگئی، اور درس و تدریس کی وجہ سے طلبہ کو اوسکے اشعار کے مطالب سمجھانے کی ضرورت پیش آئی اور اس حیثیت سے یہ شعر بھی معرض بحث مین آیا، اور اوسکے معنی و مطلب کے سمجھنے مین اختلافات پیدا ہوگئے، افسوس ہے کہ مجھے یہ مختلف معانی و مطالب معلوم نہ ہو سکے تاہم اصل شعر کا مطلب غور طلب ہو، اور جہان تک مینے غور کیا ہو، شعر الہند مین یہ شعر جس تذکرے سے نقل کیا گیا ہو، وہ بالکل غلط ہو، کیونکہ دوسرے مصرع مین "بات اور بارہ مات" کے الفاظ بالکل بے معنی ہین، اس لئے پہلے مصرعے کا قافیہ "بھرات" بھی غلط ہو،

میر حسن کے نسخے کا بھی یہی حال ہو، اور انھون نے مزید غلطی یہ کی ہو کہ "بھل" کو "بھیل" لکھا ہو، لیکن غالبًا یہ دو نقطے کاتب کی غلط نویسی سے بڑھ گئے ہین،

تذکرہ گلشن ہند مین اور تمام الفاظ صحیح طور پر نقل کئے گئے ہین، لیکن اس فقرے مین "اک بات کے ہون گے سجن" بات کا لفظ غلط اور بے معنی ہو،

البتہ قائم نے جو شعر نقل کیا ہو، وہ بالکل صحیح ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھکو جو الجھن یا اضطراب ہے،

[1] تذکرہ مذکور صہ،

اوسکو کس جگہ کہون، اور کہان جاؤن، کیونکہ میرا معشوق تو صرف ایک راستے سے گیا ہی، لیکن میرا جی سخت انتشار مین ہی، اور اس مطلب کے رو سے باٹ راستے کے معنی مین ہی، اور جیو کے بارہ باٹ ہونے یعنی بارہ رستے پر پڑ جانے کے معنی انتشار کے ہین، جو ایک استعا ... ہی، اور "یک باٹ کے ہونگے سجن" مین "کے"، "گے"، ہین، کیونکہ قدیم رسم الخط مین "گ" کو صرف ایک ہی مرکز سے لکھتے تھے اور معروف کو مجہول پڑھتے تھے، جیسے "کوئی"، "کو" "کوی"، البتہ "بجھراٹ"، کا لفظ بعض سنسکرت دانون کے نزدیک "بجھاو"، سے مشتق ہے، جسکے معنی الجھنے یا پھنسنے کے ہین، بعض لوگ اسکو بچھراٹ پڑھتے ہین، جسکے معنی بچھڑنے یعنی لوٹنے، تڑپنے اور پچھاڑ کھانے اور گر پڑنے کے ہین، لیکن یہ بھی ممکن ہی، کہ یہ لفظ کھراٹ ہو جس کے معنی دشواری اور مشکل کے ہین، بہر حال جو کچھ بھی ہو، اس شعر مین شاعر نے اپنے قلق اضطراب، بے چینی، الجھن اور پریشان خیالی کا اظہار کیا ہے، اور شعر صحت تلفظ اور سنسکرت و بھاشا کے الفاظ کے ترجمہ و مطلب کے ساتھ حسب ذیل ہے،

کس ٹھار کہون، کان جاؤن مین، مجھ دل یہ کٹھن بجھراٹ ہی،
جگہ — کہان — سخت

یک باٹ کئے ہونگے سجن، یہان جیو بارہ باٹ ہے ہٹ ہٹ،
راستہ — گئے — معشوق — جی — بارہ راستہ

یعنی اپنے دل کی الجھن، اضطراب، دشواری کا حال کس جگہ کہون اور کہان جاؤن، میرا معشوق تو صرف ایک راستے سے گیا ہی، لیکن میرا دل بہت سے راستون مین بھٹکتا پھرتا ہے یعنی منتشر ہے،

المامون

یعنی خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد سلطنت کے حالات مولانا شبلی مرحوم کی یہ پہلی تصنیف ہے جسمین ممدوح نے تاریخ اسلام کے پر فخر عہد کے سیاسی، علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی حالات قلمبند کئے ہین جن سے دولت عباسیہ کے عروج و کمال کے زمانہ کا مرقع آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے، اب تک اس کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے، اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کرا کے شائع کیا ہی، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے، ضخامت ۲۴۴ صفحے، قیمت عہ روپیہ،

نواحِ علی گڈھ مین بابر کے آثار*

از

پروفیسر ہارون خان شروانی صدر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ

آج کل ارباب علم وفضل کے حلقون مین قصبہ بلکھنہ ضلع علیگڈہ مولینا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی عدالت العالیہ حیدرآباد دکن کا مولد ومسکن ہونے کی وجہ سے معروف ہے، لیکن ایسے بہت کم اہل ذوق ہون گے جنھین اس کا علم ہو کہ اس مین بابر اور ہمایون کے زمانے کے آثار اس وقت نہایت اچھی حالت مین موجود ہین، اسکی طرف میری توجہ عالی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر نے مبذول فرمائی، چنانچہ ان کے پسر خورد برادرم مسعود الرحمن صاحب اور اپنے ابن عم برادرم خان بہادر مونس خانصاحب کو ساتھ لے کر مین اونکی زیارت کو گیا، وہان پہنچکر تو آنکھین کھل گئین، بلکھنہ دراصل فیل خانہ یا پیل خانہ تھا اور اس مین پادشاہان دہلی کے ہاتھی رہا کرتے تھے، یہ نواح تاریخی اعتبار سے بھی اہم ہے اسلئے کہ جلالی جسکا ذکر سفرنامہ ابن بطوطہ مین ہے یہان سے دو تین میل سے زیادہ نہین، اور اندازہ لگایا گیا ہے کہ ابن بطوطہ کا "کوشک سلطانی" شاید اسی ٹیلے کے نیچے دفن ہے، جو بلکھنہ سے چند میل کالی ندی کے دوسرے کنارے پر سعد آباد اور بہرام پور کے قریب واقع ہے، بہرحال بلکھنہ کی جامع مسجد کو ہندو پٹھان تعمیر کاری کا تقریباً مکمل نمونہ سمجھنا چاہئے، اسلئے کہ خاص مسجد مین محراب کا نشان نہین، بلکہ مسجد قوت الاسلام دہلی کے بعض درون اور قلعہ دولت آباد دکن کی جامع مسجد کی طرح دروازے پتھر کے سرون سے بنائے گئے ہین، اور ستونون مین ہندو اثر صاف نمایان ہے، یہان تک کہ بعض ستونون مین تو بودھ طرز کے محرابون کی بنت کی ہوئی ہے، ویسے تعمیر مین جو بھی محرابین ہین، وہ صدر دروازے مین ہین اور ان پر بھی بجائے مغل طرز کے پٹھان اثر نمایان ہے، صدر دروازے پر حسب ذیل کتبہ لکھا ہوا ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم، قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم،

عجلوا لصلوٰۃ قبل الفوت وعجلوا التوبۃ قبل (الموت)

کرد این مسجد بنا چو کعبۂ ملجائے عام، اشرف الاشراف گھوڑن بن محمد بن سلام

سال ہجرت بود نوصد وسی وپنج اندر شمار نوبت ظہیر الدین محمد بابر غازی کرام

یہ شیخ گھورن دراصل بادشاہی فیل خانے کے داروغہ تھے، اوران کی اولاد اس وقت تک ملکھنہ مین زمیندار رہے،

اس مسجد سے شمال و مغرب کی طرف تھوڑی دور اس کا گنبد ہے، جو آج کل شاید امام باڑے کے طور پر استعمال ہوتا ہے، اور جو کسی زمانے مین شاید فیل خانے کا کنوان تھا، جو اب اٹ گیا ہے، اسکی محرابون سے "ہندو عربی" یا "مغل" طرز نمایان ہوتی ہے، اس پر حسب ذیل کتبہ ہے، :-

مرتب شد این چاہ در عہد شاہ،

محمد ہمایون بادشاہ

بنا شیخ محمود، اہل انام

پسر شیخ گھورن..........

بتاریخ نہ صد وسی و.........بود

شد اتمام این چہ..........

اس گنبد کے بالکل محاذ مین شیخ گھورن یا گھوڑن کی حویلی کے باقیات ہین، جن کی محرابین نہایت خوبصورت اور قابل دید ہین،

جہان تک مجھے علم ہے بابری آثار عنقا ہین اور تعجب ہے کہ سرکاری محکمۂ اثریات نے اس طرف اسوقت تک توجہ نہین کی ہے،

تلخیص و تبصرہ

فرقۂ علی الہی

امریکہ کے عیسائی رسالہ مسلم ورلڈ (اپریل ۱۹۳۶ء) مین ایران کے علی الہی فرقہ پرایک مضمون شائع ہوا ہے جسکا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"ایران کی سرزمین بدعت و زندقہ کے نشو ونما کے لئے بہت موافق ہے، یہ ملک شیعی اسلام کا جو صحیح مذہب اسلام کی ایک بڑی بدعت ہی، خاص مرکز ہے لیکن شیعی اسلام خود بدعتی فرقون سے پر ہے، ان فرقون مین بہائی اور بابی فرقے مختلف اقسام کے صوفیہ، اور ہرطرح کے درویشون کے گروہ شامل ہین"

لیکن جو فرقہ اسلام سے اس درجہ مختلف ہے کہ بدعت کہلانیکی بہ نسبت زیادہ صحیح طور پر ایک مستقل مذہب شمار کیا جاسکتا ہی، وہ فرقۂ علی الہی ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس فرقہ کے پیرو بظاہر حضرت علیؓ کے متبع ہین، خصوصاً غیر ملک والون سے گفتگو کرنے مین یہ لوگ اکثر حضرت علیؓ کی قسم کھاتے ہین، یہ انکی الوہیت کے قائل ہین، یہ کہتے ہین کہ حضرت علیؓ خدا نہین ہین، لیکن خدا سے جدا بھی نہین ہین، بہرحال اس معاملہ مین یہ لوگ شیعی مسلمانون کے عقیدہ سے زیادہ تجاوز نہین کرتے، البتہ ان کی اندرونی زندگی خیالات اور رسومات کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے، کہ ان مفروضہ متبعین کے دلون مین حضرت علیؓ کا جو اثر عام طور پر سمجھا جاتا ہی، وہ در اصل ہے نہین بعض اوقات تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے ساتھ اس فرقہ کی نسبت ہی حقیقۃً غلط ہے، یہ لوگ اپنے کو "اہل حق" یا "طائفہ" کہتے ہین،

اس فرقہ مین دو آدمیون کا خاص طور پر احترام کیا جاتا ہی، اور انھین سے خصوصیت کے ساتھ مدد مانگی جاتی

ہے ایک داؤد اور دوسرے بنیامین (BENJAMIN) بعض آدمیون کا بیان ہے کہ داؤد حضرت علیؑ کے خادم تھے لیکن اکثر لوگ انھین شاہ داؤد ... بتے ہین، جن کا ذکر توراۃ مین ہے، یہ لوگ زبور کو بڑے شوق سے خریدتے اور پڑھتے ہین، فرقہ علی الٰہی کی ایک شاخ بہ نسبت دوسری شاخون کے داؤدؑ کی زیادہ معتقد ہے اور ہر موقع پر اُن سے طلب استعانت کرتی ہے ایک بچہ جب اپنی طاقت سے بڑھ کر وزنی چیز اٹھانے کی کوشش کرتا ہی، تو داؤدؑ ہی کو مدد کے لئے پکارتا ہے، اور ایک مبتلائے درد کی زبان پر اُسی بے تکلفی کیساتھ "یا داؤد" کا نام آتا ہی جس طرح کوئی عیسائی "اے خدا" پکارے،

بنیامین کی شخصیت داؤد سے بھی زیادہ مستور معلوم ہوتی ہے، ایک معنی مین وہ ملک صدق کی طرح وقت و زمانہ کی حدود سے باہر ہین، لوگون کو اُن کے متعلق کوئی صحیح واقفیت نہین معلوم ہوتی، اور عموماً اُن کا نام لینے مین تامّل کرتے ہین، مجھے بنیامین کی بابت اکثر تعجب ہوا کرتا تھا، لیکن ایک روز جب مین مغربی ایران مین فرقہ علی الٰہی کے ایک بہت بڑے پیشوا کے گھر مہمان تھا، تو میرے میزبان نے مجھے بتایا کہ بنیامین جنکی پرستش اس کے تمام پیرو کرتے ہین، دراصل حضرت عیسیٰ کا دوسرا نام ہے، اُس نے بیان کیا کہ ایران مین فرقہ علی الٰہی کے لوگ پہلے عیسائی تھے، جب مسلمانون نے اس ملک کو فتح کیا، تو یہ لوگ اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کئے گئے، بنیامین جس کے معنی ہین "داہنے ہاتھ کا بیٹا" حضرت عیسیٰ کا بدل قرار پایا، اور اب بنیامین سے لوگ ابن اللہ مراد لیتے ہین،

یہ باور کرنا آسان ہے کہ فرقہ علی الٰہی کے لوگ ابتداءً یہودی یا عیسائی تھے، ان کے بعض رسومات سے اسکی شہادت ملتی ہے: ان کا ایک روزہ مسلسل تین روز تک رہتا ہے، جسکے بعد وہ ایک ضیافت کرتے ہین، اور اس تقریب کو حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ قیام مزار و احیاء دوبارہ کی یادگار بتاتے ہین، ان کے ہان ایک رسم ہے جو "رسم عشاء ربانی" سے بہت مشابہ ہے، اس موقع پر روٹی اور خشک انگور تقسیم کئے جاتے ہین، وہ لوگ الوہیت مسیح کے مسئلہ کو بلا تامل تسلیم کرتے ہین، اور جب ہم حضرت عیسیٰ کو خدا کا فرزند کہتے ہین، تو وہ یہ جواب دیتے ہین "ہم کہتے ہین وہ خدا ہی ہی" باوجود اس کے اُن کے عقائد متفقہ مسیحی معتقدات سے بہت مختلف ہین، وہ لوگ مسئلہ تناسخ کے قائل ہین

لیکن روح کے متعلق کوئی واضح رائے نہین رکھتے، کہ واپس آکر پھر کونسا قالب اختیار کرے گی ایک بار اُن کے ایک بڑے مرشد نے مجھ پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انجیل تناسخ کی تعلیم دیتی ہی،

فرقۂ علی اللہی کی ایک شاخ جو فرقۂ طاوسی کے نام سے مشہور ہے، اس سے بھی آگے ہی، یہ شیطان کی تعظیم و توقیر کرتی ہے، یہ لوگ در اصل اوس کی پرستش نہین کرتے، لیکن اس سے خائف ضرور رہتی ہین، اور اُسی اپنے سے راضی رکھنا چاہتے ہین، مجال نہین کہ کوئی شخص اون کے سامنے کوئی گستاخی کی بات اس کی شان مین زبان پر لائے،

فرقۂ علی اللہی کی تین خاص شاخین ہین، داودی، طاوسی اور نصیری،

فرقۂ علی اللہی مین مطبوعہ کتابون کا رواج نہین ہے، ان لوگون کی مقدس کتاب "سرانجام" کے نام سے مشہور ہے، یہ نظم مین ہے، اور کردی زبان مین لکھی ہوئی ہے، اس کا صرف ایک قلمی نسخہ ہے، یہ کتاب غیرون کو کبھی نہین دیجاتی، لیکن ایک بار مخصوص اعزاز کے طور پر اس فرقہ کے چند پیشواؤن کی موجودگی مین مجھے اسکے مطالعہ کی اجازت ملی تھی،

فرقۂ علی اللہی کے مذہبی پیشوا سید کہلاتے ہین، سید عموماً آل محمد کے لئے استعمال کیا جاتا ہی لیکن اس فرقہ مین یہ لفظ صرف مذہبی پیشوا کے معنی مین بولا جاتا ہی، سید کا عہدہ موروثی ہوتا ہے، اور اکثر صورتون مین اس کے اختیارات کافی وسیع ہوتے ہین، مغربی ایران کے بڑے سید کے پیرو تو در اصل اس کی پرستش کرتے ہین، جو لوگ اسکی خدمت مین حاضر ہوتے ہین، وہ دروازہ کے قریب پہنچکر سرنگون ہوتے ہین اور آستان بوسی کرتے ہین اسی سید کے متعلق اس حصۂ ملک کے ایک سردار نے ایک بار مجھ سے کہا تھا "خدا میرے اس قول کو معاف کرے اصل یہ ہی کہ سید رستم میرا خدا ہے" فرقۂ علی اللہی کے بعض سیدون مین مہمان نوازی درجۂ کمال تک پائی جاتی ہے، جو بھی ان کے دروازے سے گذرے خواہ وہ کوئی غریب مسافر ہو یا کوئی شاہزادہ اسکے لئے طعام و قیام کا سامان ہمیشہ تیار رہتا ہی، ایک سید کے متعلق تو یہان تک مشہور ہے، کہ اوس نے اپنے باپ کے قاتل

کو اپنے ہان میہمان رکھا، اور اسکی خاطر تواضع کی، ایسی فیاضانہ میہمان نوازی اس وجہ سے ممکن ہے کہ سیدون کے پیروان کی خدمت مین کافی نذرین پیش کرتے رہتے ہین، باوجود اس کے کہ ان سیدون کا اس قدر احترام کیا جاتا ہے، ان مین سے بعض صد درجہ خلیق اور منکسر مزاج ہین، "ع ز"

ہندوستان مین جرائم کی تحقیقات کے قدیم طریقے،

ہندوستان مین آگ اور پانی کے ذریعہ سے جرائم کی تحقیقات کا رواج اٹھارہوین صدی کے آخر تک جاری تھا، اس موضوع پر اسٹیٹسمین کے تازہ پرچہ مین مسٹر بل مارلنگ (BILL MARLING) کا ایک مقالہ آیا ہے، اوس کی تلخیص ذیل مین درج کیجاتی ہے، جو امید ہے دلچسپی سے پڑھی جائے گی، وہ لکھتے ہین،۔

رسالہ ایشیاٹک ریسرچز، کی پہلی جلد مین ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز نے اس قسم کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، یہ واقعہ ۱۷۸۳ء مین بنارس مین پیش آیا، ملزم پر صرف چوری کا الزام تھا، اس جرم کی تحقیق کا طریقہ دستور قدیم کے مطابق آگ کے ذریعہ سے تھا، بنارس کے عامل اعلیٰ علی ابراہیم خان خود اوس موقعہ پر موجود تھے، اونھون نے لوگون کو اس طریق آزمایش سے باز رکھنا چاہا، لیکن مقدمہ کے دونون فریقون اور نیز پنڈتون نے کسی دوسرے طریقہ کو پسند نہین کیا، اور صرف آگ سے جرم کی تحقیق پر زور دیتے رہے، علی ابراہیم کو مجبوراً اس طریق آزمایش کی منظوری دینی پڑی، اس اجازت کے لئے وہ اپنی برأت یون پیش کرتے ہین کہ ملزم کو جرم سے بری کرنے کا یہی واحد طریقہ تھا، فریقین ہندو تھے، دھرم شاستر مین اسی طریق آزمایش کا حکم تھا، اور ہندو ریاستون اور سلطنتون مین یہی طریقہ عام طور پر رائج تھا، بحیثیت عامل شہر کے علی ابراہیم خان اپنے تمام مشیرون اور افسرون کو لیکر متعینہ مقام پہنچے، اور مستغیث کو ایک بار اور اس طریق آزمایش سے باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن وہ اپنے اصرار پر برابر قائم رہا، اور بالآخر آزمایش کی رسم شروع ہوئی، علی الصباح

وہ مقام دھو کر پاک وصاف کر دیا گیا تھا، اُس کے بعد پنڈتون نے گنیش کی جو اون کے نزدیک خدائے دانش ہے، پوجا کی، اور پھر سات ہم مرکز دائرے سولہ انگشت کے فاصلہ سے کھینچے، مرکزی دائرہ مین خشک گھاس رکھ دی گئی، ملزم نے غسل کر کے بھیگے ہوئے کپڑے پہنے، اور مشرق کی طرف رُخ کر کے خارجی دائرہ مین کھڑا ہو گیا اوس کے بعد عامل شہر اور پنڈتون نے اُسے حکم دیا کہ اپنے ہاتھون پر چاول اور بھوسی لے کر ملے اوس کے ہاتھون کا معائنہ کیا گیا، اور زخم کا جو نشان اُن مین پہلے سے موجود تھا، اوسے رنگ دیا گیا، پھر اوس کے ہاتھون مین سات پیپل کی پتیان، سات گھاس، نو دانے جو، اور چند پھول رکھ دئے گئے، پنڈتون نے موقع کے مناسب کچھ شلوک پڑھے، اور روداد مقدمہ کو وید کے ایک منتر کے ساتھ تاڑ کے پتہ پر لکھ کر ملزم کے ہاتھون مین باندھ دیا، اوس کے بعد لوہے کی ایک گیند جسکا وزن ڈھائی سیر تھا، آگ مین ڈال دی گئی، یہان تک کہ وہ سرخ ہو گئی، پھر اوسے نکال کر پانی مین ٹھنڈا کیا، پھر گرم کیا، اور پھر ٹھنڈا کیا، اور پھر تیسری بار وہ خوب گرم ہو کر سرخ ہو گئی، تو اوسے چمٹے سے اوٹھا کر ملزم کے ہاتھون مین رکھ دیا، احکام شاستر کے مطابق ملزم ہر دائرہ مین قدم رکھتا ہوا مرکزی دائرہ مین پہنچا، اور وہان پہنچکر اوس جلتی ہوئی گیند کو گھاس کے ڈھیر پر پھینک دیا، گھاس مین آگ لگ گئی، اس کے بعد ملزم کے ہاتھ کھول دیئے گئے، اور دیکھا گیا تو جلنے کا کوئی نشان اُن مین موجود نہ تھا، چنانچہ وہ جرم سے بری کر دیا گیا، اور مستغیث کا ایک ہفتہ قید کی سزا دیگئی، تاکہ آیندہ بے قصورون کے خلاف اس قسم کے غلط الزامات نہ لائے جائین،

ہندو دھرم شاستر مین اس طریقہ کے علاوہ ملزم کی آزمایش کے آٹھ اور طریقے تھے، ایک طریقہ میزان کے ذریعہ سے تحقیق جرم کا تھا، بعض لوگون کا خیال ہے، کہ یہ طریقہ صرف برہمنون کے لئے مخصوص تھا لیکن کچھ لوگون کے نزدیک اس مین برہمن اور غیر برہمن کی تخصیص نہ تھی، ملزم کسی برہمن کی معیت مین ایک دن کا روزہ رکھنے کے بعد غسل اور پوجا وغیرہ سے فارغ ہو کر ایک ترازو مین جسکے دونون پلے بالکل برابر ہوتے، وزن کیا جاتا، اس کے بعد وہ ترازو سے نکال لیا جاتا، پھر پنڈت ایک پرچہ پر اس کے جرم کا خلاصہ

لکھتے، اور اُس پر کچھ منتر پڑھ کر اُس پرچہ کو ملزم کے اوپر باندھ دیتے، چھ منٹ کے بعد وہ دوبارہ وزن کیا جاتا، اگر اب اس کا وزن بہ نسبت پہلے کے زیادہ ہوتا، تو وہ مجرم تصور کیا جاتا، اور اگر کم ٹھہرتا، تو بے قصور سمجھا جاتا، اگر بالفرض اب کی بار بھی دونوں پلوں کا وزن برابر ہوتا، تو اسے تیسری بار وزن کرتے، اور اس مرتبہ ہندو دھرم شاستر کے مطابق وزن میں فرق ہونا لازمی ہوتا،

آج بھی ہندوستان کے بعض حصوں میں تماشا گر سرخ انگاروں پر چلکر اپنے کرتب دکھاتے ہیں، اس قسم کے کرتبوں کی ابتدا برہمنوں کے طریقِ آزمایش میں پائی جاتی ہے، اسی طرح قرون وسطیٰ میں ہندوستان میں ملزم کی بے گناہی ثابت کرنے کا یہ طریقہ بھی تھا، کہ اُسے ببیل کی لکڑی کے دہکتے ہوئے انگاروں پر چلنا پڑتا تھا، یہ انگارے نو ہاتھ لمبی، ایک بالشت گہری، اور دو بالشت چوڑی زمین کھود کر اسمیں بچھائے جاتے تھے، اگر ان انگاروں پر چلنے سے ملزم کے پیر محفوظ رہتے، تو وہ جرم سے بری کر دیا جاتا، یہ کارنامہ اُس قوم کے لئے زیادہ مشکل نہیں ہے، جو ہمیشہ برہنہ پیر چلکر اپنے تلوے کے چمڑے کو سخت بنا لیتی ہے، نو ہاتھ ساڑھے تین گز کے برابر ہوتے ہیں، اور یہ فاصلہ زیادہ سے زیادہ تین قدم میں طے کیا جا سکتا ہے، اس طریقِ آزمایش کا رواج قدیم ہندو روایات میں ملتا ہے، سیتا نے اپنے شوہر رام کے سامنے اپنی عصمت کا ثبوت اس طرح آگ پر چل کر دیا تھا، یورپ میں چارلس فربہ CHARLS (THE FAT) شہنشاہ روما کو بھی اپنی ملکہ رچرڈس (RCHARDiS) کی بے گناہی کا ثبوت اسی طریقہ سے ملا تھا،

پانی کے ذریعہ سے آزمایش کا طریقہ یہ تھا کہ ملزم کو پانی کے اندر اتنی دیر تک غرق رہنا پڑتا جتنی دیر میں ایک آدمی آہستہ پچاس قدم چل لیتا ہے، بعض مقامات میں اس مدت کا اندازہ اسوقت سے کیا جاتا تھا، جو تیر پھینکنے اور اُسے اٹھا لانے میں صرف ہوتا ہے،

آزمایش کے دو طریقے زہر کے ذریعہ سے بھی تھے، لیکن ان میں سے کوئی بھی کسی عورت یا برہمن پر استعمال نہیں کیا جاتا تھا، ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ کسی مٹی کے برتن سے جسمیں پہلے سے ایک سانپ بند رہتا، ملزم سے

کوئی سکہ، انگوٹھی، یا مُہر نکالنے کو کہا جاتا، دوسرا طریقہ یہ تھا، کہ ایک برہمن ملزم کو سفید آرسینک سات دانہ جو کے ہم وزن چھتیس دانہ جو کے برابر مکھن مین ملا کر کھلاتا، ان صورتون مین اگر ملزم بے قصور ہوتا، تو اُس پر زہر کا کوئی اثر ظاہر ہوتا

آزمایش کا ایک اور طریقہ اُبلتے ہوئے تیل سے تھا علی ابراہیم خان نے ۱۷۸۳ء مین اس کا مشاہدہ خود کیا تھا

ملزم کا ہاتھ جل گیا تھا اور وہ مجرم قرار پایا تھا،

ایک اور طریقہ یہ تھا، کہ ایک برتن مین مختلف تصویرین یا با تصویر کپڑے رکھ دیئے جاتے، اور ملزم کو اس مین سے کوئی خاص تصویر یا کپڑا نکالنا پڑتا تھا، کامیاب ہونے پر اوسکی بے گناہی ثابت ہو جاتی،

وس اشرفیون سے لیکر تین اشرفیون تک کی چوری مین بعض اوقات یہ طریقہ استعمال کیا جاتا، کہ ایک برتن مین پانی رکھ کر اُس مین دیوتاؤن کی مورتیون کو غسل دیتے اور اوسی پانی مین سے تین گھونٹ ملزم کو پینا پڑتا اگر دو ہفتے کے اندر وہ کچھ بھی بیمار رہتا، تو مجرم تصور کیا جاتا،

چاولون کے ذریعہ سے آزمایش کا طریقہ نیچی قومون مین حال تک رائج تھا، یہ طریقہ دوسری صدی عیسوی مین اسکندریہ مین بھی پایا جاتا تھا، پہلے منتر اور اشلوک پڑھے جاتے، اُس کے بعد ملزم چاول چبا کر مخصوص پتون یا درخت کی پر انھین تھوک دیتا، جس کے چاول خشک رہ جاتے یا جس کے چاول مین خون کے نشانات پائے جاتے وہ مجرم قرار پاتا،، "ع ز"

مسلمان اور فنِ شیشہ سازی

ایک یورپین مصنف نے مسلمانون کے فن شیشہ سازی پر ایک کتاب لکھی ہے، جس مین یہ بحث کی ہے، کہ رومن قوم کے زمانے سے اسلامی تہذیب کے دور تک اس صنعت مین کیا کیا تغیرات پیدا ہوئے ہین، رسالہ الہلال مصر مین اس کتاب کا خلاصہ آیا ہے، اوس کی تلخیص ذیل مین درج کیجاتی ہے، وہ لکھتا ہے:-

اگرچہ دونون قومون کے فن شیشہ سازی کے درمیان آسانی کے ساتھ کوئی ایسی حد فاصل نہین قائم کی جا سکتی، جس سے دونون مین باہم امتیاز ہو سکے تاہم سرمن رائے یعنی شہر سامرہ مین جو آثار دریافت ہوئے ہین، اون

سے ثابت ہوتا ہے کہ شیشون پر نقش ونگار بنانے کا کام اسلامی تہذیب کے ابتدائی زمانے مین بیحد ترقی کرچکا تھا، اور اس کے بعد بھی اوس مین زمانۂ دراز تک ترقیان ہوتی رہین لیکن یہ مشکل معلوم ہوسکتا ہے، کہ اسلامی ممالک مین جہان جہان اس صنعت کو فروغ حاصل ہوا، وہان اس مین کیا کیا تغیرات ہوئے، تاہم جن عرب مصنفین مثلاً احمد بن محمد التیفاشی، ثعالبی اور یاقوت وغیرہ نے اس صنعت پر کتابین لکھی ہین، انھون نے ان تغیرات کے مخفی زمانون کے چہرون سے نقاب اوٹھادی ہے،

اس صنعت نے ایران، عراق، شام اور مصر مین خصوصیت کے ساتھ ترقی کی، اور شام مین اوسکو اور تمام ممالک سے زیادہ جمال وکمال حاصل ہوا، اس لئے وہان جو شیشے بنائے جاتے تھے، وہ اور ملکون کے شیشون سے زیادہ لطیف وخوشنما ہوتے تھے، قیصر فریڈرک کے عجائب خانہ برلن مین مختلف ممالک کے جو شیشے موجود ہین، اون سے اس صنعت کے تغیرات کا بھی پتہ چل سکتا ہے، مثلاً اس مین شیشون کے جو طشت ہین وہ سادہ سانی طرز کے بنے ہوئے ہین، اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ شیشے کے ایک گول ٹکڑے کو مخصوص آلون کے ذریعہ سے گہرا بنا لیا جاتا تھا، پھر اوسکو ریت کر شیشون کے مخصوص تارون کے ذریعہ سے اوس پر نقش ونگار بنایا جاتا تھا اور پیالے بھی اسی طریقے سے بنائے جاتے تھے، لیکن اس عجائب خانے مین شیشون کے چند قیمتی برتن ایسے بھی ہین، جن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کے بیرونی اور اندرونی حصون پر نقش ونگار بنا لینے کے بعد اون کو گہرا بنایا گیا ہے، انھی مین ایک ٹکڑا ایسا بھی ہے، جس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ فاطمیین مصر کے زمانے مین اس صنعت کو بہت زیادہ ترقی ہوئی، اور عام طور پر اوس کا رواج ہوا، ناصر خسرو نے اپنے سفرنامہ مین خلیفہ مستنصر کے خزانے کا جو ذکر کیا ہے اوس مین شیشے اور بلور کے نادر برتنون کا بھی بیان ہے جن پر اکثر کے اوپر خط کوفی مین خلیفہ کا نام کندہ تھا، اس قسم کی بہت سی نادر چیزین یورپ کے عجائب خانون، گرجون اور اسٹیشنون مین بھی موجود ہین، بندقیہ کے ایک مشہور گرجے مین ایک لوٹا ہے، جس پر خلیفہ عبد العزیز کا نام کھدا ہوا ہے،

اسلام مین شیشون پر نقش ونگار بنانے کی صنعت مین جو جو ترقیان ہوتی رہین، اون سے شیشون

کے رنگنے کی ایک مستقل صنعت ایجاد ہوئی، اور اگر ہم اوس زمانے کے شیشون کے رنگ کا کیمیاوی حیثیت سے مطالعہ کرین تو معلوم ہوگا کہ جن چیزون سے اوس زمانے مین یہ رنگ بنائے جاتے تھے، اون مین اس زمانے کے رنگون کے مواد سے کوئی نمایان اختلاف نہ تھا، مثلاً وہ سفید رنگ کے لئے رانگا، سبز کے لئے تانبا، سرخ کیلئے لوہا، اور نیلے کے لئے لاجورد استعمال کرتے تھے، لیکن باایں ہمہ کیمیاوی حیثیت سے اب تک اس صنعت کے بہت سے اسرار وغوامض ہم سے مخفی ہین،

سترھوین اور اٹھارھوین صدی مین مشرق مین اس صنعت کو زوال ہونے لگا، اور اس فنی ذوق کا خاتمہ ہوگیا، صرف ایران مین اس کا دھندلا سا نقش باقی رہ گیا، چنانچہ برلن کے عجائب خانے مین اس صنعت کے جو قدیم وجدید نمونے موجود ہین، اون سے اس انحطاط کا پتہ چلتا ہے "ع"

تقریر سیرت کی روانگی

۱۵ر جون سے شروع ہوگئی

گذشتہ تین سالون سے سیرت کی تقریرین اسقدر تنگ وقت سے چھپتی رہی ہین کہ مفت تقسیم کے انتظام مین ہمیشہ اور ہر جگہ نقص اور بدنظمی کی بھرمار رہی، اور کبھی تسلی کے مطابق کام نہین ہوا، نہ کبھی ہم تسلی کے ساتھ فرمایشون کی تعمیل کرسکے ہین، اور نہ کبھی مفت تقسیم کرنے والے اصحاب کو تسلی کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے، لیکن یہ پہلا سال ہے جبکہ ہم بفضل خدا پورے وثوق کے ساتھ اعلان کرتے ہین کہ ۱۵ر جون کو سیرت کی تمام تقریرین مکمل ہوکر انکی روانگی شروع ہوجائیگی

اس سال تین تقریرین شائع کیجارہی ہین (۱) مولانا سید سلیمان ندوی کی تقریر (صرف مسلمانون کیلئے) (۲) علامہ سید رشید رضا مصری کی تقریر (ہندوستان کے غیر مسلمون کیلئے) (۳) ڈاکٹر حمید مارکوس آف جرمنی کی تقریر (یورپین کیلئے) مولانا سید سلیمان کی تقریر تو گذشتہ سالونکی تقریرون کے برابر ہے، مگر دونون آخری تقریرین بہت کافی مفصل اور مبسوط ہین، اس دفعہ اردو تقریرون کی قیمت ۱۵ روپیہ فی ہزار (ایک روپیہ کی سو لہ کتب) اور عربی، انگریزی، جرمن، ہندی اور گورمکھی تقریرون کی قیمت ۵۰ روپیہ فی ہزار (ایک روپیہ کی دس کتب) ہے

(ناظم سیرت کمیٹی، پٹی، ضلع لاہور)

اخبارِ علمیہ

صحرائے مزاب کے باشندون کے دلچسپ حالات

صحرائے افریقہ مین الجزائر سے پانچ سو میل جانب جنوب مزاب (MZAB) نامی ایک ویران خطۂ زمین ہے اس مین صرف سات شہر ہین جنمین سے پانچ ایک ہی جگہ ایک پہاڑی کی وادی مین آباد ہین گیارہوین صدی کے ابتدائی حصہ مین اہلِ مزاب اس ویران مقام مین آکر آباد ہوئے، اُس وقت وہان کسی قسم کی پیداوار نہ تھی اور پانی بھی برائے نام پایا جاتا تھا، لیکن اب وہان ہزارون کنوین ہین، اور اہلِ مزاب کا یہ ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے، کہ ان مین سے ہر کنوان باوجود ایک سو فٹ سے زیادہ گہرا ہونے کے صرف ہاتھ سے اور بغیر کسی جدید آلہ کی مدد کے کھودا گیا ہے، کبھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ بیس بیس سال تک وہان بارش نہین ہوئی، تاہم مزاب کے نخلستانون مین بہتیرے یورپین ممالک کے باغات سے زیادہ مختلف اقسام کے درخت موجود ہین، آب پاشی کا ایسا عمدہ طریقہ ہے کہ نہایت قلیل محنت مین ایک ایک انچ زمین مقررہ اوقات مین پانی سے لبریز ہو جاتی ہے،

مزاب کے بعض مخصوص رواج ایسے ہین جنکی نظیر دنیا کے کسی اور حصہ مین نہین ملتی مثلاً حدودِ شہر مین کسی کو سگرٹ پینے کی اجازت نہین ہے، کوئی ہوٹل نہین ہے ہر قسم کا گانا بجانا ممنوع ہی، عورتین کبھی گھرون سے باہر نہین نکلتین، اور تمام چیزین بذریعہ نیلام فروخت ہوتی ہین، نیلام کے بازار کا منظر نہایت دلچسپ ہوتا ہی، یہ بازار ہر روز غروبِ آفتاب سے دو گھنٹے قبل لگتا ہے، اور جب تک کوئی خود اس منظر کا مشاہدہ نہ کرلے یہ باور کرنا

مشکل معلوم ہوتا ہے، کہ لکڑی کے گٹھے سے لیکر قیمتی قالین تک ہر چیز نیلام ہوتی ہے، اور لوگ سنجیدگی کے ساتھ زمین پر بیٹھے ہوئے نہایت دھیمی آواز مین سرگوشی کے طریقہ سے ہر ہر چیز پر بولی بولتے ہین، ایک اور رواج جو اہلِ مزاب کے خصوصیات مین ہے، یہ ہے کہ کوئی عورت ان سات شہرون مین سے کسی ایک شہر کے حدود سے باہر کبھی جانے نہین پاتی، ان کے شوہر یا لڑکے کاروبار کی غرض سے دوسرے بڑے شہرون مین جاتے ہین، لیکن بیوی اور لڑکے کو ہمیشہ انھی ویران شہرون مین قیام کرنا پڑتا ہے،

الجیریا کے دوسرے شہرون کے برخلاف اہلِ مزاب اپنے شیوخِ کلیسا کے زیرِ حکومت ہین، نارمن فتوحات سے قبل بھی یہ مہذب اور متمدن تھے، یہ لوگ اہلِ یورپ کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہین، اونکی اصل کے متعلق کوئی بات یقینی طور پر نہین کہی جاسکتی، ممکن ہے کہ وہ سامی نسل سے ہون لیکن زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ ان کی اصل قرطاجنی ہے، بہرحال اس مین شبہہ نہین ہے کہ اہلِ مزاب دنیا کی قدیم ترین اور عجیب ترین قومون مین ہین، "ع ز"

زہریلی گیس کا اثر ٹماٹر پر

علم کیمیا کی جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے، کہ زہریلی گیسون کا پتہ ٹماٹر کے درخت سے نہایت اچھی طرح چلتا ہے، کیونکہ جب فضا مین اس قسم کی زہریلی گیسین پھیلتی ہین، تو ٹماٹر کی پتیان مرجھا کر بالکل لٹک جاتی ہین اس بنا پر بعض حکومتین نہایت وسیع پیمانے پر یہ تجربہ کرنا چاہتی ہین، کہ ٹماٹر پر ان گیسون کا کیا اثر پڑتا ہے، جن سے جنگ مین کام لیا جاتا ہے، اگر یہ تجربہ کامیاب ہوا تو اس سے جنگ مین کام لیا جائے گا'

ایک کہربائی چولھا

پانی سو درجہ کی حرارت سے جوش کھانے لگتا ہے، اور آج تک زیادہ سے زیادہ حرارت جو انسان پیدا

پیدا کرسکا ہے، اس کا درجہ ۲۶۰۰ ہے، اور لوہا ۲۴۰۰ درجہ کی حرارت مین پگھل کر بخارین جاتا ہے، لیکن جدید اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے، کہ امریکہ مین ایک ایسا برقی چولھا ایجاد کیا گیا ہے جو ۳۶۰۰ درجہ کی حرارت پیدا کرسکتا ہے یعنی آج تک جو چولھے ایجاد ہو چکے ہین، اون سے اسکی حرارت ایک ہزار درجہ زیادہ بڑھی ہوئی ہے، لیکن سب سے عجیب بات یہ ہے کہ باوجود اس سخت حرارت کے اوس کا بیرونی حصہ اس قدر سرد ہوتا ہے گویا اوسکے اندر حرارت کا وجود ہی نہین، اور باوجود اس کے بہت زیادہ گران نہین ہے، اور عام طور پر اوس کا استعمال کیا جاسکتا ہے، اب اس چولھے کی ایجاد سے چٹانون اور پتھرون کو چشم زدن مین بخار کی صورت مین تبدیل کیا جاسکتا ہے،

موٹر کی تیزی کے پتہ لگانے کا آلہ

ہر موٹر مین ایک ایسا آلہ لگا رہتا ہے، جس سے اوسکی تیزی کا پتہ چلتا ہے، لیکن ہر سکنڈ مین اوس کی تیزی کا پتہ اس آلے سے نہین لگ سکتا، اس لئے ایک امریکن انجینیر نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے کہ جس سے ہر سکنڈ مین موٹر کی تیزی کا اندازہ لگایا جاسکے اور جو لوگ معینہ قانونی رفتار سے زیادہ تیزی کے ساتھ موٹر چلاتے ہین، پولیس نہایت آسانی کے ساتھ اون سے مواخذہ کرسکے گی، کیونکہ اس آلہ سے موٹر کی تیزی کا ایسا صحیح اندازہ ہوجاتا ہے، جس سے انکار نہین کیا جاسکتا،

جمادات مین احساس

عام خیال یہ ہے کہ جمادات مین چونکہ روح نہین ہے، اس لئے ان مین احساس بھی نہین ہے، لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ جمادات عناصر سے مرکب ہوتے ہین، اور عناصر کی ترکیب جوہر فرد سے اور جوہر فرد کی ترکیب الکٹرن سے ہوتی ہے، لیکن الکٹرن ایک برقی چمک کا نام ہے، جو نہایت تیزی کے ساتھ حرکت کرتی ہے، اور اس تیزی مین ایک ایسی قوت پائی جاتی ہے، جو قوتِ ادراک سے مشابہ ہوتی ہے، اس نظریہ کی بنا پر بعض علماء نے یہ رائے قائم کی ہے کہ جمادات شعور و احساس سے خالی نہین ہوتے، بلکہ لذت والم کا

احساس کرتے ہین، چنانچہ کسی جاندار چیز کو کاٹنے یا توڑنے یا مروڑنے کے بعد خوردبین سے دیکھو تو وہ اضطراب سے نصف سکنڈ تک پیچ وتاب کھاتا ہوا نظر آئے گا، بعض لوگون نے سینما کے ایک نازک آلہ کے ذریعہ سے اس کیفیت کی تصویر بھی لی ہے،

ہوائی جہاز کا قطب نما

دریا مین جہاز قطب نما کے ذریعہ سے چلتے ہین، لیکن اب ہوائی جہاز دن کو بھی ایک خاص قسم کے قطب نما کے ذریعہ سے چلایا جا سکتا ہے، پہلے ہوائی جہاز کے چلانے والے جس زمین جس پہاڑ جس نہر اور جس شہر پر جہاز کو چلاتے تھے، خاص طور پر اوسکی دیکھ بھال رکھتے تھے، لیکن اب اس قطب نما کے بعد اس کی ضرورت باقی نہین رہی، بلکہ فضا مین کتنا ہی گہرا بادل ہو لیکن یہ قطب نما جہاز کو اوسی طرف لے چلے گا، جس طرف وہ چلنا چاہتا ہے،

قدیم ترین وعظیم ترین درخت

کیلیفورنیا (امریکہ) کے ایک جنگل مین دو ایسے درخت دریافت کئے گئے ہین، جو اپنی قدامت کے لحاظ سے دنیا کے سب سے زیادہ قدیم اور اپنے طول وجسامت کے اعتبار سے سب سے زیادہ عظیم درخت بیان کئے جاتے ہین، ان مین سے پہلا درخت جو جنرل شرمن (SHERMAN) کے نام سے موسوم ہے (۲۷۲) فٹ بلند ہے، اور جڑ کے پاس اس کے تنے کا گھیر (۱۰۲) فٹ ہے، اسمین پچاس ہزار مکعب فٹ کی کارآمد شہتیرین ہین، اس کے وزن کا تخمینہ چھ ہزار فٹ سے زیادہ ہے، دوسرا درخت وہ ہے، جسے جنرل گرانٹ (GRANT) کہتے ہین، یہ پہلے سے زیادہ طویل ہے، اور جڑ کے پاس اس کا گھیر بھی زیادہ ہے، لیکن لکڑی اس مین کم ہے، دونون چار ہزار سے پانچ ہزار سال تک قدیم ہین،

"ع"

ادبیات

ہمہ اوست

از جناب سید مقبول حسین صاحب بی اے احمد پوری

وہ کہاں ہیں؟ تم سے کہا کہوں؟ نہیں اونکے جلوے شمار میں ۔۔۔ یہی تو ہیں، یہی تو ہیں، مری بیخودی کے خمار میں

وہی دل میں ہیں، وہی درد میں، وہی غم میں ہیں، وہی آہ میں ۔۔۔ یہ انھیں کا نغمہ بلند ہے، مرے دل کے نالہ زار میں

وہ فراق اور وصال میں، وہی عشق میں، وہی حسن میں ۔۔۔ یہی ہیں شمع امید میں، وہی حسرتوں کے مزار میں

وہی لطف میں، وہی کیف میں، وہی بو میں ہیں، وہی رنگ میں ۔۔۔ یہی تو ہیں، جو نکھر رہے ہیں کسی کے روئے نگار میں

یہی ہیں شیب و شباب میں، وہی موت اور حیات میں ۔۔۔ وہی زندگی کی بہار میں، وہی قبر تیرہ و تار میں

یہی ہیں زمان میں، ہیں وہی لامکان و مکان میں ۔۔۔ وہی خشک و تر، وہی بحر و بر، وہی ملک اور دیار میں

وہی ماہ میں، وہی سال میں، وہی رات میں، وہی دن میں ہیں ۔۔۔ یہی تو ہیں جو خزاں میں ہیں، یہی ہیں فصل بہار میں

وہی حال میں، وہی قال میں، وہی ممکن اور محال میں ۔۔۔ یہی نہاں، یہی عیاں، وہی خامشی میں پکار میں

یہی ہیں علم و کمال میں، یہی بے مثال و مثال میں ۔۔۔ یہ انھی کی ادنی سی وضع ہے، مرے دل کے عز و وقار میں

وہی بندگی میں نماز میں، وہ گناہ میں، وہ ثواب میں ۔۔۔ وہی بخشش اور عذاب میں، وہی نور میں، وہی نار میں

وہی عہد اور وفا میں ہیں، وہی عفت اور حیا میں ہیں ۔۔۔ وہی عصمت اور ادا میں ہیں، وہی شرم میں، وہی عار میں

وہی میل اور ملاپ میں، وہی ہم میں اور وہی آپ میں ۔۔۔ یہ تعلقات انھیں سے ہیں، وہی دوستی کے شعار میں

ہے انھیں سے زیست کا سب مزہ، وہی شغل اور وہی مشغلہ ۔۔۔ یہ انھیں کا ذکر ہے جابجا، وہی جیت میں، وہی ہار میں

جو نظر مین ہی سب انہین سے کچھ خیال مین ہے انہین سے ہے وہی دل مین ہین وہی روح مین وہی جان و جسم نزار مین

سب انہین کے رازو نیاز ہین وہی سوز مین وہی ساز مین وہی نوش مین وہی نیش مین وہی گل مین اور وہی خار مین

سرِ سیم اُن پہ فدا کرو، تو قبول ہو کے قبول ہو
وہ غنی ہین اور کریم ہین نہین بخشش ان کی شمار مین

نالۂ حسرت

از سید الشعراء فضل الحسن حسرت موہانی

نامرادون کو شاد کام کرو کرم اپنا کبھی تو عام کرو
کارِ عاشق ہے، ناتمام، سو تم قتل کر کے اوسے تمام کرو
سب کی خاطر کا ہے خیال تمھین کچھ ہمارا بھی انتظام کرو
کھل سکے جب تلک نہ راہِ مراد منزلِ صبر مین قیام کرو
پوچھتے ہین وہ جان نثارون کو تم بھی حسرت اٹھو سلام کرو

جامِ صہبائی

از جناب عبد السمیع صاحب پال اثر صہبائی، ایم اے ایل ایل بی وکیل سیالکوٹ

بے تاب ہون جامِ ارغوانی کیلئے مرتا ہون سراب شادمانی کے لئے
کوئی نہین گلگونۂ بجز حسنِ عمل تزئینِ نگارِ زندگانی کے لئے

عشرت باقی نہ بزمِ عشرت باقی باقی ہے گناہ کی ندامت باقی
کیا روح فروز ہے مے حسنِ عمل! تلخی فانی ہے، اور لذت باقی

اے غرقِ گناہ! اے پشیمانِ حیات!! ہے یاس سے چاک چاک دامانِ حیات؟
جی کھول کے بختِ بد پہ رولے! رولے!! ہے گریۂ معصیت مین سامانِ حیات؟

بَابُ التَّقرِیظِ وَالاِنتِقَاد

چند نئے اخبار اور رسالے

اردو کے نئے اخبار و رسائل کا تذکرہ معارف کی گذشتہ جلد کے پہلے پرچہ مین کیا گیا تھا اب ان چند مہینون مین جو نئے اخبار اور رسالے نکلے ہین، وہ حسب ذیل ہین،:-

اخبارات سال رواں کے آغاز سے ہندوستان مین حکومت اور کانگریس مین جو کشمکش جاری ہوگئی ہے، اور اسمین حکومت کی جانب سے گذشتہ سال کے جو ہنگامی قوانین مطابع نافذ ہوگئے ہین، اون کے لحاظ سے یہ موسم اخبارات کے نکلنے کے لئے موافق نہ تھا، اس لئے اس دور مین کسی نئے آزاد خیال اخبار کا جاری ہونا کسی قدر دشوار تھا، اور یہی وجہ ہے کہ اس دور مین اردو کے جسقدر اخبارات نکلے، اون مین اکثر اپنی حکمت عملی کے لحاظ سے "حکومت اور رعایا کے تعلقات کے خوشگوار بنانے" اور ملک مین "قیام امن" اور "احترام قانون" کی فضا پیدا کرنے کے مقاصد لیکر شائع ہوئے ہین لیکن چند اخبار اس سے جداگانہ روش لیکر بھی نکلے ہین، وہ کارزار ماڈل ٹاؤن لاہور اور مطالعہ (لدھیانہ) وغیرہ ہین،

کارزار:- ماڈل ٹاؤن لاہور (ہفتہ وار) مدیر جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری حجم ۱۲ صفحے تقطیع ۲۲×۱۸ کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی، قیمت سالانہ ؎ ۱۰؍ فی پرچہ ۲؍ پتہ دفتر کارزار ماڈل ٹاؤن لاہور،

کارزار ایک اصلاحی اخبار ہے، اس کی ظاہری شکل وصورت اخبار سچ لکھنؤ کے مماثل ہے، اور بعض حیثیات سے مونون مین معنوی مماثلت بھی پائی جاتی ہے، جناب حفیظ شاہنامۂ اسلام کے نوجوان مصنف ہین، دل مین اسلام کا درد رکھتے ہین، اور جوش وولولہ سے مسلمانون کی خدمت و اصلاح کرنا چاہتے ہین خصوصًا

مسلمانون کی بڑھتی ہوئی مغرب پرستی سے نالان ہین، اور اوس کے روکنے کیلئے یورپ ہی کے اخبارات کے اقتباسات سے یورپ کی تمدنی ابلہ فریبیون کا پردہ چاک کرتے ہین، اور اس سلسلہ مین جو کچھ لکھتے ہین، دلنشین انداز مین لکھتے ہین، لیکن اسی کے ساتھ ہمین جناب حفیظ سے کسی قدر گلہ بھی کرنا ہے، کہ وہ کارزار کے صفحات کو مختلف قسم کی مقامی آویزشون سے بھی آلودہ کرتے ہین، اور کبھی کبھی تو انھی قضیون مین پورا اخبار نذر ہوجاتا ہے، اگر گھر کے قصے گھر ہی مین چکالئے جائین، تو مناسب ہے، کارزار کے پہلے صفحہ پر جناب حفیظ کی کوئی نہ کوئی تازہ، پرجوش اور پرکیف نظم ہوتی ہے، اسی طرح ہر ہفتہ ایک دو سنجیدہ مضامین ہوتے ہین، مقالۂ افتتاحیہ مین اسلامی حلقہ کے مفید سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل پر رائے زنی کیجاتی ہے، لیکن اسی مین کبھی ماڈل ٹاؤن یا اسی قسم کے غیر دلچسپ مباحث بھی چھیڑ دئے جاتے ہین، اخبار عمومی حیثیت سے دلچسپ اور اشاعت پانے کے لائق ہے،

مطالعہ لدھیانہ (ہفتہ وار) زیر ادارت جناب ایم حسن لطیفی بی اے سند یافتہ لندن اسکول آف جرنلزم، حجم ۸ صفحے تقطیع $\frac{۲۰ \times ۲۶}{۴}$ کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت سالانہ للعہ فی پرچہ ارپیہ ۔ دفتر جریدہ مطالعہ لدھیانہ،

مطالعہ ایک "علمی و ادبی جریدہ" ہے، جو جناب ایم حسن لطیفی کی ادارت مین "تنہا نگاری" (سولو جرنلزم) کا پہلا جریدہ کے زیر عنوان جاری ہوا ہے اس جریدہ کی یہ تنہا خصوصیت ہے کہ صرف مدیر جریدہ اس کو تمام تر مرتب کرتا ہے، اس کے چند پرچے نظر سے گذرے، مدیر مطالعہ نے ہندوستان کی سیاسیات سے ایک سال تک کنارہ کش رہنے کا اعلان کیا ہے، اس لئے جریدہ سیاسی مباحث سے خالی رہتا ہے، لیکن جناب لطیفی کسی سیاسی مطمح نظر کے علاوہ خدمتِ علم و ادب کے بلند حوصلے بھی اپنے اندر رکھتے ہین، اس لئے مطالعہ کے صفحات مین جناب لطیفی کے قلم سے "ادب لطیف" کے مختلف مرقعے مختلف عنوانون "تنقید و تبصرہ" "السنہ" "نسائیات" "خطابت" "شعر" اور "نفسیات" وغیرہ کے ماتحت تیار رکئے جاتے ہین، ادرانھی مین بعض علمی و تاریخی مضامین بھی ہوتے ہین، توقع ہو کہ جناب

لطیفی مطالعہ کے ذریعہ اپنی کامیاب خدمات انجام دین گے،

خدمت:- بمبئی (ہفتہ وار مصور) اڈیٹر جناب عطاء الرحمن خان صاحب امروہی، حجم ۲۰ صفحے تقطیع ۲۲x۱۸ لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی، قیمت سالانہ للعہ پتہ دفتر خدمت نمبر ۷ والٹر اسٹریٹ بمبئی نمبر ۹-

خدمت بمبئی کی انجمن خدام المسلمین کا ہفتہ وار آرگن ہے، انجمن کے اغراض و مقاصد مسلمانان بمبئی کی قومی و ملی خدمت ہے، خدمت انہی مقاصد کی تبلیغ کرتا ہے، اور اس لئے اوس کا سیاسی مسلک قدرۃً اسلامی مفاد کی حفاظت ہے، اور اس لئے اس پر فرقہ وارانہ رنگ زیادہ غالب ہے، اخبار چند عنوانوں کے ماتحت نکلتا ہے، جنمین چھوٹے چھوٹے مضامین اور افسانے ہوتے ہین،

عالمگیر امرتسر (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب حکیم محمد یعقوب صاحب ہاشمی حجم ۸ صفحے تقطیع ۲۲x۱۸/۲ کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی، قیمت باختلاف طبقات ما عہ، للعہ، ۶ پتہ :- دفتر اخبار عالمگیر کٹڑہ، خزانہ، امرتسر،

اخبار عالمگیر کچھ دنون سے امرتسر سے نکل رہا ہے، ہندوستان کی موجودہ سیاسیات مین یہ کانگریس کا مخالف اور مسلم کانفرنس کا مؤید ہے، حکومت کی جانب بھی دست مصالحت بڑھا رہا ہے، اور ریاستون کی سیاسیات مین بھی معتدبہ حصہ لیتا ہے، ہفتہ وار خبرین التزام سے درج کیجاتی ہین،

منصف مرادآباد (ہفتہ وار مصور) اڈیٹر جناب سید حشمت علی صاحب افضل و معاون جناب فاضل چغتائی حجم ۳۰ صفحے تقطیع ۲۲x۱۸/۴، کاغذ معمولی، لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت ۶، پتہ دفتر منصف بلید ار اسٹریٹ مرادآباد،

منصف کی حکمت عملی ہندوستان کی موجودہ سیاسیات مین اسلامی حقوق کی حفاظت و تائید ہے، اخبار مختلف عنوانون "تنقیحات" "صنعت و حرفت" "اوراق پارینہ" "صفحہ خواتین" "طب و صحت" "ہندوستان کی ریاستین" "بچون کا صفحہ" "اسلامی دنیا" "ہند و دنیا" "نیوز ڈائری" اور "مقامی رپوٹ" مین تقسیم ہے، پرچہ سلیقہ سے مرتب ہوتا ہے، اور بعض مضامین بھی اچھے ہوتے ہین،

ملک:۔ اعظم گڈھ (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب محمد نقی صاحب قریشی "جرنلسٹ" حجم ۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۴ کاغذ معمولی لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت سالانہ ۳؎ پتہ:۔ دفتر ملک کچہری روڈ، اعظم گڈھ،

ملک ہمارے شہر اعظم گڈھ کا مقامی اخبار ہے، جو چند ماہ سے جناب محمد نقی صاحب قریشی "جرنلسٹ" کی ادارت مین نکل رہا ہے، اس وقت ۷ جون کا پرچہ زیر نظر ہے، سرورق پر گوڈ سیو دی کنگ" درج ہے، ملک کی موجودہ سیاسیات مین اوسکی روش حکومت کی تائید اور کانگریس پر سب وشتم ہے، حکومت کی تائید مین ضلع کے مختلف مقامات پر جو جلسے ہوتے ہین، ان کی مفصل رو داد شائع کیجاتی ہے، نیز مقامی بورڈون کے معاملات مین بھی حصہ لیتا ہی، ہفتہ وار خبرین اپنے مذاق کی درج کی جاتی ہین،

مراد گورکھپور (ہفتہ وار) مدیر جناب حکیم امجد حسین صاحب نظر، حجم ۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۴ کاغذ معمولی گلابی رنگ لکھائی چھپائی بھی معمولی، قیمت باختلاف طبقات ۵؎، ۵؎، ۵؎، ۳؎، ۲؎، ۱؎، پتہ:۔ دفتر مراد دیسی دواخانہ گورکھپور،

گورکھپور کے بعض اسپیشل مجسٹریٹ، اور آنریری اسسٹنٹ کلکٹر کی سرپرستی مین یہ ہفتہ وار اخبار مراد نکلا ہے، اس کا پہلا پرچہ پیش نظر ہے، جس مین اس کا مقصد "قیام امن، احترام قانون اور حکومت اور رعایا کے تعلقات کا خوشگوار بنانا" وغیرہ بتایا گیا ہی، اصل مقصد اسی تشریح مقاصد سے واضح ہے، ہفتہ وار خبرون کا کوئی اہتمام نہین ہی،

اصلاح کابل (فارسی روزنامہ) مدیر جناب برہان الدین کشکی، حجم ۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۲ کاغذ اوسط درجہ، لکھائی چھپائی ٹائپ مین، قیمت سالانہ ۸ اشلنگ، پتہ:۔ ادارہ وہ افغانان کابل، افغانستان،

اصلاح افغانستان کے دور نادری کا ایک نیم سرکاری ہفتہ وار تھا، جو اب روزنامہ ہو گیا ہے، اور غالباً یہ افغانستان کا سب سے پہلا روزنامہ ہی، اس مین کابل اور ممالک خارجہ کی روزانہ خبرون کے التزام کے ساتھ

افغانستان کے سرکاری احوال و روداد بھی شایع ہوتے رہتے ہین، نیز ہر اشاعت مین کوئی نہ کوئی علمی ادبی مقالہ نظر آتا ہے، فارسی کی کوئی اچھی نظم بھی ہر اشاعت مین ہوتی ہے، غیر ممالک کے اخبار و رسائل کے اقتباسات و تراجم ہوتے ہین، کبھی کبھی معارف کے مضامین کے ترجمے بھی دیے جاتے ہین، ہندوستان مین اسلامی ممالک کی سیاسیات سے دلچسپی رکھنے والے اور نیز جدید فارسی کے شائق طلبہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہین، طلبہ کیلئے اوسکی قیمت مین ایک ثلث کی رعایت رکھی گئی ہے،

رسائل اس ششماہی مین مختلف قسم کے جو مذہبی، علمی، ادبی، اور تعلیمی رسالے نکلے، وہ بہ ترتیب حسب ذیل ہین،

علمی و مذہبی علمی اور مذہبی رسالون مین دو رسالون کے نام لئے جا سکتے ہین، وہ الضیا لکھنؤ اور حقیقت اسلام لاہور ہین،

الضیا لکھنؤ (عربی ماہانہ) مدیر مولوی مسعود عالم ندوی حجم ۴۰ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت سالانہ ؎ر، پتہ:- دفتر الضیا شبلی ہوسٹل لکھنؤ،

ہندوستان مین عربی زبان کے جاننے والون کی تعداد تقریبًا ایک لاکھ سے زیادہ بیان کیجاتی ہے، اور ملک کا ایسا کوئی گوشہ موجود نہین، جہان دو چار عربی خوان موجود نہ ہون، قدیم اسلامی مدارس سے قطع نظر کرکے جہان صرف عربی زبان ہی کا درس ہوتا ہے، ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیون مین بھی اسکی تعلیم کا اچھا خاصا انتظام ہے، علاوہ ازین ہندوستان کے مسلمانون کے سیاسی، مذہبی، علمی اور تعلیمی روابط مختلف اسلامی ممالک سے آجتک قائم ہین، اور روز بروز ان مین استحکام آتا جاتا ہے، لیکن یہ کس درجہ حیرت انگیز امر ہے، کہ ان امور کے باوجود ہندوستان مین عربی زبان کا کوئی رسالہ یا اخبار موجود نہین جس زمانہ مین ندوۃ العلماء کی تحریک کا ملک مین عام چرچا تھا، اور اوسکی آواز بازگشت اسلامی ممالک تک پہنچی تھی، اون دنون لکھنؤ سے مولینا عبد العلی آسی مدراسی مرحوم، مولانا عبد اللہ العمادی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی کوششون سے ایک رسالہ

البیان جاری ہوا تھا، اس کے بعد مختلف رسالے جا بجا سے نکلے اور آخر مین مولانا ابو الکلام آزاد کی نگرانی اور مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی (فاضل مصر) کی ادارت مین کلکتہ سے ایک ہفتہ وار اخبار الجامعہ کے نام سے نکلا، اس مین شبہہ نہین کہ الجامعہ نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی، اور مفید خدمات انجام دین، لیکن وہ ایک سیاسی اخبار تھا، اور اوس کے پیش نظر بڑی حد تک صرف عرب کے وقتی سیاسی مسائل تھے، اسلئے وہان کے حالات یکسو ہونے کے بعد وہ قدرۃً خاموش ہو گیا، لیکن مختلف مقامات سے وقتاً فوقتاً جو رسالے نکلتے رہے وہ ایک کے دو نمبرون سے زیادہ نہ چل سکے صرف لکھنؤ کا وہی مجلہ البیان تھا، جس نے کسی قدر طویل زندگی پائی اور مفید خدمات انجام دین، لیکن اب مسرت ہے کہ اسی سرزمین سے مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی تحریک و اہتمام اور مولانا ضیاء الحسن علوی ندوی ایم اے انسپکٹر مدارس عربیہ ممالک متحدہ کی اخلاقی امداد سے ایک جدید رسالہ الضیاء طلوع ہوا ہے، رسالہ کی ادارت ہمارے نوجوان دوست مولوی مسعود عالم ندوی کے ہاتھ مین ہے، اور اوسکی نگرانی مولانا سید سلیمان ندوی اور شیخ تقی الدین الہلالی المغربی (استاذ عربی دار العلوم ندوۃ العلماء) کے سپرد ہے، پہلا رسالہ سال ہجری کے آغاز ماہ محرم ۱۳۵۱ھ سے نکلا ہے، اور یہی اس وقت پیش نظر ہے، رسالہ کا آغاز "طلوع الضیاء" سے ہوتا ہے، جو اوس کے نگران مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم سے ہے، اور جسمین ہندوستان مین زبان عربی کے علمی و تعلیمی حالات دکھا کر "طلوع ضیاء" کی ضرورت کا اظہار کیا گیا ہے، پھر مقالات شروع ہوتے ہین، پہلا مقالہ شیخ تقی الدین الہلالی کا اسلامی مدارس کے عنوان پر ہے، جسمین خصوصیت سے ہندوستان کے اسلامی مدارس اور ان کے طریق درس اور نظام تعلیم پر اختصار کے ساتھ بحث کیگئی ہے، اس کے بعد جناب احسان سامی حقی استاذ عربی مسلم یونیورسٹی کا مقالہ "فلسفۃ الامثال" ہے، پھر مولوی سید ابو الحسن علی حسنی ندوی (جو مولانا حکیم عبد الحئی صاحب مرحوم کے لائق نوجوان صاحبزادے ہین) کا مقالہ "ادب نبوی" ہے، پھر ڈاکٹر سر اقبال کی شاعری کا اجمالی تعارف مولوی محمد ناظم صاحب ندوی کے قلم سے ہے، اس کے بعد "بستان الادب" کا عنوان ہے، جسمین مولانا عبد الحلیم صدیقی کی ایک عربی مخمس نظم ہے، پھر باب البحث والتنقیب

ہین مولانا سعید انصاری رفیق دار المصنفین کا ایک مضمون شعرائے نصرانیہ پر ہے' اسکے بعد "سیر الحوادث" اور "اخبار و آثار" وغیرہ کے مختصر ابواب ہین،

توقع ہے کہ عربی زبان کا یہ جدید الشیوع رسالہ ہندوستان مین عربی علم ادب کا صحیح ذوق پیدا کرنے کے علاوہ اسلامی ممالک سے علمی و ادبی اور تعلیمی رشتۂ مواصلت قائم کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگا، اور امید ہے کہ ہندوستان کے عام علماء و اہلِ علم کے علاوہ اسلامی مدارس کے اساتذہ و طلبۂ یونیورسٹیون کے شعبہ عربی کے اساتذہ و تلامذہ اور اسکولون کے عربی معلمین و طلبہ اس پرچہ کا پرجوش خیر مقدم کرین گے کہ رسالہ اپنی مستقل زندگی اختیار کرکے اپنے مفید خدمات انجام دیسکے،

حقیقتِ اسلام:- لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب محمد عنایت اللہ صاحب وارثی حجم ۲۴ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی نہایت عمدہ، قیمت سالانہ ۲؎ ، پتہ ، دفتر حقیقتِ اسلام بیکو آرٹ پریس بیرون موچی دروازہ، لاہور،

"حقیقتِ اسلام" ایک مفید مذہبی علمی رسالہ ہے، جو مولوی محمد عنایت اللہ صاحب کی ادارت اور جناب ماسٹر محمد احسان صاحب مالک بیکو آرٹ پریس کے اہتمام مین لاہور سے شائع ہوتا ہے، اس کا پہلا پرچہ ماہ فروری ۱۹۳۲ء مین نکلا تھا، اور اس وقت تک چند پرچے نظر سے گذرے ہین، اپنے طرز کا ایک کامیاب رسالہ ہے، مضامین اصلاحی مباحث پر اوسط درجہ کے ہوتے ہین، نیز "مطالب القرآن فی ترجمۃ القرآن" کے زیر عنوان قرآن مجید کا اردو ترجمہ مع ضروری تشریح کے بالالتزام شائع ہوتا ہے، اسی طرح احادیث نبوی کے زیر عنوان چند حدیثون کا اردو ترجمہ اور "نصیحت آموز حکایات" کے ماتحت چھوٹے چھوٹے اسلامی قصے درج کئے جاتے ہین، رسالہ کی ظاہری شکل و صورت لکھائی چھپائی اور کاغذ کے لحاظ سے دو روپے سالانہ قیمت کم ہے، ضرورت ہے کہ عام مسلمان اس سے فائدہ اٹھائین،

ادبی رسالے | ادبی رسائل مین حسب ذیل رسالون کا اضافہ ہوا ہے، نقاد کلکتہ، پروین لاہور، جہانگیر

لاہور اور ضیائے شمس سہارنپور،

نقاد:۔ کلکتہ (ماہانہ مصور) ادارہ جناب ڈاکٹر اسد قمر فردوسی و ظفر احمد تبریزی صاحبان،

حجم ۴۸ صفحے، کاغذ عمدہ لکھائی چھپائی معمولی، قیمت سالانہ سے رپتہ:۔ دفتر نقاد نمبر ۱۲۵،

لانے مچھوا بازار اسٹریٹ کلکتہ،

نقاد، چند بہاری و بنگالی اہل قلم کی کوششون سے کلکتہ سے نکلنا شروع ہوا ہے، اس کے اغراض و مقاصد مین بنگال و بہار مین اردو کو ترقی دینا، اور عدالتون اور سرکاری دفاتر مین اسکو مقبول بنانا ہی، نیز اس نے "اردو قواعد مین حسب ضرورت اصلاح و ترمیم" اور اسی قسم کے چند دیگر امور بھی اپنے مقاصد مین رکھے ہین، لیکن مناسب ہے کہ کارکنان نقاد ابھی اپنے ابتدائی مقاصد کی تکمیل مین مصروف رہین، مضامین اوسط درجہ کے اچھے ہین، امید ہے کہ بنگال اور بہار مین اوسکی اشاعت عام طور پر ہوگی،

پروین:۔ لاہور (ماہانہ) ادارہ جناب اظہر حسن صاحب زاہدی بی اے و جناب انعام احمد صاحب ناصر، حجم ۴۸ صفحے، لکھائی چھپائی، اور کاغذ عمدہ، قیمت ۶؍ پتہ:۔ دفتر پروین وطن بلڈنگ لاہور،

پروین کا دوسرا نمبر بابت ماہ جنوری ۱۹۳۲ء ہمارے سامنے ہے، اس مین بعض ادبی و تاریخی مضامین اچھے اور دلچسپ ہین، رسالہ کے مدیر جناب زاہدی صحیح اصولون پر اوسکو ایک ادبی رسالہ بنانا چاہتے ہین، اور رسالہ کے مضامین اور ترتیب سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ادبی رسالون مین اچھی جگہ حاصل کرے گا،

جہانگیر:۔ لاہور (مصور ماہانہ) ادارہ:۔ جناب محمد احمد خان صاحب درانی، سید شبیر حسن صاحب قیس حیدرآبادی و ابن الاسد صاحب فیض لدھیانوی حجم ۷۰ صفحے لکھائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت سالانہ سے رپتہ:۔ دفتر جہانگیر ۲۱، سرکلر روڈ بیرون شاہ عالمی دروازہ لاہور،

رسالہ جہانگیر ماہ اپریل ۱۹۳۲ء سے نکلنا شروع ہوا ہے، اسوقت دوسرا نمبر پیش نظر ہے اکثر مضامین

افسانوں پر مشتمل ہین، اور بعض اچھے افسانے ہین، نظمون مین بلند پایہ شعراء کے کلام نظر آتے ہین، آخر مین مختلف زبانون کے ادبی اقتباسات بالواسطہ و بلاواسطہ اردو مین منتقل کئے گئے ہین، جہانگیر کی ترتیب اپنے پیشرو ادبی رسائل عالمگیر وغیرہ کے طرز پر ہے،

ضیائے شمس:- سہارنپور (ماہوار) ادارہ:- جناب ظہیر احمد صاحب شمس سہارنپوری و جان محمد صاحب عاطف رودڑکوئی، حجم ۴۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت سالانہ عہ، پتہ:- دفتر ضیائے شمس محلہ قضاۃ سہارنپور،

ضیائے شمس کے اکثر مضامین ادب لطیف مین ایک ایک صفحہ اور نصف نصف صفحہ کے ہین، اور نیز مختصر افسانے اور سہارنپور کے مختلف شعراء کے کلام درج ہین،

طبی رسالے: اس ششماہی مین جو طبی رسالے ہم تک پہنچے وہ گلدستہ صحت گجرات (پنجاب) مجموعہ صحیہ کابل (افغانستان) اور طبیہ کالج میگزین مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ہین،

گلدستہ حکمت:- گجرات ماہوار، اڈیٹر جناب حکیم محمد عبدالغنی صاحب، حجم ۴۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی نہایت معمولی، قیمت سالانہ عہ، پتہ:- دفتر گلدستہ حکمت چھپوڑانوالی ضلع گجرات (پنجاب)

گلدستہ حکمت مین طب سے متعلق مختلف موضوع امراض، علاج اور مفردات وغیرہ پر اوسط درجہ کے چھوٹے چھوٹے مضامین درج ہوتے ہین، پہلا رسالہ ماہ اپریل ۱۹۳۲ء مین شایع ہوا ہے،

مجموعہ صحیہ:- کابل (ماہوار) اڈیٹر جناب رشید لطفی، حجم ۲۰ صفحے، کاغذ عمدہ، لکھائی چھپائی خوبصورت ٹائپ مین، قیمت سالانہ ۴ شلنگ، پتہ:- دفتر مجموعہ صحیہ مدیریت مستقلہ طبیہ کابل (افغانستان)

مجموعہ صحیہ فارسی زبان مین کابل کا ایک طبی ماہانہ رسالہ ہے، اس مین افغانستان کے مختلف شہرون

کے امراض وصحت وغیرہ کی روداد ین اور اعداد و شمار کے علاوہ مختلف طبی مباحث پر مضامین شائع ہوتے ہین، اور لوگون کو مستقل مضامین مین مختلف امراض وحفظ ماتقدم وغیرہ پر مفید مشورے دئے جاتے ہین،

طبیہ کالج میگزین - علی گڈھ (سہاہی مصور) اڈیٹر جناب منظر عالم علی خانصاحب سلونی جوائنٹ اڈیٹر جناب محمد یوسف صاحب صدیقی حجم ۱۷۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت سالانہ للعمر

پتہ:- دفتر طبیہ کالج میگزین، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ،

طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے طلبہ اور اساتذہ کی متفقہ کوششون سے یہ رسالہ نکلا ہے، اسکی نگرانی طبیہ کالج کے لائق پرنسپل جناب ڈاکٹر عطاء اللہ بٹ صاحب ایم ڈی (برلن) ایم بی ایس (پنجاب) کے سپرد ہے، اور اڈیٹوریل بورڈ کالج کے چند اساتذہ پر مشتمل ہے، اس کا پہلا پرچہ زیر نظر ہے، اس مین طب سے متعلق مختلف مباحث پر طلبہ کے علاوہ کالج کے پرنسپل اور اساتذہ کے پر مغز مضامین درج ہین، اور ان مضامین کے ماخذ طب قدیم و جدید دونون ہین، "اطبائے سلف" کے عنوان سے مولوی محمد عقیل صاحب فاروقی فاضل طبیہ کالج کا ایک مقالہ ہے جسمین ابن زکریا رازی کا سرسری ترجمہ درج کیا گیا ہے، پھر "تجدید طب" کے عنوان سے جناب حکیم عبد اللطیف صاحب لکچرار طبیہ کالج کا ایک مقالہ ہے جسمین عناصر کی دریافت، اسکی تعداد سے متعلق مختلف عہدون کے مختلف نظریات بیان کئے گئے ہین، اور ان نظریون مین عہد بعہد کی تدریجی ترقیون کو دکھایا گیا ہے، اور اسی سلسلہ مین متقدمین کے نظریہ بابت "عناصر اربعہ" کی تغلیط، دور حاضر کے اکانوے عنصرون کی دریافت اور اپنے نظری دلائل سے کیگئی ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس ذیل مین اطبائے سلف کے نظریون پر جس لب ولہجہ مین اظہار کیا گیا ہے، وہ مبحث کی ثقاہت کے شایان شان نہین ہے، اس کے بعد "احتباس الطمث" پر ڈاکٹر عنایت اللہ شاہ ایم بی بی ایس انچارج ایکس رے ڈیپارٹمنٹ، کا مقالہ ہے پھر "تحذیر" کے عنوان سے جناب حکیم عبد اللہ خان صاحب نصرتی اور صحت و مختلف امراض مین کیفیت الدم" کے عنوان سے جناب ڈاکٹر بٹ پرنسپل طبیہ کالج نے مقالات لکھے ہین اور پھر اسی طرح مختلف موضوع پر مختلف اساتذہ و طلبہ کے مضامین ہین، رسالہ مین دار التشریح عملی اور آلات شعاع رانجن وغیرہ

کی تصویریں بھی ہین، رسالہ کے اس پہلے نمبر سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم طب کا ایک مفید دلچسپ اور بلند پایہ رسالہ ہوگا لیکن ضرورت ہے کہ جناب ڈاکٹر برکت صاحب کی توجہ سے استقلال کے ساتھ جاری رہے،

تعلیمی رسالے

اس ششماہی مین مختلف تعلیمی ادارون، کالجون اور اسکولون سے جو نئے رسالے نکلے ہین ان مین مسلم یونیورسٹی کے طلبہ کا کالج میگزین کے علاوہ ایک دوسرا رسالہ رفیق طلبہ پونا ہے،

رفیق طلبہ:- پونا، بہ زبان اردو و انگریزی) مدیر شعبہ اردو جناب میر مصطفیٰ علی صاحب و شعبہ انگریزی جناب محمد سمیع اللہ صاحب حجم مجموعی ۴۷ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت سالانہ ۱۲؍ دفتر رفیق طلبہ اینگلو اردو ہائی اسکول پونا،

اینگلو اردو ہائی اسکول پونا کے طلبہ کا ایک ماہوار رسالہ رفیق طلبہ کے نام سے نکلتا ہے، جو اگرچہ پہلے سے جاری تھا، لیکن دسمبر ۱۹۳۱ء سے ایک جدید نظام کے ساتھ نئے سرے سے نکلا ہے، اسکے حصہ اردو کا نام "رفیق طلبہ" اور حصہ انگریزی کا نام "بوائز فرنڈ" ہے، رسالہ کے مضامین طلبہ کے لحاظ سے اچھے خاصے ہین، اور توقع ہے کہ رسالہ اسکولون کے طلبہ مین زبان مضمون نویسی اور علم تعلیم کا اچھا ذوق پیدا کرے گا،

کتاب نما (جامعہ ... دہلی) مدیر مولوی محمد حفیظ الدین صاحب حجم ۴ صفحے تقطیع ۲۷×۱۷/۴ لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ قیمت درج نہین پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

کارکنان مکتبہ جامعہ ملیہ کی جانب سے ایک اخبار نما رسالہ "کتاب نما" کے نام سے جاری ہوا ہے جو اگرچہ ابھی صرف چار صفحون پر نکلا ہے لیکن امید ہے کہ بہت جلد اسکی ضخامت مین اضافہ ہوگا، رسالہ کا مقصد ان الفاظ مین بیان کیا گیا ہے، "کتاب نما، کتابون اور مصنفون کا پرچہ ہے، اس مین صرف وہ مضامین درج ہون گے جو کتابون اور مصنفون سے متعلق ہون، یا اردو کی خدمت کرنے والی علمی انجمنون کی کارگذاریون پر روشنی ڈالتے ہون"، اس قسم کے رسالہ کی اردو مین ضرورت محسوس کیجارہی تھی چند سال گذرے کہ الہلال بک ایجنسی لاہور نے اسی قسم کا ایک رسالہ جاری کیا تھا، لیکن وہ بہت جلد بند ہو گیا توقع ہے کہ کارکنان مکتبہ استقلال سے

اسکو جاری رکھین گے، کہ انھین اپنے مقصد مین کامیابی عطا ہو،

المائدہ لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب ایم۔کے۔خان حجم ۴۰ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ،

پتہ:- دفتر المائدہ مہان سنگھ باغ لاہور،

المائدہ پنجاب کے عیسائی مشنریون کا ماہوار تبلیغی رسالہ ہے، جو ماہ جنوری ۱۹۲۲ء سے اردو مین نکلا ہے اور ابھی اُس کے جون کا پرچہ ہمین موصول ہوا ہے، اس کے سرورق پر "مذہبی معاشرتی اور سیاسی ماہوار اردو رسالہ" لکھا ہوا ہے، رسالہ دو حصّون مین تقسیم ہے، ایک حصّہ مین مختلف قسم کے مذہبی و سیاسی مضامین ہوتے ہین ان مذہبی مضامین مین ہندو مذہب اور اسلام کے مختلف فرقون پر مناظرانہ تنقیدین ہوتی ہین، اور سیاسی مضامین مین ہندوستان کے عیسائی فرقہ کے سیاسی حقوق کی حمایت کیجاتی ہے، نیز ہندوؤن اور اچھوتون کے مقابلہ مین اچھوتون کے سیاسی حقوق کی حمایت بھی کیجاتی ہے، رسالہ کے دوسرے حصّہ مین اوس سے زیادہ ستم ظریفی نظر آتی ہے، یہ "تفسیر القرآن" کے حصّہ پر مشتمل ہے، جسمین قرآن مجید کی سلیس تفسیر باقساط شایع کیجاتی ہے، اس کے "مفسر" جناب پادری مولوی سلطان محمد خان پروفیسر عربی ایف سی کالج و پادری ایس ایم خان اڈیٹر نور افشان ہین، تفسیر کا ماخذ عربی اور اردو کی مختلف تفسیرین ہین جن کی مدد سے بظاہر شیرین انداز بیان مین نہایت ہوشیاری اور تدلیس کے ساتھ قرآن مجید کے (نعوذ باللہ) غیر الہامی اور اس کے بائبل سے ماخوذ ہونے کے خفیف اشارات کئے جاتے ہین، رسالہ کے دونون حصّہ کی قیمت ۱۲ہ سہ ہے، اور بغیر تفسیر القرآن ۸ہ٘ مین مل سکتا ہے، مسرت ہے کہ عیسائیت کے مقابلہ مین پنجاب مین مسلمانون کے مذہبی نمایندہ مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب نے اسپر اپنی توجہ مبذول کی ہے، لیکن ضرورت ہے کہ مولانا محمد علی صاحب ایم اے وغیرہ بھی توجہ فرمائین کہ جس جگہ سے زہر پھیلے وہین سے اوس کا تریاق مہیا کرنا چاہیے،

"م"

جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری جلد ثانی حصہ اول (عربی) تالیف

مولانا محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی بہاری مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ حجم ۴۲۰ صفحے تقطیع $\frac{22 \times 29}{1 \times 8}$

لکھائی، چھپائی، اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت :- ۸ مولف سے مدرسہ عالیہ شمس الہدیٰ ڈاکخانہ

مہندرو پٹنہ سے ملسکتی ہے،

مولانا ظفر الدین صاحب مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ نے جو مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی کے ارشد تلامذہ مین ہین جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری کے نام سے حدیث کا ایک ضخیم مجموعہ مذہب حنفی کو سامنے رکھ کرتیار کیا ہے، جو فقہی ابواب کی ترتیب پر چھ جلدون مین تقسیم ہے، اس وقت اوس کی دوسری جلد کا پہلا حصہ پیش نظر ہے، یہ حصہ کتاب الطہارۃ کی احادیث پر مشتمل ہے، اوسکی ابتدا مین فن حدیث پر حنفی نقطۂ نظر سے ایک بسیط مقدمہ لکھا گیا ہے، اس مین مختلف دلائل و حیثیات سے دکھایا گیا ہے کہ ائمہ اصول و محدثین نے حدیث کی جو مختلف قسمین صحیح، حسن، ضعیف، مرسل اور منقطع وغیرہ قرار دی ہین، وہ مختلف امور اعتقاد، اعمال، احکام، اخلاق اور ترغیب ترہیب مین، مختلف حیثیات سے لایق قبول اور قابل ترک ہوتی ہین، اس مقدمہ کے یہ مباحث مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی کی تالیفات سے ماخوذ ہین، اور انکی بنیادون اور اصولون پر اس ضخیم مجموعہ احادیث مین مختلف کتب صحاح و مسانید سے ہر قسم کی ایسی حدیثین اخذ کی گئی ہین، جو مرتب کے اصولون پر لائق عمل و قابل حجت ہین، یہ علم حدیث و فقہ حنفی کی ایک مفید خدمت انجام دی گئی ہے، اگرچہ بعض امور ہمارے نقطۂ نظر سے محل نظر ہین، لیکن جلد ثانی کا دوسرا حصہ اس وقت زیر طبع ہے اور انشاء اللہ

اوسی موقع پراس پر تفصیلی نظر ڈالی جائے گی،

عافیہ از مولانا ظفر الدین صاحب قادری رضوی بہاریؒ

دلچسپ مکالمہ یا تدابیر اکثریت حجم بہ ترتیب ۶۹ صفحے و ۳۹ صفحے تقطیع کلان و خورد کاغذ

لکھائی چھپائی معری، قیمت بہ ترتیب ۵، رو ۲، ر مولف سے سابق پتہ پر مل سکتی ہین،

یہ دونون رسالے عافیہ اور دلچسپ مکالمہ بھی مولانا ظفر الدین صاحب کے لکھے ہوئے ہین، عافیہ علم صرف کا ایک ابتدائی رسالہ ہے، جو چند ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، رسالہ کی ترتیب صرف کے قدیم رسالون کے طرز پر ہے، مادری زبان مین قلمبند ہونے کی حیثیت سے صرف میر وغیرہ کے بجائے اس کو پڑھایا جا سکتا ہے، اور دوسرے رسالہ "دلچسپ مکالمہ" کو مولانا نے "تدابیر اکثریت" سے موسوم کیا ہے، اور سیاسی اقلیت و اکثریت کے مسئلہ کا حل مسلمانون مین نکاح بیوگان کو رواج دینے مین مضمر قرار دیا ہے، اور اس مین اسی کو عورتون کی زبان سے بہ طرز مکالمہ بیان کیا گیا ہے،

غلبۂ رُوم از مولانا ظفر علی خانصاحب ناشر انجمن حمایت اسلام لاہور حجم ۲۴۲ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ لکھائی جلی قیمت عاؔ

مولانا ظفر علی خانصاحب کو اردو علم ادب مین جو ملکہ عطا ہوا ہے، افسوس ہے کہ وہ اپنی سیاسی مشغولیتون کے باعث اوس سے کوئی مفید کام بہت کم لے سکتے ہین، لیکن مسرت ہے کہ وہ سیاسیات مین ایسا مسلک رکھتے ہین کہ سال دو سال کے وقفہ کے بعد جیل کی چہار دیواری مین بند کر دیے جاتے ہین انھین اسی تنہائی مین اپنا قدیم علمی و ادبی مشغلہ یاد آجاتا ہے، اور اون کے قلم سے کچھ نہ کچھ قید فرنگ کی یادگار قائم ہوجاتی ہے، چند سال گذرے، اون کی اسی قسم کی ایک کتاب لطائف الادب کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، اور اب اسی قسم کی ایک دوسری تالیف "غلبۂ روم" اس وقت سامنے آئی ہے، "غلبۂ روم" مین سورۂ روم کی ان ابتدائی آیات کی جن مین غلبۂ روم کی پیشین گوئی کی گئی ہے، ایک دلچسپ تاریخی و ادبی تشریح و تفسیر بیان

کی گئی ہے، اور ایران و روما کے تاریخی حوالون اور اس عہد کے روم و ایران کی سیاسی تاریخ کو درج کرنے کے بعد قرآن مجید کی پیشنگوئی کی صداقت کو اپنے مخصوص انداز بیان اور دلچسپ طرز ادا مین آشکارا کیا گیا ہے،

نغمات، یعنی مجموعۂ کلام جناب قدسی بھوپالی حجم ۱۱۱ صفحے، لکھائی چھپائی اعلیٰ، جلد خوبصورت، قیمت اور ملنے کا پتہ درج نہین،

جناب قدسی بھوپالی بھوپال اور اوس کے نواح مین اپنے ارادتمندون کا ایک حلقہ رکھتے ہین، اون کے کلام کا مجموعہ "نغمات" کے نام سے شایع ہوا ہے، ابتدا مین جناب حامد سعید صاحب حامد بھوپالی کا ایک مقدمہ ہے جس مین عقیدتمندانہ انداز مین حضرت قدسی کی شاعری پر تبصرہ کیا گیا ہے، حضرت قدسی کی شاعری کا اصل موضوع تصوف ہے، اور اسی رنگ مین اکثر غزلین ہین، اور باوجودیکہ اون کا موضوع تمامتر مجاز و اعتبار ہے، مگر ان کی شاعری کی اصل خصوصیت اس اعتبار و مجاز کے مضامین کو سادہ ترکیبون، آسان لفظون اور عام فہم فقرون مین ادا کرنا ہی جنمین نہ دور از کار تاویلات ہین، اور نہ تصوف کی غیر مانوس اصطلاحین، اور پھر کلام مین رنگینی اور دلکشی بھی موجود ہے، اگرچہ مضامین مین کہین کہین فرائی تفوق کی جھلک نظر آتی ہے، مجموعہ چند حصون مین تقسیم ہے، پہلا باب "نغمات" ہے، جو غزلون پر مشتمل ہے اور جس مین بعض فارسی غزلین بھی شامل ہین، پھر چند صفحون مین متفرق اشعار ہین اسکے بعد جذبات کا عنوان ہے جسمین مختلف عنوانون پر مختلف نظمین ہین، پھر واردات کا باب رباعیات و قطعات پر مشتمل ہے،

ہمزاد، از جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی حجم چھوٹی تقطیع کے ۴۸ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی، قیمت درج نہین،

مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی آج کل معاشرتی اصلاح کے لئے چھوٹے چھوٹے ڈرامے ترتیب دلا کر شائع کر رہا ہے، زیر نظر رسالہ بھی ایک معاشرتی تمثیل (ڈراما) ہے جسمین بوڑھے مرد اور جوان عورت کی بے جوڑ شادی کے برے نتائج دکھائے گئے ہین، تمثیل کے بعض بعض حصے خاصے دلچسپ ہین،

"ر"

جلد سی ام | ماہ ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۳۲ء | عدد ۲

مضامین

شذرات

چند سال کا عرصہ ہوا کہ مجھے احاطۂ مدراس کے شہر ترچناپلی مین ہندو مسلمانون کے ایک مشترکہ جلسہ مین تقریر کرنے کا موقع ملا تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کی ان دونون قومون مین اختلافات کا دور شروع ہوچکا تھا، مین نے اپنی تقریر مین ان اختلافات کی طرف اشارہ کرکے کہا تھا کہ ہمارے ملک کی ان دو قومون مین اختلافات کی جو آگ بھڑکی ہوئی ہے، اس کو ہوا ان دو عمارتون کے کھلے دریچون سے مل رہی ہے، جنمین سے ہر ایک پر انگریزی کا حرف سی C لکھا ہوا ہے، یعنی کورٹ اور کالج، ہندو مسلم نااتفاقیون کے مبدء کی جب تلاش کیجائیگی، تو ہمیشہ اس کا سرا، یا کورٹ یعنی سرکاری عدالتون کے کارپردازون کے ہاتھون مین ملیگا، یا کالجون کے پروفیسرون کے،

عدالتون اور کچہریون کے قانون پیشہ حصولِ روزی کے مشکلات مین اس تحریک کو کامیابی کا ذریعہ بناتے ہین، کچہریون کے عمّال تقرریون اور ترقیون مین اس کو اپنا ایک کارآمد آلہ بنائے ہوئے ہین، مقدمہ باز مقدمون مین اپنی ناکامیون پر پردہ ڈالنے کیلئے حکام کے اختلافِ قومیت کو سبب ٹھہراتے ہین، اور یقیناً بعض ناعاقبت اندیش حکام بھی، عوام کی اس بدگمانی مین اپنے کامون سے تقویت پہنچاتے ہین،

کالجون کا معاملہ اس سے زیادہ اہم ہے، سرکاری مدارس مین "تاریخِ ہند" کی تعلیم کا اضافہ، بظاہر علم کے اضافہ کے لیے ہے، مگر درحقیقت جیسا کہ معارف مین بار بار کہا گیا ہے، یہ اقوامِ ہند مین قدیم اختلافات و نزاعات کے اضافہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے، حالانکہ ہندوستان کو آگے چلنا ہے، تو پیچھے مڑکر دیکھنا نہین چاہیئے، آج اس

بحث سو کہ سلطان محمود کا حملہ ہندوستان پر جائز تھا یا ناجائز، اور شہاب الدین غوری نے کتنے مندر غارت کئے، اور عالمگیر نے ہندوؤن پر کیا کیا ظلم کئے، سوراج کی منزل مین ایک قدم بھی آگے نہین بڑھ سکتا، کیا ہمارے ہموطن اس نکتہ کو سمجھنے کی کوشش کرینگے؟

معارف مین بار بار یہ دکھایا گیا ہے کہ ہماری یونیورسٹیون کی تاریخ ہند کی کتابون مین ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی ہی باتین جمع کیجاتی ہین، جن سے ان دونون قومون کے جذبات مین مزید اشتعال ہو، اور ان کا اتفاق آیندہ مشکل سے بڑھکر محال ہوجائے، حالانکہ اس ملک کی تاریخ مین ایسے واقعات کی بھی کمی نہین، جنکے پڑھنے سے ان دونون قومون کے درمیان اختلاط و محبت کے جذبات پیدا ہون، مگر بازاری قدردانی کے شائق مصنفین وکتب فروش اپنی ذاتی عارضی کامیابی کے مقابلہ مین ملکی اور قومی بھلائی کی قیمت کی پروا نہین کرتے،

ایک اور مصیبت افسانون، ناولون، تھیٹرون اور تماشاگاہون کی ہے جنمین قومی رفعت و بلندی کے اظہار کیلئے ایسی کہانیان اور ایسے تماشے لکھے اور دکھائے جاتے ہین، جنکو لوگ جھوٹے قومی فخر و غرور کے نشہ مین آکر پسند کرین، اور بکثرت اُن کے خریدار اور تماشائی ہاتھ آئین، یہ خودغرض یہ نہین جانتے کہ اُن کی اس عارضی کامیابی مین ملک کی کتنی دائمی ناکامی ہے،

ان بیماریون کا علاج ایک طرف حکومت کے ہاتھ مین ہے، اور دوسری طرف پبلک کے، حکومت کا فرض ہے کہ رعایا مین امن و امان کے قیام کی خاطر اس قسم کی کتابون اور تماشون کی روک تھام کرے، اور پبلک کا فرض یہ ہے کہ وہ ایسی کتابون اور ایسے تماشون کی حوصلہ افزائی سے باز رہے،

مسلمانون مین اور خصوصاً صوبۂ سرحد کے مسلمانون مین شرعی تنظیم اور ادارۂ شرعی کی تحریک آہستہ آہستہ پھیل رہی ہے، ہمارے ناظرین کو معلوم ہے کہ اس تحریک سے معارف کو ہمیشہ دلچسپی رہی ہے، اور اس نے بار بار مسلمانون کو ادھر متوجہ کیا ہے، بلکہ متوقع دستورِ ہند کی تحریک کے آغاز مین اپنے بعض سیاسی دوستون کی فرمایش سے ہم نے اپنی تجویز کو ایک نظامِ عمل کی صورت مین قلم بند بھی کر لیا تھا، مگر اس کو ہندو دوستون کے ذہن نشین کرنے سے خود مسلمان دوستون کو سمجھانا زیادہ مشکل نظر آیا، ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب اور بعض دوسرے معتدر ارکانِ مجلسِ مملکت نے اسکو پسند بھی کیا، تاہم یہ توقع نہین ہوتی کہ احزاب پسند مسلمان اس کو پسند کرینگے،

ہمارے اس مجوزہ نظام کا عنوان مسلمانون کی کلچرل اٹانومی، یا مسلمانون کا "مذہبی وتمدنی استقلال وخود مختاری" ہے جس کے تسلیم کر لینے مین ہندوستان کی دوسری قومون کا کسی قسم کا نقصان نہین، اور خود مسلمانون کے مطالبات کی ساری مشکلین حل ہو جاتی ہین،

صحیح مسلم کی کئی شرحین موجود ہین، اور چھپ چکی ہین تاہم جیسی خدمت حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری کی کی ہے، ویسی صحیح مسلم کی نہین ہوئی، امام نووی کا کام ہنوز محتاجِ تکمیل ہے، ساتھ ہی حنفی نقطۂ نظر سے علامہ عینی جیسا کام بھی صحیح مسلم کے متعلق علماے احناف کو کرنا باقی تھا، ہمارے فاضل دوست مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی ایک مدت سے ان پہلوؤن سے صحیح مسلم کی شرح لکھنے مین مصروف تھے اور ایک دو جلد تمام بھی کر چکے تھے، مگر اب تک چھپائی اور تالیف کے مصارف کا انتظام نہ تھا، اب یہ سنکر خوشی ہے کہ اعلیٰ حضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ نے اپنی روایتی قدر دانی سے اوسکی سرپرستی فرمائی ہے، اور فی الحال پانچ ہزار کی امداد منظور فرمائی ہے، اور آیندہ مزید امداد کی توقع دلائی ہے، امید ہے کہ اب اس کام کی تکمیل مین ان شاء اللہ کوئی دقت حائل نہ ہوگی،

مقالات

حقیقت و مجاز

از

مولینا عبد السلام ندوی

علم فقہ، علم تفسیر، اور علم کلام کے مسائل مین جو اختلافات ہین، ان کا ایک حصہ اس لغوی مسئلہ پر مبنی ہے، کہ حقیقت اور مجاز لفظ کی دو مختلف قسمین ہین، اور دونون کی تعریفین الگ الگ ہین،

حقیقت کی تعریف یہ ہے:۔

فان استعمل فیما وضع له فاللفظ حقیقة	اگر لفظ اُس معنی مین استعمال کیا جائے جس کیلئے وہ وضع کیا گیا ہے، تو وہ حقیقت ہی،

لیکن اس کے برعکس:۔

وان استعمل فی غیرہ لعلاقة بینهما فمجاز،	اگر ایسے معنی مین استعمال کیا جائے، جس کے لئے وہ اہل لغت مین تو وضع نہین کیا گیا ہے لیکن اس معنی مین اور اصلی معنی مین کسی قسم کا علاقہ ہی، تو وہ مجاز ہے

ہماری اردو زبان کے آزاد خیال مصنفین مین سب سے پہلے علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے الکلام مین اس اختلاف کو ادبی اور لغوی حیثیت سے اسطرح دور کرنا چاہا،

"ایک اور نکتہ بھی بالشان اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن چیزون کو تاویل کہا جاتا ہی ان پر تاویل کا اطلاق حقیقت مین صحیح نہین، تاویل کے معنی یہ قرار دئے گئے ہین، کہ ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرے معنی اختیار کئے جائین لیکن ظاہری معنی کی تعبیر غلط کیگئی ہے استعمال اور محاورہ بھی ظاہری معنی مین داخل ہی لیکن اسکو لوگ تاویل کہتے ہین، لغت کی یہ کیفیت ہی، کہ اصل مین ایک لفظ کے ایک ہی معنی ہوتے ہین، پھر تناسب اور تعلق کے لحاظ سے اور اور معنی پیدا ہوتے جاتے ہین، مثلاً اخبات کے اصلی معنی پستی مین آنے کے ہین لیکن تواضع و انکسار کو بھی اخبات کہتے ہین، اور اس لحاظ سے کہتے ہین کہ تواضع کرنا گویا پستی مین آنا ہے، یہ معانی حقیقت مین درجہ دوم کے معنی ہین، جنکو انگریزی مین سکنڈری معنی کہتے ہین لیکن اس قسم کے تمام معانی لغت مین داخل کر لئے گئے ہین، اور اصلی معنی قرار پا گئے ہین، اس بنا پر جس چیز کو تاویل کہتے ہین، وہ تاویل نہین کیونکہ جس معنی مین اون کا استعمال ہوا ہے، وہ بھی ظاہری ہی معنی ہین" (صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶)

اس اصول کے رو سے اگرچہ بہت سے مذہبی اختلافات دور کئے جا سکتے ہین، تاہم اس مین بھی کم از کم یہ تسلیم کر لیا گیا ہے، کہ عربی زبان یا دنیا کی اور زبانون مین حقیقت و مجاز لفظ کی دو قسمین ہین لیکن علامہ ابن تیمیہ نے ایک ضمنی بحث مین اس حقیقت ہی کے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، اور لغوی، ادبی بلکہ تاریخی حیثیت سے اس پر ایک نہایت دلچسپ اور سیر حاصل بحث کی ہی، اور انھون نے اس بحث کو اس لئے چھیڑا ہے، کہ متعدد حدیثون سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ ایمان کی حقیقت مین داخل ہین، اور ایمان انھی کے مجموعہ کا نام ہے، جن کے گھٹنے بڑھنے سے ایمان بھی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، لیکن مسلمانون کے بعض فرقون کے نزدیک ایمان ایک بسیط ذہنی چیز ہے، اور اوسکی حقیقت کسی چیز سے مرکب نہین، اس لئے اس فرقے کے لوگ ان حدیثون کی تاویل کرتے ہین، اور کہتے ہین کہ ان حدیثون مین اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ کو مجازاً ایمان کی حقیقت مین داخل کر لیا گیا ہے،

"اس لئے رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد کہ "ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ یا ستر شاخین ہین جن مین سب سے اونچی شاخ

کلمۂ توحید اور سب سے نیچی شاخ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا ہے،، مجاز، اور آپ کا یہ فرمانا کہ "ایمان یہ ہے، کہ تم خدا پر، اوسکے فرشتون پر، اس کی کتابون پر اور اوسکے پیغمبرون پر ایمان لاو" حقیقت ہے؛"

لیکن علامۂ موصوف اسکے جواب مین اصولاً اس تقسیم ہی سے انکار کرتے ہین، اور کہتے ہین کہ یہ تقسیم متاخرین کی ایجاد ہے، اور حقیقت و مجاز کی اصطلاح خیر القرون کے بعد پیدا ہوئی ہے، صحابہ، تابعین، اور مشہور ائمۂ مذاہب مثلاً امام مالک امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابو حنیفہ، امام شافعی بلکہ ائمۂ نحو و لغت مثلاً خلیل سیبویہ، ابو عمرو بن العلا وغیرہ کے کلام مین اس کا پتہ نہین چلتا، سب سے پہلے لفظ مجاز کا استعمال ابو عبیدہ معمر بن المثنی نے اپنی کتاب مین کیا ہی لیکن اوس نے اس لفظ کا استعمال اس حیثیت سے نہین کیا ہے، کہ وہ حقیقت کا قسیم یعنی اوسکا مقابل ہے، بلکہ مجاز آیت سے اوسکی مراد وہ معنی ہے، جس سے آیت کے مفہوم کو بیان کیا جاتا ہی، بہرحال یہ ایک جدید اصطلاح ہے، اور ظن غالب یہ ہے کہ اوسکو معتزلہ اور انھی کی طرز کے متکلمین نے پیدا کیا ہے، ورنہ اہل فقہ، اہل اصول اہل تفسیر اور اہل حدیث، اس سے بالکل ناآشنا ہین، چنانچہ امام شافعی پہلے شخص ہین جنھون نے اصول فقہ کو مرتب کیا ہے لیکن انھون نے حقیقت و مجاز کی طرف لفظ کی تقسیم نہین کی ہے، جو فقہی مسائل عربیت پر مبنی ہین، امام محمد نے بھی جامع کبیر وغیرہ مین اون پر بحث کی ہے، لیکن حقیقت و مجاز سے اونھون نے بھی تعرض نہین کیا ہی امام احمد بن حنبل نے جہمیہ کے رد مین جو کتاب لکھی ہے، اس مین بے شبہہ لفظ مجاز کا استعمال کیا ہے، چنانچہ اونھون نے لکھا ہے کہ "انا اور نحن اور قرآن مجید مین اس قسم کے الفاظ مجاز لغوی ہین" اور اسی قول سے اون کے اصحاب مین قاضی ابو یعلی ابن عقیل، اور ابو طالب وغیرہ نے یہ استدلال کیا ہی کہ قرآن مجید مین مجاز ہے لیکن اون کے اور اصحاب مثلاً ابو الحسن جزری، اور ابو عبد اللہ بن حامد وغیرہ نے اوسکی مخالفت کی ہے ان کے علاوہ اور تمام ائمہ اس سے خاموش ہین، کیونکہ اس تقسیم کی ابتدا تیسری صدی یا دوسری صدی کے آخر مین ہوئی، اور چوتھی صدی مین اس کا عام رواج ہوا، امام احمد نے بے شبہہ اس لفظ کا استعمال کیا ہے لیکن جو لوگ اون کی طرف اس تقسیم کو منسوب کرنا نہین چاہتے، وہ کہتے ہین کہ مجاز لغوی سے اون کی یہ مراد

ہے کہ یہ معنی لغوی حیثیت سے جائز ہے، مثلاً ایک بڑا آدمی جسکے بہت سے اعوان و انصار ہون، یہ کہہ سکتا ہو کہ ہم نے کیا یا ہم کرین گے، یعنی وہ واحد کے بجائے اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرسکتا ہو لیکن اس سے اون کا یہ مقصد نہین کہ یہ لفظ ایک ایسے معنی مین استعمال کیا گیا ہو جس کے لئے وہ وضع نہین کیا گیا ہو،

اس تاریخی بحث کے بعد علامہ موصوف نے اصولاً یہ بحث کی ہے کہ اس تقسیم و تعریف سے یہ ظاہر ہوتا ہی کہ لفظ پہلے ایک معنی کے لئے وضع کر دیا جاتا ہے، پھر جب اپنے اصلی معنی مین استعمال کیا جاتا ہے، تو اوسکو حقیقت کہتے ہین، ورنہ اوسکو مجاز کہا جاتا ہے، اس بنا پر سب سے پہلے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ الفاظ اول اول چند معانی کے لئے وضع کئے جاتے ہین، پھر ان معانی مین اونکا استعمال کیا جاتا ہے اور ان کی وضع ان کے استعمال پر مقدم ہوتی ہے، جو لوگ لغت کو ایک اصطلاحی چیز قرار دیتے ہین، اون کا خیال ہے، کہ چند عقلا نے جمع ہوکر ہر چیز کے الگ الگ نام رکھدئے ہین، اور یہ اصول تمام زبانون پر حاوی ہے، مسلمانون مین سب سے پہلے ابو ہاشم بن جبائی اور امام ابوالحسن اشعری نے اس پر بحث کی، اور ابو ہاشم نے لغت کو ایک اصطلاحی چیز، اور امام اشعری نے اوس کو توقیفی یعنی الہامی یا فطری چیز قرار دیا، اوس کے بعد اور لوگون نے جب اس بحث مین حصہ لیا تو کچھ لوگون نے بعض الفاظ کو توقیفی اور بعض کو اصطلاحی قرار دیا، لیکن انصاف یہ ہے کہ عرب یا کسی اور قوم کی نسبت یہ ثابت نہین کیا جا سکتا کہ ایک جماعت نے مل کر پہلے تمام معانی کے لئے الفاظ وضع کئے، پھر بعد کو ان معانی مین ان کا استعمال کیا، بلکہ جو چیز عام طور پر معلوم ہے، وہ ان الفاظ کا مخصوص معانی مین استعمال ہے، غرض تاریخی روایات سے تو اس کا ثابت کرنا ناممکن ہے، البتہ یہ عقلی استدلال کیا جا سکتا ہو کہ جب تک معانی کے لئے الفاظ وضع نہ کر لئے جائین، ان معانی مین انکا استعمال ناممکن ہو، لیکن واقعہ یہ ہے کہ خداوند تعالےٰ نے فطری اور الہامی طریقے پر جانورون تک کو چند بولیان سکھا دی ہین، جنکے ذریعہ سے وہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتے ہین، اور قرآن مجید کی اصطلاح مین اسی کا نام "منطق" اور "قول" ہے، چنانچہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے،

یا ایہا الناس عُلّمنا منطق الطیر — لوگو! ہم کو (خدا کی طرف سے) پرندون تک کی بولی سکھائی گئی ہی،

قالت نملۃ یا ایہا النمل ادخلوا مساکنکم۔ — ایک چیونٹی نے کہا کہ چیونٹیو! اپنے (اپنے) بلون مین گھس جاؤ،

بعینہٖ اسی طرح آدمی کا بچہ بھی جب اپنے باپ مان کو بولتے ہوئے سنتا ہے، تو اوسکو یہ معلوم ہوجاتا ہی کہ فلان لفظ فلان معنی مین استعمال کیا جاتا ہے، اس طرح وہ رفتہ رفتہ پوری قوم کی زبان اور اوسکے محل استعمال سے واقف ہوجاتا ہی، اگرچہ وہ بعض اوقات بعض الفاظ کے معنی بھی دریافت کرلیتا ہے لیکن یہ بعینہٖ ایسی بات ہوتی ہے، جسطرح ایک مترجم غیر زبان کے آدمی کو الفاظ کے معنی سمجھاتا ہے، لیکن بہرحال یہ کوئی وضعی اصطلاح نہین ہوتی، یہ سچ ہے، کہ خداوند تعالے نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اسمار کی تعلیم دی، اور اون کے مسمیات کو ملائکہ کے سامنے پیش کیا، لیکن اسی کے ساتھ ہمکو یہ بھی معلوم ہے کہ خداوند تعالے نے نہ تو حضرت آدم علیہ السلام کو تمام زبانین سکھائین، اور نہ وہ زبانین انکی اولاد تک پہنچین کیونکہ ان زبانون کی نقل و روایت صرف اون کی اولاد کے ذریعہ سے ہوسکتی تھی، اور وہ سب کی سب طوفانِ نوح مین غرق ہوگئی، صرف چند لوگ باقی رہ گئے لیکن اون کی اولاد کا بھی خاتمہ ہوگیا، صرف نوح کی اولاد بچ گئی، اور وہ تمام دنیا کی زبانون مین بات چیت نہین کرتی تھی تمام دنیا کی زبانون مین صرف ایک زبان مثلاً فارسی یا عربی یا رومی یا ترکی کو لیلو تو انہین اسقدر اختلافات نظر آئینگے جنکا شمار نہین کیا جاسکتا خود عرب مین ہر قبیلے کی زبان الگ الگ تھی، پھر کیونکر قیاس مین آسکتا ہی کہ یہ تمام زبانین ایک نوح کی اولاد کے ذریعہ سے دنیا مین پھیلین،

اصل یہ ہے کہ الفاظ تمامتر خیالات کے تابع ہوتے ہین، اس لئے جس قوم کے دل مین جس قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہین، اوسی قسم کے الفاظ بھی پیدا ہوجاتے ہین یہی وجہ ہے کہ بعض قومون کے یہان بعض معانی کیلئے الفاظ ہوتے ہین، اور بعض قومون کے یہان نہین ہوتے، غرض وضع و اصطلاح تو کوئی چیز نہین

اصل چیز استعمال ہے، اور اس حیثیت سے حقیقت و مجاز مین کوئی فرق نہین بلکہ ان دونون معنون مین الفاظ کا استعمال یکسان طور پر ہوتا ہے،

شاید یہ کہا جائے کہ حقیقت کی تعریف مین معنی موضوع لہ سے یہ مراد ہے کہ اس معنی مین لفظ کا استعمال سب سے پہلے ہوا ہے لیکن اس کا ثابت کرنا بھی سخت مشکل ہے، یہ کیونکر ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اہل عرب قرآن مجید کے نازل ہونے کے وقت یا اوس سے پہلے جن الفاظ کا استعمال کرتے تھے، وہ اس سے پہلے کسی دوسرے معنی مین استعمال نہین کئے جاتے تھے، اور جب یہ معلوم نہین ہے، تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ فلان لفظ کا استعمال فلان معنی مین حقیقی طور پر ہوا ہے، بلکہ سرے سے یہی نہین معلوم ہو سکتا کہ کونسا لفظ حقیقی ہے اور کونسا مجازی ؟

حقیقت اور مجاز مین ایک فرق یہ کیا جاتا ہے کہ بہت سے الفاظ ایسے ہوتے ہین، جن کا استعمال کسی خاص قید کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس لئے اگر ان الفاظ کو اون قیود سے آزاد کر لیا جائے تو وہی حقیقی الفاظ ہونگے! اور دوسرے مقید الفاظ مجازی قرار دئے جائین گے، مثلاً عربی زبان مین راس کا لفظ حقیقی ہے اور اوسکے معنی انسان کے سر کے ہین لیکن اگر اس لفظ کے ساتھ کوئی خاص قید بڑھا دی جائے تو وہی مجازی ہو جائے گا، مثلاً راس العین یعنی نہر کا سرچشمہ، راس القوم یعنی قوم کا سردار، راس الشہر یعنی مہینے کا آغاز وغیرہ کیونکہ انسانی جسم کی ابتدا سر سے ہوتی ہے، اس لئے ہر چیز کی ابتداء و آغاز کو اس مناسبت سے راس کہہ سکتے ہین، لیکن اصل بحث استعمال کی ہے، اور یہ بمشکل ثابت کیا جا سکتا ہے، کہ اس قسم کے الفاظ کا استعمال لغت مین بغیر قید کے ہوا ہو، مثلاً کہا جاتا ہے، کہ سر کے معنی مین راس کا استعمال بلا قید کیا جاتا ہے، لیکن یہ لفظ بھی ہمیشہ انسانون ہی کی طرف منسوب کرکے استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ قرآن مجید مین ہے،

وامسحوا برؤسکم — اپنے سرون کا مسح کرو،

پھر راس العین، راس القوم اور راس الشہر اور راس لفظ مین کیا فرق ہے ؟ دونون ایک خاص قید کے ساتھ مستعمل ہوئے ہین، اس لئے ایک کو حقیقت اور ایک کو مجاز کیونکر کہا جا سکتا ہے ؟ بعض الفاظ بے شبہہ

ایسے ہیں، جو ایک جگہ مفرد اور دوسری جگہ ترکیب کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، مثلاً انسان اور انسان العین، اسلئے ایک کو حقیقت اور دوسرے کو مجاز کہا جا سکتا ہے، کیونکہ انسان العین کے معنی آنکھ کی پتلی کے ہیں، اور چونکہ پتلی میں انسان کی شکل نظر آتی ہے، اسلئے اس کو مجاز کہ سکتے ہیں، لیکن مجاز کی تعریف یہ ہے کہ لفظ غیر معنی موضوع لہ میں مستعمل ہو، اور اس جگہ صرف لفظ انسان کا استعمال نہیں ہوا ہے، بلکہ ایک لفظ کے ساتھ ترکیب دینے کے بعد اوس کا استعمال کیا گیا ہے، اسلئے یہ ایک مستقل وضع ہے، البتہ اگر اس مرکب لفظ یعنی انسان العین کا استعمال کسی اور معنی میں کیا جائے تو اوس کو مجاز کہہ سکتے ہیں، لیکن اس مرکب لفظ کا استعمال کسی دوسرے معنی میں نہیں کیا گیا ہے،

مجاز اور حقیقت میں ایک فرق یہ کیا جاتا ہے کہ جو لفظ کسی معنی پر بلا قرینہ دلالت کرے اوس کو حقیقت اور جو قرینہ کے ساتھ دلالت کرے اوس کو مجاز کہتے ہیں، لیکن خود قرینہ کا لفظ بحث طلب ہے، اگر اس سے لفظی قرائن مثلاً اضافت اور تعریف، اور حال وغیرہ مراد لئے جائیں تو ایک مرکب کلام میں ہر لفظ مقید ہوتا ہے، مطلق نہیں ہوتا، فعل میں فاعل، مفعول بہ، ظرف زمان، ظرف مکان اور حال وغیرہ کی قید ہوتی ہے، اور حروف معانی کسی نہ کسی فعل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں، اسم بھی مبتدا، منادی یا خبر ہوتا ہے، اسلئے اگر قرینہ سے خالی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حقیقی الفاظ ان تمام قرائن سے خالی ہوں، تو کوئی لفظ حقیقی ہو ہی نہیں سکتا، یہی وجہ ہے کہ کلمہ اور کلام کا لفظ اہل عرب کی زبان میں صرف مقید پر بولا جاتا ہے، مفرد پر بولا نہیں جاتا، خود قرآن مجید میں بھی یہ لفظ اسی معنے میں استعمال ہوا ہے،

تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم — ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہو،

اور بھی متعدد آیتوں میں اس لفظ کا استعمال ایک مرکب جملے پر کیا گیا ہے، حدیث میں ہے،

اصدق کلمة قالها الشاعر کلمة لبید — سب سے سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا ہے لبید کا کلمہ ہے،

"الا کل شیء ما خلا اللہ باطل" — "الا کل شیء ما خلا اللہ باطل"

اس قسم کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، باقی رہے مفرد الفاظ مثلاً اسم فعل اور حرف پر کلمہ کا استعمال تو یہ

نحویون کی اصطلاح ہے خود اہل عرب اسم فعل اور حرف کو کلمہ نہین کہتے، لیکن اگر یہ مراد ہے کہ جس لفظ کے ساتھ قرینہ ملا ہوا ہو، اوسکو حقیقت اور جس سے قرینہ الگ ہو، اوسکو مجاز کہا جاتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ اس ملے ہوے قرینہ سے کیا مراد ہے، ؟ اگر یہ مراد ہے کہ وہ قرینہ خود لفظ مین موجود ہو تو جن الفاظ مین خود متکلم یا سامع کی حالت قرینہ بن جاتی ہے، وہ مجاز قرار پائین گے حالانکہ وہ مجاز نہین ہین، مثلاً قال النبیؐ یا، "قال الصدیق" سے ہر مسلمان رسول اللہ صلعم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذات مراد لیتا ہے، لیکن خود ان الفاظ مین کوئی قرینہ نہین ہے، بلکہ ہر مسلمان کا استعمال ہی قرینہ ہے، اس لئے یہ دونون لفظ مجاز قرار پائین گے، اس کے بالکل برعکس اگر ایک شخص کسی بہادر آدمی کی طرف اشارہ کرکے کہے،

هٰذا الاسد فعل الیوم کذا — اس شیر نے آج یہ کام کیا،

تو یہ لفظ حقیقی قرار دیا جائے گا، کیونکہ "ہذا" کا اشارہ قرینہ ہے اور وہ اس لفظ کے ساتھ ملا ہوا ہے حالانکہ اس لفظ کا استعمال حقیقی معنی مین نہین ہوا ہے، لیکن اگر ملے ہوے قرینہ سے مراد وہ قرینہ ہو جو تخاطب کے وقت موجود ہو، تو ہر مجاز حقیقت ہو جائے گا، کیونکہ جو شخص کسی مجازی لفظ کا استعمال کرتا ہے، حالت تخاطب مین اوسکے ساتھ اس قسم کی باتین ضرور پائی جاتی ہین، جو اوسکے مفہوم کی وضاحت کرسکین، ان تمام مباحث کا نتیجہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کے ایک ایک لفظ مین ایسی قید لگی ہوئی ہے، جو اوس کے معنی کی توضیح کرتی ہے، اس لئے ان مین کوئی مجاز نہین، بلکہ صرف حقیقت ہی حقیقت ہے، اس لئے قرآن وحدیث کے ہر لفظ کے متعلق اوس کے نظائر کی تلاش کرنی چاہئے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ قرآن مجید کا طرز خطاب کیا ہے، ؟ اور رسول اللہ صلعم کا انداز کلام کیا تھا، ؟ اگر یہ طرز و انداز صرف قرآن وحدیث کے ساتھ مخصوص ہو تو یہ یقین کرنا چاہئے کہ خدا اور خدا کے رسول کا مخصوص طریقۂ خطاب یہی ہے، لیکن اگر دوسرون کے کلام مین بھی اس قسم کے الفاظ کی بکثرت نظیرین پائی جائین، تو یہ کہا جائے گا، کہ یہ طرز خطاب رسول اللہ صلعم ہی کے ساتھ مخصوص نہین ہے، بلکہ آپ کی قوم کا طریقہ گفتگو یہی تھا، اس بنا پر رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام کے بعد جو اسالیب کلام پیدا ہوئے، اون پر حدیث

و قرآن کا محمول کرنا کسی طرح جائز نہین، بہت سے فقہی اختلافات اسی غلطی سے پیدا ہوئے اور مرجئہ نے ایمان کی حقیقت کی تعیین مین اسی وجہ سے غلطی کی، اور سمجھے کہ ایمان کے حقیقی معنی صرف تصدیق کے ہین، اور اعمال اوسکی حقیقت مین مجازاً داخل کرلئے گئے ہین، حالانکہ جب مجاز و حقیقت کی تقسیم ہی صحیح نہین ہے، تو اس تفریق کی کوئی ضرورت ہی نہین، لیکن اگر بالفرض یہ تقسیم صحیح بھی ہو تو اس تقسیم کے رو سے حقیقت کی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنے معنی پر بلا قرینہ دلالت کرے، اس لحاظ سے قرآن و حدیث مین جہان کہین ایمان کا لفظ بلا قرینہ اطلاق و عموم کے ساتھ آیا ہے، اوس مین اعمال داخل ہین، اس بنا پر رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد کہ ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخین ہین، حقیقت ہے، مجاز نہین،

قران مجید مین بھی بہت سے الفاظ کی نسبت مجاز کا دعویٰ کیا گیا ہے مثلاً قرآن مجید مین ہی،

واسأل القریۃ یعنی گاؤن سے پوچھو،

لیکن گاؤن سے پوچھنے کے کوئی معنی نہین، اس لئے مفسرین اسکے مضاف یعنی اہل کو محذوف مانتے ہین اور آیت کی اصل یہ بتاتے ہین:۔

واسأل اہل القریۃ، یعنی گاؤن والون سے پوچھو،

لیکن اس تاویل کی کوئی ضرورت نہین، قریہ اور مدینہ ایسے الفاظ ہین، جو حال و محل دونون کو شامل ہین، اس لئے کہین صرف حال یعنی باشندے مراد لے لئے جاتے ہین، اور کہین محل یعنی مکان مقصود ہوتا ہی، چنانچہ ان آیتون مین

ضرب اللہ مثلاً قریۃ کانت آمنۃ مطمئنۃ۔ خدا ایسے گاؤن کی مثال بیان کرتا ہے، جو امن و اطمینان کی حالت مین تھا،

وکم من قریۃ اہلکناھا بہت سے گاؤن کو ہم نے ہلاک کر دیا،

گاؤن سے مراد گاؤن کے باشندے ہین،

لیکن اس آیت مین،

اوکالذی مرعلی قریۃ وھی خاویۃ	یا مثل اس شخص کے جو ایک ایسے گاؤن سے گذرا
علی عروشھا	جو ویران تھا،

وہ جگہ مراد ہے جسکو گاؤن کہتے ہین، لیکن ایسا گاؤن جو پہلے سے آباد تھا، کیونکہ جب تک آبادی کا لحاظ رکھاجاے، کسی مقام کو گاؤن نہین کہہ سکتے،

اسی طرح انسان کا لفظ ہے جو جسم و رُوح دونون کو شامل ہے، اس لئے اس سے ایک جگہ صرف جسم اور ایک جگہ صرف رُوح مراد لے سکتے ہین،

ابو العلاء المعری

اور

مذمّتِ شراب

از جناب قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڑھی،

عرب جاہلیت مین جہان اور کئی اخلاقی برائیان عام تھین، وہان شراب خواری کا بھی بکثرت رواج تھا، شغلِ مے نوشی نے انکی عقلون کو جادۂ اصابت سے ایسا منحرف کر دیا تھا کہ قماربازی اور بادہ گساری کو وہ جود و عطا کی علامت تصوّر کرتے تھے، یہانتک کہ ابو غبشان نامی عرب نے جو کعبہ کا کلید بردار تھا، ایک مشک شراب کے عوض قصّی کے ہاتھ بیت اللہ کی کنجیان فروخت کر ڈالین[1]!

یہی جذبۂ بادہ پرستی تھا، جس نے رعایتِ شوق کی بنا پر ان کی شاعری پر بھی گہرا اور پایدار اثر ڈالا، چنانچہ شعرائے جاہلیت نے اپنے کلام مین شراب کو مختلف نامون، کنیتون اور نسبتون سے یاد کیا ہے، حتّٰی کہ اربابِ لغت نے ان تمام نامون کو جمع کیا تو ان کی تعداد سینکڑون تک پہنچی، بقول بعض اہل لغت شراب کے لیے عربی مین ایک ہزار نام ہین، اس طرح عربی شاعری مین "خمریات" کے نام سے ایک مستقل صنف نظم معرضِ وجود مین آئی،

اگرچہ مذہب اسلام نے اس "ام الخبائث" کا نہایت حکیمانہ طور پر انسداد کر دیا تھا، جیسا کہ قرآن کریم اس پر ناطق ہے، با این ہمہ اسلام کے ابتدائی زمانہ مین شراب کی تعریف شعرائے جاہلیت کے طرز مین عام طور

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد اوّل صفحہ ۲۷۶،

پائی جاتی ہے، جاہلی شعراء مین شراب کی تعریف مین لکھنے والون کی ایک اچھی خاصی جماعت ہے، لیکن بعد از اسلام عہد عباسی مین صنفِ خمریات کو بہت ترقی ہوئی، اور ابو نواس گویا اس فن کا امام سمجھا گیا[۱] شراب کے متعلق ابو نواس کا یہ شعر مشہور ہے جسمین اس نے یہ مطلب ادا کیا ہے کہ شراب سے نہ صرف کام و دہن لذت یاب ہون بلکہ کان آنکھ اور ناک کو بھی اس لطف مین برابر کا شریک ہونا چاہئے، چنانچہ کہتا ہے:-

ألا فاسقني خمراً وقل لي هي الخمر ولا تسقني سراً اذا امكن الجهر

اے ساقی مجھے شراب پلا اور یہ بھی کہہ کہ یہ شراب ہے اور چھپا کر نہ پلا جبکہ علانیہ طور پر پلانا ممکن ہے۔

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ شراب کے متعلق ابو نواس نے جو باتین پیدا کی ہین وہ اس سے پہلے کسی نے نہین کین[۲]، خاندان عباسیہ کے خلیفہ المعتز کا بیٹا عبد اللہ بن المعتز (۲۴۷ھ - ۲۹۶ھ) نے بھی جو عربی کا ایک جید شاعر اور ادیب گذرا ہے، "خمریات" کی ترقی مین نمایان حصہ لیا، اور ایک مجموعہ جس مین خود اسکے اشعار بھی شامل ہین، اسی موضوع پر "کتاب الفصول التماثیل فی طبائیر السرور" کے نام سے تیار کیا تھا،

آٹھوین صدی کے ایک بزرگ امام نواجی[۳] نے حلبۃ الکمیت[۴] نام کی ایک کتاب لکھی ہے جو خمریات کی دائرۃ المعارف ہے، اس کی نسبت مشہور ہے کہ جو کوئی ایک مرتبہ اس کتاب کو پڑھ لے ممکن نہین کہ اپنے ئین شراب پینے سے روک سکے،

ارباب مجاز جہان "خمریات" کی "آتش سیال" کے ذریعہ اپنی آتش شوق کو بھڑکا رہے تھے، وہان اصحابِ تصوف نے اس "مے مجازی" کو مینائے حقیقت مین منتقل کر کے شرابِ معرفت بنا دیا، اور اس طرح پردۂ حقیقت مین آکر "بنت العنب" عشق حقیقی اور معرفت روحانی کا ایک ذریعہ بن گئی، گو صوفیان

---

[۱] اس کے دیوان مین خمریات کا ایک مستقل باب موجود ہے [۲] الشعر والشعراء صفحہ ۱۱۰ طبع یورپ [۳] شمس الدین محمد بن حسن بن علی النواجی القاہری الشافعی (۷۸۸ھ - ۸۵۹ھ) ادیب نحوی اور شاعر ملاحظہ ہو حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۲۷۰، ابن ایاس ج ۲ ص ۳۲ و ص ۱۹
[۴] یہ کتاب خمریات کے متعلق ادب و نوادرات کا مجموعہ ہے جو اوصاف خمر مین ۲۵ ابواب پر مرتب ہے۔ بولاق مین ۱۲۷۶ھ مین اور مطبع وطن مین ۱۲۹۹ھ مین طبع ہو چکی ہے۔

صاف طینت کے مقدس گروہ کے نزدیک یہ آب آتش لباس" قطعاً حرام تھا، مگر وہ اس بادۂ روحانی کی کیفیت سے روزِ الست ہی سے لذت آشنا ہو چکے تھے جبکہ انگور کا ہنوز نام و نشان بھی نہ تھا، چنانچہ عمر ابن الفارضؒ فرماتے ہین:-

شربنا علی ذکر الحبیب مدامۃ سکرنا بھا من قبل ان یخلق الکرم

محبوب کی یاد مین ہم نے شراب پی ہے اور اس وقت سے ہم مست و مخمور ہو گئے ہین جبکہ انگور کا وجود بھی نہ تھا

چوتھی صدی ہجری مین جبکہ ایک طرف "مئے مجازی" اور "بادۂ عرفان" کی تعریف و توصیف مین عربی زبان کا ہر ایک شاعر رطب اللسان تھا، تو دوسری طرف شام کا مشہور فلسفی شاعر اور ادیب ابو العلاء المعری شراب نوشی کے خلاف سخت جد و جہد کر رہا تھا، اور اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اسلامی دنیا کا یہ پہلا مانع المسکرات (PROHIBITIONIST) شاعر ہے جس نے اپنے کلام مین جا بجا "بنت العنب" کی مذمت کی ہے، اور اس کے مضر اثرات کا ذکر کیا ہے، اس طرح اسلام نے انسدادِ مسکرات کی جو تحریک جاری کی تھی، اسکی ابو العلاء نے اپنے عقلی دلائل سے تائید و توثیق کی ہے، معری خود شراب سے متنفر تھا، اتنا ہی نہین بلکہ مختلف طریقون سے مے نوشی کے انسداد اور شراب کی مذمت مین اس نے اس قدر اشعار لکھے ہین کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک اچھا خاصہ مجموعہ تیار ہو جائے، بلکہ اس کی فہرستِ تصانیف مین ایک رسالہ خاص مذمتِ شراب مین پایا جاتا ہے،

جس کسی نے ابو العلاء کے کلام کا مطالعہ کیا ہے وہ اس امر کی شہادت دیگا کہ اس نے کبھی "اس کافر" کو منہ نہین لگایا، لیکن شام کے ایک عیسائی مصنف امین ریحانی نے ابو العلاء کے اشعارِ ذیل سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس نے ایک مرتبہ شراب پی تھی:-

عمی العین یتلوہ عمی الدین والھدیٰ — آنکھون کے اندھے پن کیسا تھ مذہب اور ہدایت کا

فلیلتی القصویٰ ثلاث لیالی — اندھا پن بھی آجاتا ہے پس میری ایک بے پایان

× × × × × × × × ×　　رات تین راتون کے برابر ہوتی ہے،

ولا قصرت لی ام لیلی بشربها　　اور ام لیلیٰ (شراب) نے بھی خود کو نوش کرکے

حنادس اوقات علی طیال[1]　　میرے تاریک اوقات کو، جو میرے لئے بہت طویل ہین

کم نہین کیا،

ان اشعار کو نقل کرتے ہوئے ریحانی لکھتا ہے:-

"یہان اس کا اشارہ اپنے الحاد اور نابینائی کی طرف ہے، ام لیلیٰ عربی مین شراب کا نام ہے، اس کے تمام کلام مین جو تین جلدون مین ہے، مجھے اس کے شراب پینے کے متعلق صرف یہی شعر مل سکا ہے، وہ اپنی عادات کے لحاظ سے یکا زاہد تھا، اور تینون جلدون مین جو کلام پھیلا پڑا ہے اسین وہ بالکل عہد حاضر کے ایک پرجوش "مانع المسکرات" کی طرح اس قدیم شناسا "عرق انگور" کی مذمت کرتا ہے[2]"

لیکن ہماری راے مین یہان ریحانی ابوالعلاء کا مطلب نہین سمجھا، ابوالعلاء کی مراد یہ ہے کہ "ام لیلیٰ" کو جو بقول بادہ کشان دل و دماغ کو روشن کر دیتی ہے، پی کر مین نے اپنی اس تاریکی کو دور نہین کیا یعنی کبھی شراب پی ہی نہین جو تاریکی کو دور کر سکتی، اس بات کو ماننے کے لیے ہمارے پاس کافی وجوہ ہین کہ ابوالعلاء نے کبھی "دختِ رز" کو ہاتھ نہین لگایا، چنانچہ اس کے بعض اشعار مین اس بات کا صریحی اقرار ہے کہ اس نے کبھی شراب نہین پی، مثلاً:-

(۱) ارانی راح المسرۃ اثملتنی　　مین دیکھتا ہون کہ شراب مسرت نے مجھے مخمور کیا ہو

وتلک لعمری الراح الحلال[3]　　اور بجان عزیز ایسی شراب میرے لیے حلال ہے

۲- دیوان سقط الزند مین اس کا ایک قصیدہ ہے جو اس مطلع سے شروع ہوتا ہے:-

---

[1] لزومیات ج ۲ ص ۱۵۰، [2] رباعیات ابی العلاء انگریزی صفحہ ۱۴۳، [3] سقط الزند صفحہ ۱۳۱ طبع ہندیہ مصر،

عَلِّلانی وان بیض الامانی ——— مجھے تم بار بار بادہ ہوشربا پلاؤ کہ آج کی رات ہزارہا دلخوش کن امیدین
فنیت والظلام لیس بفانی[1] ——— [illegible] باندھا تھا مگر آخر کو وہ بھی ختم ہوگئین، نہ معلوم آج رات کی تاریکی کس بلا کی ہے جو ختم

اس قصیدہ مین اشعار ذیل ہین:-

فاغتبقنا بیضاء کالفضۃ المحـ ——— ہم نے بھی خالص چاندی کی طرح سفید پانی شام کو چڑھایا،
ضِ وعفنا حمراءَ کالارجوان ——— مگر بادۂ ارغوانی سے گھن ظاہر کی،
ولو اَنّا اجزنا الی شرِبها التّهـ ——— اگر ہم اس موقعہ پر حدودِ منہیات سے تجاوز کرنا چاہتے تو
یَ عنینا بکلّ اَصهب عانِ ——— ہر سرخ اور کہنہ شراب کا رخ کرتے،
وهجرنا شرب الکؤسِ احتقارًا ——— بلکہ پیالون کو بھی تحقیرًا چھوڑ دیتے، اور مسرت مین
وشربنا مسرّۃ بالدنانِ[2] ——— وارفتہ ہو کر خم کے خم منہ سے لگا لیتے،

ان اشعار کی شرح کرتے ہوئے صدر الافاضل فرماتے ہین:-

"ان ابا العلاء لم یکن مولعًا بشرب ——— ابو العلار مے نوشی کا دلدادہ نہ تھا اور نہ اس نے
الخمر ولم یعتد وصف ذلك فی ——— اپنے اشعار مین اسکی تعریف کی، کیا تم نہین دیکھتے
الشعر الا تریٰ الی قوله وهو ——— قصیدۂ نونیہ مین اس کا یہ قول:-
فی هذه النونیۃ، فاغتبقنا الخ[3] ——— فاغتبقنا الخ،

(۲) ہمارے دوست پروفیسر عبد العزیز صاحب میمن جنھون نے ابو العلار پر عربی مین ایک محققانہ کتاب لکھی ہے، اسمین ابو العلار کے متعلق لکھتے ہین:-

"وہ کسی حالت مین شراب نوشی کو جائز نہین سمجھتا تھا، اور بچپن ہی سے لیکر تا دم مرگ وہ اس کا دشمن رہا، اور لزومیات مین شراب کی مذمت اور اس سے محترز رہنے کے متعلق اشعار بھرے پڑے ہین اور

[1] سقط الزند ص ۲۴۲ [2] ایضًا [3] ضرام السقط لصدر الافاضل طبع ایران ص ۲۶،

اس امر مین اس کے ہزارون اشعار ہین، ان مین ایک شعر بھی ایسا نہین ہے جو نہ صرف اسکی تصریح کرتا ہو بلکہ جو اس کے جواز یا اس کے استعمال کی طرف کھینچتا ہو[۱]"

(۴) ابو العلاء نے صرف اسی پر اکتفا نہین کیا، بلکہ شراب کی مذمت مین اس نے ایک خاص کتاب خماسیۃ الراح کے نام سے لکھی ہے، اس کی نسبت یاقوت کا بیان ہے کہ وہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے جو شراب کی مذمت مین لکھی گئی ہے، اس کا نام خماسیۃ اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ حروفِ معجم پر مرتب کیگئی ہے، اور ہر حرف کے لیئے ایک حرکت مین پانچ سجعات لکھے گئے ہین، یعنی مفتوحات مین پانچ، مضمومات مین پانچ، مکسورات مین پانچ، اور موقوفات مین پانچ، اس کا حجم تقریباً دس کراسہ ہے[۲]،

(۵) ۴۲۱ھ مین بغداد کے ایک شاعر ابو الحسن علی بن عبد الواحد معروف بہ صریع الدلاء[۳] (مصیبت زدہ) نے بغداد سے مصر کو جاتے ہوئے معرہ مین ابو العلاء سے شراب طلب کی تھی، اور چونکہ وہ اس کام کا اہل نہ تھا اس لیے زادِ راہ کے طور پر اس کو کچھ بھیج دیا[۴]، اور معذرت مین اشعار لکھ بھیجے[۵] جن مین سے اشعارِ ذیل قابلِ ملاحظہ ہین:-

قد استحییت منک فلا تکلف	مین تجھ سے نادم ہون اس لئے سوائے بہترین
الی شیئ سوی عذر جمیل	عذر کے اور کسی چیز کی توقع مجھ سے نہ رکھ،
وقد انفذت ماحقی علیہ	اور شراب پر میرا جو حق تھا وہ مین نے ادا کر دیا ہے
قبیح الھجو او شتم الرسول	بد ترین ہجو سے یا پیغمبر کی سی بدگوئی سے
فھب انی دعوتک للتصافی	اگر تو چاہتا تو مین تجھے سچے دوستون کی
علی غیر المعتقۃ الشمول	طرح ساتھ رہنے کے لیے، شراب کہنہ و تازہ کے بغیر

---

[۱] ابو العلاء و ما الیہ طبع سلفیہ مصر صفحہ ۱۰۵ [۲] معجم الادبار جلد اول صفحہ ۱۸۰ مرتبہ مارگولیتھ، طہٰ حسین نے اس کتاب کا نام حماستہ الراح غلط لکھا ہے [۳] اسکے ترجمہ کیلئے دیکھو ابن خلکان، و فوات الوفیات ج ۲ صفحہ ۲۳ [۴] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۳۵۹ (سنہ ۱۳۱۰ھ مصر) [۵] سقط الزند صفحہ ۹۷

علیٰ راحٍ من الآداب صرفٍ ۔۔۔ ادبیات کی خالص شراب سے

ونقلٍ من بسیطٍ او طویلٍ ۔۔۔ اور بحور بسیط وطویل کی گزک سے تیری دعوت کرتا،

۶- کسی شاعر نے ابوالعلاء کو کوئی تحفہ بھیجا، اور اس کے ساتھ ہی ایک شعر لکھ کر بھیجا تھا، جسمین شراب کی تعریف کیگئی تھی، چنانچہ معری نے میمیہ[1] مین اس کا جواب دیا ہے جس کے چند اشعار حسب ذیل ہین:-

أوالیَ نعتِ الراحِ من شغفٍ بہا ۔۔۔ کیا تو شراب کا حامی و مددگار ہے کہ اس سے اپنے شغف

کأنّک خالٌ للمدامۃ او عمٌّ ۔۔۔ کی بنا پر تو گویا اس کا ماموں یا چچا بن گیا ہے،

وأنت ابوھا ان غدت کرمیّۃً ۔۔۔ اور اگر وہ کریم الطبع ہو تو تو اس کا باپ ہے

وإن سکنت راءٌ فوالدُھا کرم ۔۔۔ اور اگر اس کی ر ساکن ہو جائے تو اسکا باپ انگور ہے،

ومن بعض جاراتِ العراقین بابلٌ ۔۔۔ اور عراقین کے بعض ہمسایہ شہرون مین سے بابل اور عانہ ہین

وعانۃٌ والصھباء عندھما جمٌّ ۔۔۔ (بابلیہ و عانیہ انھی سے منسوب ہین) اور شراب انھین بکثرت ملتی ہے،

ألم ترَ انّ الاوّلین الیھما ۔۔۔ کیا تونے نہین دیکھا کہ متقدمین نے شراب کی نسل کا

نموا حسبَ الخمرِ الذی رفع النظم ۔۔۔ سراغ انھین دو شہرون سے لگایا ہے کہ جس نے انکی شاعری کو بلند کردیا

فایّاک والکأس التی بتّ ناعتا ۔۔۔ خبردار! یہ جام شراب کہ جسکی تونے بکثرت مدح کی ہے

فما شربھا الا السفاھۃ والإثم ۔۔۔ اس کا پینا حماقت اور گناہ ہے،

۷- اس سلسلہ مین ایک دلچسپ ادبی واقعہ کا ذکر کرنا بیجا نہ ہوگا، ۳۹۹ھ مین جب ابوالعلاء بغداد پہنچا، اور وہان کے محلہ سویقۃ غالب مین قیام پذیر ہوا تو ربع الکرخ (بغداد) کے قاضی ابوالطیب طبری نے جو ایک جید فقیہ ہونے کے علاوہ شعر وسخن مین بھی دستگاہ رکھتے تھے، ابوالعلاء کو شراب کے متعلق ایک پہیلی اشعار ذیل مین لکھ کر بھیجی،

[1] سقط الزند ص ۹۸ و ص ۹۹

وماذات درّ لا یحل لحالب	وہ کونسی دودھ والی چیز ہے کہ جس کا پینا پینے والے کیلئے
تناوله واللحم منها محلل ،	جائز نہین ہے، اور اس کا گوشت حلال ہے،
لمن شاء فی الحالین حیًّا و میتًا	اور جو چاہے اسکو زندہ یا مردہ حالت مین بھی کھا سکتا ہے،
ومن شاء شرب الدر فھو مضلّلُ	اور جو کوئی اسکا دودھ پینا چاہے تو وہ گمراہ ہے،
اذا طعنت فی السن فاللحم طیب	جب وہ عمر رسیدہ ہو جائے تو اسکا گوشت نفیس ہوتا ہے
وآکلہ عند الجمیع معقّلُ	اور اس کا کھانے والا سبھون کے نزدیک عقلمند سمجھا جاتا ہے
وخرفانہا للاکل فیھا کزازة	اور اس کی بچھڑیان کھانے مین خشک ہوتی ہین
فما لحصیف الرای فیھن مأکل	اور صائب الرائے (پختہ کار) کیلئے انہین کوئی خوراک نہین ہے
وما یجتنی معناہ الا مبرز	اس (پہیلی) کو وہی بوجھ سکتا ہے جو عالم و فاضل ہو اور
علیم باسرار القلوب محصّلُ	دلون کے راز جانتا ہو،

ابوالعلاء نے اس کے جواب مین فوراً اشعار ذیل قاصد کو لکھوائے اور بھیج دیئے،

جوابان عن ھذا السوال کلاھما	اس سوال کے دونون جوابات
صواب وبعض القائلین مضلّل	صحیح اور درست ہین، اور بعض جواب دینے والے گمراہ ہو جاتے ہین
فمن ظنه کرمًا فلیس بکاذبٍ	تو جس نے اسے انگور سمجھا ہے وہ جھوٹا نہین ہے،
ومن ظنه نخلاً فلیس یجھّلُ	اور جس نے اسے خرما خیال کیا ہو وہ بھی ناواقف نہین ہے،
لحومھا الاعناب والرطب الذی	ان کا گوشت دانہ ہائے انگور و خرما ہین جو
ھو الحل والدر الرحیق المسلسلُ	حلال ہین اور ان کا دودھ بادۂ درخشان ہے،
ولکن ثمار النخل وھی غضیضة	مگر اوپر سے گری ہوئی کھجورین (خشک)
تمر وغض الکرم یجنی ویوکلُ	چھوارے ہین اور گرے ہوئے دانہائے انگور جمع کئے اور کھائے جاتے ہین

یکلفنی القاضی الجلیل مسائلاً	بزرگ قاضی صاحب مجھ سے ایسے مسائل دریافت فرماتے ہیں
ھی النجم قدراً بل أعز وأطول	جو قدر و منزلت میں ستارہ ہیں بلکہ اس سے بڑھکر بلند رتبہ اور طول طویل ہیں
ولو لم أجب عنھا لکنت بجھلھا	اور اگر میں اس (شراب) سے اپنی عدم
جدیرا ولکن من یودک مقبل[1]	واقفیت کی بنا پر جواب دیتا تو مناسب تھا لیکن جو تمہیں چاہے وہ مبارک ہے

۸ - آخر میں ہم معری کے رسالۃ الغفران کا ایک اقتباس یہاں پیش کرتے ہیں جو شراب کی مذمت میں ہے، اور اگرچہ معری کی یہ عبارت مقفیٰ اور مسجع نثر میں ہے، اور زیادہ تر اسمین شراب کے مختلف نامون پر لفاظی کیگئی ہے، تاہم اس کا صرف لفظی ترجمہ درج کیا جاتا ہے، اس سے یہ اندازہ ہوسکیگا کہ معری شراب کا کسقدر دشمن تھا:-

"نشہ تمام مذاہب مین حرام ہے، کہا جاتا ہے کہ جو شخص نشی اشیا پیتا ہو اس کو اہل ہند اپنے اوپر حکمران نہین بناتے کیونکہ وہ اسے برا سمجھتے ہین، اور کہتے ہین کہ کبھی سلطنت مین کوئی خبر پہنچے اور بادشاہ نشہ مین ہو تو اس کا محکوم ملک خوابِ غفلت مین پڑا رہے، قہوہ (شراب) پر لعنت کیگئی ہے، اور کئی لوگ ہین جو آسانی سے اسمین مبتلا ہو جاتے ہین، خمر (شراب) مین بھلائی نہین ہے کہ وہ انگارون پر قدم رکھواتی ہے جو کوئی صبوحی کش ہوا اور پھر اسکی مذمت کی تو وہ دانشمندی کی راہ پر گامزن ہوا، جس نے ام لیلیٰ (شراب) لنڈھائی تو گویا راہِ باطل مین اس نے اپنا دامن گھسیٹا، جس کسی نے ام زنبق (شراب) کی خواہش کی تو اسی نے عقل کو خطرہ مین ڈال دیا، جس نے اپنے کفِ دست مین شراب اٹھائی تو اس نے ہدایت کو چھوڑ دینے مین عجلت کی، جس کسی نے عقار (شراب) کی صحبت مین بیٹھنا پسند کیا تو اس نے اپنے لباسِ وقار کو اتار

[1] حافظ سلفی نے ابوالعلاء کے حالات مین جو کتاب لکھی ہے اس مین یہ واقعہ خود قاضی ابوالطیب طبری کی روایت سے لکھا ہے، اور سلفی سے ابن خلکان اور ابن ظافر الازدی نے اپنی کتابون مین نقل کیا ہے، دیکھو وفیات الاعیان جلد اول صفحہ ۲۳۳ - بدائع البدایہ ج ۲ ص ۱۱۰،

پھینکا، جو قرقف (شراب) کا عادی ہوگیا تو وہ صریحی طور پر ناتجربہ کار ہے، جس نے خرطوم (شراب) کی عادت کی تو وہ نہال بے ثمر کی حالت مین رہا، عانی (شراب کہنہ) کی مداومت آرزوؤن کو بارور ہونے سے روکتی ہے، سبیۂ (شراب خانہ ساز) کی مایوسی پردۂ راز سے تمام اسرار نہانی کو باہر لاتی ہے، کمیت (شراب) مین کوئی فائدہ نہین ہے، کہ وہ اس کے زندہ کو مردہ بنا دیتی ہے، جو صرخدی (شراب) مین مبتلا ہوا تو وہ اپنی رسوائی کا فدیہ نہین دیسکا، اور شرابیون کا عہد کسقدر خیانت آمیز ہوتا ہے، کہ مضبوط سے مضبوط قسمون کو بھی توڑ دیتا ہے، اور سلافتہ (شراب) مرکب ہے سل اور آفتہ سے، قبیلۂ بنی کلاب کے کئی نوجوان عنفوان شباب مین چل بسے اور دنیا کی مسرتون سے محروم رہے، شراب کہنہ کی مداومت نے جس کی یہ علامات ہین ان کو مہلک مرض سل مین مبتلا کر دیا، جس نے علی الصباح اٹھکر شمول (شراب تازہ) کا رخ کیا تو اسکی (عقل و) رائے (سلائی پھری ہوئی) پھوٹی آنکھ کی نظر سے دیکھتی ہے، شرابی سے کوئی کم گنہگار ہوتا ہے، وہ ایک شیر ہے جو جنگل مین پہنچ گیا ہے[1]"

ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو العلاء نے اس "ام الخبائث" سے جو حافظ جیسے صوفیون کے نزدیک "بوسۂ دوشیزگان سے زیادہ شیرین و مرغوب" تھی، اپنے تئین محفوظ رکھا تھا، اور دوسرون کو بھی اس سے محترز رہنے کی تاکید کرتا تھا،

اس سلسلہ مین انگلستان کے ایک مستشرق نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابو العلاء کا شراب سے احتراز برنبائے عقل تھا نہ برنبائے مذہب، اور اس کے لیے اس نے ابو العلاء کے کلام سے بعض شواہد بھی پیش کئے ہین، اس شعر کو نقل کرتے ہوئے:-

الیت ما توراتکم بمنیرۃ	مین قسمیہ کہتا ہون کہ تمھاری توراۃ بھی کسی طرح کی روشنی
ان الفیت فیھا الکمیت محللۃ[2]	نہین ڈالتی، اگر اسمین روشنی پائی جاتی ہو تو یہ کہ شراب اسمین حلال

[1] رسالۃ الغفران صفحہ ۱۹۴ [2] لزومیات جلد دوم صفحہ ۷،

ڈاکٹر نکلسن لکھتا ہے :-

"اگر دیکھا جائے تو یہ شعر توراۃ کے تحریف شدہ احکام کے برخلاف، قرآن مجید کے مستند ہونے کے متعلق، جو شراب کو حرام ٹھہراتا ہے، ایک سچے مسلمان کی التجا (اپیل) ہے، لیکن یہ تصریح اسکی اصل منطق کی طرف متوجہ نہین کرتی، معری کا مے نوشی کی مخالفت کرنا غیر مذہبی ہے جیسا کہ لزومیات کے متعدد مقامات سے ہمین معلوم ہوتا ہے، مثلاً :-

قل للمدامة وھی ضد للنھیٰ	شراب سے کہدو کہ جو عقل کی مخالف ہے اور ہمیشہ،
تنضو لھا ابداً سیوف محارب[1]	جنگجویون کی تلوار کو میان سے باہر کر دیتی ہے،
یقول الناس ان الخمر تؤدی	لوگ کہتے ہین کہ شراب سینہ مین سے
بما فی الصدر من ھم قدیم	پرانے رنج وغم کو زائل کر دیتی ہے،
ولولا انھا باللب تؤدی	لیکن اگر وہ عقل کو زائل نہ کر دیتی ہوتی تو
لکنت اخا المدامة والندیم[2]	مین شراب اور شرابیون کا دوست بن جاتا،

یہان صاف طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تورات شراب نوشی کی اجازت دیتی ہے تو وہ ہمین گمراہ کرتی ہے، لہذا ہمین عقل کی اطاعت کرنی چاہئے نہ کہ وحی و الہام کی، اور یہ بات کہ شراب کے معاملہ مین معری محمد (صلعم) کیساتھ متفق ہے، اس عام اصول کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہے[3]؛

فاضل مستشرق کی مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی ممانعت خمر سے معری کو کوئی تعلق نہین ہے، لیکن یہ ایک بڑا مغالطہ ہے، جسمین بدقسمتی سے تمام مستشرقین یورپ مبتلا ہین، انھی باتون کی وجہ سے تو یورپ نے معری کو ہاتھون ہاتھ لیا ہے تاکہ اسلام کے خلاف کچھ مواد ہاتھ آئے، لیکن صاحب فہم اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہین کہ ایک شاعر جب کسی چیز کی مذمت کرتا ہے تو اس کے لیے یہ ضروری نہین ہے کہ وہ ایک قاضی یا مفتی کیطرح

---

[1] لزومیات جلد اول صفحہ ۱۱۶، [2] ایضاً جلد دوم صفحہ ۲۶۷، [3] اسٹڈیز ان اسلامک پوئٹری ص ۱۶۷-۱۶۸

آیات واحادیث بھی اپنے اشعار مین لایا کرے، اس کے لیے سوا اس کے چارۂ کار نہین ہے کہ وہ عقلِ انسانی سے اپیل کرے، رہا یہ امر کہ توراۃ مین چونکہ شراب کا جواز پایا جاتا ہے، لہذا مذہب کو چھوڑ کر عقل پر چلنا چاہیے اور اس سے خواہ مخواہ یہ نتیجہ نکالنا کہ ابو العلاء نے بالواسطہ قرآن مجید پر عمل نہ کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ بھی نکلسن کی اختراع اور جدتِ طبع ہے، ورنہ ابو العلاء کے کلام مین کئی اشعار ایسے آئے ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ شراب کو مذہبًا ناجائز سمجھکر اس سے محترز رہتا تھا، چنانچہ کہتا ہے:-

لو کانت الخمر حلاً ما سمحت بها	اگر شراب حلال ہوتی تو مین اپنے لیے اسے ظاہر مین
لنفسی الدهر لا سرًّا ولا علنا	اور باطن مین نہ چھوڑتا،
فلیغفر اللہ کم نطفی ما آربنا	خدا معاف کرے ہماری کتنی خواہشات پوری ہوتی
وربنا قد احل الطیبات لنا[1]	رہتی ہین، حالانکہ خدا نے ہمارے لئے پاک چیزوں کو حلال کردیا ہے،

ایک اور جگہ کہتا ہے:-

تمنیتُ ان الخمر حلت لنشوة	میری آرزو تھی کہ شراب صرف نشہ لانے کے لیے
تجهلنی کیف أطمانت بی الحال[2]	جائز ہوتی تاکہ وہ مجھے اس بات کو بھلا دیتی کہ مجھ پر کیا گذری

اسمین کوئی شک نہین ہے کہ معری نے شراب نہ پینے کا یہ عذر معقول پیش کیا ہے کہ وہ عقل کو زائل کردینے والی ہے، لیکن ایسا کہنا کسی طرح احکامِ قرآنی کے خلاف نہین ہوسکتا، بلکہ اس سے تو اسکی مزید تائید ہوتی ہے، مثلاً:-

لا أشرب الراح اشهی طیب نشوتها	مین شراب نہین پیتا کہ اسکی نشہ آور بو
بالعقل فضل انصاری واعوانی[3]	عقل کو توڑ دیتی ہے جو میرے مددگار اور

پھر معری یہ بھی صاف صاف کہدیتا ہے کہ مین نے محتسب کے خوف سے ڈر کر شراب کو حرام نہین

---

[1] لزومیات جلد دوم ص ۲۹۲، [2] سقط الزند ص ۱۰۲ [3] لزومیات جلد دوم ص ۵۱۵،

سمجھا بلکہ اس واسطے کہ وہ عقل کے لیے مضر ہے :-

وحرمت شرب الراح لاخوف سائط	مین نے کسی درّہ مارنے والے کے خوف سے شراب کو
ولکنھا ترمی العقول بعقال[1]	حرام نہین کیا لیکن اسلیے کہ وہ (پاے) عقل مین بیڑیان ڈالدیتی ہے،

اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا شراب سے باز رہنا ریاکاری کے طور پر نہ تھا، یعنی اگر وہ اس کو مذہبًا حرام سمجھتا ہے تو اس کے لیے اسکے پاس معقول وجہ بھی اس بات کی ہے کہ یہ عقل کو کھو دینے والی چیز ہے،

ابو العلاء کا ایک افرنجیت مآب سوانح نگار ڈاکٹر طہٰ حسین مصری بھی معری کے "رفض الخمر" کی وجوہات مین دینی وجہ کو پیش کرتا ہے، چنانچہ معری کے فلسفیانہ خصائص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"ولابی العلاء مع انہ من اصحاب	باوجودیکہ ابو العلاء "اصحاب اللذۃ" (پیروان ابیکورس)
اللذۃ شدۃ غربیۃ[2] فی رفض	مین سے تھا، پھر بھی ترک شراب مین اس کو
الخمر، فقد حرمھا من جہات ثلاث	عجیب قسم کا تشدد ہے (؟) کہ اس نے شراب کو
من جھۃ العقل والصحۃ والدین[3]	تین وجوہ: عقل، صحت، اور دین کی بنا پر حرام کیا تھا"

لیکن طہٰ حسین کا معری جیسے متشاوم (PESSEMIST) فلسفی کو اصحاب اللذۃ مین شمار کرنا بالکل بے معنی ہے،

یہان ہم ابو العلاء کے چند اشعار نقل کرتے ہین جنہین مختلف پیرایون مین اس نے شراب کی مذمت اور اس کے انسداد کی کوشش کی ہے :-

(۱) ولو طرب الجماد لکان اولی	اگر جمادات خوش ہوتے تو بہتر تھا،
شروب الراح بالطرب الدنان[4]	کیونکہ شراب مٹی کے پیالیون مین پی جاتی ہے،

---

[1] سقط الزند ص ۱۴۷ [2] ذکری ابی العلاء صفحہ ۳۰۴ کے نسخہ مین غربیہ چھپا ہے، جس کے معنی "اہل مغرب کا سا تشدد ہے"، لیکن یہ نسخہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے، یہ دراصل غریبہ ہے اور اسی لیے ہم نے یہی معنی لئے ہین [3] سقط الزند صہ۱،

(۲) عدّ عن شارب کأسٍ أسکرت
فهو مثل الکلب فی الرجس و لغ[۱]

اوس جام کے پینے والے سے جو نشہ لاتا ہے، دور رہو،
کیونکہ وہ کتے کی طرح نجاست آلودہ ہو،

---

(۳) انّ سرور المدام لا یدوم
بل اعقبتا بالهموم والسدم
والکأس من کاسَ فی التعثر وال
ندمان لفظٌ اتی من ندمٍ[۲]

شراب کا سرور قائم نہین رہتا،
بلکہ (اترنے کے بعد) رنج وغم اور پشیمانی لاتا ہے،
لفظ کأس (پیالہ) من کأس الخ (جو لغزش مین سکر گر پڑا)
سے ماخوذ ہے اور لفظ ندمان (یاران مینوش) ندامت سے آیا ہے،

---

(۴) شرابک بئس الشئ سرّ دانما
افاد سرورًا باطلًا حین أسکرا[۳]

تیری شراب بدترین چیز پیدا کردیتی ہے،
کیونکہ جب وہ نشہ لاتی ہے تو سرور باطل پیدا کرتی ہے،

---

(۵) لا تشربنّ الخمر فهی غویّةٌ
ساقت بأنعمها طویل الابؤسِ[۴]

ہرگز شراب نہ پی کہ وہ گمراہ کن ہے،
اسکی نعمتون کے ساتھ طویل مفلسی بھی لگی ہوئی ہے،

---

(۶) دع الراح فی راح الغوی انها مدارةٌ
یظنون فیها حنوةً وقرنفلا
تریع لها اجناد ابلیس رغبةً
وتنفر عنها الملائک جفّلا[۵]

شراب کو گمراہون کے ہاتھون مین نرمی سے چھوڑ دے
جو یہ خیال کرتے ہین کہ اس مین حنوہ (ایک خوشبودار نبات) اور لونگ کی مہک ہے،
شیطان کا لشکر اسکی طرف اپنی رغبت سے خوش ہوتا ہے
اور فرشتے اسکے پینے والون سے نفرت کرکے بھاگ جاتے ہین،

۱؎ لزومیات ج ۲ ص۳۶ ۲؎ ایضاً ص۲۷ ۳؎ ایضاً ج ۱ ص۲۸۹ ۴؎ ایضاً ج ۲ ص۲۱۲، ۵؎ ایضاً ص۱۲۸،

(۷) انّ کؤس المدام تشبهها	کاسہائے شراب اُن تلوارون کی مانند ہین
سیوف والموت فی مضاربها	جن کی دھارون مین موت ہے،
ونملها ان تذبّ فی جسد	اورہم چاہتے ہین کہ وہ ہمارے جسم مین پیوست ہو جائین
اضرّ للنفس من عقاربها	جو نفس کیلئے مصائب وآلام سے بڑھ کر ہے،
وکلّ ما أذهب العقول وان	اور ہر چیز جو عقل کو زائل کر دیتی ہے، اگر وہ عقل کے
خالفها فهو من اقاربها	مخالف ہو تو وہ شراب کے اقربا مین سے ہے،
جرّبها عالم بشیمتها	دنیا نے اس کی سیرۃ سے اس کا تجربہ کرلیا ہے، کہ
ویذهب اللبّ فی تجاربها	عقل اس کے تجربہ کرنے مین زائل ہو جاتی ہے،
وقد تقضی الحیاة راضیة	اور شراب کے مقاصد کو حل کئے بغیر بھی زندگی،
بدون ما نیل من مآربها	خوشی سے بسر ہو سکتی ہے،
(۸) تآلی الحجا واستشهد السکر أنها	عقل قسم کھاتی ہے اور نشہ کو گواہی مین پیش کرتی ہے،
ذمیمةُ غِبٍّ لا تحلُّ لشاربٍ	کہ یہ دو شاب بر تلخ پینے والے کیلئے جائز نہین ہے،

ابو العلاء وما الیہ

عربی زبان مین خیام عرب ابو العلاء کے حالات وسوانح اور اس کے مساعی پر بہترین تبصرہ حجم ۴۳۰ صفحے، قیمت مجلد ۳ر غیر مجلد ۲ر مطبوعہ مصر،

"منیجر"

[1] لزومیات ج ۱ ص ۱۱۱، ص ۱۱۱

[2] ایضاً ص ۱۰۱،

عبادت

ازمولوی ابوالاعلی صاحب مودودی مصنف "الجہاد فی الاسلام"

(۲)

اب سوال یہ ہے کہ خداے واحد کی پرستش تک رہنمائی حاصل کئے بغیر سلیم الفطرت انسان کیون مطمئن نہ ہوسکا، اور اس کے بعد کیون مطمئن ہوگیا؟ اس سوال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو جو فطری جذبہ پرستش پر مجبور کرتا ہے، اس کا اصل مقصود خداے واحد ہی کی پرستش ہے، اور جبتک وہ اس مقصود کو پہنچ نہین جاتا، مطمئن نہین ہوتا اور نہین ہوسکتا، الّا یہ کہ عقل و فکر کی نارسائی یا آبا و اجداد کی اندھی تقلید انسان کو یہ اطمینانی محسوس ہونے نہین دیتی، جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہین، انسان کے اندر پرستش کا جذبہ فطری طور پر پیدا ہی اسلیے ہوتا ہے کہ وہ اور اس کا رونگٹا رونگٹا اور اس کے گرد و پیش کائنات کا ذرہ ذرہ، خدا کی بندگی مین مشغول ہے، ایسی حالت مین جب ایک ظلوم و جہول انسان خدا سے ناواقف ہوکر غیر خدا کی پرستش کے لیے جھکتا ہے تو اس کے گرد و پیش کائنات کا کوئی عنصر، حتیٰ کہ خود اس کے جسم کا کوئی جز اس کا ساتھ نہین دیتا، وہ جن پاؤن سے اپنے خود ساختہ معبود کی طرف بڑھتا ہے، وہ خدا کی عبادت مین چلتے ہین، وہ جن ہاتھون سے اسکے آگے نذر پیش کرتا ہے، وہ خدا کی بندگی مین حرکت کرتے ہین، وہ جس پیشانی سے اس کو سجدہ کرتا ہے وہ خدا کے سجدہ مین جھکی ہوتی ہے، وہ جس زبان سے اس کی بڑائی بیان کرتا ہے وہ خدا کی تکبیر و تسبیح مین مشغول ہوتی ہے، ایسی حالت مین اس کی یہ ساری پرستش، یہ تمام نیایش و گرایش، ایک جھوٹ، ایک افترا، ایک بہتان، ایک صریح جہل ہوتی ہے، جس کے بطلان پر کائنات کا ہر ذرّہ گواہی دیتا ہے، اور خود انسان کی فطرت، اپنی لطیف و غیر محسوس آواز مین بار بار اسے تنبیہ کرتی ہے کہ یہ تو کس دھوکے مین پڑگیا ہے؟ کیا تجھے بندے کی بندگی، پرستار کی پرستش، فرمانبردار کی فرمانبرداری کرتے شرم نہین آتی؟ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ،

اس کے علاوہ ایک اور باریک نکتہ یہ بھی ہے کہ بندگی، اور پرستش دونون توأم ہین، ایک ہی کل کے

دو لاینفک جز ہین، جنکی فطرت ایک ہی ہے، اور وہ اس کی مقتضی ہے کہ دونون ساتھ ساتھ رہین، پس جب انسان اپنی جہالت و بےخبری سے ان دونون کو جدا کر دیتا ہے، اور بندگی ایک کی کرتا ہے اور پرستش دوسرے کی، تو یہ تفریق و تقسیم فطرت کے خلاف واقع ہوتی ہے، اور ایک نہایت خفی و غیر محسوس تحت الشعوری بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے، کیونکہ پرستش اپنی فطرت کی بنا پر بندگی سے مل جانا چاہتی ہے، اور انسان اپنی ناسمجھی کے باعث اسکو نہین ملنے دیتا، پھر جب انسان کی جہالت کا پردہ درمیان سے اٹھ جاتا ہے، اور اسے اس حقیقت کا علم حاصل ہو جاتا ہے کہ معبود وہی ہے جو مالک، خالق، اور پروردگار ہے، تو بندگی اور پرستش دونون باہم مل جاتی ہین، اور اس وصال سے وہ لطف، وہ مزا وہ اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے جو ہجر و فراق کی حالت مین مفقود تھا،

اسی بندگی و پرستش کی ہم آہنگی سے انسان کو دوسری مخلوقات پر شرف حاصل ہوتا ہے، اور وہ اس مرتبہ پر پہنچتا ہے جسے خدا نے اپنی "خلافت" و نیابت سے تعبیر کیا ہے، اور جس پر پہنچنا انسان کی پیدایش کا اصلی مقصود ہے، قرآنِ حکیم مین یہ مضمون اس پیرایہ مین بیان کیا گیا ہے کہ جب خدا نے انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو کہا کہ مین زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہون، فرشتون نے عرض کیا کہ کیا تو اس ہستی کو اپنا نائب بنانا چاہتا ہے جو زمین مین فساد پھیلائے گی اور خونریزیان کریگی، حالانکہ تیری نیابت کے مستحق ہم ہین، کہ تیری حمد و ثنا کرتے اور تیری تسبیح و تقدیس مین لگے رہتے ہین، مگر خدا نے جواب دیا کہ تم اس حقیقت سے ناواقف ہو جو میرے علم مین ہے، اور پھر اس نے فرشتون پر انسان کی فضیلت اور خلافت و نیابت کیلئے اس کی اہلیت ثابت کرنے کے لیے آدم کو حکم دیا کہ جو علم ہم نے تجھ کو عطا کیا ہے وہ ان کے سامنے پیش کر، چنانچہ جب آدم نے اپنا علم پیش کر دیا، اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ انسان خدا کی بندگی و پرستش صرف جبلت ہی کے اعتبار سے نہین، بلکہ علم و معرفت کی بنا پر بھی کریگا، تو انھون نے تسلیم کر لیا کہ فی الواقع خدا کی نیابت کا مستحق انسان ہی ہے، اور وہ سب اس کے آگے جھک گئے، اب اگر انسان بھی علم و عرفان کے بغیر محض بندگی کرتا رہے جسپر وہ مجبول ہے تو اسمین اور ملائکہ اور شجر و حجر اور لایعقل حیوانات مین کوئی فرق

نہین رہتا اوراس کا استحقاقِ خلافت باطل ہوجاتا ہی، بلکہ اگر وہ اپنی تخلیق کے اصل مقصد سے ہٹ کر، علم سے بے بہرہ رہے، اور جو وسائل علم و معرفت اسکو عطا کیے گئے ہین ان سے کام نہ لے، اوراس جہالت و ناواقفیت کیساتھ زمین مین فساد پھیلائے، خونریزیان کرتا پھرے، اور وہ سرکشیان کرنے لگے جو دوسری مخلوق نہین کرتی، تو وہ جانورن سے بھی بدتر ہوجاتا ہے،

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا، وَلَهُمْ	وہ دل رکھتے ہین مگران سے سمجھنے کا کام نہین
أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا، وَلَهُمْ آذَانٌ	لیتے، وہ آنکھین رکھتے ہین مگران سے نہین دیکھتے،
لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا، أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ	وہ کان رکھتے ہین مگران سے نہین سنتے، وہ
بَلْ هُمْ أَضَلُّ، أُولَٰئِكَ هُمُ	جانورون کی طرح ہین بلکہ ان سے بھی گئے گذرے
الْغَافِلُونَ، (۷-۲۲)	وہ غفلت مین پڑے ہوئے ہین،

اور یہی حالت ہی جس کے متعلق ایک دوسرے مقام پر کہا گیا ہے :-

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ	ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا تھا،
تَقْوِيمٍ، ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ، (۹۵-۱)	پھراسے کمتر مخلوق کے درجہ سے بھی نیچے گرادیا،

اس اسفل سافلین کے درجہ مین گرنے سے جو چیز انسان کو بچاتی ہے، وہ وہی معبود حقیقی کا علم وعرفان ہے، جس کی سب سے زیادہ مضبوط اور یقینی حالت کا نام "ایمان" رکھا گیا ہے، اور جس کے ساتھ ضروری ہے کہ انسان اس علم پر عمل یعنی صحیح طریقہ سے اس معبود کی عبادت بھی کرے، اِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، تب وہ اپنی تخلیق کے اصل مقصد کو پورا کریگا، اوراس منصب نیابت و خلافت کو پالیگا جس کے لیے خدانے اسی پیدا کیا ہے،

اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہین جہان عبادت کا صحیح اور مکمل مفہوم واضح طور پر ہمارے سامنے آجاتا ہے، اوپر جو کچھ کہا گیا ہے، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوچکا ہے کہ عبادت کے اجزاء معنوی دو ہین جنکی ترکیب سے عبادت کا مفہوم مکمل ہوتا ہے، ایک بندگی یعنی قانون فطرت کی ٹھیک ٹھیک پیروی اوراسکی خلاف ورزی سے

اجتناب، دوسرے پرستش، جو اپنی تکمیل کے لیے دو چیزون کی محتاج ہے،

ایک یہ کہ انسان اپنے وجدانِ صحیح اور عقلِ سلیم سے کام لیکر اپنے حقیقی معبود کا علم وعرفان حاصل کرے اور اس پر پوری مضبوطی کے ساتھ جم جائے، اس کے معنی صرف یہی نہین ہین کہ وہ خدا کے ہونے اور اس کے قابلِ پرستش ہونے پر یقین کامل رکھے، بلکہ اس اعتقاد کو درجۂ کمال تک پہنچانے کے لیے یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ خدا کے سوا کوئی نفع وضرر پہنچانے والا، رزق دینے اور پالنے والا، حفاظت اور خبرگیری، اور نصرت وامداد کرنے والا، اور اس کارگاہ عالم کو چلانے والا نہین ہے، لہذا اگر کوئی خوف اور ڈر، محبت ورغبت، اعتماد وتوکل کے قابل ہے تو وہ خدا ہی ہے، اور یہ کہ خدا ہر وقت اپنے بندے کو دیکھتا اور اسکی ظاہر و پوشیدہ تمام حرکات سے باخبر رہتا ہے، اور وہ ایک دن ضرور اس کے تمام اعمال کا حساب لیگا، اس اعتقاد ویقین کا نام "ایمان" ہے، اور یہ خداپرستی کی بنیاد ہے جس کے بغیر پرستش مین خلوص، یکسوئی، توجہ اور خشوع حاصل ہونا محال ہے،

دوسرے یہ کہ انسان خدا کے احکام کی پوری پوری اطاعت کرے، یعنی جن افعال کو خدا نے حرام، ممنوع اور مذموم قرار دیا ہے ان سے پرہیز کرے، جن افعال کی اس نے اجازت دی ہے انھی کے دائرے مین اپنے عمل کو محدود رکھے، اور جن افعال کو اس پر فرض اور لازم قرار دیا ہے ان کو پابندی کیساتھ بجالائے، اسکا نام "عملِ صالح" ہے،

ان دونون عناصر کی آمیزش سے پرستش کی تکمیل ہوتی ہے، اور بندگی و پرستش کے امتزاج سے وہ عبادت مکمل ہوتی ہے جس سے انسان کو ساری کائنات پر شرف حاصل ہوتا ہے اور دنیوی زندگی مین اسکی بدولت غایت درجہ کی کامیابی یعنی خدا کی خلافت ونیابت نصیب ہوتی ہے، اور آخرت مین انتہا درجہ کی فلاح یعنی خدا کی خوشنودی میسر آتی ہے جو سراسر لذت ونعمت ہے،

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ	تم مین سے جو لوگ ایمان لائے ہین اور جنھون
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	نے عملِ صالح کیا ہے ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے

فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا، یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا، (۲۴-۷)	کہ ضرور ان کو زمین مین اپنا خلیفہ بنائیگا جسطرح ان سے پہلے ایسے ہی لوگون کو بنا چکا ہے اور جس دین کو خدا نے ان کے لیے پسند کیا ہے اسے مضبوطی کیساتھ قائم کریگا، اور ان کو خوف کے بدلے امن عطا کریگا، بس وہ میری عبادت کرین اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرین ،
اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ، (۲۴-۷)	مومنون کو جب خدا اور اس کے رسول کیطرف بلایا جاتا ہے، تاکہ ان کے درمیان حکم کرے، تو وہ کہتے ہین کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، یہی لوگ فلاح پانے والے ہین، اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کریگا اور اس سے ڈریگا اور اسکی ناخوشی سے پرہیز کریگا، تو ایسے ہی لوگ آخرکار کامیاب ہونگے ،
رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ، یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ، (۲۴-۵)	ایسے لوگ جنکو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہین کرتی، اور جو اس دن سے ڈرتے ہین جسین دل الٹنے اور آنکھین پتھرا جانے کی نوبت آجائیگی، ان کے بہترین عمل کی جزا اللہ دیگا اور اپنے فضل سے ایسی جزا دیگا جو انکے عمل سے بڑھکر ہو گی

یہ وہ عبادت ہے جو تسبیح و مصلے، اور مسجد و خانقاہ تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا عالم اتنا وسیع ہے کہ ایک مومن اللہ کے قانون کی پیروی اور اسکی شریعت کے اتباع مین دین اور دنیا کا جو کام کرتا ہے وہ عبادت ہوتا ہے، حتی کہ بازارون مین اسکی خرید و فروخت، اور اپنے اہل وعیال مین اسکی معاشرت، اور اپنے خالص دنیوی کاروبار کے لیے اسکی تگ و دو بھی داخلِ عبادت ہوجاتی ہے، کیونکہ یہ سب کچھ وہ اللہ کے خلیفہ اس کے نائب، اس کے خاص نوکر کی حیثیت سے کرتا ہے،

اس خلافت، اس نوکری کا صحیح تصور ذہن نشین کرنے کے لیے ایک مرتبہ پھر حکومت کی مثال کی طرف رجوع کیجئے، دنیوی حکومتون مین ہم دیکھتے ہین کہ ان کے تابع فرمان دو قسم کے لوگ ہوا کرتے ہین، ایک رعیت جو عام ملکی قوانین کی پیروی کرتی ہے اور اس کے معاوضہ مین حکومت ان کو امن، اور معاش اور خوشحالی کے اسباب مہیا کرتی ہے، اور دوسرے رعیت ہی مین سے وہ مخصوص لوگ جنھین بادشاہ یا صاحبِ امر اپنی ملازمت مین رکھتا ہے اور وہ اس کے نائب کی حیثیت سے حکومت کی خدمات انجام دیتے، اور اس کے احکام ملک مین نافذ کرتے اور رعایا کی نگرانی و حفاظت کرتے ہین، یہ لوگ عام رعایا کے مقابلہ مین حکومت کے زیادہ مقرب ہوتے ہین، عام ملکی قوانین کے علاوہ ان کے لئے مخصوص ضوابط و احکام ہوا کرتے ہین جن کی انھین اطاعت کرنی پڑتی ہے، اور اس اطاعت اور بادشاہ یا صاحب امر کی وفاداری و رضا جوئی مین وہ جتنے زیادہ بڑھے ہوئے ہوتے ہین، اتنی ہی زیادہ بڑے مدارج انھین عطا کیے جاتے ہین، قریب قریب یہی حال ان لوگون کا ہے جنھین خدا کی خلافت و نیابت عطا کیجاتی ہے، ان لوگون کی دو حیثیتین ہین، ایک حیثیت تو بندہ ہونے کی ہے جسمین وہ عام بندون کی طرح قوانینِ فطرت کے تابع رہتے ہین، اور دوسری حیثیت خاص نوکر ہونے کی ہے جسمین انھین اللہ کے احکام یعنی اوامر و نواہی اور فرائض و واجبات کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرنی ہوتی ہے، اور خدا کی طرف سے ان کے سپرد یہ کام ہوتا ہے کہ اس کے بندون کی نگرانی و حفاظت کرین، اسکی زمین پر امن قائم کرین، اس کے احکام و اوامر کو نافذ کرین، اور اسکی رعایا کو سیدھی راہ دکھائین اور غلط راہ سے روکین،

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا	اس طرح ہم نے تم کو ایک بہترین عادل امت
لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ	بنایا، تاکہ تم دنیا کے لوگون پر نگران
يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (۲-۱۷)	رہو، اور رسول تم پر نگران رہے،
هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ	اس نے تمہارا نام اس سے پہلے بھی اور اس
وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا	کتاب مین بھی مُسلم (اطاعت گذار) رکھا
عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ	ہے، تاکہ تم پر رسول نگران رہے، اور
فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ	تم لوگون پر نگران رہو، پس نماز قائم
اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ (۲۲-۱۰)	کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ کے راستے پر جمے رہو
وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ	تم مین ایک گروہ ایسا رہنا چاہئے جو نیکی
اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	کی طرف بلائے، نیکو کاری کا حکم دے،
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳-۱۱)	اور بدکاری سے روکے،
اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ	یہ وہ لوگ ہین جن کو اگر ہم زمین مین طاقت
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا	بخشین گے تو یہ نماز قائم کرین گے، زکوٰۃ
بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ	دینگے، نیکی کا حکم کرینگے اور بدی سے
(۲۲-۶)	روکین گے،

یہ تمام اعمال یعنی نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، اللہ کے راستے پر ٹھیک ٹھیک چلنا، اس کی اطاعت گذاری کرنا، اس کے بندون کی نگرانی کرنا، نیکی کی دعوت دینا، بدی سے روکنا، اور عدل قائم کرنا، وہ خدمات ہین جو خدا کے خلیفہ، نائب، اور خاص ملازم ہونے کی حیثیت سے ان کے تفویض کیگئی ہین، اور ان خدمات کی انجام دہی کا نام عبادت ہے، ان مین سے جو شخص جتنی زیادہ تن دہی کے ساتھ یہ عبادت کرتا ہے، اور اپنے بادشاہ کی

اطاعت، وفاداری، رضاجوئی، اوراس کی نافرمانی سے احتراز، اوراس کے غضب سے خوف کرنے مین جتنا زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے، اسکو بادشاہ کی جناب مین اتنا ہی زیادہ تقرب حاصل ہوتا ہے، اتنا ہی بڑا عہدہ ملتا ہے، اوراسی قدر بڑا اجر عطا کیا جاتا ہے، اِنَّ اکرمکم عند اللہ اَتقٰکُمْ خدا کے نزدیک تم مین سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، اور

ومن یطع اللہ ورسولہ ویخش	جو کوئی اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت
اللہ ویتقہ فاولئک ھُمُ	کرتا ہے اوراس سے ڈرتا اوراسکی ناخوشی
الفائزون ۔ (۲۴-۶)	سے پرہیز کرتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے،

یہ ہے اس عبادت کی حقیقت جس کے متعلق آجکل لوگون نے سمجھ رکھا ہے کہ دنیا اوراس کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہین ہے، اور وہ صرف نماز روزے اور تسبیح وتہلیل تک محدود ہے،

تاریخ گجرات کا ایک ورق

ولبھی راج کی تباہی

از

مولنا سید ابوظفر صاحب ندوی سابق مدرس عربی و فارسی مہاودیا احمد آباد

(۲)

اس عظیم الشان شہر کی ویرانی اور تباہی جو ڈھائی سو سال سے زیادہ عرصہ تک عروس البلاد بنا رہا، کیونکر ہوئی، یہ ایک راز سربستہ ہے جو ابھی تک لوگون کے نظرون سے پوشیدہ ہے،

اس کی تباہی کے متعلق دنت کتھا (داستان) کے طور پر مختلف روایات مشہور ہین کسی نے کہا کہ اسکی تباہی پارتھن کے ذریعہ ہوئی، کوئی "ہن" کا نام لیتا ہے، اور کوئی کہتا ہے کہ یہ لوگ "کیٹی" تھے، الیٹ صاحب نے بھی اس کے متعلق کوئی خاص نظریہ نہین پیش کیا، کچھ لوگ اس طرف بھی گئے ہین، کہ سندھ کے عربون نے اس کو ویران کر ڈالا، اور بعض تامر پتر (کتبہ) سے اس کی تصدیق کی کوشش بھی جاری ہے، مین ذیل مین پہلے ان داستانون کو تحریر کرتا ہون اور پھر اس کے متعلق خاص بحث کرونگا، کہ یہ شہر کس عہد مین تباہ ہوا اور کس طرح ہوا،

جینی کتابون مین ہے کہ "ڈھنڈلی مل" ایک سادھو مع اپنے چیلے کے ولبھی پور آیا، اور شہر کے پاس اپنا استھان بنایا، چیلا شہر مین خیرات مانگنے گیا، مگر کسی نے کچھ نہ دیا، مجبوراً وہ جنگل مین جاکر لکڑیان کاٹ لایا، اور فروخت کرکے کچھ پیسے حاصل کئے، جب ان پیسون سے آٹا خرید کر روٹی پکوانی چاہی تو لوگون نے اس سے بھی انکار کر دیا، آخر ایک کمھار کی بیوی نے روٹی پکادی، وہ چیلا ایک زمانہ تک اسی طریقہ پر عمل پیرا رہا، آخر ایک دن

سادھو نے چیلے سے دریافت کیا کہ تیرے سر کے بال کیون گرنے لگے، اس نے اصل حقیقت بیان کی کہ روزانہ لکڑی سر پر اٹھانے سے بال گر رہے ہین، سادھو نے کہا کہ اچھا کل ہم خود جائین گے، چنانچہ وہ گیا، مگر سوائے کمہار کے کسی نے کوئی خیرات نہ دی، اس سے سادھو کو بڑا غصہ آیا، اس نے کمہار سے کہلا بھیجا کہ تو اپنا خاندان لیکر یہان سے نکل جا کیونکہ اب یہ شہر ویران ہوجائیگا، مگر جاتے وقت تو پیچھے پھر کر نہ دیکھنا، چنانچہ کمہار چلا گیا، مگر جب بھاونگر کے پاس پہنچا، تو اس کی عورت نے پھر کر دیکھ لیا، جس سے وہ اسی وقت پتھر کی ہوگئی، لوگون نے اس کا نام "رودا پوری" ماتا رکھا، اور پھر سادھو نے بقال کا ایک برتن لیکر اوندھا دیا، اور کہا کہ شہر اسی طرح اوندھا ہوجائے اور اس کی دولت مٹی ہوجائے، چنانچہ ولبھی پور اسی وقت تباہ ہوگیا، اس کہانی سے خوش اعتقادی کو الگ کر کے مندرجۂ ذیل باتین معلوم ہوتی ہین،

(۱) جینی راوی نے اس سادھو کے چمت کار (کرامات) جس آب و تاب سے بیان کئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سادھو جینی تھا، (۲) یہ کہ ولبھی پور کی کثیر آبادی بودھ تھی کیونکہ صرف اس عہد مین نہین بلکہ مسلمانون کے عہد تک سندھ اور گجرات کی غالب آبادی کے بدھ ہونے کا ثبوت عرب سیاحون کے سفرنامون سے ملتا ہے (۳) یہ کہ بدھ اور جینیون مین سخت عداوت تھی، اور ایک دوسرے کے ساتھ مذہبی جنگ برپا تھی کیونکہ ولبھی کے باشندے مالدار اور فیاض تھے، یہ بالکل ناممکن ہے کہ ایک سادھو اس طرح بے آب و دانہ اس جگہ قیام کرے اور لوگون کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور ایک وقت کا کھانا بھی اس کو میسر نہ آئے، یہ واقعہ صرف اس صورت مین ہوسکتا ہے کہ سادھو جینی ہو اور ولبھی پور کے بودھیون کے تعلقات جینیون سے کشیدہ ہون (۴) وہ کمہار غالباً نیچ ذات کا ہوگا، (۵) جس مقام پر رہتا تھا وہ یا تو ولبھی پور کا کوئی آخری محلہ ہوگا، یا قریب ترین گاؤن (۶) غالباً اس محلہ یا گاؤن کا نام "رودا پور" ہوگا،

اب دوسری کہانی ملاحظہ ہو جو عام گجراتی تاریخون مین موجود ہے اور تقریباً ہر ہندو مصنف نے درج کی ہے ولبھی پور مین ایک شخص "کاکو" نامی بڑا دولتمند بنیا تھا، ولبھی پور کے بڑے بڑے مکانات اس کے

مقبوضہ تھے، کاکو کی ایک لڑکی تھی جس کے پاس ہیرے کی (یا ہیرے والی) کنگھی تھی، راجہ کی لڑکی کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے اس کنگھی کو طلب کیا، کاکو کی لڑکی نے دینے سے انکار کردیا، جس کا راجکماری کو سخت ملال ہوا اور اس نے اپنے باپ سے اس کی شکایت کی، راجہ نے کاکو سے خود طلب کیا، مگر اس نے بھی دینے سے صاف انکار کردیا، اس بات سے راجہ کو بڑا غصہ آیا اور اس نے سپاہی بھیجکر جبرًا چھین لیا، کاکو اپنی اس ذلت کو برداشت نہ کرسکا، اور اس ظلم کا بدلہ لینے کا اس نے مستحکم فیصلہ کرلیا، چنانچہ وہ ایک بڑی رقم نذرانہ دیکر پردیسی لشکر لے آیا، جس نے ولبھی پور کو لوٹ لیا، اور راج کو تباہ کردیا،

یہ کاکو غالبًا بودھ تھا، کیونکہ اس ملک مین بڑے بڑے تاجر اور دولتمند بدھ ہوتے چلے آئے ہین، اور عمومًا ولبھی پور کے آخری فرمانروا بودھ تھے، اس لیے ممکن ہے کہ اس قصہ مین بھی مذہبی جذبہ کارفرما ہوا،

ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب مین اس کے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہے، لوگ ایسا بیان کرتے ہین کہ ایک آدمی جو سدھ کے درجہ تک پہنچ گیا تھا، اس نے بعض چرواہون سے دریافت کیا کہ "تم نے ایک بوٹی جسکو "تو ہر" کہتے ہین دیکھی ہے، اس کی شناخت یہ ہے کہ جب اسکو توڑو تو بجائے سفید دودھ کے خون نکلے" اس نے جواب دیا کہ "ہان دیکھا ہے" اس آدمی نے اس چرواہے کو کچھ انعام دیا تو اس نے اس جڑی کو پہنچوا دیا، تب اس سدھ نے ایک گڈھا کھود کر آگ روشن کی اور جب آگ خوب تاؤ پر آگئی تو اس آدمی نے چرواہے کے کتے کو پکڑ کر آگ مین ڈال دیا، اس سے چرواہے کو بڑا غصہ آیا، اور اس چرواہے نے اس سدھ کو پکڑ کر آگ مین ڈھکیل دیا، آگ ٹھنڈی ہونے تک اس نے انتظار کیا، سرد ہونے کے بعد دیکھتا ہے کہ دونون سونے کے ہوگئے ہین، اس نے اپنا کتا اٹھا لیا اور آدمی کو اسی جگہ چھوڑ دیا، اتفاق سے ایک دیہاتی اس طرف سے گذرا اس نے اس کی ایک انگلی کاٹ لی اور ایک بنیا (بقال) کے پاس جسکا نام رنک (یعنی غریب یا فقیر) تھا لے جاکر فروخت کی، اور اپنی ضروریات کی چیزین خرید کر واپس آگیا، دوسرے دن پھر پہنچا تو دیکھتا ہے کہ اس آدمی کی انگلی اُگ کر برابر ہوگئی ہے، اس نے پھر کاٹ کو بقال مذکور کو دی، اور

ضروری چیزین خریدین، اس طرح وہ روزانہ کرتا، یہانتک کہ بقال نے اس سے اصل حقیقت معلوم کرلی اور اس دیہاتی نے بھی سادہ لوحی سے اصل حال سے آگاہ کردیا، یہانتک کہ بقال نے اس سونے کے انسان کو اس جگہ سے اپنے گھر منتقل کرلیا، جس سے وہ بڑا دولتمند ہوگیا، اور شہر کے مکانون کا بڑا حصہ اسکی ملکیت مین آگیا، جب اس کی دولتمندی کا شہرہ ولبھی راجہ کے کانون تک پہنچا تو اس بقال سے اس دولت کا مطالبہ کیا، بقال نے حوالہ کرنے سے انکار کردیا، لیکن بقال کے دل مین خوف پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ راجہ موقع دیکھکر انتقام لے، اس لیے والی منصورہ (سندھ کا پایہ تخت جو ویران ہوگیا، اور اسکی جگہ ٹھٹھہ آباد ہے) سے اس نے مدد طلب کی اور بہت کچھ دولت خرچ کرکے بحری بیڑا بھیجنے کی استدعا کی، چنانچہ منصورہ سے بحری بیڑا آیا، اور رات کو اس نے شب خون مارا، جس مین ولبھ رائے مارا گیا، شہر لوٹ لیا گیا، قوم تباہ ہوگئی، [1]

اس تحریر کے متعلق مندرجۂ ذیل باتین قابلِ غور ہین،

(۱) بیرونی نے اس حکایت کی ابتدا اس طرح کی ہے کہ لوگ ایسا بیان کرتے ہین جس سے یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ خود اس کو بھی اس پر یقین نہین ہے، اور سدرہ کے سونا بنانے کا جو واقعہ اس نے درج کیا ہے وہ خود بھی عجیب غریب اور ناقابل قبول ہے، (۲) اس تحریر مین ولبھ رائے کا نام درج نہین، جس سے معلوم ہوتا کہ یہ کس عہد کا واقعہ ہے، (۳) کوئی سنہ بھی اس نے درج نہین کیا ہے (۴) اور نہ والی سندھ کا نام دیا ہے اور نہ والی منصورہ ہی کا نام لکھا ہے، جس کی طرف ولبھی پور کی تباہی منسوب ہے، ایسی صورت مین اس واقعہ کا صحیح طور پر پتہ لگانا بے حد دشوار ہے،

لیکن ان سے ماورا بعض ہندو مورخین، عمر بن جمل کا نام حملہ آور کی حیثیت سے لیتے ہین، اور اسی پر تفصیلی نگاہ ڈالنی ہے، لیکن قبل اس کے اس بحث کو چھیڑا جائے مین مناسب سمجھتا ہون کہ پہلے عربون کے ان تمام حملون کا ذکر کردون جو گجرات پر ہوئے ہین،

[1] کتاب الہند بیرونی صفحہ ۴۹۰ مطبوعہ یورپ،

گجرات پر عربون کا سب سے پہلا حملہ ۱۵ھ مطابق ۶۳۶ء مین تھانہ پر ہوا ہی اس وقت ولبھی راجون مین سے دھروسین دوم (۶۴۴ء) تخت نشین تھا، اس کے کچھ دنون بعد پھر بھروچ پر حملہ ہوا، اس وقت بھروچ مین تو گوجرون کا راج تھا، مگر پولیکیشی دوم (دکنی چالوکیہ) جیسا کہ ویجاپور کے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے[۱]، اس تمام جنوبی گجرات پر شہنشاہی کر رہا تھا، بھروچ کا گوجر راجہ "دد" دوم (۶۳۳ء) نامی تھا، ۹۳ھ مطابق ۷۱۱ء مین محمد بن قاسم نے سندھ فتح کر لیا، اور مکمل انتظام کرنے کے بعد بھلیان کے طرف رخ کیا، اور یہان کے لوگون نے بغیر جنگ کے اطاعت مان لی،[۲] اس کے بعد ہی محمد بن قاسم عرب واپس بلا لیا گیا، اس وقت شمالی گجرات (ولبھی پور) پر شلادت چہارم (۶۹۱ء تا ۷۲۲ء) اور بھروچ پر جے بھٹ سوم (۷۳۵ء) اور جنوبی گجرات پر چالوکیہ مین سے دنیادت منگل راج (۷۳۱ء) حکمرانی کر رہے تھے، محمد بن قاسم کے جانے کے بعد جو گورنر آئے وہ خانہ جنگی مین اس طرح مبتلا رہے کہ نہ وہ صرف بھلیان بلکہ خود سندھ کو بھی سنبھال نہین سکے، اور سندھ کے متعدد ضلع عربون کے ہاتھون سے نکل گئے، ۱۰۷ھ مطابق ۷۲۶ء مین جنید سندھ کا گورنر ہو کر آیا، اس نے سندھ کا انتظام کر کے اپنے ماتحتون کو ساتھ لیا، اور گجرات پر حملہ آوری کے لیے روانہ ہو گیا اور اس سے پہلے "چھوٹے دن" کو طے کر کے مرمد آیا، پھر یہان سے مانڈل (دیرم گاؤن کے پاس) پہنچا اور یہان سے چلکر "دھینج" جا اترا (جو رادھن پور اور پنجاسر کے پاس ہے اور آجکل ایک چھوٹا سا گاؤن رہ گیا ہے) پھر یہان سے سیدھا بھروچ پر حملہ آور ہوا، بھروچ سے حبیب نامی ایک جنرل نے سیدھے اجین (مالوہ) کا راستہ لیا، اس کو فتح کر کے "بہر یمد" اور پھر بھیلیان پہنچکر گوجرون کو مطیع کرتا ہوا سندھ واپس چلا گیا،[۳] اس وقت ولبھی پور کے تخت پر شیلادت پنجم (۷۲۲ء) اور بھروچ مین جے بھٹ سوم (۷۳۵ء) راج کر رہے تھے، اور جنوبی گجرات مین چالوکیہ خاندان کا تیسرا راجہ دنیادت منگلراج (۷۳۱ء) بر سر حکومت تھا، اور دکن مین ایک جدید طاقت پیدا ہو چکی تھی، اب سندھ کے گورنر جنید کے مفتوحہ مقامات پر نظر ثانی کرو، ان مین سے ایک مقام "مرمد" اور دوسرا "بہر یمد" ہے جسکا صحیح پتہ نہین چلا کہ اصلی

---

[۱] پراچین اتہاس فصل چالوکیہ [۲] بلاذری فتح سندھ مطبوعہ مصر ۴۳۱ [۳] ایضاً،

نام کیا تھا، تاہم ہمکو اس قدر معلوم ہے کہ اس کی جائے وقوع کیا ہے، کیونکہ جنید سندھ سے جب چلا ہے تو سب سے پہلے "مرمد" مین آیا، اور پھر مانڈل جو ویرم گام کے پاس ہے، اس لیے نقشہ کے دیکھنے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے، کہ "مرمد" غالبًا "چھوٹے رن" سے قریب تر کوئی جگہ ہے، جہان دم لینے کے لیے عربون نے پہلا پڑاؤ ڈالا، پھر اُجین (مالوہ) سے چل کر "بہری مد" ہوتے ہوئے بھیلمان پہنچے تو معلوم ہوا کہ "بہرید" مالوہ اور بھیلمان کے درمیان ہے،

اس عہد کے سیاسی حالات پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گو گجرات مین مختلف حکومتین تھین لیکن اس وقت ان سب پر شہنشاہی دکنی سولنکی کی تھی جنکی سرحدین سندھ سے ملی تھین، چونکہ سولنکی خاندان عروج پر تھا، اس لیے ہر طرف اس کی دھاک بیٹھی تھی، بھروچ کے گوجر، جنوبی گجرات کے چالوکیہ ان کے ماتحت تھے، چونکہ سندھ اور گجرات کی سرحدین ملی ہوئی تھین، اسلئے اغلب یہ ہے کہ کسی سرحدی تنازع سے اس کی ابتدا ہوئی ہوگی اور آخر صورت جنگ کی پیدا ہوگئی، جیساکہ خود سندھ کے راجاؤن کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ پیش آچکا تھا[1]، اور یہ جنگ چونکہ صرف سولنکی کے خلاف تھی اس لئے ہم دیکھتے مین کہ جنید نے صرف انھین لوگون سے جنگ کی جو دشمن تھے یا معاون دشمن، پس جنید سے پہلی جنگ مانڈل مین ہوئی، اور دوسرا معرکہ دھنج کے میدان مین ہوا، جہان پنجاسر کی پوری سولنکی طاقت پاش پاش ہوگئی ادھر بھروچ ان کے ماتحت تھا، اس لیے ان کے پاس براے مدد آئے ہونگے، اور جب جنید کو اس کی خبر لگی تو فورًا بھروچ پہنچا، اور ایک ہی جنگ مین اس کا بھی خاتمہ ہوگیا، پھر اسکو معلوم ہوا کہ اجین کے لوگ حملہ کی تیاری مین مصروف ہین، قبل اس کے کہ اجین والے ادھر آئین خود اس نے حملہ کرکے فتح کرلیا، ادھر فاتح اپنے ملک سے (سندھ) بہت دور نکل گئے تھے اور دشمنون نے دوسری طرف اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا، یعنی بھیلمان مین گوجرون کا ایک بڑا مجمع ان کی روک تھام کے لیے موجود ہوگیا، جنید نے دیکھا کہ اب آگے بڑھنے مین خدشہ ہے، اور

[1] تاریخ ہند جلد اول صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ حیدرآباد دکن،

بھیلمان مین گوجرون کی طاقت اگر جمع ہوگئی تو واپسی مین دشواری ہوگی اس لیے بڑی تیزی سے بھیلمان پہنچا اور گوجرون کی اس طاقت کو بھی فنا کرتا ہوا سندھ واپس چلا گیا، اس جنگ مین جنید نے چالیس کروڑ کا مال غنیمت حاصل کیا[1]، کاٹھیاواڑ اور گجرات کے مختلف سرحدی مقامات پر چوکی بٹھادی، اور ان کی حفاظت کا بہترین انتظام کرگیا،

میرے اس بیان سے آپ کو معلوم ہوگا، کہ جنید نے صرف اُن سے جنگ کی جو اس کے دشمن یا دشمنون کے مددگار تھے، لیکن جو غیر جانب دار تھے، ان کو مطلق نہین چھیڑا، چنانچہ سومناتھ پٹن ایک بڑی بندرگاہ تھی وہان نہین گیا، "کھنبائت بندر" بھروچ کے راستہ مین تھا، اس نے اس کو بھی نظر اٹھا کر نہین دیکھا، اور اسی لیے ولبھی پور بھی نہین گیا کہ شلادت راجہ غیر جانبدار تھا، ورنہ اگر جنید گیا ہوتا، تو وہ ایک ایسی جگہ تھی جس کا نام عرب مورخین ضرور لیتے، عربی تاریخون مین چھوٹی چھوٹی جگھون کے نام موجود ہین، ولبھی پور جو بڑا دولتمند شہر تھا اس کو کس طرح بھول سکتے تھے، علاوہ ازین یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے بعد بھی شلادت ششم اور شلادت ہفتم ولبھی پور مین راج کرتے رہے ہین،

میرے اس قول کی تائید اس کتبہ سے بھی ہوتی ہے جو چالوکیہ راجہ کے عہد کا نوساری سے دستیاب ہوا ہے، چنانچہ پول کیشی جناشر کے عہد کا ایک کتبہ ہے جسمین تحریر ہے کہ "عرب لشکر نے سندھ، کچھ، سوراسٹھ، چاوڑا، موریا (مارواڑ) اور بھیلمان کی سلطنت کو حیران کیا" یہ کتبہ ۴۹۰؁ء (بعہد پول کیشی) کا ہے گویا اصل واقعہ سے دس بارہ برس بعد کا ہے، اس کتبہ مین بھی کچھ، چاوڑا، موریا، بھیلمان کا ذکر ہے مگر ولبھی پور کا کوئی ذکر نہین ہے، اگرچہ سوراسٹھ کا نام لیا گیا ہے، مگر اس سے ولبھی سلطنت مراد نہین لیجا سکتی کیونکہ ولبھی پور کوئی غیر معروف مقام تھا کہ اس کے بجائے کوئی معروف جگہ سوراسٹھ کے نام سے تحریر کی جاتی،

اس مین کوئی شبہ نہین کہ جب کوئی لشکر کسی ملک پر حملہ آور ہوتا ہے تو اس ملک مین بدامنی پھیل

[1] ابن خلدون صفحہ ۲۹ جلد پنجم اردو،

جاتی ہے، مخلوق حیران ہوجاتی ہے ہزاروں فرزندانِ وطن تہ تیغ کئے جاتے ہیں، عرب حملہ میں بھی یہ سب باتیں ہوئی ہونگی، لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس حملہ سے ملک کو کثیر فوائد بھی پہنچے، اول پنجاسر کی سولنکی طاقت فنا ہوجانے سے چاوڑا خاندان کو پھر موقع ملا کہ اپنی موروثی سلطنت پر قابض ہوجائے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ ہی دنوں کے بعد بن راج چاوڑا ایک مستحکم سلطنت کا بانی ہو رہا ہے، دوم یہ کہ جنوبی گجرات میں جو طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی اور بھروچ، نادوت، بڑودہ، نوساری، وغیرہ میں چھوٹے چھوٹے راجے سلطنت کر رہے تھے، ان کی طاقت آہستہ آہستہ کم ہونے لگی، اور کچھ ہی دنوں کے بعد یہ سلطنتیں فنا ہوکر ایک متحدہ طاقت کیساتھ وابستہ ہوگئیں،

حملہ عمر بن جمل | اسکے بعد تقریباً تیس برس تک عربوں نے گجرات کی طرف رخ نہیں کیا، پھر جب خلیفہ منصور عباسی کے عہد (۱۴۰ھ ؁ ۷۵۹ء) میں ہشام سندھ کا گورنر ہوکر آیا، تو گجرات پر ایک حملہ ہوتا ہے اور یہی حملہ ہماری بحث کا موضوع ہے، یہ حملہ اسی عمر بن جمل کی سرکردگی میں انجام پایا، عمر بن جمل کو گجرات کے طرف بھیجا، عمر جہازوں کا ایک بڑا لیکر باربد (بھاڑبھوت متصل بھروچ) پہنچا، اور غالباً اس وقت اس کو کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی، اس لیے جلد واپس چلا گیا، اور جدید تیاری کے بعد جہازوں کا ایک بڑا بیڑا لیکر گندھار بندر (ضلع بھروچ) پر آپڑا اور فتح کرکے کچھ دنوں اس نے یہاں قیام کیا، یہاں بدھوں کا ایک دھار (معبد) تھا اس کی جگہ ایک مسجد تعمیر کی، مورخ بلاذری کی اصل عبارت یہ ہے،

ووجہ عمر بن جمل فی بوارج	عمر بن جمل جہازوں کے ذریعہ بھاڑبھوت پہنچا
الی باربد . . . . واتی	. . . . . . اور پھر گندھار جہاز لیکر آیا اور اسکو
القندھار فی السفن ففتحہا، و	فتح کیا، اور بت کو توڑ کر مسجد بنایا،
ھدم البُدّ وبنیٰ موضعہ مسجداً[1]	" " " " " "

[1] بلاذری صفحہ ۴۴۶ مطبوعہ لنڈن،

یہ وہ زمانہ ہے کہ بھروچ مین گوجرون کی حکومت ختم ہو چکی تھی، خاندان راشٹ کوٹ نے ان کو مار کر راج پیپلہ مین پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا، اور جنوبی گجرات مین چالوکیہ خاندان بھی برباد ہو چکا تھا، اور ان کی جگہ جنوبی گجرات مین راشٹ کوٹ کی حکومت تھی، اور دنتی ورگ (۷۵۳ء) اس عہد کا راجہ تھا، اور شمالی گجرات مین بن راج چاوڑا کا (۷۴۶ء) ابتدائی دور تھا، اور ولبھی پور مین شلادت ششم (۷۶۶ء) موجود تھا، پھر اس کے بعد بھی شلادت ہفتم کو (۷۶۶ء) اسی ولبھی پور مین راج کرتے ہوے ہم دیکھتے ہین، اس لیے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ ولبھی پور کو اس حملہ سے کچھ نقصان نہین پہنچا، بلکہ جو کچھ نقصان ہوا وہ راشٹ کوٹ کا ہوا، میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ حملہ محض تنبیہی طور پر تھا، جو ساحل بھروچ کے تاجر کی شکایت پر کیا گیا تھا، کیونکہ جدید حکومت نے تاجرون کے ساتھ وہ سلوک مرعی نہین رکھا ہوگا، جو روایات قدیم کے طور پر عرصہ سے ان کے ساتھ برتا جاتا تھا، اور جب دوران قیام گندھار مین حکومت اور عربون کے درمیان متنازعہ مسئلہ کا تصفیہ ہو گیا تو وہ پھر واپس چلے گئے،

اس کے بعد تقریباً بیس برس تک عرب تاجرون کو یہان کی حکومت سے کوئی شکایت نہین ہوئی اور اسی لیے عرب و گجرات کے تعلقات مین کسی قسم کی کشیدگی کا پتہ نہین ملتا، البتہ خلیفہ مہدی عباسی کے عہد مین عبد الملک (۱۵۹ھ ۷۷۵ء) نے پھر گجرات پر حملہ کی تیاری شروع کر دی، وہ اسی سنہ مین ایک بڑا بحری بیڑا لیکر روانہ ہوا، اور ۱۶۰ھ ۷۷۶ء مین بھاڑبھوت پہنچا، "بھاڑبھوت" بھروچ سے سات میل مغرب کے جانب ایک کچی بندرگاہ تھی، جہان جہاز سمندر کے مد و جزر کے ساتھ آتے جاتے تھے، عبد الملک نے اس بندرگاہ پر قبضہ کر کے کچھ دنون قیام کیا، یہان تقریباً اٹھارہ سال کے بعد ایک میلہ لگا کرتا تھا، کچھ موسم اور کچھ لوگون کی کثرت کے سبب عموماً وبائی امراض پھیل جاتے تھے، اتفاق وقت سے اس وقت بھی یہی صورت پیش آئی عرب فوجون مین یہ بیماری بڑے زور سے پھیلی اور ایکہزار آدمی مر گئے، اور اسی جگہ یہ مدفون ہوئے، اور اسی لیے جلد یہان سے واپس چلے گئے[1]،

[1] ابن خلدون صفحہ ۳۲۹ جلد ششم مطبوعہ الہ آباد،

اس وقت مشرقی شمالی گجرات پر بن راج جاوڑا حاکم تھا، اور جنوبی گجرات پر راشٹ کوٹ خاندان کا کرشن یا گوبند (۷۶۵ تا ۷۹۵ء) کی حکمرانی تھی، کرشن کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے لوگون نے بغاوت کردی تھی، اور خاندانی نزاع جو تخت حاصل کرنے کے لیے بعض "شہزادون" نے شروع کی تھی اس سے بدامنی پیدا ہوگئی، اور اس لیے کرشن کو بغاوت فروکرکے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ مین لینی پڑی، غالباً اس بغاوت اور بدامنی کے عہد مین عرب تاجر لٹے اور پریشان کئے گئے جس کے تدارک کے لیے عبدالملک کو فوجی مہم لیکر آنا پڑا لیکن ہم دیکھتے ہین کہ اس حملہ مین بھی ولبھی پور کا ذکر نہین ہے، عرب بھروچ کے علاقہ مین اترے اور پھر وہین سے واپس ہوگئے،

بعض گجراتی تاریخون مین لکھا ہے (جو انگریزی تاریخ سے منقول ہے) کہ عرب نے "برڈ" پر حملہ کیا اور بیماری پھیل جانے سے واپس ہوگئے، پھر شک ظاہر کیا گیا ہے کہ شاید یہ "برڈ" بلب ہو جو ولبھی پور کا معرب ہے، لیکن یہ فقط ان کی غلط فہمی ہے، یہان اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ مقام جہان حملہ ہوا وہ بھاڑبھوت ہے، جو معرب ہوکر "باربد" ہوگیا، اور پھر انگریزون نے اس کو "برڈ" کردیا، جس کو غلطی سے گجراتیون نے ولب سمجھ لیا، گجراتی تاریخون مین ولبھی پور کے متعلق سکون اور کتبون سے جو آخری سنہ بتایا گیا ہی، وہ ۷۶۶ء ہی، اسکے بعد سے ولبھی پور کے متعلق کچھ حال معلوم نہین ہوتا، اور اسی سے لوگ اسکو برباد شدہ سمجھنے لگے، اور امپیریل گزیٹر مین لکھا ہی کہ ولبھی پور کی تباہی ۷۷۰ء مین ہوئی، گویا ہشام کا حملہ مفروضہ سنہ تباہی کے چھ برس بعد کو ہوا یعنی ولبھی پور اس سے پہلے تباہ ہوچکا تھا، یہ عربون کا آخری حملہ تھا، اسکے بعد سے گجرات پر عربون کا پھر کوئی حملہ نہین ہوا،

میرے اس بیان سے ناظرین کو اس قدر تو معلوم ہوگیا کہ عربون نے ولبھی پور پر کبھی کوئی یورش نہین کی، اور اس کی تباہی کا تعلق عربون سے نہین ہے، پس یہ خیال قطعاً غلط ہے، ممکن ہے کہ مستقبل مین کوئی پختہ دلیل اس نظریہ کے متعلق ملجائے، اور اس وقت اس کو مان لینے مین کوئی عذر نہ ہوگا، مین یہ نہین

لہ صفحہ ۱۵ مطبوعہ حیدرآباد،

کہا کہ عربون سے ایسا ہونا ناممکن ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک کوئی ایسی پختہ دلیل نہین ملی ہے جس سے اس کا ثبوت مل سکے،

اب رہا اصل مسئلہ کہ پھر کس طرح اس کی تباہی ہوئی، تو یہ ایک غور طلب بات ہے، جینی کہتے ہین کہ جینی سادھو کی بد دعا کا اثر ہے، بدھون کا خیال ہے کہ کاکو بقال جو بدھ تھا، اس نے کسی پردیسی کو بلاکر تباہ کرایا، اور تنازعہ کا سبب ہیرے کی کنگھی ہے، جو راجہ نے طلب کی اور اس نے نہ دی، بیرونی کا راوی کہتا ہے کہ "رنک" (نام تھا یا غریب ہونے کے سبب اس کو رنک کہتے تھے) بقال نے سونے کا انسان پایا تھا جس سے بڑا دولتمند ہوگیا تھا، راجہ نے جو شیو مذہب کا تھا، اس کی دولت مین طمع کی اور اس سے چھین لینا چاہا، تو اس نے منصورہ والون سے سازش کرکے رات کو بذریعہ شبخون تباہ کرادیا، پس راویون کے بیانات اس قدر مختلف ہین کہ ان کو مدِ نظر رکھکر کوئی صحیح فیصلہ کرنا ایک مورخ کے لیے بے حد دشوار ہے، لیکن پھر بھی بنظرِ غائر دیکھنے سے ایک بات کا تو صحیح طور سے پتہ چلتا ہے، کہ ولبھی پور کا خاتمہ آپس کی مذہبی جنگ کی بدولت ہوا، جینی اور بدھون کا تنازعہ بدھون کا وشنو والون سے جھگڑا، وشنو کا جینیون سے نفرت کرنا، جیسا کہ جینی و دیگر کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، یہ ایسی اہم باتین ہین جو کسی طرح نظر انداز نہین کیجا سکتی ہین، اسلیے اس کی تباہی کا اصل راز خود باہمی خانہ جنگی ہے، اور پھر جینی سادھو کی روایت پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ شاید زلزلہ سے بھی اس کی تباہی ہوسکتی ہے،

لیکن اگر ان تمام روایتون مین سے رنک بقال کا قصہ صحیح تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ دیکھنا پڑیگا کہ ۷۰۰ء کے آگے پیچھے کون سلطنتین ولبھی کے ہمعصر تھین اور کون کون ان کی دشمن تھین، چنانچہ اس عہد کی مختلف حکومتون اور ان کے حدودِ حکومت پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ششم اور ہفتم کے عہد مین ولبھی سلطنت نہایت کمزور ہوگئی تھی اور نہایت چھوٹے سے رقبہ پر اس کی حکومت باقی رہگئی تھی، کیونکہ تمام جنوبی گجرات پر راشٹ کوٹ کا قبضہ تھا، شمال مشرق گجرات پر ۷۲۰ء تک (مع کاٹھیاواڑ اور کچھ کے) کلیانی راجہ

حکمران رہے اور اس کے بعد ہی ۸۳۵ء میں مہاراجہ "پرم بھٹ ٹارک" نے اپنا لقب مہاراجہ ادھے راج رکھا ہے، ظاہر ہے کہ پرم بھٹ ٹارک نے کاٹھیاواڑ کے ایک بڑے حصے کو فتح کرنے کے بعد ہی یہ لقب اختیار کیا ہوگا، پھر تقریباً ۷۴۰ء سے ۷۴۶ء کے درمیان بن راج نے انہل واڑا کی مشہور سلطنت قائم کی اور ۸۰۶ء تک سلطنت کی توسیع میں مصروف رہا پس ۷۷۰ء تک میں خصوصیت سے دو[2] بڑھنے والی طاقتون کو ولبھی پور کے آس پاس ہم دیکھتے ہین ان مین سے ایک بن راج چاوڑا ہے، اور دوسری راشٹ کوٹ جو دکن سے فاتحانہ گجرات مین داخل ہوئے، اور دو گجراتی سلطنتون کے چراغ گل کر دیئے، اول نوساری کے گجراتی چالوکیہ جس کا آخری بادشاہ پول کیش جنا شرے یا وجے راج تھا، دوم بھروچ کی گوجر سلطنت جس کا آخری بادشاہ جے بھٹ تھا، یہ دونون سلطنتین ۷۵۳ء تک تاراج ہو چکی تھین کہ اس کے بعد ہی اس خاندان کے تین اولوالعزم راجاؤن کے ہاتھ مین زمام سلطنت آتی ہے، ان مین سے اول کرشن (۷۶۵ء) ہے جسنے اندرونی تمام بغاوتون کو فرو کر کے سلطنت کو ہر طرح سے محفوظ کر دیا، اور اس کے بعد گوبند دوم اور پھر دھروا (۷۸۰ء) ہے، جسکی بہادری کا یہ عالم تھا کہ شمالی ہند مین الہ آباد تک دھاوا کرتا ہوا چلا گیا تھا، سوال یہ ہے کہ توسیع سلطنت کے لیے الہ آباد تک جو شخص دھاوا کر سکتا ہے وہ ولبھی کی ایک چھوٹی سی سلطنت کو تباہ کرنے مین کیون تامل کر سکتا،

اسلئے میرا خیال ہے کہ کاکو کا قصہ اگر صحیح ہے تو اس بقال نے اس گوبند کو یا "دھرو" کو بلایا تھا، یہ لوگ گجراتی نہ تھے بلکہ دکھنی تھے، جنکے لوٹ مار کے سبب گجراتی ہمیشہ ان سے نفرت کرتے رہے، اور بہت ممکن ہے کہ حملہ کے وقت راشٹ کوٹی فوج مین عرب بھی بہ حیثیت سپاہی یا سردار کے موجود ہون کیونکہ یہ بات تو محقق ہے کہ راشٹ کوٹ کے حکمران سندھی عرب کے حلیف تھے، اور ان کی فوجون مین بکثرت عرب موجود تھے، اور اسی لئے انکی فوجون کا نظام بالکل عرب جیسا تھا[1]، اور شاید اسی سے لوگون کو یہ خیال پیدا ہوا ہوگا، کہ عربون نے اس کو تباہ کیا،

---

[1] سفرنامہ سلیمان بصری مطبوعہ پیرس،

تلخیص و تبصرہ

بودھ مذہب کی ایک قدیم یادگار پشاور مین

ہندوستان مین صوبہ سرحد جہان اسلام آج اس درجہ نمایان ہی، پہلی صدی سے چھٹی صدی عیسوی تک بودھ مذہب کا دوسرا ارض مقدس" تھا، اور اپنے تقدس مین مگدھ کا حریف تھا، جو گوتم بودھ کی جاے پیدایش اور عرصۂ دراز تک ان کے پیام امن کی تبلیغ کا مرکز رہ چکا تھا، اور جو خطہ آج پشاور کا ضلع ہے، وہان اُن دنون گندھارا کی سلطنت تھی جہان بودھ مذہب کی ایک ہزار خانقاہین راہبون کی کثرت تعداد سے آباد تھین،

سلطنت گندھارا کا ذکر یونانی نیز برہمنون کی قدیم کتابون مین ملتا ہے، ۳۲۶ء قبل مسیح مین سکندر اس ملک سے گذرا تھا، اور گندھارا رانی گندھاری کی جاے پیدایش تھا، جو مہابھارت کے ہیرو شہزادگان کورو کی مان تھی، تاہم یہ معلوم کرنے کے لئے کہ بودھ مذہب کے عہد مین اس ملک کی کیا حالت تھی ہمین اُن چینی سیاحون کے بیانات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، جو پانچوین اور چھٹی صدی عیسوی کے درمیان ہندوستان آکر یہان کے حالات قلمبند کر گئے ہین، ان مین زیادہ مشہور فاہیان (Fa-hian) اور سانگ یون (Song-yun) ہین، جو تقریباً ۴۰۰ء اور ۵۲۰ء مین گندھارا آئے تھے، لیکن ان دونون سے زیادہ مشہور ہیان سانگ (Hiuen-Tsang) ہے جو ۶۲۹ء سے ۶۴۵ء تک ہندوستان مین تھا، ہندوستان کے تین صدیون کے حالات اور بودھ مذہب کے متعدد مقامات کی شناخت کے لئے ہم انھی سیاحون کے صحیح بیانات کے رہین منت ہین، اُن کے سفرنامون سے جو چینی زبان مین تھے، مدت تک بالکل ناواقفیت رہی، لیکن انیسوین صدی کے وسط

کے قریب یورپ کی مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے ہو گئے، فرانس میں فاہیان کے سفرنامہ کا ترجمہ ۱۸۳۶ء میں ہو گیا تھا، اور ہیان سیانگ کی سوانح عمری مع اُس کے سفرنامہ کے ۱۸۵۳ء میں پیرس میں شائع ہو گئی تھی، لیکن یہ کتابیں اب مشکل سے دستیاب ہوتی ہیں، انگریزی دان اشخاص کے لئے بیل (Beal) کا ترجمہ موجود ہے، جو ان تینوں سیاحوں کے حالات میں "مغربی دنیا کے حالات بودھ سیاحوں کے قلم سے" Buddist Records of the western world کے عنوان سے شائع ہوا ہے،

ان چینی سفرناموں کے شائع ہو جانے سے علمی حلقوں میں اس موضوع سے متعلق نہایت گہری دلچسپی پیدا ہو گئی، ہندوستان کے علمائے سنسکرت نے اُن مقامات کے ہندوستانی نام دریافت کرنے کی کوشش کی جو صرف اپنے چینی ناموں سے سفرناموں میں مذکور تھے، جغرافیہ دانوں نے اُن راستوں کا پتہ لگانا شروع کیا، جو ان سیاحوں نے اختیار کئے تھے، اور مورخین ان تازہ معلومات کو ان واقعات سے تطبیق دینے لگے، جو پہلے سے معلوم شدہ تھے، پھر بھی کین ٹوواِی (Kien-to-wei) اور کین ٹولو (Kien-to-lo) سے یہ نہیں چلتا کہ یہ دونوں نام گندھارا کے لئے استعمال کئے گئے ہیں اگرچہ اس ملک کے پایہ تخت کا نام جو چینی زبان میں پولوشاپولو (Po-lu-sha-pu-lo) لکھا ہوا ہے، ظاہر کرتا ہے کہ یہ سنسکرت پوروشاپورا ہے جسے البیرونی نے برشاور لکھا ہے، جسے ابوالفضل پشاور لکھتا ہے، اور جو آج پشاور کہا جاتا ہی،

پشاور کے بیان میں تینوں سیاح ایک عالی شان مینار کا ذکر کرتے ہیں، جو شہر کے مشرقی جانب واقع تھا، یہ مینار کنشک کا تعمیر کردہ تھا، کنشک خاندان کشن کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ مشہور تاجدار تھا، اس کی سلطنت چین کی مغربی سرحد سے پامیر تک اور ہندوستان میں بنارس تک پھیلی ہوئی تھی، ان سیاحوں کے بیان کے مطابق موسم سرما میں اس کا دارالسلطنت پشاور ہوتا تھا، اس کے سکے صوبہ سرحد پنجاب اور افغانستان میں کثرت سے پائے جاتے ہیں، اُس کا زمانہ حکومت غالباً ۱۲۰ئہ سے شروع ہوتا ہے،

کشن عہد کے مینار ہندوستان میں اب بھی ملتے ہیں، یہ مربع یا گول چبوتروں پر ٹھوس گنبد کی شکل کے بنے ہوتے

ہین، برہما مین اس قسم کے مینار (Stupa) کو عموماً پیگوڈا (Pagoda) کہتے ہین، نیپال مین انکا نام چیتیا (Chaitya) ہے، ہندوستان مین ٹوپ (Tope) اور سیلون مین ان کو ڈیگوبا (Dagoba) کہتے ہین، کشن عہد کا ایک مینار اس وقت بھی درۂ خیبر مین علی مسجد کے پاس موجود ہے، دوسرا راولپنڈی سے تقریباً دس میل جنوب مشرق کی طرف واقع ہے، لیکن کنشک کا مشہور مینار جسے اُس نے پشاور مین تعمیر کرایا تھا، ان سیاحون کی روایت کے مطابق اُن کشن میناروں سے بالکل مختلف تھا، جو آج بھی ہمین دکھائی دیتے ہین، یہ اپنی وضع وشکل کے اعتبار سے ہندوستان مین بے مثال تھا، فاہیان صرف اتنا بیان کرکے رہ جاتا ہی، کہ ہندوستان مین یہ سب سے زیادہ بلند مینار کہا جاتا ہی، لیکن سانگ یون اسکی بلندی اور جاہ وقوع کی نسبت زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے، اسکی غیر معمولی بلندی اور اہمیت کے متعلق فاہیان کے بیان کی تصدیق کرتے ہوے وہ لکھتا ہے، کہ اس پر تیرہ منزلین لکڑی کی بنائی گئی تھین، اور یہ سب نقش ونگار سے آراستہ تھین، ساتوین منزل کے اوپر تیس فٹ اونچی لوہے کی ایک لاٹ تھی، اور اس پر ایک زبردست برجی بنی ہوئی تھی، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت یہ مینار تیار ہوا تھا، کنشک نے اسکی چھت پر سچے موتیون کا ایک جال بچھا دیا تھا، لیکن جلد اس کو اس غلطی کا احساس ہوگیا، اور اوس نے اُن موتیون کو ایک تانبے کے برتن مین رکھ کر مینار کے شمال مغرب سو قدم کے فاصلہ پر زمین مین دفن کرادیا، اور وہان پتھر کی ایک تختی نصب کراکے اُس پر یہ عبارت لکھوادی:- "اگر کبھی یہ مینار گرجائے تو ایک باکمال شخص کو سعی وکاوش کے بعد یہان موتی مل سکتے ہین، جنکی مدد سے وہ اسے ازسرِنو تعمیر کراسکتا ہے" اسمین شبہہ نہین کہ اوسکی دوبارہ تعمیر کی ضرورت پیش آنے والی تھی، کیونکہ سانگ یون لکھتا ہے، کہ یہ مینار اسکی آمد سے قبل تین بار بجلی سے گرچکا تھا، اور ھیان سانگ جو سانگ یون سے ایک سو برس بعد اُسے دیکھنے آیا تھا، بیان کرتا ہے کہ جب وہ پہلی بار گندھارا آیا تو یہ مینار اس سے چند ہی روز قبل آگ سے برباد ہوچکا تھا، اور اوسکی ازسرنو تعمیر کی تیاریان ہو رہی تھین، بہرحال ہیان سانگ اس مقام کی پاکی پر زیادہ زور دیتا ہے، اور اس پیشینگوئی کو دہراتا ہے، جسے سانگ یون نے بھی لکھا ہی، یعنی مینار کے سات بار جلنے اور سات بار ازسرنو تعمیر ہونے کے بعد

بودھ مذہب ختم ہو جائے گا، نہین کہا جا سکتا کہ ہندوستان پر مسلمانون کے حملون سے پہلے یہ پیشینگوئی پوری ہو چکی تھی یا نہین لیکن اتنا یقینی ہے، کہ محمود غزنوی کے زمانہ مین یہ مینار موجود تھا، اور کنشک کے نام سے مشہور تھا، کیونکہ البیرونی سلاطین کابل کے ذکر مین لکھتا ہے" بادشاہون کے سلسلہ مین ایک بادشاہ کنشک تھا، جسکے متعلق کہا جاتا ہی، کہ اوس نے پشاور کا مینار بنوایا، یہ مینار اُسکے نام پر کنشک چیتیا کہا جاتا ہی"

یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ اتنا عظیم الشان مینار اس طرح برباد ہو گیا کہ اوس کے تمام آثار صفحۂ ہستی سے بالکل مٹ گئے، اس مین شبہ نہین کہ لکڑی کی تیرہ منزلین آگ مین جل گئین اور اسکی اینٹون اور پتھر کو شہر کے باشندے اپنے مکانون کی تعمیر کے لئے اٹھا لے گئے، ایک ہزار سال کی مدت کے بعد ایک ماہر اثریات کو جو چیزین مل سکتی ہین، وہ ان چھوٹے چھوٹے منارون کی بنیادین اور نشانات ہین، جو اس زبردست مینار کے قریب وجوار مین بنے ہوئے تھے، یا گوتم بودھ کے وہ تبرکات ہین جو کنشک نے اس مینار مین دفن کر دئے تھے، ماہر اثریات کہتا ہی"بار بار" کیون نہ ہو امید نہین کہ وہ موتی اس کے ہاتھ لگین، جو کنشک نے مینار کے قریب دفن کرا دئے تھے، کیونکہ اگر وہ مینار کے از سر نو تعمیر مین صرف نہ ہو گئے ہون گے، جب بھی اُن حملہ آورون کی دستبرد سے نہ بچے ہون گے، جو اس حصۂ ملک پر حملہ آور ہوتے رہے ہین، بہر حال ماہرین اثریات کے دلون مین اُمید کا چراغ ہمیشہ روشن رہتا ہے، اور جون ہی پرلوشا پو لوکا کا صحیح مقام معلوم کر لیا گیا، اوسی وقت اون لوگون نے کنشک کا مینار دریافت کرنے کی کوشش شروع کر دی،

شہر پشاور کے باہر ایک میل سے کم فاصلہ پر لاہور دروازہ کے جنوب مشرق مین کچھ کھنڈر تھے، جو کسی نہایت قدیم عمارت کا پتہ دیتے تھے، اس کھنڈر مین پتھر جلی ہوئی اینٹین، اور سیاہ مٹی کے ڈھیر تھے، عرصہ تک شہر کے لوگ اپنے مکانون کے لئے ان مین سے پتھر وغیرہ اٹھا کر لیجایا کرتے تھے، اور قرب وجوار کے کاشتکار وہان کی مٹی اپنے کھیتون مین بجائے کھاد کے ڈالا کرتے تھے، ۱۸۷۵ء مین یہ کھنڈر جنھین "شاہ جی کی ڈھیری" کہتے تھے جنرل سر الکزانڈر کننگھم کی تحریک سے کھودے گئے، لیکن جو افسر اس کام پر متعین کیا گیا تھا، اوس نے کھدائی ختم کرنے کے بعد یہ رپورٹ پیش کی کہ اس مقام پر کسی بودھ مینار کے آثار نہین معلوم ہوتے، اس کے بعد ۲۶ سال تک اس مینار کے متعلق کچھ

معلوم نہ ہوسکا، لیکن بیسوین صدی کی ابتدا مین فرانسیسی ماہر اثریات ایم۔ فوکے (M. Foucher)
کا ایک مضمون شائع ہوا، جس مین اوس نے جغرافیائی اور دوسرے اسباب کی بنا پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی
کہ کنشک کے مشہور مینار کی بنیاد "شاہ جی کی ڈھیری" ہی مین ہوسکتی ہے، اس دعوی کے ثبوت کے لئے وہان کی زمین
کو دوبارہ کھودنا ضروری تھا، اور ڈاکٹر اسپونر نے اپنے تقرر کے بعد ہی اس کام کو شروع کردیا،

شروع مین ڈاکٹر اسپونر کی کوششین کسی قدر مایوس کن ثابت ہوئین لیکن کچھ دنون کے بعد یہ واضح ہوگیا،
کہ اُس جگہ بودھ مذہب کے زمانہ کی کوئی عمارت ضرور تھی، ڈاکٹر اسپونر نے دیوار کا ایک لمبا ٹکڑا اور ایسی بنیادین برآمد
کرین، جو بظاہر چھوٹے چھوٹے مینارون کی بنیادین معلوم ہوتی تھین، مارچ ۱۹۰۹ء تک اوس نے اوس
چبوترے کے دو بازو برآمد کرلئے جس پر کبھی ہندوستان کا سب سے زیادہ بلند مینار رکھا تھا، ان بازؤن
کی مدد سے اُس چبوترے کا مرکز متعین کرلیا گیا، اور اسی مرکز پر کھودائی کا کام کئی روز تک نہایت جانفشانی کے
ساتھ جاری رکھا گیا، یہان تک کہ تہ کی اصلی مٹی دکھائی دینے لگی، لیکن اب تک ان تبرکات کا کوئی سراغ نہ ملا،
اب بظاہر کوئی امید باقی نہین رہ گئی تھی، لیکن ڈاکٹر اسپونر نے کھودائی جاری رکھی اور نہایت گہرائی تک زمین کھود
ڈالی گئی، آخر کار پتھر کی ایک سل دکھائی دی، اُسے ہٹانے پر دھات کا ایک بوسیدہ لیکن مرصع صندوقچہ نظر آیا، جس کے
اوپر گوتم بودھ کا ایک بت جڑا ہوا تھا، پاس ہی دھات کی دو اور چھوٹی چھوٹی مورتیان تھین جو صندوقچہ کے اوپر
کے حصہ سے ٹوٹ کر علیحدہ ہوگئی تھین اور وہین ایک چھوٹا سا تانبے کا سکہ بھی تھا، جب صندوقچہ اوٹھایا گیا، تو وہ اپنے
پیندے سے علیحدہ ہوگیا، اور اوس کے اندر کی چیزین دکھائی دینے لگین، اوس مین تراشے ہوئے بلور کا پیپے
کی شکل کا ایک چھوٹا سا برتن تھا، جس کے سرے پر مٹی کی مہر لگی ہوئی تھی، اور اُس پر ہاتھی کی شکل بنی تھی، اس بلور
کے برتن مین خاکستر کی ہوئی تین ہڈیان تھین، کیا یہی وہ تبرکات تھے جنھین کنشک نے اس مقام پر دفن کیا تھا؟
صندوقچہ کے اندر خروشتی خطوط مین چار کتبے ملے جن سے اس خیال کی تصدیق ہوگئی، علاوہ برین صندوقچہ مین کنشک
کا نام بھی لکھا ہوا تھا، اور اس کے نام کے حروف کے درمیان اوس کی ایک تصویر بھی تھی، یہ تصویر بالکل ویسی ہی تھی،

جیسی اوسکے سکون پر ہوا کرتی تھی، اور جیسی کہ اس سکہ پر بھی تھی جو مسند و قبہ کے ساتھ پایا گیا تھا، (بمبئی کرانکل)

"ع ز"

سلاطین ممالیک مصر کا چتر شاہی

فارسی زبان کی قدیم قلمی کتابون مین جو تصویرین ہوتی ہین اب ان کے ساتھ اہل یورپ کی دلچسپیان اس قدر بڑھ گئی ہین کہ ان تصویرون پر متعدد کتابین شائع ہو چکی ہین، اور اون سے فنی ذوق کے علاوہ تاریخ اسلام کے متعلق بہت سی معلومات حاصل ہو سکتی ہین، مثلاً برٹش میوزیم مین دیوان نظامی کا جو قلمی نسخہ موجود ہے اوس کی متعدد تصویرین ایک رسالے مین شائع ہوئی ہین اور اون مین بارھوین صدی عیسوی کے ایک ایرانی بادشاہ کی تصویر ہے، جس سے شاہان ممالیک مصر کے بعض شاہی شعار نمایان ہوتے ہین یعنی ایک قبہ اور چڑیا جس کا ذکر ان بادشاہون کے شاہی جلوس کے ذکر مین اکثر آتا ہے،

اس تصویر کا منظر یہ ہے کہ سلطان سنجر عمدہ شاہی وضع مین گھوڑے پر سوار ہے، اور ایک سوار اس کے سر پر شاہی چتر جس پر سونے کی چڑیا ہے، لگائے ہوئے ہے، اور ایک بڑھیا اوس سے فوج کی مطلق العنانی کی شکایت کر رہی ہے،

ایک اور تصویر مین بھی یہی منظر دکھلایا گیا ہے، لیکن اس مین چتر پر چڑیا کے عوض گیسند کی شکل ہے، اور بھی متعدد تصویرین ہین جن مین بادشاہ کے سر پر چتر تو ہے، لیکن اوس کے اوپر چڑیا نہین، افریقہ اور مشرقی ممالک کے اور بہت سے مناظر اور متعدد تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے، کہ ان ممالک مین چتر ایک شاہی شعار خیال کیا جاتا تھا، صرف سلطان صلاح الدین اور اوس کے بعد ایوبی خاندان کے شاہان مصر کے حالات مین اس قسم کے شاہی ساز و سامان کا ذکر نہین آتا، اور غالباً یہ لوگ خلیفہ بغداد کے حق مین اس ظاہری شان و شوکت سے دست بردار ہو گئے تھے، البتہ مصر مین خلفاے فاطمیین نے اس کو شاہی شعار مین داخل کر لیا تھا، اور مورخین نے اوس کا ذکر عربی لفظ "مظلہ" کے ساتھ کیا ہے، جو

اوس چیز کو کہتے ہین جس سے سر پر سایہ کیا جاتا ہے، چنانچہ ناصر خسرو نے خلیفہ مستنصر کے جلوس کا ذکر کیا ہے، جس مین اوس نے اوس کے سر پر چتر دیکھا تھا، مقریزی نے بھی خلیفہ عزیز کے زرین چتر کا تذکرہ کیا ہے، لیکن بظاہر اوس کے اوپر چڑیا نہ تھی، مقریزی نے مستنصر کے توشہ خانے کے اور بھی بہت سے چتر اور سونے چاندی کی چڑیوں کا ذکر کیا ہے، لیکن سونے کی چڑیوں کا ذکر اس مین بھی نہین اسلئے اگر وہ موجود ہوتین تو وہ ان کو نظر انداز نہ کرتا،

لیکن سلاطین ممالیک کے زمانہ مین قبہ کے لئے چڑیا لازمی ہو گئی، کیونکہ اون کے تمام معاصر مورخین جب کسی مصری جلوس کا حال لکھتے ہین، تو اوس مین قبہ و طیر کا ذکر لازمی طور پر آتا ہے، چنانچہ ابن ایاس نے تقریباً بارہ بادشاہون کا ذکر کیا ہے جنھون نے قبہ و طیر کو اپنا شعار بنا لیا تھا، اور یہ تمام سلاطین اوس کے معاصر تھے،

مورخین نے "قبہ و طیر" کی حقیقت پر بھی بحث کی ہے، اور لین پول نے لکھا ہے، کہ وہ ایک چتر ہوتا ہے، جو زرد رنگ کے حریر سے بنایا جاتا ہے، اور اس پر سونے کے بیل بوٹے بنائے جاتے ہین، جس کے اوپر سونے کی ایک چڑیا سونے کے قبے پر بیٹھی ہوئی ہوتی ہے، ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ مین لکھتا ہے، کہ دلی میں بادشاہ چتر کے ذریعہ سے پہچانا جاتا ہے، جو اوس کے سر پر سایہ افگن رہتا ہے، مصر مین اسی کو "قبہ و طیر" کہتے ہین اور وہ صرف عید کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے، لیکن چین اور ہندوستان مین وہ سفر و حضر مین ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتا ہے، لیکن وہ مصر کے سوا اور ہر جگہ اس کا ذکر چتر ہی کے نام سے کرتا ہے، چنانچہ ایک بادشاہ کے ذکر مین لکھتا ہے، کہ "اوس کے سر پر چتر سایہ افگن رہتا ہے، اور یہ حریر کے ایک قبہ سے مشابہ ہوتا ہے، جس کے اوپر باز کے برابر ایک سونے کی چڑیا ہوتی ہے"، لیکن متعدد تصویرون سے معلوم ہوتا ہے کہ چڑیا اور باز درحقیقت مغلون کا شعار تھا، چنانچہ سلطان محمود غازان کے ایک محفہ کی تصویر پر جب نگاہ پڑتی ہے، تو اوس کی صورت چتر کے مشابہ نظر آتی ہے، جس پر سونے

یاسونے کے ملمع دھات کی چڑیا بیٹھی ہوئی معلوم ہوتی ہے، اور یہ محسوس ہوتا ہے، کہ وہ باز یا شنکرہ ہے اس مرقع مین دو چتر اور بھی لپیٹے ہوئے ہین لیکن اون کے اوپر چڑیا نہین ہے، بلکہ گھوڑے کی دم ہے، جس کو مغل اور ترک بطور جھنڈے کے استعمال کرتے تھے، دوسرے مرقع مین اور بھی ہین لیکن وہ سفید ہین، سیاہ نہین،

اسکے علاوہ چنگیز خان اور ارغون خان کی اور تصویرون سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ وہ ایک چینی تخت پر بیٹھے ہوئے ہین، اور تخت کی پشت پر ایک چڑیا بیٹھی ہوئی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ مغلون نے باز کو ایک شاہی شعار بنا لیا تھا، اور مختلف تعلقات و قرابت کی بنا پر چونکہ سلاطین ممالیک کے عہد مین مغلون کی بہت سی باتون کا رواج مصر مین ہو چلا تھا، اس لئے اونھون نے چتر کے اوپر باز کو بھی ایک شاہی شعار بنا لیا،

ترکون کی تاریخ کے اور بھی بہت سے مخفی ماخذون سے معلوم ہوتا ہے، کہ قبائل دلقیور کے بادشاہ کا شعار باز تھا، اور یہی قبائل سلجوقیون اور عثمانیون کے آبار واجداد ہین،

"ع"

چینگیز خان

تاتاریون کے پہلے باقاعدہ فرمانروا چنگیز خان کے حالات اور کارنامون پر ہیرلڈ لیمب کی دلچسپ و محققانہ کتاب کا اردو ترجمہ، مصنف نے اس مین تاتاری و فرنگی و عربی و فارسی ماخذون سے اس عجیب و غریب بادشاہ کے حالات مرتب کئے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ کیونکر اوسوقت کی دنیائے اسلام پر چھا جانے کا مستحق ہو سکا، ترجمہ کی صحت اور خوبی کے لئے مولوی شیخ عنایت اللہ صاحب بی، اے، ناظم "دار الترجمہ" کا نام نامی ضمانت ہے، معارف پریس کی بہترین لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ، ضخامت:- ۳۴۱ صفحے

قیمت:- ۱۲؍

"منیجر"

مفتاح الحدیث

رائل اکاڈمی آف سائنسز، ایمسٹرڈیم کی طرف سے مستند احادیث کی ایک باقاعدہ فہرست لیڈن مین طبع ہونا شروع ہو گئی ہے، یہ کتاب تیس حصون مین ہوگی اور ہر سال تین حصّے شائع کئے جائین گے، اسطرح پوری کتاب دس سال مین شائع ہو جائیگی، اس مفتاح مین بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، موطا امام مالک اور مسند احمد ابن حنبل کی حدیثین حسب ذیل طریقہ پر جمع کر دی گئی ہین،

(۱) ان تمام الفاظ کی فہرست بہ ترتیب حروف تہجی جو کچھ بھی اہمیت رکھتے ہین، متن اور اس کتاب اور باب کے حوالہ کے ساتھ جسمین وہ الفاظ آئے ہین،

(۲) ان اعلام کی فہرست جو احادیث مین آئے ہین،

(۳) جغرافیائی نامون کی فہرست،

(۴) قرآن مجید کے اقتباسات کی فہرست،

تمام اقتباسات اور حوالہ جات عربی مین دیئے گئے ہین،

ٹائپ رائٹنگ بذریعہ ٹیلیفون

حال کی ایجادون مین ایک نہایت عجیب اور مفید چیز ٹیلی ٹائپ رائٹر (TELETYPEWRITER) ہے

یہ ایجاد ان لوگون کی سہولت کے لیے کیگئی ہے جو ٹیلیفون سے کام لیتے ہین، ٹیلی ٹائپ رائٹر معمولی ٹائپ رائٹر کے ہمشکل ہوتا ہے، یہ ٹیلیفون کے قریب رکھ دیا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت دونون کا رشتہ ملا دیا جاتا ہے، فرض کیجئے کہ آپ ٹیلیفون پر کسی سے کچھ کہنا چاہتے ہین اور وہ شخص اس وقت وہان موجود نہین ہے، ایسی صورت مین آپ یہ کرسکتے ہین کہ اپنے ٹیلیفون اور ٹیلی ٹائپ رائٹر کا رشتہ ملا کر جو کہنا چاہتے ہین اُسے ٹائپ کرلین، مبادلہ کے ساتھ دوسرے ٹیلیفون اور ٹیلی ٹائپ رائٹر کا رشتہ بھی مل جائیگا، اور جو باتین آپ اپنے ٹیلی ٹائپ رائٹر پر ٹائپ کرینگے وہ ساتھ ہی ساتھ دوسرے ٹیلی ٹائپ رائٹر پر بھی ٹائپ ہوتی جائینگی، یہ ایجاد تجارت پیشہ اشخاص کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگی، کاروباری خطوط جنکی آمد و رفت مین کئی کئی روز لگ جاتے تھے، اب منٹون مین ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچائے جاسکین گے، "ع ز"

کلیون مین رنگ آمیزی،

ایک جرمن نے ایک ایسا مادہ ایجاد کیا ہے، جس سے کلیون کو مختلف رنگون مین رنگ سکتے ہین، یہانتک کہ اگر ماتمی حالت کا اظہار مقصود ہو تو سفید کلیون کو سیاہ بنایا جاسکتا ہے، بعض لوگون نے اس رنگ کے مادہ کو زمین مین بھی استعمال کیا، تو کلیان رنگین نکلین،

ہفتہ مین ایک دن کا روزہ،

تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ ہفتے مین ایک دن کا فاقہ جسم کی مستعدی اور عقل کی جولانی مین اضافہ کردیتا ہے، چنانچہ شیکاگو یونیورسٹی کے طلبہ نے سالانہ امتحان مین داخل ہونے سے پہلے ایک دن کا فاقہ کرلیا تو اس سال کا نتیجۂ امتحان اور سالون سے بہتر رہا،

شیشے کی اینٹ

امریکہ کے بعض کارخانون نے ایسے سخت شیشے ایجاد کئے ہین جو اینٹون کی شکل مین بنائے جاتے ہین اور عمارتون مین اینٹون کی جگہ استعمال کئے جاتے ہین، بلکہ بعض حیثیتون سے اینٹ اور پتھر سے بہتر سمجھے جاتے

ہین، ایک کمپنی نے ان اینٹون سے ایک عظیم الشان عمارت بھی بنانا چاہی ہے،

تانبے کی قسم کی ایک نئی دھات،

امریکہ کی ایک یونیورسٹی مین نامعلوم عناصر اور مختلف عناصر کی نظائر کی تحقیقات کے لیے ایک جدید طریقہ ایجاد کیا گیا ہے، اور اس سے متعدد نامعلوم عنصر دریافت کئے گئے ہین، اسی طریقہ سے تانبے کے قسم کی ایک نئی دھات دریافت کیگئی ہے، لیکن ایک انگریز پروفیسر نے یہ ثابت کیا ہے کہ تانبے کے قسم کی دو دھاتین ہین، اور دونون طبعی اور کیمیاوی خواص کے لحاظ سے تانبے کے مشابہ ہین، البتہ ان کا وزن تانبے سے مختلف ہے،

آواز کا اثر جراثیم پر،

آواز ایک قسم کی موج ہے اور آواز جسقدر بلند ہوتی ہے یہ موجین چھوٹی ہوتی جاتی ہین، لیکن جب ایک حد معین سے یہ موجین چھوٹی ہوجاتی ہین تو کانون کو محسوس نہین ہوتین، لیکن ایک ڈاکٹر نے ان چھوٹی موجون کا ایک خاصہ یہ بتایا ہے کہ اگر دودھ کو ایک ایسے آلے مین ڈھالا جائے جو آواز کی چھوٹی چھوٹی موجین اٹھانے والا ہو، تو اُن موجون کی آواز سے دودھ کے اسّی فیصدی جراثیم فنا ہوجائین گے،

دانتون کے مرض کا سبب،

امریکہ کے ڈاکٹرون کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ قدیم اسکیمو قبائل کے لوگ جو صرف جانورون کے گوشت پر گذر اوقات کرتے تھے، دانتون کے تمام امراض سے محفوظ تھے، لیکن اب دانتون کے امراض اُن مین پھیلنے لگے ہین جسکی وجہ یہ ہے کہ اونھون نے غذا مین تبدیلی کر دی ہے، اور اب متمدن قومون کا کھانا کھانے لگے ہین،

امریکہ کے قدیم باشندون کی ہڈیون اور دانتون کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی

غذا مین جسقدر گوشت کا جزو زیادہ ہوگا وہ دانتون کے مرض سے محفوظ رہیگا، چانول اور دوسری قسم کے دانے دانتون کے مرض کا اصلی سبب ہین،

حرکات قلب کے معلوم کرنے کا آلہ

امریکہ کی پبلک برقی کمپنی نے یہ اعلان کیا ہے کہ اس نے ایک نہایت نازک کیمیائی آلہ ایجاد کیا ہے، جس سے قلب کی حرکت کتنی ہی ضعیف ہو، لیکن اس آلے سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے،

فٹ بال

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فٹ بال زمانۂ حال کی ایجاد ہے لیکن حال مین کلدان کے شہر اور مین جو آثار دریافت ہوئے ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا گیند کلدانیون کے یہان دو ہزار سات سو برس پیشتر متداول تھا،

ایک نیا صابون

امریکہ کے ایک کیمیا ساز نے ایک جدید قسم کا صابون ایجاد کیا ہے، جس کے لیے پانی کی ضرورت نہین ہوتی، بلکہ وہ ایک قسم کا معجون ہے، جس کے ہاتھ مین مل لینے سے ایک خوشبودار پھین پیدا ہو جاتا ہے، اور اس سے ہاتھ نہایت آسانی سے صاف ہو جاتا ہے،

آگ بجھانے کا ایک نو ایجاد بمبہ

امریکہ کے ایک انجینیر نے کیمیاوی طریقہ سے آگ بجھانے کا ایک بمبہ ایجاد کیا ہے جسمین ایک ذی حس گھنٹی لگی ہوئی ہے، جو دھوئین کو سونگھ لیتی ہے، اور سونگھنے کے بعد بار بار بجکر صاحب خانہ کو آگ لگنے کی خبر دیتی ہے، اور اسی وقت بمبہ آگ بجھانے مین بھی مشغول ہو جاتا ہے،

"ع"

آثار علمیہ ادبیہ

مکتوبات محمد علی

مکتوب پنجم

بنام مولانا مسعود علی ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جیلخانہ بیتول ۲۴ ستمبر سنہ ۱۹۱۹ء

برادر عزیز:- السلام علیکم و علی من لدیکم،

محبت نامہ مورخہ ۹ ستمبر غالباً ۱۳ کو مجھے ملا تھا، معارف کے ایک پرچہ مین رکھا ہوا تھا، سنسر کی نظر سے بچ رہا تھا، اسلئے مین نے خود ہی اون کو بھی اس مائدہ پرلطف مین شریک کر لیا، اور اون کے پاس بھیج دیا، ۱۴ کو ان کے پاس سے واپس آیا، جواب اوسی وقت دیتا، مگر خیال تھا کہ شاید برادر مکرم سید سلیمان صاحب کا محبت نامہ بھی آیا ہوگا، اور سنسر نے چونکہ ایک خط پڑھنے کے لئے روک رکھا تھا اس خیال سے کہ شاید یہ وہین کا ہو، یا ایک آدھ دن بعد آجائے، تو دونون کا جواب ایک ساتھ ہی دون، جواب مین تاخیر ہوئی، سلیمان صاحب کے خط کا اب تک انتظار ہے مگر شکایت نہین کیونکہ اس عرصہ مین مین نے ارض القرآن کی دوسری جلد بھی ختم کر ڈالی، (گو لفظ "بھی" بالکل صحیح نہین ہے، کیونکہ بدقسمتی سے جلد اول اب تک پوری ختم نہین ہوئی، اور غلطی سے گھر چلی گئی ہے، اور اب تک واپس نہین آئی،) سلیمان صاحب اسی طرح کتابین لکھتے رہین، اور ساری عمر بھی خط نہ لکھین تب بھی شکایت کا موقع نہ ہوگا، بلکہ مشکوریت کا سلسلہ جاری رہے گا،

بھائی تمھاری شکایت بھی بجا نہین، دار المصنفین ایک شخص کا نام نہین اور اگر ایک شخص کا نام بھی ہو تب بھی "شبلی مرحوم" مین ان کی تمام علمی ذریت شامل ہے، اور اب اسی طرح "سید سلیمان ندوی" مین ہمارا "دار المصنفین" اور تمام "ندوۃ" شامل ہے اور عزیزی مسعود ندوی کو اگر سلام بھی نہ جاتا تو شکایت کا موقعہ نہ تھا، اب تو جب حضرت سلیمان (ثانی) کا تصور کرتا ہون، مسعود آصف نما پہلو بہ پہلو نظر آتے ہین، "عالم" ہمیشہ "بے عمل" ہوتے ہین، اسی لئے میری دیرینہ تمنا ایک "لٹریری سنڈکیٹ" قایم کرنے کی ہے، جس مین اہل علم تصنیف کیا کرین اور ہم حاشیہ نشینان دار المصنفین اُن کی تصنیفات کے نشر و اعلان مین مدد دیا کرین (تم خود "ندوی" ہو اور عالم اس لئے شاید "ہم" کی شرکت ناگوارِ خاطر گذرے مگر مین تمام "منیجرون" کو اصحابِ تصنیف سے زیادہ وقیع اور دنیا کے لئے زیادہ ضروری سمجھتا ہون، اور یہ دیکھکر خوش ہون کہ تم بھی ان حضرات کا ذکر معقول بے اعتنائی کے ساتھ کرتے ہو اور لکھتے ہو کہ گو تصنیف کی زحمت جناب سید صاحب نے برداشت کی ہے" تاہم تمھارا حصہ اچھا خاصہ ہے، یہ لوگ تو محض پھول ہین، اگر ہم باد صبا کا کام نہ دین اور بوے چمن کو بیرونِ چمن نہ لیجائین تو مشامِ بلبل بھی عطرِ گل کی خوشبو سے مستفیض نہ ہو) یہان تک میری طرف سے معذرت تھی، اب بھائی کی معذرت سنئے، برادرم، ہم دو آدمی کب ہین، کہ تم اس تفریق کو روا ہی نہین رکھتے، ہو، بلکہ عدم تفریق کی شکایت کرتے ہو، کاش مین نے عربی پر اس قدر توجہ کی ہوتی جس قدر ایک غیر زبان پر ضایع کی، تو مجھے بھی سید سلیمان صاحب کی طرح سارے آسمان کے ستارون کے عربی نام یاد ہوتے، مگر چونکہ آپ لوگ انگریزی سے بھی بے بہرہ نہین ہین اس لئے تلاش کرکے بتادینگے کہ کیسٹر (CASTOR) اور پولکس (POLLUX) ستارون کے عربی نام کیا ہین اور اگر نہ معلوم ہون گے تو دو منٹ مین معرب کر لینگے، ہمارے محور شاید کسی زمانہ مین علٰحدہ رہے ہون (گو بھول گیا ستارون کے محور ہی کہان ہوتے ہین، قطب از جا نمی جنبد الخ کا مضمون ہی) مگر اس ساڑھے چار برس کی قید فرنگ مین تو ہم توأم ہو گئے ہین، اور سیام کے جڑوان بھائیون کی طرح نہ صرف ایک جان بلکہ ایک قالب بھی ہین، البتہ اس بار تہدید کی گئی تھی، کہ اگر آیندہ شرارت

کی، تو علیحدہ کردیے جاؤگے، اور دو مختلف آسمانون کی فضا مین چکر لگانا، اور سارے ستارون کو گمراہ کرنا پڑے گا، غالباً آسام اور برہما کی طرف اشارہ تھا، اور یہان بھی تفریق مکانی کی بعض کرمفرماؤن کو خواہش تھی مگر یہ آرزو مقامی حکام کے باعث پوری نہ ہوسکی، اب اگر آپ اس تفریق کے متمنی ہین، تو بے شک شکایت بجا ہے کہ دونون نے علیحدہ کچھ کیون نہین لکھا، ورنہ جس طرح تم اور سید صاحب ایک ہو، اسی طرح ہم بھی ایک ہی ہین، ؎

من تو شدم تو من شدی من جان شدم تو تن شدی
تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری،

رہا خوشی اور اطمینان کا معاملہ سو بھائی مین نے تو اوسی وقت کہدیا تھا جب ہمین بتایا گیا تھا کہ یہ خاص رعایت ہے، کہ علیحدہ نہین کئے گئے، اور دور نہین بھیجے گئے، کہ ہم ہمہ وقت مشکوریت کے لئے تیار ہین، مگر شکایت کسی حالت مین روا نہین سمجھتے، کیونکہ لاتحزن ان اللہ معنا کے بعد قید تنہائی ناممکن ہے، اور قرب و بعد مکانی کا خیال فضول ہے جب اطلاع مل چکی ہے، کہ ان ارضی واسعۃ ہان اگر کسی دوسرے خدا کی خدائی مین انتقال مکانی ہوتا، تو البتہ تشویش ہوتی، مگر بحمد اللہ کہ ابھی تک اوسی خدا کی زمین پر ہم ہین کے نیچے ہے اور اوسی کا آسمان سر پر آویزان ہی ہی نہین بلکہ ؎

رات دن چکر مین ہین سات آسمان،
ہو رہے گا، کچھ نہ کچھ گھبرائین کیا،،

عزیزم، معارف کی ذرہ نوازی کے مشکور ہین کہ پابندان اسلام کے سلسلہ مین ہم دنیا کے کتون کو بھی شامل کرلیا، پھر جب تم بدرجہ اتم اون کے حالات سے واقف ہو، اور زلیخا سے زیادہ اوس یوسف کنعانی کو محبوب سمجھتے ہو، جس نے اس رسم قید کی بنا ڈالی، اور اوسکے لئے ماٹو یہ تجویز فرمایا کہ رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ تو پھر کس طرح کہہ سکتے ہو، کہ ہم لوگ اس کو انتہائے مصیبت خیال کرتے ہین، عزیزم انتہائے مصیبت غداری

بے وفائی، بغاوت، نمک حرامی، ناشکری اور کفر ہے، اور اس منعم حقیقی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس انتہائے مصیبت اور عذاب الیم سے اوس نے اپنے ذرا ناچار اور ناکارہ بندون کو محفوظ و مصئون رکھا ہے میرا ایک شعر ہے،

سرکش نہین، باغی نہین، غدار نہین ہم،

پر ہم پہ تقاضائے وفا اور ہی کچھ ہے،

اسی خیال کو "از یاران محبس" حسرت نے کیا خوب ادا کیا ہے، لکھتا ہے، ؎

بے وفائی مجھ کو کیا معلوم کہتے ہین کسے ۔۔۔ وہ مرے سرکار مین اون کے وفادارون مین ہون

میری سرکار سے ہمیشہ روٹی کپڑا مجھکو ملا، سانس لینے کو تازہ ہوا ملی، بچہ تھا اور دانت نہ تھے، تو دودھ ملا جسمین نہ شکر ڈالنے کی ضرورت تھی نہ سوے اور چونے کے پانی کی آمیزش کی، بڑا ہوا تو ایک سے ایک بڑھ کر لذیذ کھانے اور پینے کو ملے، پیدا ہوتے ہی نہین بلکہ پیدا ہونے سے بھی پہلے سے تنخواہ مقرر ہوگئی تھی، اور کبھی ناغہ نہین ہوئی خدمت کیلئے نہ صرف نوکر چاکر، بلکہ ماں باپ بھائی بہن، عزیز و اقارب ملے، بڑے بڑے اشراف، بڑے گھرانے والے بڑے ناک والے، گو مہ تک اوٹھانے کو موجود تھے پڑھنے لگا تو تعلیم و تربیت مفت ملی، جوان ہوا تو دن رات کی صحبت کے لئے ایک حور جنت کے لئے احکام جاری ہوگئے اور میری روحانی برہنگی کی شرم رکھ لی گئی اور پروانہ جاری ہوگیا، کہ ھن لباس لکم وانتم لباس لھن ایک دوسرے کی ستر پوشی کرو،

دل بہلانے کو کیسے مزے کے ایک دو چھوڑ چار غلمان ملے (گو آج کل کی اصطلاح مین مین اون کو (SUFFRAGETTES) یا تمھارے اختراع مین "اختراعیات" کہتا ہون) کام اس ساری مزدوری پر کچھ بھی نہ تھا، صرف ایمان و عمل صالح، اور گو بہ ابہت ڈانوا ڈول رہا، اور بحالت صحت بھی توحید کو دریا ضی کا ایک اصول سمجھا کیا جسکا تعلق محض دماغ سے ہے، جسطرح دو اور دو چار پر اعتقاد (بلکہ دراصل اس سے بھی کم اس لئے کہ اس آخری نظریہ پر تو بفضلہ تعالے اعمال و افعال کی بنیاد بھی غیر متزلزل اور قائم رہی، حالانکہ ایاک نعبد وایاک نستعین کے خلاف بارہا عمل رہا) اور نمبر ۲ تو اکثر غائب ہی رہا، تاہم مزدوری ملنا ناطہ

نہ ہوا، آسمان سے پانی اوسی طرح برستا تھا، اور میری پیاس بھی اوسی طرح بجھاتا تھا، جسطرح کسی عابد زاہد متقی و پرہیزگار کی زمین کے مرے پیچھے اوسے میرے لئے اوسی طرح پھر زندہ کرتا تھا، جسطرح پیغمبرون اور صدیقون کے لئے بلکہ اوسکی پیداوار مین سے میرے حصہ کا رزق ان بزرگون سے کہین زیادہ اور وافر تھا، روئی اون اور ریشم کے وہ باعث زیب و زینت ملبوس اس جسد خاکی کے عیب چھپانے کو ملے، کہ حلہاے شہدا کی اون کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی، پھر اتنا ہی نہین بلکہ اپنے طرح کے اور اپنے سے اچھے ہزارون انسانون پر حکومت بھی نصیب ہوئی، اور نام و نمود سے بھی محروم نہین رہا، اور باوجود اسکے کہ "وضع وزر" نہ ہوا تھا، "رفع ذکر" بہت کچھ ہوا، پھر نہ منت نہ احسان:۔

شاہ ما را زر دہد منت نہد خالق ما رزق بے منت نہد

اے برادر عزیز اوس بدبخت سے زیادہ کون غدار، باغی، نمکحرام، بے وفا، اور ناشکرا ہوگا، جو باوجود ان تمام نعمتون سے مستفیض ہونے کے اگر اور کچھ نہ کرسکے اور اپنے کو دست و پابستہ سمجھے، (حالانکہ اوسی کے ہاتھ بے زور ہوتے ہین، جس کا دل الحاد کا خوگر ہوتا ہے،) تو کم از کم منہ سے تو اوس مہربان مربی کی ناشکری کرنے اور دوسرون کو ناحق ناروا اوسکی مہربانیون اور عنایتون، قوت اور قدرت مین اوس کا شریک گرداننے سے بھی باز نہ آئے، اس سے بڑھ کر اور کیا عذاب دردناک ہوسکتا ہے ضمیر کی ملامت سے بڑھ کر کس دوزخ کا التہاب ہے کہ اوسکی گرمی کو کوئی ذی حس برداشت کرے یہی وہ آگ ہے، جسمین ایک بار گر کر انسان کا پھر نکلنا ہی مشکل نہین ہوجاتا ہے بلکہ لایموت فیہا و لا یحیٰی کی تکلیف مالا یطاق سے سابقہ پڑتا ہے، کبھی علالت کے زمانہ مین تمھارا یہ حال ہوا ہے کہ نیند دیر سے نہین آئی ہے، اور بدن کا عضو عضو کمخوابی سے دکھنے لگا ہے، نیند کی سخت ضرورت ہے، مگر لاکھ بن بن کر لیٹتے ہو، آنکھین میچتے ہو، کروٹین بدلتے ہو، تکیہ اور بستر بار بار درست کرتے ہو اور اپنے تئین ہر طرح دھوکا دینا چاہتے ہو، کہ نیند آرہی ہے مگر نیند ہے کہ کہین پتہ نہین، کوسون نشان نہین، آخر شب رات کا "لباس" اوتارنا پڑتا ہے اور دن کی "معاش" کا دور شروع ہوتا ہے، مگر "ثبات نوم" نہ ملنے کے باعث صبح کی کیفیت شام کی کیفیت

سے کہین بدتر ہے، عزیزم یہ تو محض جسمانی کیفیت کا حال ہے، اب اگر روح کی یہ حالت ہو اور ایک دو شب نہین بلکہ ساری عمر تو اوس زندگی سے موت کو بہتر نہ سمجھو گے، مگر یہ درد فرقت نہین جس کا علاج مرگ سے بھی ہو سکے، اور غسل میت کو بھی غسل صحت کہا جا سکے، لا یموت فیہا ولا یحییٰ کا حکم اوسی طرح نافذ ہے،

عزیزم۔ ہزارون گناہ کر چکا ہون جسمین نہ کبیرہ کا شمار ہے، نہ صغیرہ کا، مدتون گناہ گاری کا احساس بھی نہ تھا، جب سے کچھ کچھ حس ہونے لگا ہے، عرق انفعال مین غوطے کھا رہا ہون پچھلا تجربہ کافی تھا، خدا کا شکر ہے کہ قدرے ہدایت نصیب ہوئی، ورنہ یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا الفاسقین الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض، اولئک ھم الخاسرون۔ ہمارے بھائی وہ بھی ہین، اور اب تک ہمارے ہی دوش بدوش کام کرتے رہے ہین، جنکو زمانہ کے تلخ تجربون نے "مجبور" کر دیا کہ میثاق اولین کو توڑین، اور دل سے نئے نئے میثاق گڑھین، اور ایجاد و اختراع کرین اور بجاے وصل کے قطع تعلق کرین اور پھر لطف یہ کہ نہ اپنے کو خسران مین حاصل کرنے والا سمجھین نہ مفسد ملک! اٹ ہمین سے کہین کہ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اور صریح تحریف معنوی کے مرتکب ہون، اور کالاعلیٰ قوم بینکم وبینھم میثاق اور الموفون بعھدھم اذا عاھدوا سنا کر ہم کو شرمندہ اور پشیمان کرین، اور گو اس کال کی بدولت کلوا واشربوا من رزق اللہ کی دعوت اون کی دسترس سے باہر ہے، تاہم لا تعثوا فی الارض مفسدین کی منادی فرماتے ہین، اور اگر ہم کہین کہ انما نحن مصلحون تو ہمین پر قرآنی فقرے کستے ہین کہ الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون اس پر مستزاد ہے انھین مقتدیان قوم سے میرا خطاب تھا، کہ ؎

عہد اوّل کو بھی اچھا ہو جو پورا کر دو | تم وفادار ہو تھوڑی سی وفا اور سہی،

خوف غمازہ، عدالت کا خطر، دار کا ڈر | ہین جہان اتنے وہان خوف خدا اور سہی

مگر برادرم۔ یہان آفت تو یہ ہے، کہ اگر عہد اول کو پورا کرنے کا ارادہ کیا، تو پھر بہت سے عہد خود

ہی باطل معلوم ہونے لگتے ہین، اور شرکت خواہ کسی قسم کی بھی ہو، اوس محبوب دوجہان کو نہین بھاتی، اور اوس کی غیرت کو کسی نہج گوارا نہین، اس لئے خوفِ خدا کے بعد دل مین کسی اور خوف کی کب گنجایش رہتی ہے،

حسرت نے خوب کہا ہے:-

اہلِ ایمان رکھتے ہین کامل بہ فتوائے جنون

شانِ لاخوفٌ علیہم شیوۂ لایحزنون

اور پھر تجربہ اور خصوصاً "زمانہ کا تلخ تجربہ" وہی بتاتا ہے جو والعصر مین ارشاد ہے اور ایمان و عمل صالح کے ساتھ تواصیت بالحق و تواصیت بالصبر کو گھاٹے سے بچنے کے لئے لازمی ثابت کر دیتا ہے، ایک شاخ بریدہ سے انسان سبق اندوز ہو سکتا ہے، (کیونکہ ع:- ہر ورقے دفتریست از معرفتِ کردگار)

ڈالی گئی جو فصلِ خزان مین شجر سے ٹوٹ ممکن نہین ہری ہو، سحابِ بہار سے

ہے لازوال عہدِ خزان اوسکے واسطے کچھ واسطہ نہین ہے اوسے برگ و بار سے

فصلِ خزان ہے تیرے گلستان مین خیمہ زن خالی ہے جیبِ گل زرِ کامل عیار سے

جو نغمہ زن تھے خلوتِ اشجار مین طیور رخصت ہوئے ترے شجرِ سایہ دار سے

شاخِ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو واقف نہین ہے قاعدۂ روزگار سے

مذہب کے ساتھ رابطۂ استوار رکھ

وابستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

خدا کا شکر ہے کہ دل ڈانوا ڈول ہو ہو کر سنبھل سنبھل گیا اور کم از کم اُن فاسقین کے زمرہ مین تو نہین ہون جنکی شان مین آیا ہے کہ ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض بلکہ اس پر قائم ہون کہ

خو تیری دور روزہ، مرا پیمان ہے ازل کا پابندِ جفا تو ہے تو میری بھی وفا دیکھ

ع برین می زیم بر ہمین بگذرم، آمین ثم آمین

نہین بھائی مین خوش اور خدا کرے کہ میرا خدا بھی خوش ہو، مین اوس سے راضی کاش وہ مجھ سے راضی ہو، قرآن پاک ایک مختصر سی کتاب ہے مگر جامع اور ہزارون مضمونون کا ایک مضمون اوس مین ادا کیا گیا ہے، اور بار بار اوسی کی تکرار ہے، مگر وہ بزرگان دین بھی جو ہر وقت اوسی کی درس و تدریس مین مشغول ہین، اب کچھ لچی و شوار بے الجھنون مین اسطرح پھنس گئے ہین کہ معاش و معاد دونون کی روح و اصلیت و حقیقت سے غافل نظر آتے ہین، نہ خدا کی خدائی سے ہمین واقف کرتے ہین، نہ رسول کی رسالت سے بہت ہوا تو نماز کی قواعد پریڈ مین انہماک اور روزہ کی حدود مین غلو کر الی اللیل مین الی کے کیا معنی ہین. خیط الابیض کیا ہے، اور خیط الاسود کیا، حج و زیارت مرقد نبوی سے بڑھ کر بزرگان دین کے مزارون پر جا کر دعاؤن مین مصروفیت تمام ہے، زکوٰۃ کا نصاب آنہ پائی تک درست رکھنے کی فکر ہے، مگر ہمین آجتک نہ بتایا کہ اس قواعد پریڈ سے اصل غرض حرض المومنین، اور اعدوا لھم ما استطعتم ہے، روزہ ہمارا (IRON RATION) ہے جس سے سپاہی بھوک کا تدارک کر سکین، حج حب وطن مین غلو سے روکتا اور صاحب الھجرتین کی سنت کی پیروی پر مائل کرتا ہے، اور زکوٰۃ سکھاتی ہے کہ انما اموالکم واولادکم فتنۃ وان اللہ عندہ اجر عظیم اور سب کا ماحصل صرف اسی قدر ہے کہ ان کان آباءکم وابناءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ الخ ساری خدائی کی تخلیق کا مقصد آزادی ہے نہ حریت بلکہ غلامی اوس ایک واحد القہار کی جسکے بعد باقی سب ایک گھاٹ

من تو ھردو خواجہ تاشانیم بندہ بارگاہ سلطانیم

یہی حریت ہے یہی مساوات اور یہی اخوت، سارا کام ایک جد و جہد ہے، جسطرح ہو سکے زبان سے، مال سے، جان سے، بھائی ٹھیک کہا ہے کسی نے کہ مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب سانپ نکل گیا ہے، کیچلی پیچھے چھوڑ گیا ہے، میرے اور تمھارے تمام امراض کا (اور کونسا مرض ہے، جو اس بیمار مین موجود نہین) صرف کتاب اللہ

اور سنت رسولؐ ہے، تمھارے دار المصنفین مین بڑے بڑے فلسفی اور سخندان، پرکھ اور نقاد ہین اور ہون گے،
مگر ہمین تو تم سے زیادہ تر اسی وجہ سے انس ہے، کہ تم قرآن اور سنت کے عاشق ہو، ؎

باز خوان از نجد و از یاران نجد

تا بیاری کوہ و صحرا را بوجد

خدا بھلا کرے اس قید کا کہ کتاب اللہ پہلی بار سمجھکر پڑھنے کی کوشش کی گئی، اور سب کچھ کھو کر وہ کنز مخفی حاصل کیا جسکے مقابلہ مین گنج شائگان کی کوئی حقیقت نہین، اور رسول (روحی فداک یا رسول اللہ) کے حالات زندگی سے پہلی بار سبق لیا، تقریبًا دو سال ہوئے کہ میرے ہمنام مولانا محمد علی صاحب نے قرآن پاک کا ترجمہ انگریزی شائع فرمایا، اور مکرمی مرزا یعقوب بیگ صاحب نے ایک جلد کا ہدیہ ارسال کیا، سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا، تدوین قرآن پاک کے متعلق سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خطبات احمدیہ مین کچھ آگاہی کا سامان فراہم فرما دیا تھا، جب (MINGUI) کو خبط سوجھا، اور بلا کنا حولہ کو بر کنا پڑھ کر قرآن کے تحفظ کے متعلق بہت کچھ بک گیا (حالانکہ ارشاد ہو چکا تھا انا لہ لحافظون) تو اور بھی حالات پڑھنے مین آئے، خواجہ کمال الدین صاحب نے بھی اس طرف توجہ کی اور مولوی محمد علی صاحب نے دیباچہ مین پوری تصریح بھی کر دی مگر مین قرآن کی HISTORY اور جغرافیہ کا اسی طرح متمنی رہا، جیسے پہلے تھا، چنانچہ اسی کی فرمایش مرزا یعقوب بیگ صاحب سے کی کہ دوسرے ایڈیشن مین اس کا اضافہ ضرور کیا جائے مگر یہ سہرا میرے سلیمان کے سر کے لئے ازل سے مخصوص تھا،

گمان مبر ز تو ارد کہ دزد معنے من،،

متاع من ز نہان خانۂ ازل بر داشت

پہلی جلد ارض القرآن کی ظاہر ہے کہ دوسرے سے زیادہ خشک تھی، کیونکہ بنیا دین وہ زیب و زینت نمایان نہین ہوتی، جو عمارت مین نظر آتی ہے، اسی لئے شروع کرتا تھا اور پھر ختم کر کے رہ جاتا تھا، مگر دوسری جلد ملۃ ابیکم ابراہیم سے متعلق تھی، اسی قریبی رشتہ نے گھسیٹ لیا، اور اس عرصہ مین بارہا شوکت صاحب نے

روزانہ اخبارون اور کونسل کے مباحثات کی طرف متوجہ کرنا چاہا، مگر ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

کا مضمون تھا جب تک ختم نہ کرلی، کتاب نہین چھوڑی، اور مخبر صادق کی خبرون کے سامنے کوئی اور خبر مزیدار نہ معلوم ہوئی، مین تھا اور اوسی قید خانہ کی چار دیواری کے اندر سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین پر عمل کرنے کے لطف، اب بتائے کہ تیسری جلد بھی ہوگی یا یہ اوستاذی و استاذنا شبلی مرحوم مغفور کا حصہ رہے گا، اور اس کا نام بجائے ارض القرآن کے سیرۃ نبوی ہوگا، بھائی خدا را جو پروف یا قلمی نسخہ ہو رجسٹرڈ کرکے بیمہ کرکے بہرحال کسی طرح مجھ تک پہنچاؤ اور یہ حصہ واقعی تمھارا ہے، رفقائے ندوہ مین سے ایک صاحب معارف مین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات لکھ رہے تھے، اب کیون خاموش ہین حضرت سعد بن معاذ کی حالت خستگی کی آخر دعا، حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تکفین، حضرت عبد اللہ ابن رواحہؓ کا آخری وقف نامہ اور پھر اپنے نفس سے خطاب کہ بول اب دنیا مین تیرا کیا رہا جو مرنے سے اس قدر ڈرتا ہے، یہ وہ تاریخی سبق ہین، جن سے سب سے زیادہ ہم ناواقف اور غافل ہین، ورنہ ہمارے بچون کی درسی کتابون کے لئے ان قصون سے زیادہ پر لطف قصے اور ہمارے نوجوانون کے لئے ان واقعات عبرتناک سے زیادہ موثر پند و نصائح اور بوڑھون کے لئے تسکین قلب و اطمینان کا ان سے بہتر سامان کہان سے فراہم ہو سکتا ہے،

خدا کی قسم اسلام کی پچاس برس کی تاریخ مین وہ مواد موجود ہے، جس سے ہمارے علاج اور ہماری اصلاح کے ہزار نسخے تیار ہو سکتے ہین، اور سارے یورپ کی تاریخ جسمین یونان، روم، انگلستان، فرانس وغیرہ سب شامل ہین، پچاس صدیون مین بھی اوس قدر مواد نہین دکھا سکتی، اور غضب یہ ہے کہ مین خود یورپ کی تاریخ کا محض اس بنا پر گرویدہ تھا کہ بادشاہون کی تخت نشینیون اور لڑائیون اور فتوحات کے علاوہ اس مین اصول سیاست سمجھنے کے لئے بے حد مواد فراہم کیا گیا ہے اور ہمارے لئے سبق آموزی کی بڑی گنجایش ہے، یہ سب کچھ اس قید فرنگ مین دل سے بھلا رہا ہون، اور اصلی سبق لے رہا ہون، پھر بھی تم اُسے انتہائے مصیبت سمجھتے ہو،

ارے بھائی مسعود معافی مانگو، ہاتھ جوڑو، پاؤں پڑو، ناک رگڑو، اور دیکھو آیندہ ایسی انتہائی حماقت نہ کرنا ورنہ پٹ جاؤ گے میرے ہاتھ سے اور سرکار علیحدہ ناراض ہو جائے گی، سچ کہا تھا ہین نے:-

یہ نظر بندی تو نکلی ردِّ سحر، دیدہ ہائے ہوش اب جا کر کھلے

اب کہین ٹوٹا ہے باطل کا طلسم حق کے عقدے اب کہین ہم پر کھلے

اب ہوا ہے ماسوا کا پردہ فاش معرفت کے اب کہین دفتر کھلے

فیض سے تیرے ہوئے قیدِ فرنگ بال و پر نکلے قفس کے در کھلے

ورنہ یہ ہے کہ

طاقتِ پرواز ہی جب کھو چکے پھر ہوا کیا گر ہوے بھی پر کھلے

ابھی چند مراحل اور طے کرنا ہین، خدا کرے یون بھی ہو،

لو وہ آپہنچا جنون کا قافلہ پاؤن زخمی، خاک منہ پر، سر کھلے

ابھی چند درہائے معرفت اور کھلنے کو باقی ہین،

رات تلچھٹ تک نہ چھوڑی تب کہین راز ہائے بادہ و ساغر کھلے

ابھی تو:-

تشنہ لب ہون مدتون سے دیکھئے کب درِ مے خانہ، کوثر کھلے

مگر ہان!-

رونمائی کے لئے لایا ہون جان اب تو شاید چہرہ انور کھلے

اب تو کشتی کے موافق ہے ہوا ناخدا کیا دیر ہے لنگر کھلے

اور کاش یہی سچ ہو جائے کہ

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر مر کے جوہر آپ کے جوہر کھلے

اب اس خرافات کو ختم کرتا ہون گو مجھے ہفتہ مین دو ہی خط لکھنے کی اجازت ہی، مگر تم کو ہزارون پڑھنا اور سیکڑون لکھنا ہوتے ہین، مین وقت کاٹ رہا ہون اور تمھاری تضیع اوقات ہو رہی ہے، معاف کرنا بھائی۔ ہم قید ہی کے لئے موزون ہین، اگر چھوٹے اور یہ خرافاتی سلسلہ ساتھ لائے تو تم لوگون کو تو ایک تماشا ہاتھ آجائے گا،

شہر کے لڑکون کی برائی مراد بند سے دیوانہ رہا ہو گیا

مگر اب اس دیوانگی کا ایسا لپکا پڑ گیا ہے، کہ قید اور رہائی کا فرق ہی جاتا رہا، بلکہ رہائی مین اوسی طرح قید کی آرزو کیا کرین گے، جسطرح کبھی قید مین رہائی کی کرتے تھے، میرا ایک شعر ہے، ؎

لٹک باقی ہے، اب تک گو تری محفل مین بیٹھا ہے،

کہ رہ رہ کر خیال آتا ہے، جو ہر کو بیابان کا

اسی طرح مین ایک اور بھی ہے،

نکالا پیر ہی پھر دل مین رکھا دستِ وحشت نے،

خدا کی شان ہے رتبہ ہو یہ خارِ مغیلان کا

اب تو اسی دعا کی آرزو ہے، کہ ع:- این آوارہ کوے بتان آوارہ تر بادا،

سارے تجربون کا یہی نچوڑ ہے، کہ ؎

کیا دھرا ہے عقل مین جز حیرت و سرگشتگی

پھر سے ہون یا بند اس کا مین؟ دیوانہ نہین

عشق ہے تو یہ ہے عقل ہے تو یہ ہے، ہوشیاری بھی یہی ہے، اور دیوانگی بھی یہی، اور خود ہی لکھ چکا ہون:-

شدتِ شوق ہی بس وجہ ہی اس مستی کی ورنہ کچھ عقل کی خامی نہین دیوانے مین

اب جنون بہت بڑھ گیا ہے، اگر اسی طرح ایک آدھ صفحہ اور لکھا تو جان لو کہ جیب و گریبان و داماں کی خیر نہیں، ؎

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

سب کو سب کا سلام اب نہ شوکت کی شکایت کی جا سکتی ہے نہ تمکو شکایت باقی رہ سکتی ہے، ارے بھائی یہ من و تو کے تفرقے سب باہر باقی ہیں، یہاں تو یکسوئی ہے، اور یکتائی، عیدین میں بھی ایک امام اور دوسرا مقتدی ہے، موذن بھی اور مکبر بھی (اور یہی حال ہر جمعہ کا اور ہر جماعت کا ہے) عیدین میں ایک نے دوسرے کو گلے لگایا، گویا ساری خدائی نے ساری خدائی سے عید مل لی، یہاں اس قطعہ کا لطف حاصل ہوا ہے،

مستان رسید عید بیاران ندا کنید
باشد ہزار شکر خدا را ثنا کنید

زاہد اگر قبول شود روزۂ ونماز
در کوئے مے فروش دوگانہ ادا کنید

تمھارا خیر طلب بھائی

محمد علی

کبیر صاحب:۔ مولفہ جناب پنڈت منوہر لال صاحب زتشی، ناشر ہندستانی اکاڈیمی الہ آباد،

حجم ۱۵۲ صفحے کاغذ دبیز لکھائی چھپائی ٹائپ مین اور جلد خوبصورت ، قیمت

جناب پنڈت منوہر لال صاحب زتشی اردو زبان کے لائق انشاپرداز ہین اور بے مبالغہ کہا جاسکتا ہے، کہ اسوقت ہندؤن مین اردو لٹریچر کا واقف کار شاید ہی کوئی دوسرا ہو، پنڈت جی نے کبیر داس کے سوانح حالات لکھ کر ہندوستانی اکاڈیمی مین پیش کئے تھے، جو وہان سے کبیر صاحب کے نام سے شائع ہوئے ہین" کبیر صاحب چند ابواب پر مشتمل ہے، پہلا باب "مذہب" ہے جس مین اولاً مذہب کی تعریف سمجھائی گئی ہے، کہ مذہب نام ہے اپنے سے بالاتر ایسی قوت یا قوتون کے احساس کا جس سے حصول انتفاع و دفع شر کے لئے انسان چند اعمال کا پابند ہو، اور پھر مذہب کی اجمالی تاریخ بیان کیگئی ہے اور اسی ضمن مین مختلف گروہون کے خیالات اور انکے اعتراض و جواب کے اشارے پیش کئے گئے ہین، اور پھر بتایا گیا کہ مذہب اپنے دور مین ایک جدید تہذیب و تمدن کی بنیاد ڈالتا ہے، اور پھر جب وہ تعلیمات مسخ ہوتے ہین، تو چند افراد اوس کے خلاف آواز بلند کرتے ہین، کبیر داس انھی خاص افراد مین تھے، پھر دوسرا باب "ہندو مذہب کا ارتقاء" ہے، اور تیسرا باب "ہندو مذہب کے اصول" ہے، اس مین آرین مذہب کی مکمل اجمالی تاریخ ہے اور پھر ہندو مذہب کے عقائد کی تفصیل ہے، مصنف کے نقطۂ نظر سے آرین مذہب کے ہر دور مین عقیدۂ وحدانیت کسی نہ کسی شکل مین اس مین موجود رہا اور جب اوسکی تعلیم مسخ ہوئی تو کوئی نہ کوئی مصلح پیدا ہوا، اور گوتم بدھ اور شنکراچارج سے لیکر رامانند، کبیر، تلسی، سورداس، چیتن، نانک اور تگارام انھی افراد مین ہین، اور اسی ضمن مین آرین مذاہب کی تمام شاخون کے مابہ الامتیاز حالات کی طرف

اشارے کئے گئے ہین، اس باب کے بعض حصے محل نظر ہین، اور کسی قدر طویل تبصرے کے محتاج ہین، چوتھا باب "کبیر صاحب کے حالات" مین ہے، جس مین اون کی زندگی کے مختلف پہلوؤن پر روشنی ڈالی گئی ہے، مگران کے سوانح حیات مین اب تک جو متضاد واقعات بیان کئے جاتے ہین، وہ ان اوراق مین بھی اوسی طرح نظر آتے ہین، کسی طرف کوئی ترجیحی پہلو اختیار نہین کیا گیا ہے، پھر "کبیر صاحب کی تعلیم و تلقین" کا باب ہے، جسمین بتایا گیا ہے کہ وہ ہندو اور مسلمان دونون کو اپنے اپنے راستہ سے الگ کرکے ایک ہی راستہ پر لانا چاہتے تھے، اور اس سلسلہ مین اون کے چند عقائد توحید، بھگتی، پریم، مذہب کی نمایش، اور تناسخ وغیرہ اون کے کلام سے دکھائے گئے ہین، پانچوان باب "ہندو مسلمانون کا میل" کے عنوان سے ہے، جس مین اون کا اصل مسلک پیش کیا گیا ہے، اوس کے بعد کبیر صاحب کی شاعری پر تبصرہ کیا گیا ہے، اور سب سے آخر مین فرقہ "کبیر پنتھ" کے حالات ہین،

جہان تک کبیر داس کی تعلیمات سے اندازہ ہوتا ہے، وہ ذاتی طور پر نہ خود ہندو کہلانا چاہتے تھے، اور نہ مسلمان لیکن یہ بھی صحیح ہے، کہ نہ اونھون نے ہندو ہونے سے انکار کیا اور نہ مسلمان ہونے سے، اس بنا پر اون کے حالات مین جو کتاب لکھی جاتی، وہ ضرور تھا کہ اسلام اور ہندو دونون نقطون سے ملکر یا دونون نقطون سے بیگانہ ہوکر لکھی جاتی، اون کے دو بابون مین "ہندو مذہب کا ارتقا" اور "ہندو مذہب کے اصول" بے محل ہین، اگر کبیر کی تعلیمات مین اس مذہب کی جھلک نظر آتی ہے، تو اوس سے زیادہ اسلامی تعلیمات کے نمایان اثرات پائے جاتے ہین، اور اوس کے اصول و عقائد پر اون کی تعلیمات کی بنیاد نظر آتی ہے، اسلئے اگر کبیر صاحب کی تعلیمات کو سمجھانے کیلئے بطور تمہید ہندو مذہب کے اصول بتانے کی ضرورت تھی، تو اوسکے پہلو بہ پہلو مذہب اسلام کے اصول بھی درج کرنے تھے، کہ کبیر نے ان دونون مذاہب مین کوئی فرق نہین کیا، ورنہ اگر ضابطہ کے طور پر کبیر کو اسلامی حدود مین داخل کرنیکا فیصلہ نہین کیا جاسکتا، تو ہندو شاستر کے رو سے بھی کبیر ہندو مذہب کے پیرو نہین قرار پا سکتے، اس لئے کتاب کے دونون ابتدائی ابواب یا تو بے محل ہین اور اگر برمحل ہین تو پھر ناقص ہین، ان مین ہندو مذہب کی تخصیص کی ضرورت نہ تھی، کہ کبیر صاحب کے متعلق علما کا فیصلہ جو کچھ ہو لیکن مسلمانون مین خانقاہون کے گوشہ نشین صوفیہ کا خیال بھی پایا جاتا ہے کہ کبیر نے تبلیغ توحید کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا، بڑے بڑے برہمنو کی پرانی مورتیان گنگا مین پھنکوائین، اور اپنے ساتھ بٹھا کر

رسوخ گرائی، اور عقیدۂ وحدانیت جو ہندو مذہب مین زائل ہوچکا تھا [illegible] کی کوششون سے پھر مقبول ہوا، اور کہا جاتا ہے کہ انھین تعلیمات نے رفتہ رفتہ ہندوؤن مین وحدانیت کا عقیدہ پھیلایا، اور ہندوؤن کے بعض موجودہ فرقے انھی تعلیمات کے رہین منت ہین، امید ہے کہ جناب زتشی صاحب کی یہ تالیف ہندوستان کے تمام حلقون مین دلچسپی سے پڑھی جائیگی، کتاب کی زبان نہایت صاف شستہ اور رواں ہے،

دہلی بارھوین صدی ہجری مین } مرتبہ جناب حکیم سید مظفر حسین صاحب حیدرآبادی حجم مجموعی ۱۶۶ صفحے، لکھائی چھپائی، اور کاغذ اعلیٰ، قیمت مجلد ہیے، غیر مجلد ستے، چھتہ بازار حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

نظام الملک آصفجاہ اول فرمانروائے دکن نے محمد شاہ (رنگیلے) فرمانروائے ہند کی طلبی پر مرہٹون کے سلسلہ مین ۱۱۵۱ھ مین دہلی کا سفر کیا تھا، اس سفر مین حیدرآباد دکن کے خانوادہ سالارجنگ کے ایک بزرگ نواب ذوالقدر درگاہ قلی خان سالارجنگ خاندوران، عہدہ داروغگی ہرکارہ پر سرفراز ہوکر فرمانروائے دکن کے ہمرکاب آئے تھے، موصوف نے اس سفر کے حالات وکوائف کو ایک رسالہ کی شکل مین قلمبند کر لیا تھا، یہ رسالہ خانوادۂ سالارجنگ مین محفوظ تھا، اسی کو جناب حکیم سید مظفر حسین صاحب حیدرآبادی نے ترتیب وتحشیہ کے ساتھ مرتب کیا ہے، رسالہ کی ابتدا مین مرتب نے ایک بسیط مقدمہ لکھا ہے، جسمین اولاً بارھوین صدی ہجری کے دہلی کا تعارف کرایا گیا ہے، پھر دہلی کی بنا وتخطیط کے حالات بیان کئے گئے ہین، اس کے بعد رسالہ کے مولف کا تعارف ہے، اور اس ذیل مین نام وخطابات اوصاف ذاتی، علم وفضل، اور وطن وسلسلۂ نسب کے تذکرہ کے علاوہ مولف کے آباؤاجداد اور اسلاف واخلاف کے عہد بعہد کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے، اور پھر اس خاندان کے شاہی اسناد، پروانے، عطیات، جاگیرون، اور شجرۂ نسب وغیرہ کے اصل متن کی نقلین یکجا درج کیگئی ہین، اور نیز رسالہ کا ایک سرسری خلاصہ درج کیا گیا ہے، اور جابجا متعلقہ اشخاص وغیرہ پر مختلف مفید تعلیقات وحواشی ثبت کئے ہین، یہ مقدمہ ۷۵ ، ۶، صفحون مین ختم ہوا ہے، اس کے بعد اصل رسالہ شروع ہوتا ہے، جو چند ابواب پر مشتمل ہے، اولاً قدوم دہلی کا تذکرہ کرنے کے بعد دہلی کے مزارات وآثار کا

ذکر ہے، اور اسی ضمن مین دہلی کے مختلف بازارون اور محلون کا تذکرہ آیا ہے پھر اس زمانہ کے دہلی کے باکمال فقرا و صوفیا کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسکے بعد دہلی کے اردو فارسی زبانون کے شعرا، اور مرثیہ خوانون کا ذکر ہے، پھر ایک باب مین ارباب نشاط کا تذکرہ نام بنام کیا گیا ہے، اور یہ باب طرزبیان کے لحاظ سے کسی قدر زیادہ شگفتہ اور رنگین ہے مرتب کے مقدمہ سے خاندان سالار جنگ کی تاریخ پر تفصیلی روشنی پڑتی ہے، اور رسالہ سے دہلی کے مذہبی ادبی معاشرتی، اور تمدنی حالات کی ایک جھلک نظر آتی ہے، رسالہ مین آرٹ پیپر پر چھپی ہوئی آٹھ نو عکسی تصویرین بھی منسلک ہین، جو خانوادۂ سالار جنگ کے مختلف بزرگون اور اون کی عمارتون وغیرہ پر مشتمل ہین،

اسلامی نظام تعلیم:۔ مترجمہ جناب فضل کریم خانصاحب، درانی بی اے ضخامت ۷۶ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۱۲؍، پتہ:۔ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ، لاہور،

ڈاکٹر ہانے برگ پروفیسر میونک یونیورسٹی نے ۱۹۳۵ء مین مسلمانون کے پانچوین چھٹی صدی ہجری کے نظام تعلیم پر ایک مختصر مگر پرمغز رسالہ بطور خطبہ پڑھا تھا جناب فضل کریم خانصاحب درانی نے اوسکو اردو مین "اسلامی نظام تعلیم" کے نام سے منتقل کیا ہے، مستشرق موصوف نے اس رسالہ مین اسلامی نظام تعلیم کے سلسلہ مین مدارس اور اونکی مختلف قسمین، اساتذہ اور اون کے مختلف درجے، طریق درس و املا، علمی و تعلیمی تحقیق و تدقیق کے طریقے اور ذریعے، اساتذہ و تلامذہ کے باہمی مراسم و تعلقات، عطائے اسناد کے مختلف طریقے، اساتذہ و تلامذہ کی جائے قیام اور ذرائع معاش وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے، اور اسی سلسلہ مین یورپ کے موجودہ نظام تعلیم مین اسلامی نظام تعلیم کے جو اثرات باقی رہ گئے ہین اُن کی جانب بھی اشارے کئے ہین، رسالہ اگرچہ مختصر اور اپنے موضوع کے لحاظ سے تشنہ ہے، اور بعض امور صحت کے لحاظ سے بھی محل نظر ہین، لیکن مستشرق موصوف نے غالباً اس موضوع پر سب سے پہلی مرتبہ قلم اوٹھایا تھا، اسلئے اسمین جو ابواب قائم کئے گئے ہین، اور تحقیق و تفحص سے اون مین جو مواد فراہم کیا گیا ہے اور جس ترتیب سے اون کو مرتب کیا گیا ہے وہ قابل قدر ہے، ہم جناب درانی کو اس مفید رسالہ کے ترجمہ پر مبارکباد دیتے ہین، امید ہے کہ اردو دان طبقہ مین یہ رسالہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا،

مشاہدات سائنس :- از جناب سید محمد عمر صاحب حسنی بی ای آئی ایم اے ای ای ، ضخامت ۲۲۴ صفحے تقطیع چھوٹی ، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ، قیمت ۱۲/ ، پتہ :- مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی یا انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ،

جناب سید محمد عمر صاحب حسنی انجینیر ریاست جوناگڈھ (کاٹھیاوار) اون اہل قلم مین ہین جنھون نے اردو زبان مین سائنس پر ابتدائی مضامین لکھ لکھکر اردو دان طبقہ کو علوم جدیدہ کی جانب مائل کیا ، موصوف جاپان اور جرمنی کی یونیورسٹیون کے تعلیم یافتہ ہین ، اور وہان کے کارخانون مین عملی تجربہ حاصل کر چکے ہین ، انھین اردو مین علوم جدیدہ پر لکھنے کا مذاق الہلال کلکتہ کے دور اول مین ہوا ، اور اوسکے سائنٹفک مضامین اور علمی خبرین زیادہ تر وہی لکھتے رہے ، اور پھر دوسرے رسالون مین بھی اکثر لکھتے رہے ، اب اونھون نے انھی مضامین کو ہمارے دوست قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڈھی کی تحریک سے رسالہ کی شکل مین یکجا شائع کیا ہے ، ابتدا مین قاضی احمد میان صاحب اختر کا لکھا ہوا ایک مختصر سا "تعارف" ہے جس مین مقالہ نگار کے حالات اور مقالات پر روشنی ڈالی گئی ہے ، اور پھر اصل مضامین شروع ہوتے ہین ، جو سائنس کے مختلف دلچسپ عنوانون "تحت الثریٰ کی سیر" "بچون کی نشو و نما" "قوت برق" "آسمانی بجلی" "دوربین" "برف باری" "روشنی کی رفتار" "نظام شمسی" اور "توپ کا گولہ" وغیرہ پر ہین ، ہمین ان مین سے اکثر مضامین کے پڑھنے کا اس سے پہلے رسالون مین اور بعض کا اسی مجموعہ مین اتفاق ہوا ہے ، طرز بیان نہایت سلیس اور سلجھا ہوا ہے ، اور حتی الامکان اصطلاحین کم لانے کی کوشش کی گئی ہے ، اگرچہ کہین کہین مباحث مسائل کی تشریح سے کسی قدر "ثقل" پیدا ہو گیا ہے ، اسی کے ساتھ موصوف کے دل مین اسلامی علوم وآداب کی عظمت موجود ہے ، مضامین مین جا بجا مسلمانون کی سائنٹفک مساعی کے حوالے آگئے ہین ، ہمین اردو زبان مین ایسے اہل قلم کی بڑی ضرورت ہے ، جو علوم جدیدہ کے خود ماہر ہون ، اور انھین اردو مین رائج کرنے والے ہون ، اسی کے ساتھ وہ مسلمانون کے قدیم علمی خدمات کے بھی قدردان ہون ، توقع ہے کہ یہ رسالہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا ،

احقاق حق، مصنفہ مولوی محمد ادریس خانصاحب نجیب آبادی ناشر جناب محمد ایوب خانصاحب منیجر عبرت نجیب آباد یوپی، ۴۸ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی معمولی ۴؍ کے ٹکٹ بھیج کر مل سکتی ہے،

گاندھی جی کی خود نوشت سوانح عمری "تلاش حق" جب اردو مین شائع ہوئی، تو اوس کو نجیب آباد کے چند علم دوستون نے پڑھا اور ان کے دل مین مذہبی حیثیت سے چند خدشات پیدا ہوئے، انہی کو مولوی محمد ادریس خانصاحب نے زیر تبصرہ رسالہ "احقاق حق" مین مرتب کیا، لیکن افسوس ہو کہ رفع خدشات کی بجائے جو خدشات اس رسالہ مین پیش کئے ہین، وہ زیادہ تر از خود پیدا کردہ ہین، دل کی آواز دل سے سمجھی جاتی ہو ورنہ منطقی دلیلون اور الفاظ کے گورکھ دھندون مین اصل مفہوم کچھ سے کچھ ہو جاتا ہی،

گلگشت دکن اور سیاحت آصفی ازمولوی محمد صبغت اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی محل حجم بہ ترتیب، ۴۸ و ۲۱ صفحے قیمت سیاحت آصفی ۴؍ مولف سے فرنگی محل لکھنؤ کے پتہ سے مل سکتی ہے،

"گلگشت دکن" کا تعلق مولف کے سفر حیدر آباد سے اور سیاحت آصفی کا تعلق حضور نظام کی سیاحت لکھنؤ سے ہی ان رسالون کے مولف مولوی محمد صبغت اللہ صاحب شہید انصاری ۱۹۳۱ء کے اواخر مین تین ہفتون کیلئے حیدر آباد گئے تھے، واپسی کے بعد وہان کے حالات و تاثرات کو روزنامہ حقیقت لکھنؤ مین چند قسطون مین شائع کیا، گلگشت دکن انہی مضامین کا مجموعہ ہی جسمین وہان کے نظام حکومت اور عام تمدنی، معاشرتی تعلیمی اور مذہبی حالات مختصر طور پر بیان کئے گئے ہین اور آخر مین "ریاست حیدر آباد مین ہندؤن کی حالت" کے عنوان سے ریاست کے ہندؤن کے عطایا، جاگیرون اور منصبون وغیرہ کے مفید اعداد و شمار بھی دیئے گئے ہین، اور رسالہ "سیاحت آصفی" مین حضور نظام کے سفر لکھنؤ کی روداد تاریخ وار مرتب کیگئی ہی جسمین بعض کوائف زیادہ نمایاں کرکے دکھائے گئے ہین،

پیام نور از مولوی عبد الوہاب صاحب مکی حجم ۲۰ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلیٰ، قیمت ۲؍ مولف سے محلہ بسون گرگھی محمڈن بلاک بنگلور کے پتہ سے مل سکتی ہے،

مولوی عبد الوہاب صاحب مکی نے جنوبی ہند کے دور دراز خطہ سے مسلمانون کے سامنے ایک مختصر نظم مین "پیام نور" کے نام سے اپنا پیغام عمل پہنچایا ہے، یہ نظم ۲۳ بندون پر مشتمل ہے جن مین چند ایسے امور بیان کئے گئے ہین جنکے امتثال سے موصوف کے خیال مین مسلمانون کے موجودہ دور زوال کا خاتمہ ہو سکتا ہے نظم شستہ اور رواں ہی،

"ص"

جلد ۳۰ | ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۳۲ء | عدد ۳

مضامین

الحمد للہ کہ سیرۃ النبی کی چوتھی جلد چھپکر تمام ہوگئی، اور امید ہے کہ وسط ستمبر تک خریداروں کے ہاتھوں میں پہنچ جائیگی، اس جلد کا عنوان منصب نبوت ہے، اسمین اولاً نبوت، منصب نبوت، اور آثار و لوازم نبوت پر تفصیلی بحث ہے، پھر ظہور اسلام کے وقت دُنیا کی اخلاقی و مذہبی حالت کا تاریخی مرقع ہے، پھر آنحضرت صلعم کے پیغمبرانہ کارناموں پر ایک تبصرہ ہے، اور اُن کو عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات کے چار حصوں مین تقسیم کرکے عقائد کے بیان کی تشریح شروع ہوتی ہے، اس سلسلہ مین اہل عرب کے غلط عقائد کی تردید اور اسلامی عقائد کی ایک ایک کرکے تفصیل ہے، پہلے خدا، پھر ملائکہ، کتب الٰہی، انبیاء، جزا و سزا، اور قضا و قدر پر مفصل مباحث ہین، کتاب کی ضخامت تقریباً سات سو صفحون کی ہے،

سیرۃ کے علاوہ اس وقت دار المصنفین مین تین اور کتابین زیر طبع ہین، اور امید ہے کہ چند مہینوں مین وہ بھی منظر عام پر آجائین، ایک تو سسلی کی اسلامی تاریخ کی پہلی جلد ہے جس کی ضخامت چار سو صفحون کی ہوگی، اسمین سسلی کا جغرافیہ، اسکی تاریخ، بحر روم مین اسلامی فتوحات، جزائر پر حملے، سسلی پر قبضہ اور پھر سسلی کی اسلامی حکومتون کی مفصل تاریخ عروج و زوال ہے، اسکی دوسری جلد مین سسلی کی اسلامی تمدنی و علمی ترقیان اور وہان کے ارباب کمال کی سوانحعمریان ہونگی،

دوسری کتاب سیر الصحابہؓ کی وہ جلد ہے جسمین اُن چار صحابیون کا حال ہے جنکو خلفائے اربعہ کے بعد امامت و خلافت کے دعوون سے تعلق رہا ہے، اور وہ حسنین علیہما السلام، امیر معاویہؓ، اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہین، یہ جلد خصوصیت کیساتھ اہم ہے، کوشش کیگئی ہے کہ اس مین تاریخ اسلام کی ابتدائی پیچیدگیون کو حل کیا جائے،

تیسری کتاب کا نام خیام ہے، یہ حقیقت مین اڈیٹر معارف کا ایک علمی مقالہ ہو، جو دسمبر ۱۹۳۰ء کی اورنٹیل کانفرنس مین پیش کیا گیا تھا، اب اسی کو رباعیات کے مباحث بڑھا کر کتاب بنا دیا گیا ہو، خیال ہو کہ اس کے آخر مین خیام کے چند غیر مطبوعہ رسائل اور اُس کے رباعیات کا ایک نیا نسخہ چھاپا جائے،

یورپ کے بعض مستشرقین نے ہمارے علم حدیث پر جو کتابین لکھی ہین، وہ تمامتر ناقص اور غلط فہمیون مین ڈالنے والی ہین، ضرورت تھی کہ کوئی ایسا شخص جو دونون طرف سے واقف ہو اس پر قلم اٹھائے، یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی، کہ ڈاکٹر زبیر صدیقی مولوی فاضل ایم اے، پی ایچ ڈی (کلکتہ یونیورسٹی) نے عزم کیا ہو کہ وہ اس موضوع پر انگریزی مین ایک کتاب لکھین، چنانچہ انھون نے اس کیلئے مواد کی فراہمی شروع کردی ہو، اور تین لکچر تیار کر چکے ہین، بقیہ کے لیے کتابون کے مطالعہ مین مصروف ہین، دعا ہے کہ موصوف کو اپنی اس کتاب کی تالیف مین پوری کامیابی نصیب ہو، اور وہ علم کی خدمت کیساتھ اسلام کی خدمت بھی انجام دین،

لوگون کو اخبارات سے معلوم ہوا ہوگا کہ رنگون (برما) کے ایک مشنری اسکول سینٹ جبریل ہائی اسکول کے میگزین مین اڈیٹر کی طرف سے بطور سوال کے مسلمانون کیلئے ایک صد درجہ دل آزار شذرہ شائع ہوا ہو جسمین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعۂ ارتحال کو نعوذ باللہ شراب پی کر بدمست ہو کر گرنے، اور لاش مبارک کو خنزیر کے کھا جانے کا نتیجہ لکھا ہو، (استغفر اللہ) افسوس ہو کہ عیسائیون کے عہد جاہلیت کے خیالات اس علم و روشنی کے زمانہ مین بھی باقی ہین، حالانکہ یہ عیسائیون کی حماقت و جہالت کے اُن قابل افسوس حصون مین سے ہو، جنکے ذکر پر ہر لکھے پڑھے عیسائی کا سر ندامت سے جھک جاتا ہے، اور جب سے اہل یورپ مین اسلامی تاریخ کے براہ راست مطالعہ کا شوق پیدا ہوا ہو اس قسم کے اکاذیب کا دفتر از خود انھون نے چاک کر دیا ہے،

بہرحال اب اصل سوال یہ ہو کہ مخالفین کیطرف سے اس قسم کی شرارتون کا سلسلہ کبتک جاری رہیگا، اور قانون کبتک اس قسم کے شریرون کو موقع دیتا رہیگا، اور مسلمان اپنی نا اتفاقیون کی قوت سے کبتک اس شرارت کو بڑھنے کا موقع دیتے اور قانونی چارہ جوئیون سے بچتے اور شریرون کی معافی کا اعتبار کرتے رہینگے،

مثال کیلئے کسی مدعی کفر کی نہین بلکہ خود ایک مدعی اسلام کی مثال سب سے تازہ ہے، اڈیٹر نگار نے اپنے ملحدانہ مضامین سے بصدق دل توبہ کا اعلان کیا، اور آیندہ مذہبی مضامین کے عدم اشاعت کا شریفانہ وعدہ کیا، اس اعلان اور وعدہ کو اپنے رسالہ مین بار بار چھاپکر شائع کیا، اس پر کچھ مسلمانون نے تحریراً اور اکثرون نے عملاً اُسکو معاف بھی کر دیا، مگر پھر بھی وہ "شریف مسلمان" اپنے ملحدانہ مضامین ابتک اسی طرح شائع کرکے اپنے اسلام اور شرافت کا برملا اعلان کر رہا ہے، اور نادانون مین اپنے کھوے ہوئے اقتدار کی بحالی کے لیے دوبارہ کوشان ہے،

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی مجلس تالیف و اشاعت نے جس کا نام اب اردو اکاڈیمی ہے، ایک سال سے نئی سرگرمی ظاہر کی ہے، اس سلسلہ مین اس نے یہ قاعدہ بنایا ہے کہ جو چوبیس روپیے سال دیکر ہر شخص اس مجلس کا رکن ہو سکتا ہے، اور اسکو مجلس اپنی یا دوسرے ادارون کی چھپی ہوئی کتاب ہر سال پیش کیا کریگی، جامعہ مخلص نوجوانون کی کوششون کی جولانگاہ ہے، ضرورت ہے کہ ہر حیثیت سے انکی امداد کیجائے، اور اسطرح ایک ایسی امداد کا طریقہ آپکو ہاتھ آتا ہے جس سے آپ ہم خرما و ہم ثواب کے مستحق بنینگے، امید کہ اہل علم اور اہل درد مسلمان اکاڈیمی کے اس اپیل کی طرف توجہ فرمائین گے،

مصر مین مطبع معارف ایک مشہور علمی مطبع ہے، ۱۸۹۰ء مین چند علم دوست مصریون نے اسکی بنیاد ڈالی تھی، بڑے بڑے مصنفین نے اسکے ہان اپنی کتابین چھپوائین، وزراے تعلیمات نے اسکی ہمیشہ ہمت افزائی کی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسوقت مصر کے سب سے بہتر سب سے اعلیٰ سب سے خوبصورت اور صحیح چھاپنے والا مطبع بنگیا، گذشتہ سال ۱۹۳۱ء مین اس نے اپنے کامون کی ایک نہایت صاف و خوبصورت روداد نہایت عمدہ کاغذ پر شائع کی ہے، جسمین جدت یہ کیگئی ہے کہ مطبع کی تاریخ کیساتھ ان مصنفین کے سوانح اور تصویرین دی ہین جنکی تصنیفات ان کے مطبع مین چھپی ہین، مطبع معارف مصر نے اپنی یہ رپورٹ اور مطبوعات کی فہرست مطبع معارف ہند کے نام بھیجی ہے اس مناسبت رسمی کی بنا پر مطبع معارفِ ہند، مطبع معارف مصر کا شکریہ ادا کرتا ہے،

مقالات

ایمان وعمل

از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرؔویز، ہوم ڈیپارٹمنٹ شملہ

زمانہ ترقی کررہا ہے اور نہایت برق رفتاری کیساتھ، ظاہر ہی کہ اس تگ و دو جہد للبقا مین ایک عملی انسان کے راستہ مین جو روڑے بھی آئین گے وہ انھین ٹھکراتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائیگا، سب سے پہلے یورپ نے اپنی مادی ترقی کے راستہ مین مذہب کا پہاڑ دیکھا جس نے صدیون سے ان کے قوائے عملیہ کو معطل و مفلوج بنا رکھا تھا، اعتقادات مین تین مین ایک اور ایک مین تین کی گتھی کو کوئی فلسفہ سلجھا نہ سکتا تھا، عملی زندگی مین ترکِ علائق اور "ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا گال آگے کر دینے" کے اصولِ حیات ایک قدم بھی ان کیساتھ نہ چل سکتے تھے، وہ ایک سکنڈ کے لیے رُکے، رک کر فیصلہ کیا، اور اپنے مستحکم ارادے کی ایک جنبش سے اس سدِّ راہ کو الگ کر کے رکھدیا اور مستانہ وار اپنی دھن مین آگے بڑھ گئے، ہندوستان مین بھی اس کا احساس پیدا ہو رہا تھا کہ جن طبیعی ذرائع کو مسخر کر کے ہزارون کام لیتے ہین، انھین معبود بنا کر کبتک کام چلیگا، یورپ کے فیصلے نے ان کے لیے بھی راہِ عمل کھولدی اور چند ہی سالون مین ہندوستان مین مختلف سماجون کے نام سے دنیائے عمل مین حرکت پیدا ہونی شروع ہوگئی، اسلام کی حقیقت سے واقفیت رکھنے والے دل خوش تھے کہ زمانہ نے خود وہ موقع پیدا کردیا ہے کہ اسلام کی حقانیت لوگون پر خود بخود ظاہر ہو جائے اور اسلام کے اس دعوی کی تصدیق ہو جائے کہ واقعی دیگر شریعتین ناممل اور وقتی تھین، اور زمانہ کی ترقی کے راستہ مین دیگر ادیان کی جب یہ حالت ہو جائے

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے

اس وقت اسلام اور صرف اسلام کو یہ فخر حاصل ہوگا کہ اسے اپنے عجز اور درماندگی کا اعتراف نہین کرنا پڑیگا،

اس لیے کہ مادی ترقی اسی ایک اصول پر ہو رہی ہے کہ مخلوقاتِ عالم مین سب کچھ حضرت انسان کے تابع فرمان ہے، اور قرآن کا مدت سے یہ فیصلہ چلا آتا ہے کہ وسخر لکم مافی السموات والارض جمیعًا، یعنی پستیون اور بلندیون مین جو کچھ ہے سب انسان کے تابع فرمان ہے، اور علم آدم الاسماء کلہا، اور حضرت انسان کو تمام اشیا کی حقیقت کا علم دیدیا گیا ہے، اس سے بڑھکر ترقی کا اصول ادا کیا ہوگا، دنیا ترقی کرتے کرتے کسی دوسرے جہان مین بھی کیون نہ پہنچ جائے اسلام کا پیش کردہ مطمح نگاہ اس سے بھی آگے ہوگا، لیکن افسوس آج مسلمانون کے طرزِ عمل نے اسلام کو بدنام کردیا، دیگر اقوامِ عالم نے مذہب سے بیزاری اور برأت کا نام آزاد خیالی اور وسیع المشربی رکھا، یہ الفاظ بڑے دلفریب اور خوش آیند ہین، ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ نے یہ تو نہ دیکھا کہ انھون نے کس ضرورت سے مجبور ہوکر مذہب کو تیاگ دیا ہے، یہ سمجھنے لگے کہ واقعی آزاد خیالی اور وسیع المشربی انسان کے لیے طرۂ امتیاز ہے، انھون نے بھی اپنے مذہب سے بیزاری شروع کردی، یہ برأت فروعات تک ہی رہتی تو بھی خیر تھی، لیکن تقلیدِ مغرب کے غیر محسوس اثر نے وہ کام کیا کہ انھون نے اصل دین کو بھی خیرباد کہہ دیا، اور جس وقت دنیا چارون طرف سے مایوس ہوکر سمٹتی سمٹاتی اسلام کے قریب ہوتی چلی آرہی تھی یہ اسلام سے دور الگ جا کھڑے ہوئے، اسلام مین ایمان یا عقیدہ اصلِ دین ہے، لیکن آزاد خیالی نے یہ قید بھی ناقابل برداشت خیال کی، ایکطرف سے آواز آنے لگی کہ

ہے رہنمائے خلق عمل جس کے نیک ہون ۔۔۔ کافر ہو وہ عقیدہ مین یا دیندار ہو

یا

بہتر ہے گر عمل سے عقیدہ برا کرے ۔۔۔ ایسے سبق ہمین نہ پڑھایا کرے کوئی

دوسری طرف سے نعرہ بلند ہوا کہ

"ایک نیکوکار مشرک کو محض اسلئے مستوجب سزا کیون قرار دیا جائے کہ اس نے بتون کے آگے گردن جھکائی تھی" (نیاز فتحپوری)

یہ اخلاقی تعلیم جسکا ملخص یہ ہے کہ نجات کے لیے ایمان کی کوئی ضرورت نہین بلکہ محض حسنِ عمل ہی کافی ہے، بظاہر بڑی دلفریب تھی، قرآن سے ناواقف مسلمانون پر اپنا اثر کر گئی، اور جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان "مسلم برہمو سماجیون" کی ایک اچھی خاصی جماعت پیدا ہوگئی ہے، ان آزاد خیال حضرات مین سے کچھ لوگ تو اس ذہنیت کے ہین،

کہ اگر ان سے کہا جائے کہ یہ خیال قرآنی تعلیم کے یکسر منافی ہے تو وہ صاف کہدیتے ہین کہ اگر قرآن ایسی ہی تنگ نظری کی تعلیم دیتا ہے تو ہمین اسکی ضرورت نہین، ہمارے نزدیک تو مذہب نام ہے معقولیت پسندی کا اور جو چیز ہماری عقل کی کسوٹی پر پوری نہین اترتی ہم اسے ماننے کے لیے تیار نہین، گویا وہ چاہتے ہین کہ قرآن کو انکی انفرادی عقل یا ان لوگون کی عقل کو جو ان کے ہم خیال ہون تابع ہونا چاہیے،

مگر ظاہر ہے کہ انفرادی طور پر ہر شخص کی عقل عمر کے مختلف منازل مین یکسان نہین رہتی، اور اجتماعی طور پر ہر زمانے مین بھی عقل کا معیار ایک نہین ہوتا بدلتا رہتا ہے، اسلئے اس کے دوسرے معنی یہ ہین کہ قرآنی حقائق بھی اسی طرح تغیر پذیر ہوتے رہین جیسے جیسے ان کی عقل مین کمی بیشی ہوتی رہی،

لیکن ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اس ضرورت کو تسلیم کرتی ہے کہ دین کے معاملہ مین کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے کیلئے قرآنی احکام ہر حال مین ہمارے لئے واجب التسلیم ہونے چاہئین لیکن پھر مذکورۂ بالا عقیدہ کی بھی پرزور تائید کرتی ہے، اول الذکر جماعت کے لیے جو محض عقل کے معیار پر اس مسئلہ پر بحث کرنا چاہتی ہے، اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، معارف کے صفحات مین سید سلیمان صاحب کا ایک بصیرت نواز مقالہ شائع ہو چکا ہے، اودھر مولانا عبد الماجد صاحب نے اپنے مخصوص فلسفیانہ انداز مین ضرورت ایمان پر ایک مبسوط مضمون سپرد قلم فرمایا، جو سچ مین شائع ہو چکا ہے، لیکن حیرت ہے کہ مؤخر الذکر طبقہ کے اکثر احباب اس غلط فہمی مین مبتلا ہین کہ قرآن کریم بہ صراحت اس عقیدہ کو باطل نہین ٹھہراتا، ذیل کی چند سطور مین یہ دکھانے کی کوشش کیجائیگی کہ قرآن کریم کا اس ضمن مین صریح اور واضح فیصلہ کیا ہے، اور مقصد اس سے یہ ہے کہ جو لوگ فی الواقع قرآنی تعلیم کو غلط سمجھے ہوئے ہین، انکی غلطی کا ازالہ ہو جائے اور جو لوگ دیدہ و دانستہ قرآن کی آڑ مین لوگون مین یہ باطل عقیدہ پھیلانا چاہتے ہین، لوگون پر انکی حقیقت واضح ہو جائے۔

عشق آزر و خلیل اللہ زآذر چہ عجب   یا صمد گوے شود گر صنم از نیشۂ ما

قرآن حکیم مین بعض احکام مجمل طور پر بیان ہوے ہین جنکی صراحت کے لیے قرآن ہی کے دیگر مقامات یا اسوۂ نبی اکرم صلعم کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، لیکن اکثر حقائق ایسے واضح اور کھلے کھلے ہین کہ ان مین کسی تاویل

کی گنجایش نہین، ایمان و عمل قرآن کا مخصوص مضمون ہے، اور مین تو کہونگا کہ اگر قرآن کو اس نقطۂ خیال سے ایک دفعہ پڑھ لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ جو پیغام قرآن کی وساطت سے اہل عالم کو بھیجا گیا ہے، وہ محض ایمان و عمل ہے، اور اسی ایک چیز کی اشاعت کے لیے اسلام کا وجود دنیا مین آیا ہے، قرآن کریم مین جس کثرت سے اٰمنوا اور اعملوا کا حکم آیا ہو، شاید ہی کہین اور ملے ان مین کوئی مقام ایسا نہین ملیگا جسمین اعملوا کا حکم ہو اور اس سے قبل اٰمنوا کی تاکید نہ ہو، یا جہان انعاماتِ خداوندی کا ذکر ہو، دین و دنیا مین فلاح و بہبودی سرخروئی وکامرانی کا وعدہ ہو، اور اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے دونون ٹکڑے عاطف و معطوف نہ ہون، کوئی ایسی جگہ نہین ملیگی جہان صرف عملوا الصلحت کو نتائج حسنہ مرتب ہونیکا ذریعہ قرار دیا ہو، یہ ہے تاکید عملوا الصلحت کے ساتھ ایمان کی، اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم نے بنیادی چیز یعنی اصل ایمان کو قرار دیا ہے نہ کہ اخلاق کو، اور جن لوگون کا نظریۂ اخلاقی تعلیم ہے وہ قرآن کے بنیادی اصول کے بالکل برعکس جاتے ہین،

اب یہ دیکھنا ہے کہ اعمال بلا ایمان کی حقیقت قرآنی زاویۂ نگاہ سے کیا ہے، بظاہر یہ اصول بڑا خوش آئند معقول اور دلفریب معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص سے جب نیک اعمال سرزد ہوتے ہین تو اُسے ان اعمال کی جزا کیون نہ ملے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ قرآن ان اعمال کو کچھ وقعت بھی دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک انکی کچھ اصلیت اور حقیقت بھی ہے،

(۱) ارشاد ہوتا ہے،

مثل الذین کفروا بربھم اعمالھم کرماد	جو لوگ اللہ پر ایمان نہین رکھتے انکی مثال یون سمجھو کہ
واشتدت بہ الریح فی یوم عاصف ما	انکے اعمال راکھ کیطرح ہین جسپر کسی طوفان کے روز تند تیز
لایقدرون مما کسبوا علی شیئ	ہوا چلے، انکو اپنے اعمال پر کچھ بھی مقدرت حاصل نہ ہوگی
ذالک ھو الضلٰل البعید (سورۂ ابراہیم ۱۸)	اور یہ انکی سخت گمراہی ہے،

(۲) دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ تفصیل کیساتھ مذکور ہے،

والذین کفروا اعمالھم کسراب بقیعۃ	جو لوگ ایمان نہین رکھتے انکے اعمال ایک صحرا مین سراب
یحسبہ الظمان ماء حتی اذا جاءہ لم	کیطرح ہین، جسے ایک پیاسا پانی سمجھتا ہے، (اور اسکی طرف
یجدہ شیئا ووجد اللہ عندہ فوفہ	جاتا ہے لیکن) جب اسکے پاس جاتا ہے تو وہان کوئی (اصل)
حسابہ، واللہ سریع الحساب، او کظلمت	چیز اسے نظر نہین آتی (البتہ) اللہ تعالی اسے وہان نظر آتا ہے
فی بحر لجی یغشٰہ موج من فوقہ موج	اور وہ اُسے اسکا حساب پورا پورا دیتا ہے، کیونکہ وہ بہت
من فوقہ سحاب، ظلمت بعضھا فوق	سریع الحساب ہے، یا (اُنکے اعمال) ایک بحر ذخار مین گھٹاٹوپ
بعض اذا اخرج یدہ لم یکد یرٰھا	اندھیرے کی طرح ہین جہان موج پر موج متلاطم ہو اور
ومن لم . . . . . (سورہ نور ۴۰-۳۹)	ان کے اوپر بادل تو بر تو ظلمات اور اندھیرا، جب وہ اپنا ہاتھ
	باہر نکالے تو سجھائی نہ دے (اور حقیقت یہ ہے کہ) جسے اللہ

فرمائیے اس سے زیادہ ان کے اعمال کی بے مائگی اور عدم حقیقت کی اور کیا مثال ہوسکتی ہے، اور اس سے زیادہ واضح طریق بیان انکی خود فریبی ظاہر کرنے کا اور کیا ہوسکتا ہے، ان آیات کی موجودگی مین ایمان کے بغیر اعمال کو کوئی اہمیت دینا یا انھین وقیع اور حقیقی خیال کرنا کبھی قرآنی تعلیم کے مطابق ہوسکتا ہے،

یہ تو ہوا کہ ان کے اعمال کی حقیقت کچھ نہین، اب یہ دیکھئے کہ ان کے اعمال حسنہ، غارت کس طرح ہوجاتے ہین جسے ہم انگریزی مین کہین گے (TO BECOME NULL)

(۳) سورۂ آل عمران کی ۲۱-۲۰ آیات مین مذکور ہے:-

ان الذین یکفرون بآیات اللہ . . .	جو حق باریتعالی پر ایمان نہین لاتے . . . . یہ وہ لوگ ہین
اولئک الذین حبطت اعمالھم فی الدنیا	جنکے اعمال اکارت گئے، دنیا اور آخرت مین، اور اُن کا
والاخرۃ وما لھم من نصرین،	کوئی مددگار نہین،

یہ لوگ عام طور پر کہا کرتے ہین کہ آخرت مین جب تمام نیک و بد اعمال کا موازنہ ہوگا، تو جس شخص کے ایمان کے

بغیر اعمال حسنہ ہونگے، ان اعمال کا بھی تو موازنہ ہوگا، اور ان کا عروۃ الوثقیٰ یہ آیت ہوتی ہی کہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ، ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ، کہ جس نے ذرہ بھر بھی نیکی یا بدی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لیگا، یہ حکم بالکل برحق ہے، لیکن غور طلب امر یہ ہے، کہ جس چیز کو آپ عمل خیر قرار دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے وجود کو بھی تسلیم کرتا ہی یا نہیں، پہلی دو آیات مین ہم نے دیکھ لیا ہے کہ ان اعمال کو راکھ یا سراب قرار دیکر واضح کر دیا ہے کہ انکی حقیقت ہی کچھ نہیں جب انکی حقیقت ہی مسلم نہیں تو ان کا موازنہ کیسا، جب اعمال غارت ہی ہو گئے تو ان کا صلہ کہاں سے لازم آئیگا، اس حقیقت کو دوسری جگہ زیادہ وضاحت سے بیان فرمایا ہے، اور یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ان اعمال کے لیے میزان ہی قائم نہ ہوگی، ملاحظہ فرمائیے،

۴۔ قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا	اے رسول (اکرم صلعم) اُنسے کہئے کہ آؤ تمھین ان لوگون کی
. . . .	خبر دین جو اپنے اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ نقصان مین
. . . .	ہین، یہ وہ لوگ ہین جنکی مساعی اسی دنیا مین نامشکور ہوئین
. . . .	درانحالیکہ وہ (بزعم خود) سمجھتے تھے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے
. . . .	ہین، یہ وہ لوگ ہین جو اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے حضور
. . . .	مین حاضر ہونے پر ایمان نہین رکھتے، پس انکے اعمال غارت
. . . .	ہو لئے، اور قیامت کے دن انکے لیے میزان تک کھڑی نہین
. . . .	کیجائیگی، ان کی سزا جہنم ہوگی، کیونکہ وہ ہماری وحی پر ایمان
. . . .	نہین رکھتے تھے، اور وحی اور ہمارے رسولون پر استہزار
. . . .	کرتے تھے، (لیکن) جو لوگ ایمان لائے اور (اسکے بعد)
. . . . . . عنھا حولا،	عمل صالح کئے انکے لیے فردوس برین تیار ہے، وہ اسمین
(کھف ۱۰۷-۱۰۳)	رہینگے اور وہان سے نکلنے کی کبھی خواہش نہ کرینگے،

کیا اس مین کسی تاویل کی گنجایش ہے،

اور دیکھئے، عام طور پر ایمان نہ رکھنے والون کے اعمال حسنہ جو ہماری آنکھون کو خیرہ کئے دیتے ہین انکی خیرات ہوتی ہے وہ مال خرچ کرتے ہین، سبیلین لگاتے ہین، مویشیون کے پانی پینے کیلئے نل لگاتے ہین، اور کئی قسم کے خیراتی فنڈون مین روپیہ دیتے ہین، یا اپنے طریق پر معابد مین بھی جاتے ہین، یہ وہ اعمال ہین جنکے لیے کہا جاتا ہے کہ کوئی وجہ نہین کہ یہ رائگان جائین، آیئے دیکھین قرآن شریف اس بارہ مین کیا حکم دیتا ہے،

۵- یا ایھا الذین امنوا لاتبطلوا صدقتکم	اے ایمان والو اپنی خیرات کو احسان و ایذا رسانی سے
بالمن والاذی کالذی ینفق مالہ رئاء	رائگان نہ کرو، اس شخص کی طرح جو محض دکھاوے کے لئے اپنا
الناس ولا یومن باللہ والیوم الاخر	مال خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہین
. . . .	رکھتا، اسکی مثال ایک ایسی ہموار چٹان کی سی ہے جس پر کچھ
قوم الکفرین، (بقرہ ۲۶۴)	مٹی پڑی ہو جب اس پر زور کی بارش ہو تو وہ مٹی بہا کر لیجائے
	اور چٹان صاف کی صاف دھری رہجائے، انکو اپنے اعمال سے کچھ فائدہ

[illegible] اور اللہ تعالیٰ [illegible] ہدایت نہین دیتا،

اس کے بعد صاحب ایمان کے انفاق فی سبیل اللہ کی تمثال دی ہے کہ اس کا مال صرف کرنا گویا ایک باغ پر بلند سطح زمین پر، جسپر اگر زور کی بارش ہو تو دگنا پھل لاتا ہے لیکن اگر زور کی بارش نہ بھی ہو اور ہلکا سا ترشح ہی ہو جائے تو وہ بھی کافی ہوتا ہے، اور تو اور حاجیون کو پانی پلانا اور خانہ کعبہ کی محافظت اور خدمت جیسے اعمال حسنہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے،

۶- اجعلتم سقایۃ الحاج	کیا تم خیال کرتے ہو کہ حاجیون کو پانی پلانا اور خانہ کعبہ کی
. . . .	خدمت اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے اور اسکے راستے مین
. . . .	جدوجہد کرنے کے برابر ہے یہ ہرگز نہین، اللہ تعالیٰ کے نزدیک
قوم الظلمین، (برأت ۱۹)	یہ قطعی برابر نہین ہین، اور اللہ زیادتی کرنیوالون کو
الذین امنوا	جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہجرت کی اور مال و جان سے

ہدایت نہین دیتا،

فائزون ، | اسکے راستہ مین جہاد کیا، اللہ کے نزدیک انکے نہایت بلند درجے
(برأت ۲۰) | ہین، اور یہی لوگ حقیقی معنون مین فائز المرام ہین ،

دیکھ لیجئے اعمال بلا ایمان اور بالا یمان کا تقابل و توازن، یہ تو تھوڑی سی خیرات کا ذکر ہے، دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے ،

۷- ان الذین کفروا لو ان لھم مافی	جو لوگ ایمان نہین رکھتے اگر انکے پاس جو کچھ زمین مین ہے وہ
الارض جمیعا ومثلہ معہ لیفتدوا بہ	سب کا سب اور اتنا ہی اور ہوتا کہ عذاب قیامت کا فدیہ
من عذاب یوم القیمۃ، ما تقبل منھم	ہو جائے، کبھی قبول نہین کیا جائیگا، عذاب اور دردناک
ولھم عذاب الیم ، (مائدہ - ۳۶)	عذاب تو ان کو مل کے ہی رہیگا ،

یہ تو ان لوگون کا ذکر ہے جو ایمان لائے ہی نہین، ان لوگون کا حال سنیے جو ایک وقت مین ایمان لائے اعمال صالحہ کئے، لیکن بعد مین اس ایمان سے پھر گئے، ان کے متعلق حکم ہوتا ہے ،

۸- ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت	اور جو تم مین سے اپنے دین سے پھر جائے اور اس حالت
وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم	مین مرجائے کہ وہ ایمان نہ لایا ہو، پس اسکے تمام اعمال دنیا
. . . .	اور آخرت مین رائگان گئے، وہ جہنم مین جائیگا، او
خالدون ، (بقرہ ۲۱۷)	وہین رہیگا ،

ان سے زیادہ روشن، صریح اور واضح نصوص قرآنی اور کیا ہو سکتی ہین ،

ایک مسلمان کے لیے قرآنی حکم کے بعد کسی مزید سند کی ضرورت باقی نہین رہتی، لیکن چونکہ یہ تقاضائے بشریت ہے کہ کوئی حکم اگر معقول طور پر بھی سمجھ مین آجائے تو مزید تقویتِ ایمانی کا باعث ہوتا ہے، اس لیے مین یہان مختصراً یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہون کہ قرآن نے جو اعمال بلا ایمان کی کچھ قدر و قیمت مقرر نہین کی، اور ایمان جانے کیساتھ ہی تمام اعمال کو بے معنی اور رائگان قرار دیا ہے، جو صاحب عمل کے لیے کسی صورت مین

بھی نفع رسان نہیں ہوسکتے، یہ کوئی تنگ نظری نہیں ہے بلکہ دنیا کے عمل میں روز یہی کچھ ہوتا ہے، اور ہر جگہ نہ صرف
جائز بلکہ ضروری سمجھا جاتا ہے، آج قہرمانیت اور استبداد کا دور نہیں، دنیا کے قریب قریب ہر گوشہ میں مہذب
حکومتیں قائم ہیں، قانون اور معدلت گستری ان کا اساس ہے، کسی سے حکومت یا بادشاہِ وقت کا بے معنی رعب
منوانا مقصود نہیں ہوتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت کو حکومت تسلیم کرنا کس قدر ضروری سمجھا جاتا ہے، ایک
شخص نہایت پرامن زندگی بسر کرتا ہے، تمام حقوقِ شہریت جو اس پر عائد ہوتے ہیں بحسن و خوبی ادا کرتا ہے، ساری
عمر میں کوئی کام خلافِ قانون اس سے سرزد نہیں ہوتا، کبھی کسی جرم کا مرتکب نہیں ہوتا، خیرات کرتا ہے، غریبوں
اور یتیموں کی پرورش کرتا ہے، کسی کو ستاتا نہیں، غرضیکہ "اخلاقِ حسنہ" کا مکمل نمونہ ہے، لیکن کبھی حکومت کو
یہ شک گذرتا ہے کہ حکومت یا بادشاہ کے خلاف اس کے دل میں جذبۂ منافرت ہے (اس حکومت کو حکومت تسلیم
نہ کرنا یا اسکی بجائے کسی اور حکومت یا بادشاہت کو برسرِ اقتدار دیکھنے کی خواہش کرنا تو بہت بڑی بات ہے)
قرائن سے حکومت کو پتہ مل جاتا ہے کہ یہ درست ہے، تو اس حکومت کے قانون کے رو سے سب سے زیادہ
سنگین سزا اگر کسی کو مل سکتی ہے تو اس کا مستوجب یہ پرامن انسان ہوگا، تختۂ دار پر لٹکا دیا جائیگا، عبورِ دریائے
شور کر دیا جائیگا، جیل خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں بند کر دیا جائیگا، جائداد ضبط کر لیجائیگی، اور جو اس کا
ہم خیال ہوگا، یا جس سے ہمدردی کا اظہار کریگا وہ بھی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا نظر آئیگا، اور یہ حقیقت کہ اُسنے
اپنی تمام عمر میں اس قدر نیک اعمال سر انجام دیئے ہیں، ذرہ بھر بھی اس کے لیے سفارش نہ کرینگے، دنیا کی مہذب
سے مہذب حکومت اسے جائز، جائز ہی نہیں ضروری بلکہ اشد ضروری سمجھتی ہے، اور کوئی شخص اسے تنگ نظری
قرار نہیں دیتا، اس کے "اعمالِ حسنہ" کی کوئی قیمت نہیں پڑتی اور کوئی اسے "غضب" نہیں سمجھتا، اور تو
اور جو لوگ انقلاب برپا کرکے کسی نظامِ حکومت کو پلٹ کے رکھدیتے ہیں، جب خود ان کی حکومت آتی ہے تو وہاں
بھی یہ قانون موجود ہوتا ہے، اور دنیا کی تاریخ ایسی ایک نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، جہاں حکومتِ وقت کے
یہاں ایسا قانون موجود نہ ہو، اور اُسے ضروری قرار نہ دیا گیا ہو، بڑے سے بڑے عادل، نرم دل، رعایا پرور

حکومت کو خلق اللہ کی خدمت سمجھنے والے بادشاہون کے یہان بھی یہ قانون موجود رہاہے، اور آج بھی موجود ہے، کیا یہ وہی چیز نہین جسے مذہب کی زبان مین "ایمان" کہا گیا ہے، دنیاوی حکومتین چھوٹے چھوٹے قطعاتِ ارض پر ہوتی ہین، لیکن اس تمام نظامِ عالم کو قائم رکھنے کے لیے ایک بڑی حکومت کی ضرورت ہے، اور وہ حکومت اس احکم الحاکمین کی ہے، ہر چند اس حاکم اعلیٰ کا مقصد یہ نہین کہ لوگ اسکے رعب کو مانین یا وہ (خاکم بدہن) جور واستبداد سے اپنی حکومت کو محض نشۂ حکومت کی غرض سے منوائے، کیونکہ اس کا فرمان ہے کہ اگر تمام روے زمین کی مخلوق اسکی حکومت کی قائل ہو جائے تو اسکی شانِ کبریائی مین ایک ذرہ بھر کا بھی اضافہ نہین ہوگا،

اسی لئے حکم ہوتا ہے،

یمنون علیک ان اسلموا . . . یہ سمجھتے ہین کہ مسلمان ہونے سے تم انکے زیر بار احسان ہوائے

. . . کہدیجئے کہ تمھارے اسلام سے مجھ پر کوئی احسان نہین ہوتا

. . . . . . بلکہ اس سے تو اللہ تعالیٰ کا احسان تمھاری گردنون پر ہے کہ

صادقین (حجرات ۔) جس نے تمھین ایمان، ہدایت کا راستہ دکھایا، اگر تم سچے ہو،

اور اگر سب لوگ اس سے منکر ہو جائین تو اسکی حکومت مین ایک شمہ بھر کی کمی نہین آسکتی لیکن چونکہ وہ رؤف بالعباد ہے اور دنیا کا نظام اسکی فطرت و معدلت پر قائم رکھنا ضروری ہے اس لیے وہ ایک رعایا پرور بادشاہ کی طرح اس نظام حکومت کا استحکام و بقا ضروری سمجھتا ہے، لہذا جو شخص اسکی حدود سلطنت مین ہے، اس پر اسکی حکومت کا وجود تسلیم کرنا ضروری ہے، اور جو اس کے خلاف جائے اسکو سخت سے سخت سزا دینا نہ صرف جائز بلکہ پرامن رعایا کی فلاح و بہبودی کے لیے ازبس ناگزیر ہے یہی چیز ہے جسے کفر کہا گیا ہے، اور یہی وہ جرم ہے جس کے مرتکب کا کوئی عمل اسکی سفارش نہین کرسکتا، اور نہ اسکی کوئی قدر و قیمت حکومت کی میزان مین ہو سکتی ہے،

(اس مثال مین ایک نمایان فرق ذہن نشین کر لینا نہایت ضروری ہے، دنیوی حکومتین اگر حکومت کے دشمنون کو قابلِ دار سمجھتی ہین تو ہر چند ایک عادل حکومت کے پیش نظر مقصد تحفظ امنِ عامہ ہوتا ہے، لیکن

اس سے انکار نہین کیا جاسکتا کہ ایک حد تک خود حکومت کے استحکام و بقا کا راز بھی اسمین پوشیدہ ہوتا ہے، اور دوسری طرف حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے والے اگرچہ حکومت کے منعم علیہ ضرور ہوتے ہین لیکن اسمین حکومت کی اپنی غرض بھی مضمر ہوتی ہے کہ اسکی طرفدار جماعت بڑھے اور کسی زبردست طاقت کے مقابلہ کے وقت تقویت کا باعث ہو لیکن برعکس اسکے اس احکم الحاکمین کی کوئی اپنی غرض اس مین وابستہ نہین ہوتی، نہ کفار کی سرزنش مین اور نہ مومنین کے انعام مین، کیونکہ وہ ذات غرض و احتیاج سے بلند و بالاتر ہے، اور چونکہ اسکو کسی زبردست کے حملہ کا خطرہ بھی نہین لہذا اس کے اندفاع کے لئے نہ اپنی طرفدار جماعت بڑھانے کی فکر ہے اور نہ استحکام حکومت کے لئے کسی فتنہ پرداز کی تخریب کی ضرورت، اس کے احکام محض مخلوق کی پرورش و تحفظ کے لئے ہین ورنہ اس کی ذات تو غنی حمید ہے)

دنیوی حکومتین تو اس کا اس قدر اہتمام کرتی ہین کہ جس شخص کو انتظام حکومت کے حل و عقد مین تھوڑا سا بھی دخل ہوتا ہے، اس سے پہلے حلف وفاداری لیا جاتا ہے، اور تو اور جس شخص کو وائسرائے ہند مقرر کرکے بھیجا جاتا ہے ظاہر ہے کہ اسکی وفاداری پر کسے شبہہ ہو سکتا ہے کیونکہ جب تک اسپر کامل اعتماد نہ ہو نائب السلطنت جیسا ذمہ دار عہدہ کس طرح تفویض کردیا جائے، لیکن ساحل بمبئی پر اتر کر سب سے پہلا کام جو اسے کرنا پڑتا ہے، وہ یہی "تجدید ایمان" ہے اور جب تک وہ حلف وفاداری نہ لے لے، وائسرائے نہین کہلا سکتا، اگرچہ بہت سی صورتون مین یہ حلف اب بطور ایک رسم (FORMALITY) کے ادا کیجاتی ہے لیکن اسمین حلف لینے والون کا قصور ہے، کیونکہ جو شخص جانتا ہے کہ زبان سے وہی کچھ کہنا چاہئے جو دل مین ہو وہ اس حقیقت سے آشنا ہے کہ اس رسم کی اصلیت وہی اقرار باللسان و تصدیق بالقلب ہے،

عزت و وقار کی زندگی کیا ہے: اس کا جواب انسانون کے قائم کردہ معیار کے مطابق کچھ ہی دیا جائے اسمین کچھ نہ کچھ جنبہ داری کی جھلک ضرور آجائیگی، قرآن چونکہ کسی انسان کا پیغام نہین اس لیے وہ رنگ و نسل کے امتیازات، جغرافیائی حدود اور تاریخی قیود سے بلند و بالا ہے، اس نے اس سوال کا جواب ان الفاظ مین دیا ہے:

ان اکرمکم عند اللہ اتقکم یعنی تم مین سے سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک قابلِ عزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، سارا قرآن اس ایک اصول کی تائید کرتا چلا جاتا ہے کہ دنیوی عزت و تکریم اور اخروی فلاح و نجات کا معیار تقوی اور صرف تقوی ہے، متقی کی زندگی قرآن نے دنیا و آخرت مین بطور ایک (IDEAL LIFE) کے پیش کی ہے چونکہ تقوی کو اس قدر اہمیت دیگئی ہے، اس لیے جب ہم قرآن کریم کو کھولتے ہین تو سب سے پہلے جس بات کا ذکر ہے وہ "متقی" کی تعریف ہے، متقی کون ہے، اس کا جواب قرآن یہ دیتا ہے،

۷۔ الم۔ ذلک الکتاب لاریب اس کتاب مین کوئی شک و شبہہ نہین، اور یہ ہدایت ہے متقیون کے

فیہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لئے کون لوگ، جو ایمان لاتے ہین غیب پر، نماز قائم کرتے ہین، اور جو

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کچھ اللہ نے انھین دیا ہے اسمین سے خرچ کرتے ہین، وہ لوگ جو

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایمان لاتے ہین اس چیز پر جو تم پر نازل کیگئی، اور نیز ان تمام

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صحف اولی پر جو تم سے پہلے نازل کیے گئے، اور آخرت پر انکا

۔ ۔ ۔ المفلحون (بقرہ ۵-۲) یقین ہے یہی لوگ ہدایت یافتہ ہین اور یہی لوگ فائز المرام،

دیکھ لیجئے بدنی اور مالی عبادات یعنی اعمال صالحہ سے پہلے اور پیچھے ایمان کی شرط عائد ہو رہی ہے، یعنی ایمان اور عمل دونون کے مجموعہ کا نام تقوی ہے جو معیار ہے قرآن کے نزدیک نجات فی الدارین کا، صرف اعمال کا کہین ذکر نہین،

ایک اعتراض اور کیا جاتا ہے، یعنی اعمال کیساتھ ایمان کی ضرورت بھی تسلیم کر لیجائے تو یہ کہان سے لازم آتا ہے کہ جس شکل کا ایمان قرآن نے متعین کیا ہے اسی طرح کا ایمان سب لوگ لائین، خدا کا تخیل جدا گانہ ہے، اسے خاص حدود مین مقید کیون کیا جائے، اس ضمن مین یہ بھی کہا جایا کرتا ہے کہ خدا پر ایمان تو ضروری ہے تو یہی سہی لیکن پھر قرآن اور نبی اکرم صلعم پر ایمان کیون ضرور ہے، ایک شخص یہودی رہتے ہوئے، دوسرا شخص عیسائی رہتے ہوئے بھی نجات کا مستحق ہو سکتا ہے، اور اپنے اس دعوی کے دلیل مین وہ لوگ قرآن کی یہ آیت پیش کیا کرتے ہین،

۸۔ ان الذین امنوا والذین ھادوا	یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جو یہودی ہیں یا نصاریٰ
والنصٰرٰی والصابئین	یا صابئین ہیں جو بھی (ان میں سے) اللہ اور آخرت پر ایمان
. . . .	رکھتا ہے اور عمل صالح کرتا ہے ان کا اجر انکے اللہ سے ملیگا انکے
یحزنون ۔ (بقرہ ۸ ۔ ۶۲)	لیے کوئی خوف و حزن نہیں ہوگا،

بظاہر یہ چیز بھی بڑی خوش آیند معلوم ہوتی ہے لیکن آئیے ہم دیکھیں کہ قرآن کے زاویۂ نگاہ سے اسکا مطلب کیا ہے، قرآن فہم احباب سے یہ پوشیدہ نہیں کہ قرآن کا یہ مخصوص اسلوب بیان ہے کہ ایک چیز کو ایک جگہ واضح اور بین طور پر بیان کرتا ہے اور اس کے بعد جہان جہان بھی اس کے حوالہ کی ضرورت پڑتی ہے اجمالی طور پر اسکا ذکر کرتا چلا جاتا ہے، آیت مندرجۂ بالا میں یہود، نصاریٰ اور صابئین کے ساتھ ایمان کی شرط عائد کیگئی ہے، اور ایمان کا ذکر یہان مجمل طور پر کیا گیا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ قرآن نے اسکی تفصیل کس طرح بیان کی ہے، اسی سورۂ بقر میں اس کا ذکر موجود ہے اور لطف یہ ہے کہ اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے جو اوپر لکھا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

۹۔ وقالوا کونوا ھودًا او نصٰرٰی تھتدوا	یہ کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی تم سیدھے راستے پر ہوگے (آپ) کہو
. . . .	کہ نہیں بلکہ (سیدھا راستہ) ملت ابراہیم حنیف کا ہے اور وہ مشرکین
. . . .	میں نہیں کہئے ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو ہم پر نازل ہوا ہے
. . . .	اور جو ابراہیم اسمٰعیل اسحٰق یعقوب اور انکی نسل کے انبیاء پر نازل
. . . .	ہوا ہے اور جو دیا گیا ہے موسیٰ اور عیسیٰ کو اور تمام انبیاء کرام کو اللہ
. . . .	کی طرف سے ہم کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم مسلمان
. . . . سمیع علیم،	ہیں، پس اگر یہ لوگ ایمان لائیں جیسا کہ تم ایمان لائے ہو پھر
(بقرہ ۶ ۔ ۷ ۔ ۱۳۵۔۱۳۷)	یہ راہ ہدایت پر ہونگے، اور اگر پھر جائیں تو یہ علیحدہ ہوگئے پس انکے

[illegible]

یہ ہے تفصیل اس اجمال کی جو پہلی آیت (بقرہ ع ۶۲) مین مذکور ہے، اور ایمان کے لیے یہ شرط ہے کہ اسی قسم کا ہو جس قسم کا نبی اکرم صلعم اور ان کے متبعین ایمان رکھتے ہین، اب اس آیت کے معنی واضح ہوگئے کہ چاہے یہود و نصاری ہون، صائبین ہون، جو بھی قرآن کے مطابق ایمان لے آئینگے اور اعمال صالحہ کرینگے اس کا اجر اللہ سے ضرور ملیگا، اجر کے لیے ایمان اور ایمان بھی قرآن کے مطابق ایمان کی شرط عائد کر دی، دوسری جگہ مذکور ہے

۱۰۔ اٰمن الرسول	اسکا ایمان ہے اس چیز پر جو اللہ نے اُسپر (نبی اکرم صلعم)
. . . . . . کل اٰمن باللّٰہ و	پر نازل کی ہے، اور (متبعین) تمام ایمان رکھتے ہین اللہ
ملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ . .	پر، ملائکہ پر، اسکی کتابون پر اور اس کے رسولون پر اور
. . . . . رسلہ (بقرہ ع ۲۸۵)	ان مین کسی ایک مین بھی فرق نہین کرتے،

ظاہر ہے رسل اور کتب مین جب تک نبی اکرم صلعم اور قرآن کریم شامل نہ ہو، ایمان مکمل نہین ہوسکتا، سورۂ اعراف مین حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے ہین، کہ "یا اللہ ہم پر اس دنیا مین اور آخرت مین بھلائی کا حکم کر دے" جواب ملتا ہے:۔

۱۱۔ قال عذابی اصیب بہ من یشآء، ورحمتی وسعت کل شئ	ہمارا عذاب جسے ہم چاہین اسے ملیگا (اور) ہماری رحمت تمام چیزون پر حاوی ہے لیکن (بالخصوص) ہمنے ان لوگون
. . . .	کے لیے اسکا حکم کر دیا ہے کہ جو متقی ہین، زکوٰۃ دیتے ہین اور ہماری
. . . .	وحی پر ایمان رکھتے ہین، وہ لوگ جو اتباع کرینگے نبی امی (صلعم)
. . . .	کا جنکو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل مین لکھا ہوا پاتے
. . . .	ہین، جو انھین حکم دیگا بھلائی کا اور منع کریگا برائی سے، اور
. . . ھم المفلحون،	پاکیزہ چیزین انپر حلال کریگا، اور نجس اشیاء حرام، اور ان سے
(اعراف ۔ ۵۷ ۔ ۱۵۶)	بوجھ اور طوق و سلاسل دور کر دیگا، پس جو لوگ اُسپر ایمان لائین گے،

[illegible]

کیا نبی اکرم صلعم اور قرآن کریم پر ایمان لانے کے لیے اس سے زیادہ روشن اور واضح دلیل کی ضرورت باقی رہجاتی ہے، یہ اسلیے ضروری ہے کہ جس قسم کا خدا پر ایمان قرآن نے پیش کیا ہے، اس قسم کا پاکیزہ اور مکمل خدا کا تصور کسی اور جگہ نہین ملتا، خدا پر ایمان لانے کے یہ معنی ہین کہ اسے ایک ایسی واجب الوجود مکمل ہستی مانا جائے جو تمام صفاتِ حسنہ کی جامع بھی ہو، اور سرچشمہ بھی، اسمین کسی نقص کا احتمال نہ ہو، اس قسم کا خدا صرف قرآن کا بتلایا ہوا خدا ہی ہے، اور قرآن پر صحیح ایمان کے لیے یہ لازمی ہے کہ جس کی وساطت سے انسانون تک خدا کا کلام پہنچا ہے، اسے اصدق القول مانا جائے ورنہ اگر اسکی صداقت مین شبہ ہو گیا تو قرآن پر ایمان کس طرح آئیگا اور قرآن کے بغیر خدا کا صحیح تصور کس طرح پیدا ہوگا۔

نبی اکرم صلعم پر ایمان لانا تو ایک طرف انکی تعظیم و تکریم کے لیے قرآن مین یہ حکم موجود ہے،

۱۲- یا ایھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم	اے ایمان والو نبی صلعم کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو، اور جس طرح آپس مین
فوق صوت النبی	زور زور سے باتین کرتے ہو، اسطرح اس سے باتین نہ کرو، ورنہ ایسا کرنے
. . . تشعرون (حجرات - ۲)	سے تمھارے اعمال رائگان چلے جائنگے اور تمھین اسکا علم بھی نہ ہوگا،

وہی ضبط اعمال ہے جو ہم حوالہ نمبر ۳ اور نمبر ۴ مین دیکھ آئے ہین، اسی طرح سے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے رو سے رسولؐ کی اطاعت فرض قرار دیگئی ہے، دوسری جگہ حکم ہے،

۱۳- و من یطع اللہ و رسولہ یدخلہ	جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے، اللہ اسے
جنت تجری من تحتھا الانھر	جنت مین داخل کریگا جس کے نیچے نہرین جاری ہین
. . . . . .	وہ اس مین رہین گے، اور یہ فوزِ عظیم ہے، (لیکن)
. . . . . .	جو اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا اور اسکی حدود
. . . . . .	سے تجاوز کریگا وہ جہنم مین بھیجدیا جائیگا اور اسکے لیے
. . . عذاب المھین (النساء ۴-۱۳)	ذلت آمیز عذاب ہوگا،

(باقی)

مستشرقین کی بین الاقوامی موتمر کا اٹھارھوان اجلاس

منعقدہ لائڈن، ۷-۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء

از

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، ایم اے، پی ایچ ڈی (لنڈن) گورنمنٹ کالج جھنگ (پنجاب)

ہمارے عزیز دوست شیخ عنایت اللہ صاحب جو اپنے رشحات سے اکثر معارف کو سیراب کرتے رہے ہین، وہ چند سال کے علمی سفر کے بعد اب وطن کو کامیاب مراجعت فرما ہوئے ہین، شیخ صاحب مشرق و مغرب کی کئی زبانون کے ماہر ہین، اور آیندہ اُن سے ہم کو بہت کچھ علمی توقعات ہین، کانفرنس مذکور کا مختصر حال مارچ ۳۲ء کے معارف مین گو چھپ چکا ہے، مگر تفصیلی روداد یہ پہلی بار شائع ہو رہی ہو۔

"معارف"

مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس کا اٹھارھوان اجلاس گذشتہ سال ستمبر کے دوسرے ہفتہ مین بمقام لائڈن (ہالینڈ) منعقد ہوا تھا جس کی مختصر کیفیت امیر شکیب ارسلان کے فرانسیسی رسالہ "قوم عرب" کے حوالہ سے معارف بابتہ مارچ مین شائع ہو چکی ہے، راقم الحروف نے جو اس زمانہ مین لنڈن مین اقامت پذیر تھا، کانگریس مذکور مین بذات خود شرکت کی تھی، ایک مدت سے ارادہ تھا کہ اس کے مفصل حالات سے ناظرین معارف کی ضیافت طبع کا سامان مہیا کرون مگر افسوس کہ بوجوہات چند اپنے خیال کو تا حال عملی جامہ نہ پہنا سکا۔

افتتاحی جلسہ

موتمر کی صدارت عمومی اسلامیات اور عربی زبان کے فاضل اور لائڈن یونیورسٹی کے مشہور عالم

پروفیسر ڈاکٹر سنوک ہرخرنیے (SNOUCK HURGRONJE) سے متعلق تھی، چنانچہ مؤتمر کا افتتاحی جلسہ اُن کی صدارت مین لائڈن کے ٹاؤن حال مین، ستمبر کو بوقت تین بجے سہ پہر مین منعقد ہوا، جلسہ کا آغاز ہالینڈ کے وزیر تعلیم کی تقریر سے ہوا، جس مین اس نے اپنی حکومت کی طرف سے شرکاے جلسہ کا استقبال کرتے ہوے کہا کہ "ملک ہالینڈ کو مشرقی السنہ اور علوم کیساتھ کئی صدیون سے دلچسپی ہے، جبکہ ابھی اُس نے ایک استعماری سلطنت کی حیثیت سے زور نہین پکڑا تھا، چنانچہ اس عہد مین ولندیزی علمار کے درمیان عبرانی اور عربی کے کئی جید عالم پیدا ہوئے اسکے بعد جب ولندیزی جہازرانون نے اپنے وطن کیلئے شرق کی تجارت کا راستہ کھولدیا تو اہل ہالینڈ اور اہل ہند کے درمیان براہ راست تعلق پیدا ہوگیا اور اہل ملایا کیساتھ تجارتی تعلقات پیدا کرنے کی خواہش نے ان دور دراز ممالک کی زبانون اور وہان کے باشندون کے رسوم و عادات کے متعلق اپنی معلومات کے بڑھانے کی ضرورت پیدا کی، بہرکیف یہ سچ ہے کہ اہل ہالینڈ کے استشراق کو خالصۃً صرف انھین مادی اغراض سے تحریک نہین ہوئی، سترھوین صدی مین ہالینڈ مین مذہبی مشن کا کام شروع ہوا، اس مشن کی خواہش تھی کہ عیسائیت کی برکات کو اہلِ مشرق تک پہنچایا جاے، چنانچہ بائبل کو جزائر ملایا کی زبانون مین ترجمہ کرنے کی ضرورت پیدا ہوئی، اس طور پر وہ پادری لوگ جو ولندیزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم تھے، دیسی زبانون کی تحصیل و مطالعہ مین پیش پیش نکلے، اس کے بعد متعدد علمی انجمنون نے مشرقی علوم و السنہ کی تحصیل و تحقیق کے کام کو جاری رکھا، اربابِ حکومت کے حلقون مین یہ خیال مستحکم ہو رہا ہے کہ مشرقی لوگون پر حسن و خوبی کیساتھ حکمرانی کرنے کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ پہلے ان کو اچھی طرح سمجھا جاے"

(وزیر تعلیم کے اس اظہار سے کہ گذشتہ عہد مین ولندیزی مشن کی تبلیغی مساعی کے ضمن مین بھی مشرقی السنہ کے درس و مطالعہ کو ترقی حاصل ہوئی ہے، امیر شکیب ارسلان کو غلط فہمی ہوئی ہے، مین نے اُن کی اصل فرانسیسی رپورٹ کو نہین دیکھا مگر (اردو ترجمہ مین) اُن کے روایت کردہ الفاظ کا اخیر جملہ یقیناً صحیح نہین ہے، اور اس پر امیر موصوف نے ملاحظات کی جو عمارت کھڑی کی ہے، کم از کم وزیر مذکور کی اصل تقریر مین اس کے لیے کوئی بنیاد نظر نہین آتی)

خطبۂ صدارت

اس کے بعد صدر کانگریس پروفیسر ہرخرینے نے فرانسیسی زبان مین ایک نہایت پرمغز اور برمحل خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ تقریباً نصف صدی کی بات ہے کہ اسی مقام پر میرے واجب التعظیم استاد کوئنان (KUENEN) نے اسی کانگریس کے چھٹے اجلاس کا افتتاح کیا تھا، یہ پہلی کانگریس تھی جس مین مین بعہد نوعمری شریک ہوا تھا، جبکہ میرا توشۂ علم قابلِ رحم طور پر نہایت قلیل تھا، اس کانگریس نے میرے دل و دماغ پر ایک گہرا نقش چھوڑا، اس شاندار محفل کی صفِ آخرین مین نشست اختیار کرتے ہوے اگر مجھے کسی بات کی ضرورت تھی تو صرف اس امر کی کہ بزرگان محفل میری شرکت کی جرأت کو بنظر اغماض دیکھین، اب جبکہ عمر رسیدگی نے مجھے اس کانگریس کی صدارت پر فائز کر دیا ہے، مجھے آپ حضرات سے یہ درخواست کرنی ہے کہ ازراہِ کرم آپ میری ان خامیون اور کوتاہیون سے چشم پوشی کرین جو بتقاضاے سن لازمی ہین، نہ تو ان کا میرے پاس علاج ہے اور نہ ہی مین ان کو چھپا سکتا ہون"،

اس کے بعد انھون نے چھٹے اجلاس کا موجودہ اجلاس سے مقابلہ کرتے ہوئے اس حیرت انگیز علمی ترقی کا ذکر کیا جو پچھلے پچاس ۵۰ سال مین مشرقیات کے میدان مین رونما ہوئی ہے،

"چھٹی کانگریس مین صرف ۱۰۹ ممبرون نے شرکت کی تھی، جو تقریباً تمام تر یورپ کے علمی مراکز کے نمایندے تھے، ریاستہاے متحدہ امریکہ نے صرف دینیات کا ایک پروفیسر بھیجا تھا، مشرقی ممبرون مین صرف تین ہندوستانی عالم تھے، اور ایک عرب تاجر نوادرِ قدیمہ جوان دنون تجارتی غرض سے ہالینڈ مین آنکلا تھا، اس اثنا مین شعبۂ مشرقیات مین جو ترقی ہوئی ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لیے اس اجلاس کے ممبرون کی مطبوعہ فہرست دیکھنا یا اس جلسہ گاہ مین چارون طرف نظر دوڑانا کافی ہے"،

"ہمارے عہد مین اہل امریکہ اپنے علمی اور مادی ذرائع و وسائل کی بدولت ان لوگون کی صف

اول مین ہین جنھون نے اپنے آپ کو مشرق کے درس و مطالعہ کے لیے وقف کر رکھا ہے، مزید بران ہمارے مشرقی بھائیون کی روز افزون شرکت کار (جس پر ہماری مساعی کی کامیابی موقوف ہے) اس بات کی شاہد ہے کہ مشرقی اور مغربی دل و دماغ نے ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے کی قدر پہچاننے مین بہت حد تک ترقی کر لی ہے"

اس کے بعد صدر جلسہ نے حسب ذیل الفاظ جرمن زبان مین ادا کئے، کیونکہ اس جملہ کے مخاطب اصلی جرمن لوگ ہی تھے:- "اہل جرمنی نے مشرقی تحقیقات مین جو حصہ لیا ہے، وہ اس وقت بھی ایسا ہی شاندار تھا، جیسا کہ اب ہے، اس عہد مین اُن کے علماے خصوصی نے میدان علم مین جو لمبے لمبے قدم بڑھائے ہین، اُن کی بدولت انھون نے تقریباً ہر شعبہ مین اول درجہ حاصل کر لیا ہے، اس لحاظ سے ہم اس بات پر اور بھی زیادہ متاسف ہین کہ ہماری اس کانگریس کے جرمن ممبرون کی تعداد اُن کی اہمیت کے تناسب سے بہت کم ہے، بہرکیف ہم تہ دل سے اُن جرمن شرکاے جلسہ کا خیر مقدم کرتے ہین، جو مشکلات زمانہ کے علی الرغم یہان اپنے شاندار وطن کی نمایندگی کر رہے ہین، ہم امید کرتے ہین کہ خارجی حالات کی بہتری سے عنقریب جرمن علماء کے لیے اعلیٰ علمی مقاصد کے حصول کا راستہ کھل جائیگا"

پھر دوبارہ فرانسیسی مین تقریر جاری رکھتے ہوے کہا کہ "۱۸۸۳ء مین صنف لطیف ہمارے جلسون مین تقریباً ناپید تھی، شرکاء مین ان کی تعداد ایک درجن سے زیادہ نہ ہوگی، وہ درجہ جو عورت نے فی زمانا زندگی عامہ مین حاصل کر لیا ہے، ہماری کانگریس کے دفتر استقبالیہ سے بھی ظاہر ہے جس کا تمام عملہ جنس نازک پر مشتمل ہے، اور جو کانگریس کے ممبرون کو ہر قسم کی اطلاع بہم پہنچانے کے لیے مستعد ہے، اسی طرح ان عورتون کی تعداد سے جن کے نام کانگریس کے ممبرون کی حیثیت سے مندرج ہین، یا جنھون نے اپنے مضامین پڑھے ہین، یہ بات ظاہر ہے کہ جنس نازک نے تحقیقات علمیہ کے مختلف شعبون مین اپنے شایان شان جگہ پیدا کر لی ہے"

پھر مقرر نے اس ترقی کو تفصیل کیساتھ بیان کیا جو مشرقیات کے میدان مین پچھلے پچاس[۵] سالون مین واقع ہوئی ہے اور کہا کہ "مشرقی تحقیقات اتنے مختلف شعبون مین تقسیم ہوگئی ہے کہ اس امر کا قوی خطرہ ہے کہ علمی اختصاصیین اپنے اپنے خاص شعبہ یا مضمون کے تنگ دائرہ مین اس قدر منہمک اور محصور ہوجائین کہ وہ دیگر شعبون کی کارگذاری اور نتائج تحقیق سے بہت حد تک بے خبر رہین، اندرین حالات ہماری کانگریس منجملہ ان وسائل کے ہے جنسے اس قسم کے خطرات کا ازالہ اور تدارک مقصود ہے تاکہ ہم مین یہ خیال مستحکم رہے کہ مباحث کے تنوع اور انتشار کے باوجود ہماری تحقیقات ایک ہی سلسلہ مین منسلک ہین"

اس خطبہ کے بعد افتتاحی جلسہ ختم ہوگیا اور شہر کی ایک مجلس کیطرف سے حاضرین جلسہ کی چائے وغیرہ سے تواضع کیگئی، اسی رات کو حکومت ہالینڈ کی طرف سے تمام شرکائے کانگریس کو دارالسلطنت ہیگ مین ایک شاندار استقبالیہ محفل (RECEPTION) مین مدعو کیا گیا،

کانگریس کے مختلف شعبے

اگلے روز کانگریس کی کاروائی نو مختلف شعبون مین منقسم ہوگئی جنکے جلسے چار پانچ روز تک علی التواتر مقامی یونیورسٹی کی مختلف عمارتون مین منعقد ہوتے رہے شعبۂ سوم (وسطی اور مغربی ایشیا) اور شعبۂ ہشتم (اسلام) کی تفریق کئی ایک ایسے اشخاص کے لیے تکلیف دہ اور مایوس کن تھی جو ایران اور اسلام کے متعلقہ مباحث کے ساتھ یکسان دلچسپی رکھتے تھے، کیونکہ ایک شعبہ کو چھوڑے بغیر دوسرے مین شرکت کرنا ممکن نتھا

کل (۷۵۴) اشخاص نے کانگریس مین بنفس نفیس حصہ لیا جنمین سے (۱۱۰) (ASSOCIATED) ممبر تھے، ان ایسوشی ایٹڈ ممبرون کی اکثر تعداد شرکائے کانگریس کی بیویون پر مشتمل تھی، جو اپنے خاوندون کے ہمراہ ہالینڈ کی سیر کو آئی تھین، اگرچہ شروع شروع مین مستشرقین کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کا ارادہ ظاہر کیا تھا، مگر بہت سے لوگ خصوصًا جرمن علما بوجہ اقتصادی حالات کی خرابی یعنی تنگی و عسرت کے شریک نہ ہوسکے، جرمن علما کی قلت کی یہ بھی وجہ تھی کہ چند سالون سے جرمن مستشرقین اپنے ہان ایک علحدہ کانگریس

ہر دوسرے سال آسٹریا یا جرمنی کے کسی شہر مین منعقد کر رہے ہین، جسکا نام انھون نے Orientalistentag یعنی یوم المستشرقین رکھا ہے،

شرکاے کانگریس مین تقریبًا نصف ایسے اصحاب تھے، جو مختلف حکومتون، یونیورسٹیون یا علمی مجلسون کی طرف سے نمایندے بنکر آئے تھے، ہندوستانی یونیورسٹیون مین سے پنجاب یونیورسٹی کے نمایندہ وہان کے وائس چانسلر مسٹر اے۔ سی۔ ولنر تھے، بمبئی کے آنریبل جسٹس مرزا علی اکبر خان، علی گڑھ کے ڈاکٹر کرنکو اور جامعۂ عثمانیہ کے نمایندے ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر حسین بن فیض اللہ الہمدانی، ایم اے (بمبئی)، پی ایچ ڈی (لنڈن) تھے،

شعبۂ اسلام،

چونکہ مجھے بذات خود زیادہ تر شعبۂ اسلام کیساتھ دلچسپی تھی، اس لیے اکثر اسی شعبہ کے جلسون مین شریک رہا، اگرچہ چند ایک مقالے شعبۂ سوم مین ایرانی اور ترکی مضامین پر بھی سنے، اس شعبہ کی صدارت عمومی لائڈن کے پروفیسر (Snouck Hurgronje) سے متعلق تھی مگر مختلف ایام مین مختلف سربرآوردہ علمار نے اس کی صدارت کی، پروفیسر ہرخرینیے نے بھی زیادہ تر اسی شعبہ کو اپنی شرکت سے مشرف کیا، اور تمام مقالات غایت توجہ سے سُنے، آپ کی عمر اس وقت اسّی سال سے متجاوز ہے، مگر ان کی سن رسیدگی ان کے معمولی مشاغل مین حارج ہوتے معلوم نہین ہوتی، جن مصری یا عربی علمار نے اس شعبہ مین مضامین پڑھے اُن کا تذکرہ معارف مین ہوچکا ہے، جس کی تکرار یہان غیر ضروری ہے، باقی مقالات مین سے مندرجۂ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہین، ہر مقالہ کے بالمقابل اس رسالہ کا نام بھی درج کردیا گیا ہے، جہان وہ مقالہ شایع ہوچکا ہے، یا ہونے والا ہے،

مضمون نگار	زبان	موضوع بحث	محل اشاعت
پروفیسر شاخت	جرمن	شریعت اور قانون موجودہ مصر مین	Der Islam

مضمون نگار	زبان	موضوع بحث	محل اشاعت
پروفیسر ماسینیو	فرانسیسی	فرقۂ نصیریہ کے تعلقات ایران کے ساتھ،	Revue des etu des Islamiques
" پیریس	"	ابوالولید الحمیری الاندلسی اور اسکی کتاب البدیع فی وصف الربیع،	
ڈاکٹر کرنیکو	انگریزی	بعض کتب جنکی اشاعت ہندوستان مین زیر تجویز ہے،	
" ہمدانی	"	اسمٰعیلی دعوت کی تاریخ اور اسکا لٹریچر اواخر عہد فاطمیہ مین	جرنل ایشیاٹک سوسائٹی لنڈن۔ جنوری ۳۲ء
" سموجی	"	کتاب المنتظم لابن الجوزی،	"
پروفیسر نالینو	اطالین	فقہ اسلامی اور رومن لا کے تعلقات،	
" گوٹائل	انگریزی	قرآن کا ایک مصور نسخہ (؟)	REI, Paris 1931
گال بیانی	اطالین	مکتبہ امبروزیانہ (میلان) اور اس کے قیمتی عربی مخطوطات	المشرق۔ بیروت
ویسیو لامار	فرانسیسی	اسلامی فن تعمیر کے مصطلحات،	
ڈاکٹر پلیسنر	جرمن	تاریخ العلوم فی الاسلام (بحوالہ صوان الحکمۃ لابی سلیمان السجستانی)	
" کراوس	"	فرقۂ مانویہ اور معتزلہ کے تعلقات کا مسئلہ،	
پروفیسر پلنسید (میڈرڈ)	فرانسیسی	احصار العلوم للفارابی،	
" لیوی ولاویدا	اطالین	جمہرۃ الانساب لابن الکلبی کا مجوزہ اڈیشن،	اسلامک کلچر۔ حیدرآباد
" بجرک تاروچ	فرانسیسی	یوگوسلاویہ مین مطالعات اسلامیہ کی کیفیت،	
شیخ عنایت اللہ (دہلنواد)	انگریزی	جغرافی طبعی ماحول کا اثر عربون کے تمدن اور تاریخ پر	مسلم ریوائول، لاہور

بعض مقالون کا مختصر بیان

شعبۂ اسلام | ڈاکٹر کرنیکو نے اپنے قیام ہندوستان کے حالات زبانی بیان کرتے ہوے اُن کتابون کا ذکر کیا

جن کو ہندوستان کی مختلف مجالس یا علما، شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہین، اس سلسلہ مین علی گڑہ اور دائرۃ المعارف حیدرآباد کا بھی ذکر کیا، اور کہا کہ ہندوستان مین لوگ زیادہ تر تصوف یا اس سے اثر کر فقہ کی کتابون کیطرف مائل ہین، باقی علوم و فنون سے دلچسپی بہت کم ہے، دائرۃ المعارف والے بغیر اعراب اور فہارس کے کتابین چھاپتے ہین، الدرر الکامنہ لابن حجر کی چار جلدین وہان چھپ گئی ہین، مین نے ان کا انڈکس تیار کیا تھا، مگر دائرہ نے اپنی خوش فہمیؔ سے فیصلہ کیا کہ بجاے انڈکس کے مولوی عبد الحیٔ صاحب مرحوم (سابق ناظم ندوۃ العلما) کی ایک کتاب بطور پانچوین جلد کے شائع کیجائے، گورنمنٹ نظام عربی کتابون کی طباعت پر زر کثیر صرف کرتی ہے، مگر لائق کمپوزیٹر اور تیز نظر مصحح نہ ملنے کے سبب سے نتیجہ خاطر خواہ نہین نکلتا، علی گڑہ مین ایک مدت سے قانون مسعودی کی اشاعت کی تجویز درپیش ہے، مین نے وہان کے ایک صاحب کیساتھ ملکر اس کام کو ہاتھ لگایا تھا، مگر ان کی نااہلیت یعنی انگریزی سے ناواقفیت کے سبب کچھ نتیجہ برآمد نہ ہوا، جب مین لوگون سے پوچھتا کہ کس لیے پڑھتے ہو، تو جواب دیتے کہ "حضور! نوکری کے لیے"۔ پھر یہان کی ناقابل برداشت گرمی اور تکلیف دہ مچھرون کا ذکر کرکے کہا وہان کے علمار کے جمود اور پروفیسرون کی کاہلی کا ایک قومی سبب اس قسم کے ناموافق حالات بھی ہین، غرض اُن کی تقریر ہندوستان اور ہندوستانیون کی ایک ہجو مسلسل تھی، اگرچہ اُن کی بعض باتین بالکل سچ تھین، تاہم اپنے ملک اور قوم کا محفلِ غیر مین یون استخفاف ہوتے دیکھکر دل قدرتی طور پر بہت کڑھا، اور اب بھی ان باتون کا اعادہ کرتے دل دکھتا ہے، مگر ابناے قوم کی اطلاع اور عبرت کے لیے لکھتا ہون، بعد مین جب مین نے ان سے پرائیوٹ ملاقات مین ان کے طنز آمیز پیرایۂ بیان پر احتجاج کیا، تو انھون نے اپنا لب و لہجہ بہت نرم کر لیا، البتہ یہ دیکھکر مین بغایت خوشی ہوئی کہ ہمارے محترم مولوی میمن عبد العزیز صاحب راجکوٹی کے علم و فضل کا لوہا مانتے ہین،

ؔ معارف:- اس "خوش فہمی" کیوجہ جہانتک ہم کو معلوم ہے یہ ہے کہ درر کامنہ کی ترتیب حروف تہجی پر ہے، اس لیے ایسی کتاب مین انڈکس کا اضافہ فضول سا تھا، اور اسی سرمایہ کو کتاب مذکور کے استدراک و تکمیل مین صرف کیا، تاکہ ہندوستان کا حصہ بھی اس آٹھوین صدی کی یادگار مین مناسب جگہ پاسکے،

مگر کہتے ہین کہ مولوی صاحب نے اپنے آپ کو صرف ادب اور شعر مین محصور کر رکھا ہے، اب سنہ رواں کے آغاز سے ڈاکٹر صاحب موصوف بن (Bonn) یونیورسٹی مین اسلامیات اور عربی کے پروفیسر مقرر ہو گئے ہین،

ڈاکٹر سموجی جو قوم کے ہنگرین اور گولٹ سیہر انجہانی کے شاگرد ہین، ابن الجوزی کی ضخیم تاریخ کی کتاب "المنتظم" کے قلمی نسخون کا برٹش میوزیم مین ایک مدت سے مطالعہ کر رہے ہین، چنانچہ آپ کا پراز معلومات مقالہ جو اب رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے جرنل مین شائع ہو چکا ہے، اپنی اسی ذاتی تفتیش اور تفحص پر مبنی تھا، موصوف نے اس تاریخ کے خصائص اور اسکی اہمیت اور قدر و قیمت کو بہت خوبی سے واضح کیا اور طبقۂ علماء سے درخواست کی کہ وہ اس کی اشاعت کی طرف جلد توجہ مبذول فرمائین، اور فی الواقعہ اس مین کچھ کلام نہین کہ اس کی اشاعت سے ہمارے علم مین بہت بڑا اضافہ یقینی ہے، کام بہت بڑا ہے جس سے شاید ایک تن واحد عہدہ برآ نہ ہو سکے، یورپ مین بھی تاحال اس کام کے سرانجام ہونے کے کوئی آثار نظر نہین آتے، دائرۃ المعارف حیدرآباد کو چاہئے کہ وہ سلف کی اس یادگار کی کما حقہٗ اشاعت کا جلد انتظام کرے،

ڈاکٹر ملینسر (.....) ڈاکٹر ہورو ڈٹس انجہانی کے شاگرد، اور ایک نہایت مستعد اور صاحب لیاقت نوجوان ہین اور فرانکفورٹ یونیورسٹی مین معلم ہین، کچھ مدت سے اسلامی علوم و فنون ان کی تاریخ اور دیگر متعلقہ مسائل سے بحث کر رہے ہین، جیسا کہ ان کے ایک مطبوعہ رسالہ سے ظاہر ہے، زیر نظر مقالہ مین انھون نے ابوسلیمان السجستانی کا خاص طور پر ذکر کیا، جو ابن الندیم کا معاصر تھا، اور جس کی کتاب صوان الحکمۃ چوتھی صدی اسلامی کے علوم اور حاملانِ علم اور ان کی تاریخ کے متعلق ایک اوّل درجہ کی قیمتی دستاویز ہے، یہ کتاب ہمین تاحال صرف متفرق اقتباسات کے واسطہ سے معلوم تھی، اس کے چند ایک نسخے حال مین دریافت ہوئے ہین، ملاحظہ ہو اسلامیکا جلد چہارم، حال مین رٹر صاحب (RITTER) نے غالباً قسطنطنیہ مین ایک اور نسخہ کا پتہ لگایا ہے، یہ وہی کتاب ہے جس کے ایک تتمہ کا

فارسی ترجمہ ہمارے مخدوم مولوی محمد شفیع صاحب اورنٹیل کالج میگزین مین شائع کر چکے ہین،

ہندوستانی مقالہ نگار

اسلامی شعبہ مین دو ہندوستانیون نے اپنے مقالے پڑھے، ایک تو خاکسار راقم الحروف نے اور دوسرے ہمارے صدیق المحترم ڈاکٹر حسین ہمدانی (یا بقول امیر شکیب ارسلان یمین کے علامہ ہمدانی) نے، اگرچہ آپ نسلاً یمن کے مشہور و مقتدر قبیلہ ہمدان سے ہین، مگر چونکہ آپ کا خاندان چند نسلون سے مغربی ہند مین آباد ہے، اور آپکا مولد و منشا بھی ہندوستان ہی کا خطہ ہے، اس لیے ہم ان کو ہندوستانیون ہی کے زمرہ مین شامل کر کے شرفِ انتساب حاصل کرتے ہین، آپ ایک مدت سے اسمٰعیلی دعوت کی تاریخ، فرقۂ اسمٰعیلیہ کے مذہبی اور فلسفیانہ خیالات و عقائد کی نشو و نمو اور ان کے مشہور داعیون کے حالات کی ایسے قلمی خزانون کی مدد سے تحقیق کر رہے ہین، جن تک غیر اسمٰعیلیون کی آج تک دسترس نہین ہوئی انکی استعداد فائقہ اور غیر معمولی ذرائعِ معلومات سے امید واثق ہے کہ ان کے نتائج تحقیق کی اشاعت اس موضوع کے متعلق نہ صرف حیرت انگیز بلکہ انقلاب انگیز ثابت ہوگی، کانگریس مین انھون نے جو مقالہ پیش کیا وہ بھی اسی قبیل کی تحقیقات کا ایک جزء تھا جس کو حاضرین نے اشتیاق اور غور و غوص سے سنا اور پروفیسر ماسینیو (پیرس) اور ڈاکٹر کراؤس (برلن) نے خوب دل کھول کر داد دی اور پروفیسر مارگولیتھ نے تحسین کرتے ہوئے فاضل مقرر سے امید ظاہر کی کہ وہ اسمٰعیلی لٹریچر کی مزید تحقیق کر کے اہل علم کو ممنون کرینگے، ان کا یہ مقالہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے رسالہ مین چھپ گیا ہے، ڈاکٹر موصوف کے شوقِ تحقیق، علمی شغف اور بلند ہمتی کی ذات سے ہماری بہت سی علمی اور قومی توقعات وابستہ ہین، اور ہمین اس امر مین کچھ شک نہین کہ وہ اپنی قوم کی کما حقہ قدر شناسی اور اپنی مسلمہ لیاقت اور عزم راسخ سے ہندوستان کی علمی بزم مین خاص درجہ اور امتیاز حاصل کرینگے،

ایرانیات

ایران سے متعلقہ تاریخی اور ادبی مضامین شعبہ سوم (وسطی اور مغربی ایشیا) مین پڑھے گئے، افسوس

کہ اس کے شعبۂ اسلام سے علحدہ ہونے کے سبب سے اکثر مضامین کے سننے کا موقع نصیب نہ ہوا، اس شعبہ مین شاید سب سے زیادہ دلچسپ اور پر از معلومات مضمون فرانس کے فاضل پروفیسر منورسکی (Minorsky) کا تھا، جسمین انھون نے ان تمام اہم تحقیقات کا ذکر کیا جو ایران کی تاریخ اور تاریخی جغرافیہ کے متعلق ۱۹۰۰ء سے لیکر تا حال رونما ہوئی ہین اور ان اہم مطبوعات پر ایک نظر دوڑائی جو اس دور مین شائع ہو کر ایران کے متعلق ہمارے زیادتِ علم کا موجب ہوئی ہین، انھون نے کہا کہ ۱۹۰۰ء تک ہمارا ذخیرۂ معلومات ایران کے اسلامی عہد کے متعلق بہت کم تھا، مگر گب میموریل فنڈ کے قیام اور پروفیسر براؤن اور ان کے رفیقون اور شاگردون کی علمی مساعی کے طفیل ایران کے متعلق بہت سی اہم اور قیمتی کتابین چھپ گئی ہین، ابن مسکویہ کی اشاعت نے دسوین اور گیارھوین صدی کے متعلق بہت سی نئی تحقیقات کا راستہ کھول دیا ہے، موسیو محمد اقبال کی راحۃ الصدور نے ہوتسما کی شائع کردہ کتابون پر عہدِ سلاجقہ کے متعلق بہت سے نئے معلومات کا اضافہ کیا ہے، اسی طرح تاتاریون کے عہد کے متعلق بھی بہت سی عمدہ کتابین (مثل جوینی اور رشید الدین کے) روز روشن مین آئی ہین مگر ۱۴۰۵ء سے بعد کی تاریخ تا حال نسبتۂ تاریکی مین ہے، اور ضرورت ہے کہ اس عہد کی طرف توجہ مبذول کیجائے مثلاً مقامی تاریخون تاریخ بیہقی اور تاریخ سیستان کو شائع کرنا بہت مفید ہوگا، اس کے ساتھ اس عہد کے تمدنی اور اقتصادی حالات کو خاص طور پر زیر نظر رکھنا ہوگا، کیونکہ ان امور پر تا حال بہت کم توجہ ہوئی ہے"

ایران کے تاریخی جغرافیہ کے متعلق پروفیسر منورسکی نے کہا کہ "اس مضمون پر روسی محقق بارٹولڈ (متوفی ۱۹۳۰ء)، لی سٹرینج اور سٹوارسٹھ (Schwarz) کی کتابین بہت قابل قدر ہین، اس قسم کی مطبوعات مین سے سب سے جدید اور تازہ کتاب "حدود العالم" ہے، جس کا سنہ تالیف ۳۷۲ھ ہے، مگر مؤلف کا نام معلوم نہین، بارٹولڈ نے اس کو ۱۹۳۰ء مین لینن گراڈ سے شائع کیا، اب مین اس کا ترجمہ گب میموریل سیریز مین شائع کرنے والا ہون"

اسی شعبہ کے ایک جلسہ مین مدرسۃ السنہ شرقیہ لندن کے مدیر و ناظم اور ہمارے کرم فرما پروفیسر سرڈنی

سن روس نے اعلان کیا کہ "مین شٹائن گس کی فارسی انگریزی لغت کا تتمہ مرتب کرنے پر مامور ہوا ہون، مین بہت ممنون ہونگا اگر فارسی کے علمار مجھے ایسے الفاظ اور محاورے وقتاً فوقتاً ارسال کرین جن سے ان کو اپنے دورانِ مطالعہ مین سابقہ پڑے اور وہ مذکورۂ بالا لغت مین موجود نہ ہون، مین خاص طور پر ایسے جدید الفاظ اور محاورے شامل کرنا چاہتا ہون جو زمانۂ حال کے فارسی اخبارات اور رسائل مین استعمال ہوتے ہین، مجھے خود اہل زبان سے اچھی خاصی مدد ملی ہے اور بہت سا ذخیرہ الفاظ کا جمع کر لیا ہے مگر مین چاہتا ہون کہ مجوزہ تتمہ حتی الامکان مکمل ثابت ہو،

ترکی نمایندہ

ناظرینِ معارف کو علم ہوگا کہ چند سالون سے ٹرکی مین غازی مصطفےٰ کمال کی سرپرستی مین ایک تاریخی انجمن قائم ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ ترکی اقوام کی قدیم اور جدید تاریخ کے متعلق وسیع پیمانہ پر تحقیق کیجائے اور ترکون کے تمدن اور تاریخ کے متعلق جو غلط آرار اور خیالات پھیلے ہوئے ہین ان کے ازالہ کی کوشش کیجائے، اس انجمن کی طرف سے رشید صفوت بک نے جو ترکی پارلیمنٹ کے ممبر بھی ہین، کانگریس مین شرکت کی، اور اپنا مضمون جو "ترکیات" (TUREOLOGY) کے موضوع پر فرانسیسی زبان مین تھا شعبۂ سوم مین پڑھا، انھون نے ترکی کے اندر اور غیر ممالک مین بھی اثری تحقیقات مین عملاً حصہ لیا ہے، چنانچہ اپنے مقالہ مین اپنے وسیع مطالعہ اور پختہ خیالات کا ثبوت دیا، اور ترکی تاریخی انجمن کے اغراض ومقاصد کو بیان کرتے ہوئے ترکی اقوام کی تاریخی اہمیت پر زور دیا، افسوس کہ اطناب کے خوف سے ان کا خلاصۂ کلام درج کرنا ممکن نہین،

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ترکی قوم مین دوسرے تمدنون کے اخذ وقبول اور نقل کا مادہ تو ضرور موجود ہے، مگر قوتِ ایجاد و اختراع مفقود ہے، فاضل مقرر نے اپنی تقریر کے آخر حصہ مین اس خیال کی جس پیرایہ مین تردید کرنی چاہی وہ ناظرین کے لیے دلچسپ ہوگا، آپ نے کہا کہ جس طرح ہماری تاریخ علوم وفنون

تجارت وصنعت اور ہماری عادات ورسوم کی تشریح مین لوگون سے غلطیان ہوئی ہین، اسی طرح ہم محسوس کرتے ہین کہ عقل و فکر (فلسفہ) کے میدان مین ترکون کے کارنامون کے متعلق بعض غلط خیالات کو یکسر تبدیل کرنے کی اشد ضرورت ہے جس طرح LEIBNITZ، GROTIUS اور DESCARTES صرف اس وجہ سے، رومن مصنفین مین شمار نہین کئے جا سکتے کہ انھون نے اپنی کتابین لاطینی زبان مین تصنیف کین، اسی طرح فارابی، ابن سینا، غزالی، اور دیگر سینکڑون حکما اور شعراء کے عظیم الشان مصنفات کے متعلق ہم دعویٰ کر سکتے ہین، کہ وہ دراصل ترکی تہذیب کا سرمایۂ افتخار ہین، عام طور پر ان کو دوسری قومون مین صرف اس لیے شمار کیا جاتا ہے، کہ انھون نے اپنے عہد کی مروجہ زبانون مثل عربی یا فارسی کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا" ملک و قوم کے امتیازات سے قطع نظر کرتے ہوئے ہمارے لیے یہ بات دیکھنا دلچسپی بلکہ مسرت کا موجب ہے، کہ قرون وسطیٰ کے اسلامی عہد نے تہذیب و تمدن کا وہ شاندار اور بیش بہا ترکہ چھوڑا ہے کہ آج تاریخ کی عدالت مین عرب، ایرانی اور ترک سبھی اپنے اپنے حق وراثت کے دعاوی پیش کر رہے ہین،

رشید صفوت بک سے ایام کانگرس مین ایک سہ پہر کو لائڈن کے ایک قہوہ خانہ مین بہت پرلطف صحبت رہی، وہ انگریزی سے ایسے ہی بے بہرہ تھے جیسا کہ مین ترکی سے ناآشنا، مگر فرانسیسی اور قدرے فارسی بول سکتے تھے، چنانچہ آدھی فارسی اور آدھی فرانسیسی مین دیر تک گفتگو ہوتی رہی، مجھ سے پوچھتے تھے کہ کیا وجہ ہے کہ باوجود اس عقیدت ومحبت کے جو ہندوستانی مسلمانون کو ہم سے ہے، ہندوستانی شرفا ترکی مین سیاحت کے لیے نہین آتے، سوال اگرچہ قدرے مشکل تھا تاہم مین نے یون جواب دینے کی کوشش کی کہ اول تو زبان کی مشکل ہے، ہندوستانیون مین ترکی جاننے والے خال خال ہین اور دوسری قوی وجہ یہ ہے کہ آجکل انقلاب زمانہ سے مغرب قبلۂ حاجات بنا ہوا ہے، ہر ذی استطاعت شخص ادھر ہی کو اپنا قبلہ راست کرتا ہے، نیز پوچھتے تھے کہ ہندوستان مین تیموری مغلون کا کیا حشر ہوا، تختہ حکومت

تو الٹ چکا مگر اُن کی نسل تو کلیتہً معدوم نہ ہوئی ہوگی، مین نے اس کا بھی اپنی معلومات کے بموجب جواب دیا،
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دورِ زمانہ نے پیس ڈالا، کاروان گذر گیا، گرد باقی ہے، اردو زبان کی ابتدا، اور
نشو و نمو کے متعلق بھی دلچسپی کا اظہار کیا، کہا کہ لفظ تو ترکی ہے، معلوم نہین اس کی ابتدار اور تشکیل مین
ترکی زبان کا کتنا حصہ ہے، اگر علمار اردو اور ترکی گرامر کا باہمی مقابلہ کرین تو شاید اردو کے دھندلے
عہدِ پیدائش پر کچھ روشنی پڑ سکے،

اندلسی نمایندے،

اس مشرقی کانگریس جیسی بین الاقوامی علمی محافل کے مقاصدِ اولین مین سے یہ امر ہے کہ مختلف
ممالک کے علمار ایک جگہ جمع ہو کر نہ صرف بذریعہ اپنے مقالات کے اپنے اپنے خاص مضامین کے متعلق
اپنی کارگذاری سنائین بلکہ باہمی تعارف اور ذاتی ملاقات حاصل کرین تاکہ باہمی شناسائی اور مبادلۂ
خیالات سے علمی کامون مین سہولت اور ترقی پیدا ہو۔ اس لحاظ سے ہمارے لیے یہ بین الاقوامی اجتماع
بہت مفید ثابت ہوا، بہت سے علمار و فضلار سے ذاتی میل جول اور گفت و کلام کا موقع ملا، جن کی
فرداً فرداً ملاقات کے لیے ہزارون کوس کے سفر اور زرِ خطیر کے صرف کی ضرورت تھی، جن فضلار
سے مل کر ہمین کمال مسرت حاصل ہوئی، ان مین اندلسی شرکاے کانگریس کا ذکر ضروری ہے، اسپین
کی خانہ جنگی اور عام شورش اور بدنظمی کی وجہ سے مجھے سفرِ اندلس کی پُرشوق آرزو کو حسرت کے ساتھ خیرباد
کہنا پڑا تھا، اس لیے ہسپانی علمار کی ملاقات لائڈن مین بسا غنیمت معلوم ہوئی، ہسپانی علمار مین جنھون نے
کانگریس کے شعبۂ اسلام مین شرکت کی، پروفیسر بلنسیہ (PALENCIA) اور پروفیسر غومز
(GOMEZ) قابلِ ذکر ہین، اوّل الذکر میڈرڈ کی مرکزی یونیورسٹی مین عربی کے استاذ ہین، ابھی چند
سال ہوے کہ وہان اپنے استاذ RIBERA کے جانشین ہوے، نہایت مستعد اور محنتی شخص ہین،
اگرچہ عمر تا حال چالیس برس کے قریب ہوگی، مگر ان کی تالیفات کی فہرست کئی صفحون پر پھیلتی ہے، انھین

ہسپانی اور عربی دستاویزین، تراجم اور مستقل تصانیف بھی کچھ شامل ہین، مستعربین کے متعلق دستاویزین بمعہ ترجمہ اور حواشی کے چار ضخیم جلدون مین شائع کی ہین، جب مین نے ان سے ذکر کیا کہ اس خاکسار نے اُن کی "تاریخ ادب اندلس" کا اپنے ملکی رسالون مین تذکرہ کیا ہے، اور ایک آدھ فصل کا ترجمہ بھی بطور نمونہ کے شائع کیا ہے تو وہ بیحد متعجب ہوے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا آپ لوگ بھی ہمارے ملک کی تاریخ و تمدن سے دلچسپی رکھتے ہین، مین نے جواب دیا کہ ہم لوگ نہ صرف دلچسپی رکھتے ہین، بلکہ لفظ اندلس مین ہمارے لیے وہ جادو بھرا ہے کہ فرطِ عقیدت سے اس کے متعلق معمولی سی تحریر کو بھی سر آنکھون پر رکھتے ہین، اور آپ کی تالیف تو ماشاء اللہ ہر طرح قابلِ قدر ہے، اور فی الواقعہ ان کو اس بات سے کمال مسرت ہوئی، کہ ان کی تحریر کردہ کتاب ایک دور دراز مشرقی ملک مین قدر دانی اور استحسان کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے، اور بنہایت خوشی کے ساتھ مجھے اس کے انگریزی اور اردو ترجمہ کی اجازت دی،

آجکل وہ اس مضمون کا مطالعہ کر رہے ہین کہ مشرقی تہذیب و تمدن نے مغرب پر کیا اثر ڈالا ہے، اس موضوع کے متعلق مین نے ان کو چند ایک جرمن مصادر اور مواد کے حوالے دیئے، جنکا ان کو علم نہ تھا، جس سے ان پر اچھا اثر پڑا اور ان کو معلوم ہوا کہ ہندوستانی لوگ بھی کچھ جانتے ہین، اگرچہ بظاہر یہ مضمون پامال اور فرسودہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ عموماً ایک ہی بات کو کئی اشخاص بغیر مزید تحقیق و تنقید کے بار بار بیان کرتے آئے ہین مگر اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤن اور تمدن کی مختلف شاخون کے متعلق نئے اور غیر مستعمل مواد کی بنا پر مزید تحقیق و تفتیش کی ابھی بہت گنجایش ہے، اگرچہ اسی موضوع پر پچھلے سال انگریزی مین ایک اچھی جامع کتاب (THE LEGACY OF ISLAM) شائع ہو چکی ہے، مگر پروفیسر بلنسیہ کو امید ہے کہ وہ اس مضمون پر مزید معلومات بہم پہنچا سکین گے،

اب ان کے ایک تازہ مکتوب سے معلوم ہوا کہ اسپین کی جدید جمہوری حکومت، میڈرڈ مین مشہور و معروف عربی دان پروفیسر آسین کی ادارت اور نگرانی مین ایک مدرسہ عالیہ مشرقی السنہ اور علوم کا قائم

کرنا چاہتی ہے، اور اگر اس سال حکومت کی جانب سے ضروری رقوم کی منظوری ملگئی، تو امید قوی ہے کہ ایک مرکزی ادارہ کے قیام سے عربی علوم و فنون کے مطالعہ کو اسپین مین بہت ترقی حاصل ہوگی اور اس وقت ملک کے اطراف و جوانب مین نوجوان مستعد کام کرنے والون کی جو قوتین منتشر اور پراگندہ ہین وہ ایک مرکز پر جمع ہوکر مفید نتیجہ پیدا کرینگی،

دوسرے اندلسی نمایندے پروفیسر غومز (GOMEZ) تھے جو غرناطہ مین عربی کے استاذ ہین، نوعمر آدمی ہین، تحقیق کا اچھا شوق ہے، کانگریس مین ایک مقالہ بھی پڑھا، مراکش مین مدت تک قیام رہا، عربی اچھی خاصی بول لیتے ہین، جب وہ اپنے آپ کو الاندلسی الغرناطی کہتے تو میرے دل پر ایک خاص اثر پیدا ہوتا جس کا زبان قلم سے ادا کرنا ممکن نہین،

دیگر محافل

کانگریس کے معمولی جلسون کے علاوہ کئی دیگر محفلین سہ پہر یارات کو برپا ہوئین، اور درحقیقت شرکا کو اس قسم کی صحبتون ہی مین ایک دوسرے کے ساتھ اطمینان اور فراغت کے ساتھ بے تکلف گفتگو کرنیکا موقع ملتا تھا، ورنہ دن کے جلسون مین علمی قیل وقال اور مقالون کی تگ و دو مین باہم ملنے جلنے کی کم ہی فرصت ملتی تھی، شرکا کے باہمی تعارف کی سہولت کے لیے یہ انتظام تھا کہ کارکنان کانگریس کیطرف سے ہر ایک ممبر کو دھات کا ایک خوبصورت چھوٹا سا مطلا تمغہ دیدیا گیا تھا، جو اس ممبر کے کوٹ پر آویزان رہتا، اس تمغہ پر کانگریس کا پورا نام اور سن انعقاد (۱۹۳۱ء) چھپا تھا، اور ساتھ ہی طرف بالا مین واضح ہندسون مین اس ممبر کا خاص نمبر شمار کھدا تھا، ایک علحدہ کتاب مین تمام ممبرون کے نام مع ان کے اعداد شمار کے درج تھے، جس سے ہر فرد کی شخصیت بآسانی معلوم ہوسکتی تھی،

پہلے ہی روز شب کو حکومت ہالینڈ کی طرف سے دار السلطنت ہیگ کے ایک محل مین تمام ممبران کانگرس کو دعوت دیگئی، جہان وزیر مستعمرات نے ایک مختصر سی تقریر مین شرکاے کانگریس کا خیر مقدم

کرتے ہوئے کہا کہ "مستشرقین کی علمی مساعی اور اجتماع صرف اس لیے مفید اور اہم نہیں ہیں کہ اس سے علم کی ترقی ہوتی ہے، بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ ان سے مشرق و مغرب کی باہمی مفاہمت بڑھتی ہے" سہ پہر کی چائے کے بعد یہ دوسرا موقعہ تھا جس مین تمام ممبرون نے جمع ہوکر باہمی شناسائی پیدا کی، اور ایک دوسرے کے لطفِ ملاقات سے بہرہ اندوز ہوئے، حاضرینِ محفل کی مختلف قسم کے ہلکے سامان خور و نوش بلکہ مغربی رسم کے مطابق مئے ناب سے بھی تواضع کیگئی، ناظرینِ معارف کی تسکینِ خاطر اور ان کی ثقاہت کی رعایت سے اس بات کا اضافہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہان بطور بدل کے زاہدانِ خشک کی خشکی دور کرنے کیلئے آئس کریم بھی کافی مقدار مین مہیا تھی، غرض دو ڈھائی گھنٹے کے بعد یہ شاندار اور پرلطف محفل جس کے ہر گوشہ کو لالہ رُخانِ مغربی نے اپنی جلوہ باری سے جنتِ نگاہ بنا رکھا تھا ختم ہوگئی،

اسی قسم کا ایک اجتماع ایک اور رات کو شہر لائڈن کی میونسپل کمیٹی کی دعوت پر شہر کی پکچر گیلری مین قرار پایا جس مین ممبرانِ کانگریس کو باہمی ملاقات کا مزید موقع ملا،

جلسۂ طعام

ایک شب ممبرانِ کانگریس کا مجموعی ڈنر (DINNER) ہوا، جہان دو تین گھنٹے خوب خوش گپی مین گذرے، کلام بعد از طعام یعنی (AFTER.DINNER SPEECHES) مین جو مغربی ضیافتون کا دلچسپ لازمہ ہین، انگریز، فرانسیسی جرمن اور اٹالین نمایندون نے اپنے اپنے ملک و قوم کی طرف سے حکومت اور اہالیانِ ہالینڈ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا، یہ جلسۂ طعام اس لحاظ سے بھی ہمارے لیے یادگار ہے کہ ڈنر کے بعد ایک پرلطف محفلِ رقص و سرود قائم ہوئی، مگر اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ یہ محفل کانگریس کے سرکاری پروگرام مین شامل نہ تھی، اگرچہ کانگریس کمیٹی کی ینگ پارٹی (نوجوان جماعت) اس بات پر مصر تھی کہ محفلِ رقص کو باقاعدہ طور پر کانگریس کے پروگرام مین جگہ دیجائے مگر کانگریس کے معمر صدر یعنی پروفیسر ہرخرینے نے آغاز ہی سے اس خیال کی سخت مخالفت کی اور اس تجویز کو قبول کرنے

اس بنا پر قطعی انکار کر دیا کہ اس قسم کا رقص و سرود کانگریس ایسے جلسۂ علماء کی متانت و ثقاہت کے بالکل منافی ہے، مگر یار لوگون نے اپنے شوق کو پورا کرنے کی یون ترکیب نکالی کہ صدر جلسہ اور دیگر ثقہ حضرات کے رخصت ہونے پر اسی ہوٹل کے رقص خانہ کا (جہان جلسۂ طعام منعقد ہوا تھا) راستہ لیا اور نصف شب تک طرب انگیز موسیقی کی دمسازی مین اپنی خوش لباس، دلفریب اور نازک ادا ساتھیون کی پرکیف معیت مین ناچا کئے چونکہ خود کانگریس کے نوجوان سکرٹری ڈاکٹر کریمر (KRAEMER) اور ہمارے معمر مگر جوان دل ڈائرکٹر سٹر ڈینی سن روس نے لطف اندوز ہونے مین پیشقدمی کی لہذا ہماری شرکت بھی ایسے محترم مقتداؤن کی اقتدار مین جائز ٹھہری، امیر شکیب ارسلان بھی ایک طرف بیٹھے قہوہ نوشی مین مصروف اور نوجوانون کی عیش کوشی کو نظر عفو دیکھ رہے تھے، ان کے پر سکون مگر پراندیش چہرہ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ گویا اب بھی وہ عرب اقوام اور عرب ممالک کی قسمت پر غور کر رہے ہین،

دیگر جلسے

ایک شب فنون لطیفہ کے لیے وقف تھی، پروگرام کے تین حصے تھے، پہلے مدراس کے ایک پروفیسر ستیہ مورتی نے ہندی اور مغربی موسیقی کا مقابلہ کرتے ہوے ہر دو کی امتیازی خصوصیات کو دکھلایا، اور اپنے مطلب کو ہندوستانی راگ گا کر اور ہندوستانی آلاتِ موسیقی استعمال کرکے واضح کیا،

اس کے بعد جاوا کے چند طالبعلمون نے جو ہالینڈ کی یونیورسٹیون مین تحصیل علم کر رہے ہین، اپنے ملک کے ناٹک کا ایک عمدہ نمونہ پیش کیا، جمیع سین اور آلاتِ موسیقی سب جاوی تھے، اس ناٹک کی بخلاف مغربی ناٹک کے مجھے یہ خصوصیت نظر آئی کہ تمام کھیل کے دوران مین ایک خاص قسم کا ساز بجتا رہا، جس نے ایکٹر کی تمام حرکات و سکنات کا ساتھ دیا، جب ایکٹ مین پھرتی یا تیزی آجاتی تو ساز بھی تیز ہو جاتا،

اس کے بعد ایک جاوی شخص نے ایک تماشا دکھلایا جس کو عربی مین طیف الخیال اور ترکی مین قرہ گوز فرانسیسی مین THEATRE D'OMBRES یا OMBRES CHINOISES اور جرمن مین

SCHATTENSPIEL کہتے ہین، اس کی مختصر کیفیت یون ہی، کہ ایک سفید پردہ تانکر اس کے پیچھے تیز روشنی کرتے ہین، پھر اس روشنی اور پردہ کے درمیان چمڑے سے بنی ہوئی چوڑی چپٹی پتلیان حائل کرکے پردۂ پر عکس ڈالتے ہین اور مطلوبہ قصہ کہانی پیش کرتے ہین، اصول تقریبًا وہی ہے جو موجودہ سینما کا ہے، یہ کھیل غالبًا مشرق اقصیٰ (چین) مین ایجاد ہوا اور مدت تک اس کا رواج اسلامی ملکون[1] مین بھی رہا،

جنس لطیف کی شرکت،

مشرق مین عورت چراغِ کاشانہ ہے، مغرب مین شمع خانہ ہو یا نہ ہو، مگر رونقِ محفل ضرور ہے، مشرقی اور مغربی معاشرت کا یہ وہ بین فرق ہے جس کا ظہور کانگریس کی تمام کاروائی مین از اول تا آخر بدرجۂ اتم ہوا، اور جنس لطیف نے اپنی شرکت سے ہر جلسہ اور محفل کو پر لطف بنایا، اور ہمین "معارف" کی متانت اور سنجیدگی سے اعتذار کرتے ہوے اس امر کا اعتراف ہی کہ ہم ان کی جلوہ بار شرکت سے ناخوش نہین ہوے، خود صدر نے اپنے افتتاحی خطبہ مین مشرقی معاملات مین عورتون کی روزافزون دلچسپی کا ذکر کیا تھا، پہلے ہی روز جب "انفرمیشن بیورو" یا ایوانِ استقبال مین داخل ہوئے تو انھون نے ایک خیرہ کن منظر دیکھا، تمام دفتر کا انتظام عورتون کے ہاتھ مین تھا، کانگریس کا ٹکٹ اور پروگرام اور دیگر متعدد کاغذات انھین کے دستِ سیمین سے وصول پائے، ان کی خوش اسلوبی، کشادہ پیشانی اور لطف آمیز توجہ سے ہمین یون معلوم ہوا کہ گویا ہم اغیار کے درمیان نہین ہین، دیگر محافل مین بھی میزبانی کی خدمات انھین خوش سلیقہ نازنینون سے متعلق تھین، بلکہ یون کہنا چاہئے کہ گرمی محفل انھی کے دم سے تھی، جب ان سے میل جول بڑھا تو معلوم ہوا کہ ان مین سے اکثر عمائد شہر اور پروفیسرون کی صاحبزادیان یا شاگردین تھین،

[1] معارف:۔ غالبًا اسی تماشے کا نام پانچوین صدی کے عہد سلجوقی مین "فانوس خیال" تھا، خیام اسی زمانہ کا شاعر کہتا ہے:

این چرخِ فلک کہ ما درو حیرانیم — "فانوس خیال" از و مثالے دانیم

خورشید چراغ آن و عالم فانوس — ماچون صوریم کاندر و گردانیم

جنھون نے اپنی انمول خدمات کچھ عرصہ سے کانگریس کو دے رکھی تھین، اُن کی زباندانی نے ہم سے بلا ساختہ خراج تحسین وصول کیا کیونکہ تقریبًا سبھی انگریزی، فرانسیسی اور جرمن مین سے کم از کم دو زبانین بول سکتی تھین بیجا نہ ہوگا اگر ہم ان کی مہمان نوازی اور لطفِ توجہ کے شکریہ مین ان کے ذکرِ جمیل کو اپنے بیان کا حسنِ خاتمہ بنا ئین

بعض عورتون نے بعض شعبون مین اپنے مضامین بھی پڑھے، خود ہمارے شعبۂ اسلام کو ایک کافر ادا نے شرفِ حضوری بخشا، پہلے ہم نے خط و خال سے سمجھا کہ کوئی مصریہ ہین، مگر تعارف سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ہورووِٹس کی شاگرد اور فرانکفورٹ کے ایک یہودی خاندان کی چشم و چراغ ہین، السنۂ سامیہ انکا خاص موضوعِ درس ہے، اس ضمن مین عربی اور اہل عرب سے بھی دلچسپی ہے، میرے مقالے اور اس کے موضوع مین خاص دلچسپی کا اظہار کیا، اور اس کے سننے کا شوق ظاہر فرمایا، اگرچہ میرے مقالہ کا وقت ایک روز صبح سویرے تھا، تاہم شرفِ استماع سے نوازا، اور اس کی ایک کاپی مجھ سے طلب کی، ہم نے سمجھا کہ ہماری ناچیز محنت ٹھکانے لگی، اب انکا ایک آرٹیکل مفضل الضبی پر انسائکلوپیڈیا آف اسلام مین شائع ہونے والا ہے،

الغرض مشرقی کانگریس کا یہ پرلطف ہفتہ جسمین طرح طرح کے مشاغل اور گوناگون مصروفیتین یکجا جمع ہوگئی تھین، بخیر و خوبی ختم ہوا،

معارف کے پرانے پرچون کی ضرورت،

معارف کے حسب ذیل پرانے پرچون کی ضرورت ہے، جو صاحب علحدہ کرنا چاہین، وہ بقیمت ۶/ فی پرچہ عنایت فرمائین

ہم پرچون کی تفصیل حسب ذیل ہے،

جلد اول کلسنہ ۱۹۱۶ء مین سے بابت ماہ جولائی، اگست سنہ ۱۹۱۶ء اور فروری سنہ ۱۹۱۷ء جلد دوم سنہ ۱۹۱۷ء مین سے بابت جولائی سنہ ۱۹۱۷ء، و فروری، مارچ، اپریل، مئی و جون سنہ ۱۹۱۸ء جلد سوم سنہ ۱۹۱۸ء مین سے بابتہ ماہ جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر سنہ ۱۹۱۸ء و جنوری و فروری سنہ ۱۹۱۹ء جلد چہارم مین سے بابتہ ماہ جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء ج ششم مین سے بابتہ ماہ اگست، ستمبر، دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء ج ہفتم مین سے بابتہ ماہ فروری، مئی اور جون سنہ ۱۹۲۱ء ج ہشتم مین سے بابتہ ماہ جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، اور دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء ج نہم مین سے جنوری، فروری، مارچ، مئی و جون سنہ ۱۹۲۲ء دہم مین سے جولائی، اگست سنہ ۱۹۲۲ء ج ۱۲ مین سے دسمبر سنہ ۲۳ء ج ۱۳ مین سے جنوری، مئی اور جون سنہ ۲۴ء ج ۱۴ مین سے جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر سنہ ۲۴ء

۱۵ مین سے بابت ماہ جنوری، فروری و اپریل سنہ ۲۵ء

۱۶ مین سے " " جولائی، ستمبر سنہ ۲۵ء،

"منیجر دار المصنفین"

کرناٹک کی ایک منظوم تاریخ،

"انور نامہ" اور اسکا مصنف،

از
جناب سراج الدین صاحب طالب حیدرآبادی،

انور نامہ علاقۂ کرناٹک کی فارسی زبان مین ایک منظوم تاریخ ہے، جو نواب والاجاہ محمد علی خان کی فرمایش پر لکھی گئی ہے، اوسکے مصنف میر اسمٰعیل خان ابجدی ہین،

میر اسمٰعیل خان ابجدی

میر اسمٰعیل خان ابجدی ملا محمد قاسم فرشتہ، صاحب تاریخ فرشتہ کے بہنوئی سید شاہ میر بیجاپوری کے فرزند تھے، انکا مسقط الراس موضع چنگل پیٹ ہے جو مدراس سے تقریباً چھبیس ۲۶ میل پر واقع ہی، اور جسکی تعریف خود ابجدی نے اپنی تاریخ مین ان الفاظ مین کی ہی،

صفا دید کرناٹک دیر سال | بدین گونہ گشتند شیرین مقال
کہ پیر فلک را اگر قوت ست | توان گفت از آب چنگل پت ست
در ایام ماضی یکے شہر بود | باباد لیش شہرۂ دہر بود،
یکے مصر بود از بلاد کہن ہا | کہ بودند امرائے ہندو دکن،
بزیبا زمین خانہ حور بود، | بسان صنم خانہ معمور بود،
بزرگان درو مسکنت داشتند | ز علم و عمل مایہ بر داشتند،
گہر خیز حکمت چو یونان زمین، | بمغز فلاطون خرد آفرین،

چو بیت الشرف دور تر از بدی، بلے مولد خاصۂ الجبدی

الجبدی نے سن شعور کو پہنچکر اساتذۂ عصر سے عربی و فارسی کے علوم متداولہ حاصل کئے، اور اس کے ایک عرصہ بعد نواب والاجاہ کی ملازمت مین داخل ہوئے جسکی سلسلہ جنبانی اس طرح ہوئی، کہ اسی سال جب کہ حسین دوست خان عرف چندا صاحب جنگ مین ہلاک ہوئے، محمد علی خان نواب والاجاہ اپنی قیام گاہ نتھڑنگر سے چینا پٹن پہنچے اور فرنگی کونڈہ مین جو چینا پٹن سے تقریباً تین کوس پر واقع ہے قیام گزین ہوئے، یہان الجبدی کا کلام نواب کے سننے مین آیا جس پر انھون نے ان کے حالات دریافت کئے، حاضرین مین سے کسی نے یہ خبر الجبدی تک پہنچائی، اور اونھون نے تقریب باریابی کے لئے ایک قصیدہ نواب والاجاہ کی مدح مین لکھا، اور کسی توسل سے حاضر خدمت ہوئے اور اپنا قصیدہ پیش کیا، نواب نے سن کر تعریف کی، اوس کے بعد کہا کہ ہماری سرکار سے تمکو ورماہہ ملیگا، ہمارے خاندان اور ہمارے عہد کی تاریخ نظم کرو۔"

الجبدی نے اسی کے بموجب سرکاری دفاتر و روزنامچہ جات مطالعہ کئے، اور تاریخ نظم کرنی شروع کردی اور پانچ سال مین اس کام کو اختتام تک پہنچایا، چنانچہ وہ خود کہتا ہے، ؎

بسے رنج اندوختم سال پنج کہ تا گشت این نامہ روشن چو گنج

یہ کتاب زیر تالیف تھی، اور تقریباً نصف حصہ ختم ہونے پایا تھا، کہ موسی لالی اور حسین دوست خان کے بیٹے رضا علی خان نے اقتدار حاصل کرکے چینا پٹن کا محاصرہ کرلیا، نواب والاجاہ وہان سے نکل بندر ناگ پٹن سے جہاز پر سوار ہوکر نتھڑنگر روانہ ہوگئے، الجبدی زمانۂ محاصرہ مین چینا پٹن ہی مین رہ گئے تھے، کچھ عرصہ بعد اونھون نے بہ تبدیل ہیئت خشکی کے راستہ سے نواب والاجاہ مین حاضر ہوئے، والاجاہ نے (انورنامہ) کے بقیہ حصہ کی تکمیل کی فرمایش کی، اتفاق وقت مسودہ گم ہوچکا تھا، تعمیل حکم مین معذور رہے، کچھ دنون بعد وہ مسودہ توشک خانہ کے ایک صندوق مین موم جامہ مین لپٹا ہوا ملا، تو اوسکی تکمیل کی، نواب والاجاہ نے اوس کے صلہ مین ان کو چاندی مین تلوایا، چھ ہزار سات سو روپیہ وزن ہوا، یہ رقم دیدی گئی، اور نیز اوس کے علاوہ بیش قیمت خلعتون سے

سرفراز کیا،

تزکِ والاجاہی مین ان کا مفصل ذکر آیا ہے، اوس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اگرچہ ابجدی کے ہاتھ اور پاؤن مین رعشہ تھا، لیکن اس کے باوجود وہ شبانہ یوم مین دو چار ورق لکھ لیتے تھے،

انھین فارسی زبان پر کامل عبور تھا، عربی بھی تھوڑی بہت جانتے تھے، فنِ شعر و انشا مین استاد تھے، فارسی کے علاوہ اردو مین بھی شعر کہتے تھے، ان کے فارسی اور اردو دیوان کا ذکر صاحبِ تذکرۂ گلزارِ اعظم اور صاحبِ تزکِ والاجاہی نے کیا ہے، ۱۱۸۹ھ مین انھین ملک الشعرار کا خطاب دربارِ والاجاہی سے عطا ہوا، نوابِ والاجاہ نے اون کو عمدۃ الامرا اور امیر الامرار کی تعلیم کے لئے مامور کیا تھا، اور اسی تعلق سے ان دونون کی شان مین اونھون نے قصائد بھی لکھے ہین،

امیر الامرار کی مدح مین جو قصیدے ہین، اون مین سے ایک کا مطلع یہ ہے،

ہر عقدۂ مشکل کہ بیک مرتبہ وا شد از ناخنِ تدبیرِ امیر الامرا شد

صاحبِ تذکرۂ صبحِ وطن نے ان کے دیوان کے بعض اشعار اور غزلیات لکھے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا رنگِ تغزل قدما سے ملتا ہے، اسی طرح مثنویون مین انور نامہ کے علاوہ چند اور مثنویان بھی ہین، ان مین ایک ہفت جوہر ہے، جو بہرام گور کے احوال پر مشتمل ہے، اور ایک دوسری زبدۃ الافکار مخزنِ اسرار کے مقابلے مین لکھی گئی ہے اور اسی طرح دو اور مثنویان مودت نامہ اور قصۂ راغب و مرغوب کے نام سے ہین،

ابجدی کا انتقال ۱۱۹۳ھ مین ہوا ہے، اور میلاپور (مدراس) کی مسجد کے صحن مین دفن ہوئے،

انور نامہ | انور نامہ کا ایک نسخہ دفتر دیوانی و مال علاقہ سرکارِ عالی مین موجود ہے، جسکی کتابت بندر چینا پٹن (مدراس) مین ۱۴ رجب ۱۲۰۳ھ کو تکمیل پائی ہے، اس اعتبار سے کہ مصنف سے اور تاریخِ اختتامِ کتابت سے قریب زمانہ مین مدراس ہی مین لکھی گئی ہے، یہ کتاب قابلِ وقعت ہے،

کتاب کا نام نوابِ والاجاہ کی فرمایش سے اوس کے خطاب "انور الدین خان" پر "انور نامہ" رکھا گیا ہے،

چنانچہ ابجدی کہتا ہے،

بگیتی بر آور حدیثِ ثواب بنامِ ہمایون ماکن کتاب

کتاب کے عنوانات نثر مین لکھے گئے ہین، مثلاً سبب تالیف بیان کرنے کے بعد یون ہے۔

"دربیان آغاز داستان انور نامہ وذکر ریاست ومحاربات نواب انور الدین خان بہادر شہید رحمۃ اللہ علیہ پدر بزرگوار ممدوح"

کتاب حمد ونعت اور سبب تالیف اور خاتمۂ کتاب کے علاوہ جملہ سر سٹھ ۶۷ ابواب پر مشتمل ہے، کتاب کا اختتام فتحِ پانڈیچری کے سال (۱۱۷۴ھ) ہی مین ہوا ہے، جیسا کہ خاتمہ کے ان اشعار سے ظاہر ہے ؎

زہجرِ جہان سیدِ پُر وقار ہزار وصد وبود وہفتاد وچار

زفتحِ دل آویزۂ پھلچری ہمان سال بود وہمان داوری

شد این نامہ در جنب آن بنتتہ مختتم مع الخیر والبرکتہ

آغازِ کتاب کے بعد ہی انور الدین خان اور اون کی اولاد کا کچھ ذکر کرکے فرانسیسیون اور انگریزون کا ذکر آیا ہے، انگریزون کے طرزِ حکومت اور ان کے بعض اصطلاحات والفاظ جیسے گورنر، کرنل، اڈمیرل جنرل، کونسل وغیرہ کے معنی بتائے ہین، اور اوسکی وجہ یہ بتائی ہے، کہ اس کتاب مین آگے جہان کہین ایسے الفاظ آئین، تو اونکے معنی سمجھنے مین آسانی ہو، وہ اشعار جن سے بعض انگریزی الفاظ کے مفہوم ومعنی معلوم ہوتے ہین، ہم یہان لکھتے ہین تاکہ ابجدی کے طرز تفہیم وترجمہ کا اندازہ لگے، ؎

ہرآنکس کہ سالار بندر شود در انگریزیان نام گوبزشود (گورنر)

خداوندِ قوم ست وسردارِ فوج کشد فرقِ عزت زپستی براوج

زفرہی باہابت بود مدار المہام ولایت بود"

چو میر جہازات شد کس برآب بود ادمیر (اڈمیرل) درزبانش خطاب

به بخشی گری هر که شد سربلند	بجندرال اورا ملقب کنند (جنرل)
کمندر و کرنل بهم هر دو کس (کمانڈر) (کرنیل)	بخدمات جنگی نواز و جرس
چنین گفت با من زبان دان شان	کپتان بود در لغت قلعه بان CAPTAIN
بقول دگر داستان در نسفت	سرِ صد نفر را کپیتان بگفت
حشم را بنامند از سولداد (سوبجر)	چنین ست قول فرنگی نژاد
زبانے که دارند از بحر و ی	صفوف پیاده بود گارڈی (گارڈ؟)
بفرمود گوینده آن زبان	بکاف دری لفظ کارست دان
بمعنے بود وصف شیران جنگ	لغت هست مخصوص قوم فرنگ
بود هر دو حرف اخیرش زیاد	زبان دان هندی بغلطی فتاد
بجائے که از اتفاق همه	پے مشورت چون شود محکمه
بکونسیل نامند آن بزم را (کونسل)	در آن جا درستی بود عزم را

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ امجدی نے انگریزی الفاظ کے معنی کس سلیقہ سے ہماری زبان کے مطابق بیان کیے ہین، ان اشعار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اونھون نے ضرورت شعری کے اعتبار سے الفاظ مین بہت کچھ تبدیل و تحریف کر لیا ہے، جیسا کہ کپیتان کہ دراصل کپتان اور سولداد (سوبجر) سولدر ہے، خود اپنی زبان فارسی کے الفاظ مین بھی عام استعمال کے خلاف حرکات و سکنات کی تحریف اور الفاظ کی تقدیم و تاخیر اور تعقید کو روا رکھا ہے، اور اوس کے متعلق شاعر کے اختیار کو اور خود اپنے عمل کو ان اشعار مین ظاہر بھی کر دیا ہے، سه

جوازست بر شاعر دُر فشان	که ما لا یجوز است بر غیر آن
بتقدیم و تاخیر پرداختن	به تعقید الفاظ در ساختن

مرا نا گزیر ست ور شاعری شدم کاربند چنین داوری

واقعات تاریخی کے قلمبند کرنے مین غلو اور مبالغہ سے کام نہین لیا گیا، البتہ بعض ایسے واقعات کو جو انگریزی کمپنی سے متعلق ہین، نواب والاجاہ کی کارگذاری مین داخل کرلیا ہے، لیکن شاید اوسکی وجہ یہ ہو کہ اس زمانہ مین نواب والاجاہ محمد علی خان اور انگریزون سے ایسے روابط اور دوستانہ تعلقات تھے کہ بعض واقعات دونون کی جانب منسوب کئے جاسکتے ہین،

اظہار واقعات مین نزاکت تخیل اور نکات شاعری کو ہاتھ سے جانے بھی نہین دیا ہے، مثلاً نامرجنگ کی شہادت کا ذکر کرتے ہین، تو اون کے تخلص آفتاب کی مناسبت سے لکھتے ہین

بیت

شنیدم کہ روز امید و گزند بیک نیزہ خورشید آید بلند

مگر روز معہود آمد شتاب کہ بر نیزہ اینک بود آفتاب

گو اس کتاب کے منظوم ہونے کی وجہ سے اوسکو تزک والاجاہی کے مقابلہ مین تاریخی اہمیت زیادہ نہین دیجا سکتی، تاہم یہ اس عہد کی عام تاریخون مین خاص اہمیت رکھتی ہی، اور اس قابل ہو کہ دکن اور کرناٹک کی تاریخ کی تدوین مین اسکو ماخذ بنایا جائے،

سنہ ۳۸ھ
مین
ہندوستان پر عربون کا حملہ

(اطالین زبان سے کائتانی کی تاریخ کبیر سے ترجمہ کیا گیا)

از

جناب سید حسن صاحب برنی، بی اے ال ال بی (علیگ) ایڈوکیٹ بلند شہر،

عرب و اسلام کے ابتدائی عہد ترقی مین مدنی خلافت اور ہندوستان کے باہمی تعلقات کے حالات جیسا کہ ہم قبل ازین بیان کر چکے ہین بہت کچھ پردۂ اخفار مین پڑے ہوئے ہین، خاص ساحل ہند پر حملہ آوری کا پہلا نشان سنہ ۱۶ھ کے واقعات مین دکھائی دیتا ہی، جو لوٹ سے آگے نہین بڑھتا لیکن متن کی کوتاہی جس کا منشا زیادہ تر حضرت عمرؓ کے حکم امتناعی کا اظہار ہی اس پہلی مہم کے واقعات کو مبہم چھوڑ جاتی ہے،

ہمین معلوم ہے کہ البحرین اور عمّان کے بعض حصے فوجی عربون سے آباد تھے، البتہ ہم یہ نہین کہہ سکتے کہ جن عربون نے جہازی بیڑون مین کام کیا، وہ بھی خالص عرب تھے، یا اُن ملکون کے رہنے والے تھے، جن پر مسلمانون نے حملہ کیا، ہم نے اپنی تاریخ کے موقع با لا موقع (حالات سنہ ۱۶ھ) پر اس نظریہ کی طرف اپنا رجحان طبع ظاہر کیا ہی، کہ ملاح غالبًا غیر عرب تھے، یہ امر مہم کی نوعیت سے جو خطرناک طویل اور دشوار تھی، ظاہر ہے، نیز اس وجہ سے تھی، کہ یہ مہم ان مقامات کے متعلق جن پر حملہ کیا گیا صحیح اور مکمل واقفیت چاہتی تھی،

حضرت عمرؓ کی ممانعت بھی ممکن ہی، اُس مہم کی قلیل کامیابی کا موجب ہوئی ہو،

حضرت عثمانؓ کی خلافت، اور سنہ ۳۱ھ کے واقعات مین ہم نے ایک اور روایت ترجمہ کی ہے جسمین مسلمانون اور ہندوستان کے باہمی تعلقات کا ذکر ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اس بار عربون کی مہم کا مقصد صرف تفتیش حالات تھا، اور وہ ہندوستان کے قریبی مقامات اور خاص ہند کی سیر تک محدود تھی، اس کے برخلاف وہ روایت جو حکیم بن جبلہ العبدی سے منسوب ہے، صرف بلوچستان کے ریگستانی علاقون یا زیادہ سے زیادہ سندھ کے مشرق صحراؤن کے متعلق ہو سکتی ہی، خلیفہ عثمان رضؓ نے اس مہم کو روک دیا، حکیم کی روایت بنظر احتیاط دیکھے جانے کے قابل ہے،

برخلاف اس کے جو مہم سنہ ۳۸ھ مین مندرجۂ ذیل روایت کے روسے بھیجی گئی تھی، وہ ایک باضابطہ حملہ تھی،

سچ یہ ہے کہ یہ روایت بھی موجودہ صورت مین بمشکل یقین کے قابل ہی، یا کم از کم مزید روشنی اور وضاحت چاہتی ہے، اس سال حضرت علیؓ ہر قسم کے خطرات مین گھرے ہوئے تھے، اور ان کی تمام تر توجہ سلطنت کے دشوار ترین مسائل مین مصروف تھی، مثلاً اپنے اور معاویہ کے قضیہ کا پنچون کے ذریعہ سے فیصلہ، خارجیون سے شدید مقابلہ اور اس پرشور و شر سال کے مہلک نتیجہ کے طور پر اندرونی بدنظمیان، اس لئے ہم اس نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور ہین، کہ اگر یہ روایت صحیح ہی تو وہ کسی ایسی مہم کے متعلق نہین ہو سکتی، جس کی تجویز حضرت علیؓ نے فرمائی ہو، یا جس کا حکم اونھون نے دیا ہو، غالباً یہ مہم کسی ایسے مسلمان سردار یا سرحدی سپہ سالار نے جو کارنمایان دکھانے کا شائق اور مال و متاع اور حکومت مرکزی سے آزادی کا جویا تھا، ترتیب دی تھی،

ہمین یاد رکھنا چاہئے کہ سنہ ۳۸ھ مین حضرت علیؓ کی حالت پہلے سے زیادہ خطرہ مین گھری ہوئی تھی یہان تک کہ بجز فارس کے جہان سنہ ۳۹ھ مین انھین خود اپنے مضبوط عامل زیاد بن ابیہ[1] کی حکومت کو مدد دینے کیلئے جانا پڑا، ایران کے تمام دیگر اقطاع پر ان کا اثر برائے نام رہ گیا تھا حتی کہ اس جنگ مین جو امیر معاویہ کے خلاف ہوئی، اہل کوفہ پر بھی بھروسہ نہین کیا جا سکتا تھا، وہان نہ فوج ملی نہ رسد، کوفہ پر بھی ان کا اقتدار حقیقی نہ تھا، غالباً مشرقی اور شمالی عرب بھی اسلامی حکومت کے اس خلیفہ کے اثر سے ایک بڑی حد تک آزاد تھے،

ان حالات کی تائید اُس قبلیہ (عبد القیس) کے نام سے بھی ہوتی ہے، جس سے الحارث بن مرّہ کا جو کہ اس

[1] معارف: ابن اثیر ج ۳ ص ۲۱۳ مین اس کا نام زیاد بن امیہ ہے،

مہم ۳۹ھ کا سردار تھا، تعلق تھا، غالباً ۱۶ھ کی طرح اس مرتبہ بھی یہ مہم بحرین یا عمان سے روانہ ہوئی جس کا باعث اس علاقہ کی کوئی عرب جماعت ہوئی، جو ملکی بدنظمی سے فائدہ اوٹھانا چاہتی تھی جس طرح ان ملکون کے سردارون نے حضرت عثمانؓ کے حکم کی پروا نہین کی، اسی طرح اس بدنظمی کے دور مین بھی عمل ہوا،

یہ بیان ابھی زیادہ قابل غور ہے، کہ جو عرب اس مہم پر گئے، وہ وہین رہ گئے، اس سے معلوم ہوتا ہے، بلکہ یہ بین ہے کہ اس مہم کا مقصود ترک وطن تھا، یہ بھی غور طلب ہے کہ الحارث کی موت ۴۲ھ مین بعہد خلیفہ معاویہ واقع ہوئی جن کے قبضہ مین کل سلطنت تھی، اور جنھون نے صوبجات کی بدنظمیون کو دور اور اُن خودمختاریون کا استیصال کر دیا تھا، جو رات دن کی بدنظمیون ہی سے پیدا ہو گئی تھین،

ہمارا یہ مطلب نہین ہے، کہ معاویہ نے اس منچلے عرب سردار کو مروا دیا، بلکہ اغلب یہ ہے کہ جب معاویہ نے تمام سلطنت پر قابو پالیا تو ایسے خودمختار لوگ خود بخود غائب ہو گئے جس کی وجہ سے اس روایت مین ان کی موت بیان کی گئی ہے،

لیکن یہ ممکن ہے کہ یہ روایت بالکل صحیح ہو، اسلئے کہ القیقان کی ہندوستانی آبادی نہایت جنگجو تھی، جو عربون کو بہت تنگ کرتی رہتی تھی، آگے چل کر کئی مرتبہ ہمین القیقان مین مسلمانون کی شکستون کا حال معلوم ہوگا،

القیقان کے متعلق بھی ایک لفظ کہہ دینا ضروری ہے، ان متون مین کسی سے واضح نہین ہوتا، کہ اس خطہ سے مراد کونسا علاقہ ہے، نہ وہ جغرافیائی قاموسین ہی جو ان تاریخون سے ماخوذ ہین، اس پر کچھ روشنی ڈالتی ہین، مثلاً یاقوت نے ہندوستانی نامون کے عربی تلفظ کی غلطیون کو بتاتے ہوئے البلاذری کے اُس مقام کو جسمین اس کا ذکر ہے، مع تاریخی اور جغرافیائی حواشی کے جو اس مصنف نے دیے ہین نقل کر دیا ہے،

بعد کے مصنفون کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے، کہ القیقان دریاے سندھ کے بالائی حصے سیستان اور ملتان کے مابین واقع اور ترکون کے حملے کیلئے کھلا ہوا تھا، اُس زمانہ مین وہ ایک صحرا کی حیثیت رکھتا، اور گھوڑون کی نسل کیلئے بہت موزون تھا، اس لئے یہ ممکن ہے، کہ القیقان موجودہ افغانستان کا ایک ہندوستانی صوبہ ہو جو کہ سندھ کے شمال

مین واقع تھا، ممکن ہو کہ موجودہ صوبہ پنجاب کا ایک جزو ہو،

علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف نے روایت کی ہے، کہ ۳۸ھ کی اخیر اور ۳۹ھ کے شروع مین بزمانۂ خلافت حضرت علی بن ابی طالبؓ ان حدود کی طرف الحارث بن مرۃ العبدی باختیار خود، وبعد اجازت حضرت علیؓ فتحیاب ہوا اور مال اور قیدی حاصل کئے اور ایک دن مین ایک ہزار مویشی تقسیم کئے،

بعد مین وہ بجز چند کے تمام ساتھیون کے ساتھ القیقان کے ملک مین مارا گیا، اور اوسکی موت ۴۲ھ مین ہوئی، القیقان ہندوستان کے صوبۂ سندھ کا وہ حصہ ہے، جو خراسان سے ملا ہوا ہے (البلاذری نیز دیکھو ابن الاثیر ج ۳ ص ۳۲۱، ۳۲۳، جہان اس واقعہ کا تذکرہ ۳۹ھ مین کیا گیا ہے، تعزابردی قلمی نسخہ پیرس ۱۵۵ ص ۶ب، نویری قلمی نسخہ لائڈن ج ۱ ص ۱۳۵ب یاقوت ج ۴ ص ۲۱۷)،

خلافت اور ہندوستان

آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفاے اسلام سے جو تعلقات رہے ہین ان کی تشریح اور سلاطین ہند کی تاریخ سکون اور کتبون سے ان تعلقات کا ثبوت، قیمت ۸ حجم ۸۹ صفحے،

لہ البلاذری کا اصل متن حسب ذیل ہے:۔

"فلما کان آخر سنہ ۳۸ و اول سنہ ۳۹ فی خلافۃ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ توجہ الی ذالک الثغر الحارث بن مرۃ العبدی متطوعاً باذن علی فظفر واصاب مغنماً وسبیاً وقسم فی یوم واحد الف راس. ثم انہ قتل ومن معہ بارض القیقان الا قلیلاً وکان مقتلہ فی سنہ ۴۲، والقیقان من بلاد السند مما یلی خراسان (ص ۴۳۸ طبع اول مطبع الموسوعات قاہرہ سنہ ۱۳۱۹ھ)

کتبخانۂ حبیب گنج

کی

فہرست کتب کا گوشوارہ۔

از نواب صدر یار جنگ مولینا حبیب الرحمن خان شروانی۔

سابق مین اپنے کتابخانہ کی قلمی سرمایہ کی فہرست مرتب کرنے کی اطلاع معارف کے ذریعے سے اہل علم کو کی تھی، اوسکے بعد ایک مرحلہ اور طے ہوا، اپنے ذوق کے مطابق ایک گوشوارہ تیار کیا ہی، اوسکے عنوان بھی خود ہی تجویز کیے ہین، قارئین معارف کی خدمت مین اصلاح و اطلاع کے لئے پیش کرتا ہون، ممکن ہے دوسرے کتابخانہ ان مین سے کسی عنوان کو اپنے لئے پسند فرمائین، اس گوشوارہ کا خیال یون بھی ہوا کہ ایک امریکن خاتون یہان صرف مطلا و مذہب کتابین دیکھنے آئی تھین، دکھائی گئین، مگر فہرست جداگانہ نہ ہونے سے ملاحظہ تمام نہ ہوسکا گوشوارہ کے عنوان حسب ذیل ہین، عنوان چونکہ جدید ہین، اس لئے شاید نامانوس ہون یا ناموزون، عدم موزونیت کی اصلاح کا ارباب ذوق سے آرزومند رہون گا۔

(۱) الذہبیات:۔ اس عنوان کے تحت صرف وہ کتابین ہین، جو طلائی کام کے لحاظ سے امتیاز رکھتی ہین، ان کتابون کی مدد سے مختلف عہدون اور ملکون کے انداز اور ذوق کا پتہ لگ سکتا ہی، ماوراء النہر، ایران، عرب، ترکی، کشمیر، ہندوستان وغیرہ ممالک کا ہنر سامنے آجاتا ہے، مختلف ادوار کی ترقی و تنزل مذاق کا پتا لگ سکتا ہی،

(۲) الخطاطیات:۔ اس عنوان کے تحت مین مسلم خطاطون کے قلم کی کتابین درج ہین، مثلاً میر عماد،

میر علی کاتب وغیرہ،

(۳) الخطیات:- یہ وہ کتابین ہین، جو اعیان ملک کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہین، یا اون کے خطوط مزین ہین، مثلاً ابوالحسن آصف خان شاہجہانی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی،

(۴) المجلدات:- قدیم جلد سازی کے نمونے،

(۵) السلطانیات:- جن کتابون کا سلاطین سے خاص تعلق ہے وہ اس عنوان مین لکھی گئی ہین، مثلاً ابراہیم عادل شاہ کے کتاب خانہ کی "پیشکش شاہزادہ عالیجاہ اعظم شاہ بحضرت عالمگیر بادشاہ در سنہ جلوس"

(۶) الفتوحیات:- وہ کتابین جو سلاطین کے کتابخانون مین فتح کے مال غنیمت مین سے داخل ہوئین، مثلاً مثنوی گوے چوگان ملا عارفی، نوشتہ میر علی کاتب جو عالمگیر بادشاہ کے کتابخانہ مین فتح گولکنڈہ کے مال غنیمت مین سے داخل ہوئی،

(۷) المقامیات:- وہ کتابین جن پر مقام تحریر وغیرہ درج ہی مثلاً قسطنطنیہ، مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، بلخ بخارا وغیرہ دار السلطنتون سے لیکر دیہات تک سب درجون کے مقام اس فہرست مین ہین، کبھی ہمارے علمی فیض سے ایک عالم منور تھا، اب یاد ہے اور حسرت، ایک مقام ڈھونڈھی معجم البلدان مین اس کا پتا نہین، شاید اہل معارف پتا بتا سکین،

(۸) الختمیات:- جن کتابون مین مہرین ہین اس فہرست سے ورق باورق سوا مہرون کی تاریخ عیان ہو جاتی ہے، بعض مہرین کسقدر دلگیر ہین، "نظام الدین بیچارہ نہ این نہ آن"، "این نیز بگذرد" اس مہر کو بار بار پڑھا، کتاب کو دیکھا، دل نے کہا آخر گذر ہی گیا، جب سے اب تک خدا معلوم کیا کیا، اور سنہ ۹۱۲ کون کون گذر گیا، ایک مہر عجیب ہے، جو مدور بڑی امراء شاہی کی شان کی نہایت خوشخط واضح الحروف ہے، الفاظ بجنسہ نقل کیے جاتے ہین، شاید کسی طرف سے روشنی پڑے، کہ یہ کون امیر تھے کس نسل یا ملک کے،

محمد شاہ بادشاہ غازی ۱۱۵۰
دو دیتک دیل دیر سانون ندو
یہ مہر جس کتاب پر ہے وہ زبور کا ترجمہ ہے،

(۹) الاقاربیات :۔ یہ وہ کتابین ہین جن کا میرے رشتہ دارون سے تعلق ہو، اون کی تالیف ہین، حواشی سے مزین ہین، فرمایش سے لکھی گیئن، یا اون کے کتابخانون سے لین وغیر ذالک،

(۱۰) الاستاذیات :۔ اس عنوان مین وہ کتابین رکھی گئی ہین جو میرے استاذون کے سلسلہ مین سے کسی بزرگ کی لکھی ہوئی ہین، یا محشی بقلم خاص ہین، یا اون کے خطاسے کسی دوسرے عنوان سے مزین ہین، وغیر ذالک،

(۱۱) الحسنیات :۔ ان مین وہ کتابین ہین جو بلحاظ خط نادر ہین (نمبر خطاطیات)

(۱۲) القرطاسیات :۔ اس مین کاغذون کے اقسام دکھائے گئے ہین، مثلاً گجراتی، سمرقندی، خان بالغ وغیرہ،

(۱۳) العتیقات :۔ نوین صدی ہجری یا اوس سے قبل کی کتابین، سب سے قدیم نسخہ، پانچوین صدی کا ہے،

(۱۴) المخطوط :۔ اس مین مختلف خطون کی تشریح ہے، مثلاً خط نسخ عربی، بغدادی، ایرانی، کشمیری، ہندی، نستعلیق [illegible]

(۱۵) المصنفیات :۔ خط مصنف یا نسخہ مصنف سے منقول، یا مقابلہ شدہ وغیرہ، مثلاً الاجوبۃ الاسولۃ للامام القشیریؒ خود امام کے ہاتھ کا لکھی ہوئی۔

ارتیاح الاکباد بارباح فقد الاولاد۔ للحافظ شمس الدین سخاویؒ اون کے ہاتھ کی لکھی ہوئی (بعض حصے)

تلخیص و تبصرہ

تہذیب مغرب کی خودکشی

ضبطِ ولادت (برتھ کنٹرول) کا مسئلہ یورپ و امریکہ کے لئے جس درجہ اہم ہو رہا ہے اُس کا اندازہ سطور ذیل سے ہوگا جو رسالہ لٹریری ڈائجسٹ (نیویارک ۹ جولائی ۱۹۳۲ء) کے ایک مقالہ سے نقل کی جاتی ہیں، جو لوگ اس تحریک کے حامی ہیں، ان کے نزدیک موجودہ اقتصادی دشواریوں کا حل بہت کچھ اسکی کامیابی پر منحصر ہے اور بعض مُصلحت بین" نگاہوں کو اس تاریکی میں بھی روشنی نظر آرہی ہے، چنانچہ بوسٹن کا اخبار "ہرلڈ" لکھتا ہے کہ شرح پیدائش کا یہ انحطاط بالآخر بے روزگاروں کی تعداد گھٹا دیگا" اور لندن کا "ڈیلی ہرلڈ" اپنی تسکین کے لئے یہ کافی سمجھتا ہے کہ "اگر بچوں کی تعداد بہ نسبت پہلے کے اب کم ہوگئی ہے، تو بھی قوی احتمال ہے کہ اپنے اوصاف کے لحاظ سے وہ اس وقت بہتر ہیں، نیز یہ کہ ان کے والدین اب بہتر طریقہ پر انھیں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بنا سکیں گے اور یہی اصلی فائدہ ہے، عرصہ ہوا مشرق کے شاعر نے پیشینگوئی کی تھی، کہ

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

(اقبال)

اسکی تصدیق آج خود مغرب کی زبان سے ہو رہی ہے، اور جس خطرہ کا احتمال تھا وہ اب آنکھوں کے سامنے ہے، ضبطِ ولادت کی تحریک جس نے آج اتنی تشویشناک شکل اختیار کرلی ہے، حقیقۃً صرف ایک سبب ہے منجملہ مختلف اسباب کے جو انفرادی اور اجتماعی طور پر تہذیب مغرب کا شیرازہ بکھیرنے میں مصروف ہیں، ڈاکٹر اسپنگلر اس تحریک کا سبب "عقائد

مذہبی کا انتشار، نفسیاتی بےچینی، عورتون کی آزادی اور اقتصادی حالات بتاتے ہین" لیکن اصل یہ ہے کہ ان مین سے ہر ایک نتیجہ ہے اُس نفس پرستی کا جو مغرب کی فطرتِ ثانیہ بن گئی ہے اور جس کی کارفرمائی تہذیب و معاشرت کے ہر پہلو مین یکسان نمایان ہی، فطرت اپنا انتقام لے کر رہتی ہے اور اُس کے قوانین کا تسلط امیر و غریب، حاکم و محکوم، متمدن و وحشی، سب پر ہمیشہ سے قائم ہی، مغرب کا موجودہ انتشار جو تمدن کے ہر شعبہ مین ظاہر ہو کر اسکی بنیادون کو ہلا رہا ہے، انھی قوانینِ فطرت کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے، وہان کے بعض اہلِ نظر مرض کی تشخیص کر رہے ہین لیکن جب خود مریض کے نزدیک مرض ہی عین صحت ہو، تو پھر صحت کی توقع کون کرسکتا ہی؟

بہرحال مضمون مذکور کا خلاصہ حسب ذیل ہی،

ضبطِ ولادت (برتھ کنٹرول) کی تحریک سے گہوارے خالی ہو رہے ہین، اگر شرحِ پیدائش کا یہ انحطاط جاری رہا اور اسے روکا نہ گیا، تو اس کے یہ معنی ہین کہ ایک قلیل مدت مین (DECADES) مغربی تہذیب و تمدن کا خاتمہ ہو جائے گا، انگلستان، فرانس، جرمنی، اور اٹلی کی شرحِ پیدائش کے تازہ ترین اعداد و شمار سے یہ پورے طور پر ثابت ہے کہ یورپ کی تمام بڑی قومون کی آبادی روز بروز گھٹ رہی ہے، ان اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی صدی سے شرحِ پیدائش مین تشویشناک طریقہ پر کمی ہو رہی ہے، اس ملک (امریکہ) مین بھی شرحِ پیدائش کی فطری ترقی انحطاط کی جانب مائل ہے،

"ڈیلی میل" (لندن) کا بیان ہو کہ سال (سنہ ۱۹۳۱ء) کی اول سہ ماہی مین انگلستان اور ویلز مین پیدائش کا اوسط رجسٹرار جنرل کے اندراج کے مطابق (۱۵٫۳) فی ہزار تھا، اس حصہ سال مین کبھی اتنا کم اوسط نہین ہوا تھا، سنہ ۱۸۷۶ء مین پیدائش کا اوسط (۳۶٫۳) تھا، اس انحطاط کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی تردد خیز ہے کہ اس عرصہ سال مین شرحِ اموات شرحِ پیدائش سے بڑھ کر تھی یعنی (۱۵٫۳) کے مقابلہ مین (۱۵٫۴) اموات کی تعداد ولادت کی تعداد سے (۱۲۱۴) زیادہ تھی، شرحِ پیدائش کا یہ انحطاط کوئی عارضی انحطاط نہین ہے، بلکہ روز بروز زیادہ طاقت حاصل کرتا جاتا ہی، اس سہ ماہی مین لندن کی شرحِ پیدائش صرف (۱۴٫۶) تھی، انگلستان کے (۱۱۷) بڑے شہرون مین

شرح (۱۵٫۶) تھی یعنی تمام ملک کی شرح پیدایش سے کچھ ہی زیادہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انحطاط ایک قومی انحطاط ہے اور صرف شہروں ہی تک محدود نہیں ہے،

"ڈیلی میل" لکھتا ہے کہ دوسرے ملکوں میں اکثر شہروں کی شرح پیدایش اس سہ ماہی میں لندن سے کم تھی اعداد وشمار حسب ذیل ہیں،،۔

برلن	۸٫۸	اوسلو (ناروے)	۸٫۹
ڈرسڈن	۸٫۹	پیرس	۱۴٫۵
لائپزگ	۱۰٫۸	نیویارک	۱۵٫۹
میونک	۱۰٫۰	شکاگو	۱۴٫۳
ہیمبرگ	۱۱٫۱		

شرح پیدایش کے انحطاط کا بڑا سبب تحریک ضبط ولادت کی ترقی ہی جسکی مخالفت حقیقۃً صرف ایک ہی بڑی جماعت یعنی کلیسائے رومہ کی طرف سے ہو رہی ہے، اس صورت حال سے اس امر کی توجیہ کسی حد تک ہو سکتی ہے، کہ میڈرڈ میں پیدایش کا اوسط کیوں (۳۱٫۱) تھا یعنی یورپ کے دوسرے دارالسلطنتوں کا تقریبًا دوچند،،

اسپین، پرتگال اور آئرلینڈ میں جہاں رومن کیتھولک مذہب جاری ہے اس صدی کے ابتدائی سالوں کی بہ نسبت ۱۹۲۵ء سے آبادی کی فطری رفتار میں اضافہ ہو رہا ہے، برخلاف اس کے انگلستان، جرمنی، ناروے، سوئڈن اور بلجیم میں یہ فطری ترقی اب ۲۵ پچیس سال پیشتر کے مقابلہ میں گھٹ کر صرف ایک چوتھائی رہ گئی ہے آسٹریا اور فرانس، اگرچہ یہ ممالک بھی رومن کیتھولک ہیں، نیز سوئزرلینڈ میں یہ تخفیف پچاس فی صدی سے زیادہ ہی،

"ڈیلی میل" کے نامہ نگار کے بیان کے مطابق پیدائشوں کی تخفیف سے فرانس میں سخت تشویش پھیل رہی ہے، وہ لکھتا ہے "یہ مسئلہ اتنا اہم ہو گیا ہے کہ جہاں ۱۹۳۰ء میں (۲۵۸۰۰۰) نوجوان فوج میں بھرتی ہوئے تھے، وہاں اندازہ ہے

کہ ۱۹۳۵ء میں صرف (۱۲۶۰۰۰) داخل ہون گے، ۱۸۲۵ء میں فرانس کے ہر اوسط خاندان نے چار بچے پیدا کئے تھے، ۱۸۹۶ء میں تین بچے ہوئے، اور آج اوسطاً صرف (۲۰۲) ہے، اگر شرح پیدایش کا یہ انحطاط اپنی موجودہ رفتار کے ساتھ جاری رہا، تو تخمینہ یہ ہو کہ پچھتر سال مین آبادی تقریباً نصف گھٹ جائیگی،

برلن سے اطلاع آئی ہے کہ ۱۹۳۰ء میں شرح پیدایش (۱۶) فی ہزار تھی اور جہان تک اندراجات سے معلوم ہوتا ہے، یہ وہان کی پست ترین شرح تھی، گذشتہ سال جرمنی کی (۳۶۰۰۰۰۰) آبادی مین ولادتون کی تعداد اموات کی تعداد سے (۳۰۵۵۲۵) زیادہ تھی، حالانکہ ۱۹۳۰ء مین یہ زیادتی بقدر (۴۶۶۰۰۰) کے تھی، لیکن برلن مین اموات کا شمار ولادتون کی تعداد سے (۱۰۷۱۸) زیادہ تھا،

اٹلی مین گذشتہ پانچ سالون سے شرح پیدایش مین کسی قدر تخفیف نمایان ہو، ۱۹۲۶ء مین شرح پیدایش (۲۷) فی ہزار تھی، ۱۹۳۱ء مین گھٹ کر (۲۵) ہو گئی، ۱۸۸۴ء مین یہ شرح (۳۹) تھی، اور ۱۹۰۰ء مین (۳۳)

ممالک متحدہ امریکہ مین شرح پیدایش ۱۹۲۱ء مین (۲۴،۳) تھی جو ۱۹۳۰ء مین (۱۸،۹) تک اتر آئی، ۱۹۳۰ء مین پولینڈ کی (۳۱۰۰۰۰۰۰) کی آبادی مین ولادتون کی تعداد اموات کی تعداد سے (۵۲۶۰۰۰) زیادہ تھی، اور اوس سال کی شرح پیدایش (۳۲،۸) ۱۹۲۹ء کی شرح پیدایش سے کسی قدر بڑھی ہوئی تھی،

خود امریکہ کا یہ حال ہے کہ اوس کے چودہ بڑے شہرون مین ولادتون کی تعداد کم ہو گئی ہو، مٹروپولیٹن لائف انشیورنس کمپنی کی طرف سے جو اعداد و شمار شایع ہوئے ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مین سے ہر شہر کی شرح پیدایش ۱۹۳۱ء مین کم ہو گئی ہے، بوسٹن مین یہ کمی (۲۲) فی صدی تھی، اور ڈٹر وائٹ مین (۱۷) فی صدی، ممالک متحدہ کے بڑے شہرون مین پٹس برگ ہی ایک ایسا شہر تھا، جسکی شرح پیدایش (۲۰) فی ہزار سے زیادہ تھی، لیکن وہان بھی ۱۹۳۰ء کے اعداد و شمار کے لحاظ سے یہ شرح (۶) فی صدی سے زیادہ گھٹ گئی تھی، ان شہرون مین سے پانچ ایسے تھے، جن کی شرح اموات مین ترقی پائی گئی، اور چھ مین تخفیف دیکھی گئی، ڈٹروائٹ اور ملواکی کے نام موخرالذکر مین سب سے پہلے ہین، شہر نیویارک کی شرح اموات مین بہت خفیف اضافہ پایا گیا، یعنی ایک فی صدی

سے بھی کم،

غرض معلوم یہ ہوتا ہے کہ تمام مغربی تہذیب و تمدن عنقریب فنا ہو جانے والا ہے، یہ صورت حال کسی خلقی جسمانی کمزوری کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس امر پر عام طور سے اتفاق رائے معلوم ہوتا ہے، کہ مغربی تہذیب خودکشی کر رہی ہے؛ "ڈیلی میل" کی رائے ہے کہ پیدائشون کی تعداد میں تخفیف کا اصلی اور واضح سبب ضبطِ ولادت کی تحریک ہے، جسے بالعموم لوگون نے اختیار کر لیا ہے، چنانچہ لکھتا ہے کہ "وہ وقت بہت دور نہیں ہے کہ برطانیہ عظمیٰ کی آبادی مین اضافہ موقوف ہو جائیگا، اور وہ بالکل رک جائیگی، چند سال ہوئے پروفیسر بولے نے تخمینہ کیا تھا کہ بیس برس کے بعد یہان کی آبادی (۴۸۰۰۰۰۰۰) تک پہونچ جائیگی، اور پھر اس کے اوپر نہ بڑھے گی لیکن اب عمومیت کے ساتھ اس رائے پر اتفاق ہے کہ وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے"؛

اس نظریہ کی تصدیق کہ شرحِ پیدائش مین جو عام انحطاط ہے وہ تحریکِ ضبطِ ولادت کی وجہ سے ہے، ڈاکٹر اے سنگلیر مددگار پروفیسر معاشیات اڈنبرا یونیورسٹی کے بیان سے ہوتی ہے، وہ اس تحریک کا سبب عقائد مذہبی کے انتشار نفسیاتی بے چینی، عورتون کی آزادی، اور اقتصادی حالات کو قرار دیتے ہین، وہ لکھتے ہین "یہ امر کہ ضبطِ ولادت ہماری معاشرت کا ایک ضروری جزو ہو گیا ہے، اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ اوسکی شدید مخالفت صرف ایک ہی مرتب و منظم جماعت یعنی کلیسائے رومہ کی طرف سے ہو رہی ہے، اگرچہ اب اس مخالفت کا اثر روز بروز کم ہو رہا ہے،

"ع ز"

عیسوی مذہب مین شیطان کا عقیدہ،

چند روز ہوئے ڈاکٹر دستور پادری نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبی کی ایک مجلس مین یہودیت، ملائکہ، اور جنات پر ایک دلچسپ تقریر کی، اس سلسلہ مین اونھون نے بیان کیا:-

یہودیون کی طرح عیسائی بھی بے شمار جنات، فرشتون اور ملائکہ مقربین کا یقین رکھتے ہین، وہ کہتے ہین کہ ملائکہ مقربین چار ہین، جبریل (گبرائیل) عزرائیل (یوریل) اسرافیل (رافیل) اور میکائیل (میکئیل) یہ چارون خدائے تعالےٰ

کے پیغامبر خیال کئے جاتے ہین، کہا جاتا ہے کہ جبریل نے حضرت عیسیٰ ؑ کے بطنِ مادر مین آنے کی اطلاع دی تھی اور وہی حضرت زکریا ؑ کے پاس بھی آئے تھے، اسرافیل نے طوبیاس کے پاس آکر اُن کو ایک نسخہ دیا تھا، جبریل اور میکائیل کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ جس روز حضرت عیسیٰ ؑ مزار سے باہر تشریف لائے تھے، حواریون نے انھی دونون فرشتون کو مزار پر پایا تھا، یہ ملائکہ مقربین اہلِ ایمان کی دعائین آسمان پر لیجاتے ہین، اور جب خدا انسانون کو سزا دینا چاہتا ہے تو اوس کا غصہ زمین پر لاتے ہین، یہ بھی عقیدہ ہے کہ یہ چارون فرشتے قیامت کے روز دنیا کے ہر گوشہ مین ایک ہیبت ناک صور پھونکین گے لیکن مسیحی علما کی خیال آرائیان زیادہ تر شیطان اور اوس کی ذریات سے متعلق ہین،

اگرچہ دنیا کی پیدایش کی نسبت عقیدہ یہ ہے کہ اسے ایک نیک خدا نے پیدا کیا ہے، تاہم یہ عقیدہ بھی تھا کہ دنیا مین جتنی برائیان پائی جاتی ہین وہ خدا کی پیدا کی ہوئی نہین ہوسکتین، پس جو لوگ بدی کے وجود کی کوئی دوسری توجیہ نہین کر سکتے تھے، ان کے دماغ مین ایک ایسی خبیث روح کا تخیل قدرتی طور پر آیا جو ازل سے خالقِ اکبر کی مخالفت کر رہی ہے، سوال یہ تھا کہ وہ کونسی خبیث روح ہوسکتی ہے جس نے اتنی دلیری کے ساتھ اپنے خالق سے بغاوت کی، اس مین شک نہین کہ اس کا نام شیطان تھا، وہی جس نے حضرت عیسیٰ ؑ کو بہکانے کی جرأت کی اور جسے حضرت عیسیٰ ؑ نے "مضل" "شہزادۂ ظلمت" فرمایا تھا، شیطان کے وجود اور انسانون کے خلاف اوسکے شیطانی منصوبون مین مسیحی علما کو ذرا بھی شبہہ نہ تھا، کیونکہ حضرت عیسیٰ ؑ نے خود اوس کی تصدیق کی تھی اور اپنے پیرون کو شیطان کی شرارت سے متنبہ کر دیا تھا، جس موضوع سے دراصل ان علما کو دلچسپی تھی، وہ شیطان کی اصل اُس کے زوال کی وجہ اور اُس کے افعال کی کیفیت تھی،

اوسکی اصل کے متعلق بہت کچھ اختلاف آرا تھا، بعض علمائے مذہب ٹرٹولین (TERTULLION) لکٹینٹس (LACANTIUS) نیسا کے گریگری (GREGORY OF NYSSA) اور سینٹ ٹامس اکینس (ST THOMAS AQUINAS) کا خیال تھا کہ وہ ایک مقرب فرشتہ بنایا گیا تھا

لیکن اوس کے زوال کا سبب خدائے تعالےٰ کے خلاف اوس کی بغاوت ہوئی، دوسرے علما، مثلاً سینٹ جان دمشقی (St. John of Damascus) اُسے کم رتبہ کا فرشتہ سمجھتے تھے، رہا اوس کا زوال سو اوسکے متعلق بہت اختلاف تھا،

سینٹ جسٹن (St. Justin) کا خیال تھا کہ اوس نے اور بعض دوسرے فرشتون نے زمین پر عورتون سے تعلقات پیدا کرلئے تھے دوسرن کی رائے تھی کہ شیطان کا زوال دوسرے شریر فرشتون کے زوال سے بالکل علحدہ تھا، اوران دونون مین کوئی اشتراک نہ تھا، بعض علما، نے اُس کے زوال کا سبب حسد بتایا ہے یہ خیال ٹرٹولین، سینٹ سپرین (St. Cyprian) سینٹ گریگری اور ایلکنٹیس کا تھا، برخلاف اسکے اوریجن (Origen) کی رائے تھی کہ زوال کا سبب تکبر تھا، اوراوس کی اس رائے سے سینٹ ہلاری (St. Hilary) سنٹ امبرلو (St. Ambrose) اور سینٹ جروم (ST JEROM) کو بھی اتفاق تھا، اس مسئلہ پرسب سے زیادہ مستند رائے سینٹ آگسٹائن (St. Augustine) کی ہی وہ لکھتے ہین "یہ صرف تکبر ہی ہے جس کے باعث شیطان کو سزا دیجائے گی حقیقت یہ ہے کہ وہ پہلا گناہگار ہے، اوس نے زنا نہین کی شراب نہین پی، چوری نہین کی محض تکبر نے اوسے گرایا"

دوسرا موضوع بحث جس پر بعض علمائے مذہب نے کافی دماغ سوزی کی، یہ اہم سوال تھا کہ شیطان نے کیا تکبر کیا، نزیانس کے سینٹ گریگری (St. Gregory of Nazianzus) "اپنے خطبات" مین صاف صاف لکھتے ہین کہ وہ اپنے خدا کو تسلیم کرانا چاہتا تھا،

پروڈنیٹس (Prudentius) کا بیان ہے کہ شیطان یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ وہ خود بخود پیدا ہوگیا ہی، برخلاف اوس کے سینٹ انسلم (St. Anselm) کا خیال تھا کہ شیطان خدا بننا نہین چاہتا تھا، بلکہ جو وقت اوس کے خالق نے مقرر کیا تھا، اوس کے پہلے ہی وہ خدا کے دیدار سے مشرف ہونا چاہتا تھا، ریوپرٹ (Rupert) اور پروڈنیٹس اس رائے پر متفق تھے کہ شیطان خدا کی طرح

اپنی پرستش کرانا چاہتا تھا، عام عقیدہ یہ ہے، کہ تکبر، خدا کے مثل بننے، اور اوسی کی طرح پوجے جانے کی خواہش نے شیطان کو گرایا،

شیطان کے افعال کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ پہلے اوس نے آسمان کے باشندون مین اپنے افعال شنیعہ کی ابتدا کی، اور علما کو اس مین شبہہ باقی نہ رہا، کہ شریر فرشتون کو برائیان شیطان ہی نے سکھائین، اس خیال کی سند کتاب پیدائش مین پائی جاتی ہے جسمین لکھا ہو کہ "خدا کے بیٹون نے انسان کی لڑکیون سے شادیان کین، "کتاب اناک" (Book of Enoch) "کتاب پیدائش" کے متن کی یون تفسیر کرتی ہے کہ فرشتے ہی "خدا کے بیٹے" تھے، اس کتاب سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ جن فرشتون نے شادیان کین، اُن پر خدا نے لعنت بھیجی، ٹرٹولین کا بیان ہے کہ فرشتون نے اپنی بیویون کو زیورون سے لاد دیا تھا، تاکہ خدا اُن پر غصہ کرے، سینٹ سپرین اور سینٹ ٹامس اکینس کو اس امر مین ذرا بھی شبہہ نہ تھا کہ شریر فرشتون نے عورتون سے تعلقات قائم کرلئے تھے، اور جن کو یقین تھا کہ فرشتون نے عورتون کے ساتھ ارتکاب گناہ کیا تھا، اور اُن سے بچے پیدا ہوے تھے،

تمام مسیحی علما اس رائے پر متفق ہین کہ شیطان کا سب سے بڑا مقصد انسان کو راہ راست سے گمراہ کرنا اور خدا سے دور کر دینا ہے، لہذا دنیا مین اوس کی سرگرمیان ویسے ہی جوش کے ساتھ قائم ہین، جیسے ہمیشہ تھین، اگرچہ عام عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی وفات سے اوس کو زیر کر لیا ہے، ان علما کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ کی وفات نے شیطان کو دنیا مین گھومنے پھرنے اور شرارتین کرنے سے روک نہین دیا ہے، ان کی وفات کا تعلق خاص طور پر "گناہ اول" سے تھا، اور اوسی گناہ سے اُون کی وفات نے انسان کو بری کر دیا، حضرت عیسیٰ کے سولی پر چڑھائے جانے سے قبل کوئی روح آسمان مین داخل نہ ہوسکتی تھی حتی کہ نیک آدمیون کی روح بھی روک لی گئی تھی، یہان تک کہ حضرت عیسیٰ کے خون نے اُس پر ہیبت داغ کو دھو دیا، اور "اُون کے باپ" کے غصہ کو فرو کر دیا،

بہت سے لوگون کا خیال ہے کہ شیطان اتنا ہی نہین کرتا کہ انسانون کو گمراہ کرکے ضلالت اور

ہلاکت کی طرف لیجائے، بلکہ جو مصائب ہمکو یہان پیش آتے ہین، ان مین سے بیشتر کا ذمہ دار بھی وہی ہے، وہی وبا، قحط، جنگ، اور دوسری آفات ارضی وسماوی کا باعث ہے،

علمای مذہب کا عقیدہ تھا کہ تمام فضا شیاطین سے پر ہے اور دنیا کے ہر گوشہ مین وہ پہنچتے رہتے ہین لوتھر (LUTHER) کہتا تھا کہ شیاطین پرشا (PRUSSIA) مین بہت کثرت سے ہین، اوس کا بیان ہے کہ اوس نے شیطان کو دیکھا بھی تھا، اور اپنی دوات اوس پر کھینچ ماری تھی،

شیطان کے متعلق اس عجیب وغریب عقیدے سے بے شمار مصائب دنیا مین پیدا ہوئے ہین یہی عقیدہ ان تمام نفرت انگیز اوہام کا باعث ہے، جسے ہم اپنے گرد پاتے ہین، لاکھون آدمی تمام عمر ان خیالی عفریتون کے خوف مین مبتلا رہے ہین، شیطان کے خوف نے لاکھون کی آخری ساعت کو نہایت دہشت انگیز بنا دیا ہے، لاکھون آدمیون کو یہ الزام لگا کر کہ وہ ارواح خبیثہ سے سازباز رکھتے ہین، سخت عقوبتین دی گئین اُس دور تعدی مین جو صدیون تک جاری تھا، ہزارون مرد اور عورتین جادوگری کے الزام مین حد درجہ ظالمانہ طریقہ سے ہلاک کردی گئین شیطان کا عقیدہ زندگی کے معیار اخلاق کو نہایت پست کر دیتا ہے، جب کوئی شخص کسی فعل قبیح کا ارتکاب کرتا ہے تو تو یا دری اس بات کا یقین دلا کر اوسکی تشفی کر دیتا ہے کہ اوس فعل پر اوس کے نفس امارہ نے اوسکو آمادہ نہین کیا، بلکہ کسی شیطان نے بہکا دیا تھا، اس مخرب اخلاق عقیدہ نے ترقی کی راہ روک دی ہے، یہ عقیدہ لوگون کو بے انتہا خوف زدہ رکھتا ہے، اور وہ چالاک پادریون اور فریب دینے والون کے فریب کا شکار ہو جاتے ہین افسوس کی بات ہے کہ تمام دنیا مین جاہل اور سریع العقیدہ لوگ ابھی تک شیطان کے وجود کا یقین رکھتے ہین، امید ہے کہ معقول تعلیم کی اشاعت کے ساتھ اس عقیدہ کے قائل بھی کم ہوتے جائین گے، شیطان کو زیر کرنے کی توقع صرف سائنس ہی کی ذات سے ہے، اور ہم امید کرتے ہین کہ عنقریب سائنس شیطان کو اوس کے تخت شاہی سے اوتار دے گی، جس پر وہ اتنی مدت تک متمکن تھا،

(بمبی کرانکل ہفتہ وار) "ع ز"

زمین کا ایک نیا ہمسایہ

جرمن ڈاکٹر کارل رینموتھ (REINMUTH) نے گذشتہ ۲۰ راپریل کو چھوٹا سا ایک نیا فلکی جرم مشاہدہ کیا، اس مشاہدہ نے تمام علماء کی توجہ اپنی طرف جذب کرلی ہے، کیونکہ نظام شمسی کے اندر یہ سب سے عجیب و غریب جرم ہے، یہ آفتاب کے گرد ۲ سال مین اپنا دورہ پورا کرتا ہے، اور یہ ہر مشہور دمدار ستارہ کی مدت سے بھی مختصر مدت ہے، اگر کوئی اسکے بعد قابل ذکر ہے تو وہ انکی (EENCKE) دمدار ستارہ، کیونکہ یہ ۳ برس ۴ مہینون مین سورج کے گرد اپنا چکر پورا کرتا ہے، علاوہ ازین یہ رینموتھ والا جرم زمین سے بہت ہی قریب ہے، یعنی اس مین اور زمین مین اسی لاکھ میل کی دوری ہے، اس نئے جرم کی دریافت کے بعد ہیڈلبرگ اور ہارورڈ اور یرکینز کے رصد خانون مین اوسکو دیکھا گیا، تو معلوم ہوا کہ یہ زمین کے مدار پر ۱۶ رمئی کو اسی لاکھ میل دور ہو کر اوس سے گذرا، بظاہر یہ نیا جرم چھوٹے ستارون اور دمدار ستارون کی درمیانی شکل و ضخامت رکھتا ہے، اور اوس کا قطر تین میل کے قریب ہے، اور جب زمین کے قریب تر آجائے گا، تو بارہوین درجہ کے ستارون مین شمار ہوگا، اور اُس وقت بھی دوربین کے بغیر دکھائی نہ دیگا، اور یہ معلوم ہے کہ ستارہ اردس آج سے ۲ سال پہلے جب زمین کے سب سے قریب آیا تھا، تب بھی وہ زمین سے ایک کروڑ چالیس لاکھ میل دور تھا، اب اگر یہ نیا جرم ستارہ ثابت ہوا تو یہ پہلا ستارہ ہوگا، جو سورج کے گرد گھومتے ہوئے زمین کے حدود مین داخل ہوا اور فلکی حسابات بتاتے ہین کہ یہ عنقریب زہرہ کے مدار مین داخل ہوگا جب وہ سورج سے قریب تر ہوگا،

طحال اور جگر کی تصویر

امریکا کے جارجٹن یونیورسٹی کے طبی کالج کے پروفیسرون مین سے ڈاکٹر ولیس یاٹر (YATER) نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا ہے جس سے طحال اور جگر کی تصویرین عکس ریز شعاعون کے ذریعہ سے کھینچنا ممکن ہوگیا ہے،
اوس نے ایک اکسیڈ (توریوم، دوم) کا ایک عرق بنایا ہے، جو شریانون مین تین دنون مین تین دفعہ پچکاری کے ذریعہ سے داخل کیا جاتا ہی جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جگر اور طحال کی موجودہ صورتین عکس ریز مین بالکل معلوم ہونے لگتی ہین، اور بآسانی پتہ چل جاتا ہے، کہ ان بیمار اعضا کی موجودہ حالت کیا ہی، اور اُن مین کہان ورم یا پھوڑا ہے، امید ہے کہ اس دریافت سے طب کا قدم کچھ اور آگے بڑھے گا،

نقش پا کی زبان

مسٹر لوکار (ناظر محکمہ پولیس لیون (فرانس) کا تجربہ ہے کہ نشان قدم کے معاینہ پر نہ صرف پیر یا اوسکی پوشش کا پتہ چل جاتا ہے، بلکہ چلنے والے کی طرز رفتار بھی معلوم ہوجاتی ہے ان نشانات کو دیکھ کر یہ بتایا جاسکتا ہے کہ وہ شخص سیدھا کھڑا ہوا تھا، چل رہا تھا، دوڑ رہا تھا، یا پیچھے کی طرف جا رہا تھا علاوہ برین ان نشانات سے یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے، کہ اوسکی عمر کیا ہے مرد ہے یا عورت کس پیشہ سے تعلق ہے، اور آیا وہ بیمار تو نہین ہے، بایان قدم عموماً داہنے قدم سے زیادہ بڑا پڑتا ہے، مجرم بھاگتے وقت سڑک پر بھی داہنی جانب مڑنا چاہتا ہے، اگر کوئی شخص جنگل مین راستہ بھول جائے تو وہ ایک دائرہ مین چکر کرے گا، اسلئے پاؤن چلنے مین قدم کے نشانات ناہموار پڑتے ہین، جب کوئی شخص چلتے ہوئے پیچھے مڑکر دیکھتا ہے، مثلاً یہ معلوم کرنے کیلئے کہ اوس کا تعاقب تو نہین کیا جارہا ہی، تو ہمیشہ وہ اُس پیر پر گھومتا ہے جو اوس سمت کے مخالف جانب ہوتا ہے، جدھر وہ اپنا سر پھیرتا ہے، یہ بات نشان قدم سے بہت واضح طور پر معلوم ہوجاتی ہے، دوڑنے کی حالت مین قدم زیادہ زور کے ساتھ لیکن کم تر مدت کیلئے زمین پر پڑتے ہین، جو لوگ اکثر دوڑتے رہتے ہین، اون کے پیر کا پورا تلوا زمین پر پڑتا ہے، جو کبھی کبھی دوڑتے ہین، اون کے تلے کا صرف سامنے کا حصہ

زمین پر پڑتا ہے، اور اون کی ایڑی کا نشان مطلق نہین پڑتا، قدم کی لنبان سے کسی حد تک چلنے والے کی عمر کا پتہ چلتا ہے، جو لوگ گھوڑے کی سواری کے عادی ہوتے ہین چلتے وقت اونکی ٹانگین پھیلی ہوئی ہوتی ہین اور پاؤن متوازی خطوط مین پڑتے ہین، یہی بات جہازیون مین بھی پائی جاتی ہے، جو افسر تلوار لگا کر چلتے ہین، ان کی بائین ٹانگ ایک خاص طرح سے حرکت کرتی ہے، اور ان کے پیر کے انگوٹھے کا رخ اندر کی طرف ہوتا ہے شکاریون اور خاص کر جنگل کے رہنے والون کے قدم عادۃً چھوٹے پڑتے ہین، بڑے قدم انھین لوگون کے پڑتے ہین، جو سڑکون پر چلنے کے عادی ہین،

سینما کی گویا تصویرون سے درس و تدریس کا کام

شکاگو یونیورسٹی (امریکہ) کے صدر نے یونیورسٹی کے جدید نصاب تعلیم سے متعلق جس تجویز کا اعلان کیا ہے، اوس کا سب سے زیادہ دلچسپ ٹکڑا یہ ہے کہ آیندہ سینما کی بولنے والی تصویرون سے تعلیم و تدریس کا کام لیا جائیگا، اس تجویز کے مطابق دنیا کے وہ اہم ترین واقعات جو صرف کتابون اور اساتذہ کے دماغون مین پوشیدہ ہین، اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ طلبہ کے سامنے سینما کے پردون پر پیش کئے جائین گے، مثلاً فراعنۂ مصر کے مقبرے آنکھون کے سامنے کھودے جائین گے، اور پرسیڈنٹ (Breasted) کی آواز ان نوادر قدیمہ کو بیان کرتی جائے گی، جو عہد عتیق کے انسانون کی یادگار ہین، کسی پودے کے تمام منازل حیات چار منٹون مین دکھا دیے جائین گے اور ساتھ ہی ساتھ کوئی ممتاز ماہر نباتات اوسکے نشو و نما کی توضیح بھی کرتا جائے گا، ماہتاب، مریخ، اور دوسرے سیارے اور ستارے ان پردون پر گردش کرتے ہوئے دکھائی دین گے اور پروفیسر فروسٹ (Frost) کی آواز ان سیارون کی گردش کو بیان کرتی ہوئی سنائی دیگی، غرض یہ اور اسی قسم کی اور باتین جو اس وقت تک ممکنات مین شمار کی جاتی ہین عنقریب یقینیات کے دائرہ مین داخل ہو جائین گی، سینما کے ایسے پردے اور گویا تصویرین شکاگو یونیورسٹی کے اہتمام سے تیار کی جا رہی ہین اور اسی یونیورسٹی مین اول اول ان سے کام لیا جائے گا، لیکن دنیا کے دوسرے تعلیمی ادارے بھی برائے نام قیمت ادا کر کے انھین حاصل کر سکتے ہین یہ تصویرین یونیورسٹی کے معمولی درس کا بدل نہ ہونگی، درسیون مین لکچر وغیرہ بدستور جاری رہین گے، ان

تصویروں کا استعمال مزید توضیح و تشریح کے لئے بطور اضافہ کے ہوگا،

معمولی سوئیوں سے علاج کا ایک مجرب طریقہ

چین میں محض سوئیوں سے علاج کرنے کا ایک حیرت انگیز طریقہ رائج ہے، جس نے صدیوں سے اطبائے مغرب کو حیران کر رکھا ہے، یہ سوئیاں معمولی تانبے کی ہوتی ہیں، اور جسم کے مختلف حصوں میں چبھوئی جاتی ہیں فرانس کے ڈاکٹر سولئے (DR. SOULLIE) کا خیال ہے، کہ جسم کے جس حصہ پر سوئی لگائی جاتی ہے اور جس عضو پر اس کا اثر ہوتا ہے ان دونوں کے درمیان کوئی براہ راست تعلق ہے، چین میں جو لوگ اس فن کے ماہر ہیں، وہ اُن رشتوں سے واقف ہونے کے مدعی ہیں، جو ان دونوں کے درمیان واقع ہیں،

اس طریق علاج کے متعلق خود تجربہ کر کے ڈاکٹر سولئے نے پیرس کے رسالہ "مرکری دی فرانس" MERCUREDEFRANCE میں بیان کیا ہے، کہ کن کن امراض میں یہ مفید ثابت ہوا ہے، وہ لکھتے ہیں،

"کولے یا چہرے کا شدید درد جو اس سے قبل کسی علاج سے دور نہ ہوا تھا فوراً موقوف ہوگیا ضیق النفس کی اذیتیں چند لمحوں میں جاتی رہیں، نزلا اور زکام کے شدید دورے طویل وقفوں کے بعد پڑنے لگے، بواسیر کی شکایت ختم ہوگئی، پیٹ کا درد فوراً جاتا رہا قبض اور مثانہ کی شکایتیں دور ہوگئیں"،

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بعض صورتوں میں یہ علاج کامیاب نہیں ہوتا، پھر بھی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اکثر مریضوں کو شفا ہو جاتی ہے، اور اسی لئے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی تجویز ہے ضرورت ہے کہ اس طریق علاج کے متعلق تحقیق کی جائے، اور آیندہ اس کو حقارت آمیز بے پروائی نہ برتی جائے،

"ع"

ہوا

از

شمس العلماء لسان الحکمۃ مولانا ناطر مدراسی،

اوصافِ جلی سے تیرے آگاہ ہیں سب — تو رحمتِ عامِ حق ہے، تو نعمتِ رب

احسان ترا کس متنفس پہ نہیں — روشن ہے چراغِ زندگی تیرے سبب

گو مطبخِ میکائیل کے خادم ہیں بہت — لیکن سب سے بڑا ہے تیرا منصب

دونوں کی آبرو ہے، تیرے دم سے — تو بھاپ کو پر، سحاب کو تو مرکب

اے ناصرِ سلطانِ رسل حامیِ ہود، م — خوشنودیِ انبیا ہے، خوشنودیِ رب

یعقوبؑ تھے خوش کہ لائی تو بوئے حبیب — تھے شاد سلیمان کہ بنی تو مرکب

تھا خصمِ خلیل کو ترا پشہ قہر — اور ابرہہ کو تیری ابابیل غضب

تیرا ہدہد تھا کیا مبارک قاصد — چمکا دیا بلقیس کا جس نے کوکب

جب کرتی ہے تو جہاز میں حشر بپا — منکر بھی پکارتے ہیں یا رب یا رب

سن غور سے تو ہے مظہرِ محیی و ممیت — یہ صور کے نفختین کا ہے مطلب

چمکاتی تھی زندان میں مہِ کنعان کو — خورشید پرست سے ہی تو داد طلب

ہے قوسِ قزح میں بھی نہاں تیرا ہاتھ — تو رنگِ نیلگونِ گردون کا سبب

بے تار کے پیغام کا تو ہے رہبر
پیغام بہار کے لئے تو مرکب

جب موسم گل میں بیچتی ہے تو پھول
ہو جاتی ہے آپ آپ خود بنتِ عنب

تو بینی و گوش سے پلاتی ہے شراب
اے غیرتِ سامری یہ افسون ہی عجب

زاہد میں بھی پھونکتی ہے جمشید کی روح
لاتی ہے پیام گل و بلبل تو جب

عاشق کے گریبان سے اگاتی ہے گل
ہین یاد تجھے شعبدہ گر کے کرتب

لیتے ہین جنون کے مزے سودائی
ہے فصل بہار مین تری چھیڑ غضب

تو راگ سے سینے مین لگاتی ہو آگ
تو باعثِ وجد و حال و مستی و طرب

پر واطراف قال مین ہین کالج؛
ہے تری شان سر دھری بھی غضب

ہے ایک زمین ہی تیری قدر شناس
تیرے بس مین ہین یون تو پیارے سب

شاطر ہے غلام پنجتن کے گھر کا[۱]
وہ مدح کرے! تیرا مقدر ہے عجب!!

پانی پر چلتی ہے تو عیسیٰ کی طرح
اور مثل خضر زمین پر بے رنج و تعب

مداح کی بات مان لے بہر خدا
زمزم سے نہا دھو کے مدینے جا اب

ان اس کی طرف سے سجدہ کر ستر بار
معصومہؓ کے مرقد کو بصد عجز و ادب

پھر مرقد عرش پایہ سے پوچھ کے آ
دفن شاطر بقیع مین ہوگا کب؟

ہین مریمؑ صدیقہ و جبریلؑ امین
معصومہ کی تقدیس سے انگشت بلب

تیرہ معصومؑ غوث پاک اور محرم قدس سرہ
اس کی نسبت پہ ناز کرتے ہین سب

وہ سیدہ کو جان گئین مان گئین
ہے قلب سلیم عائشہؓ دا و طلب

معصومہؓ مری نجات کی ہین ضامن
معصومہؓ سے حل ہوتے ہین عقدے مرے سب[۲]

---

[۱] شاعر کے مرشد، [۲] معارف: - شاعر کا فرطِ عقیدت ہے،

لائی ہے تو مژدہ لے ہو انذر بھی لے نادر مضمون سروش لایا ہے اب

تو نفس ناطقہ کی ہے روحِ روان تو قوتِ پروازِ تخیّل کا سبب

وابستہ ہین تیرے دم سے سارے مذہب

ناسوتی جبرئیل تیرا ہے، لقب

زمزمۂ بقا

ترانۂ کلکِ جناب آسدؔ ملتانی بی اے،

ہے خاک تغیر کے سوا بادِ فنا مین پانی جو سمندر سے اڑا ہو وہ گھٹا مین

دنیا ہے تماشا گہِ نیرنگِ تغیر طوفانِ فنا موج ہے دریاے بقا مین

قانونِ فنا ڈھالتا رہتا ہے ہمیشہ طاقت کو حرارت مین، حرارت کو ضیا مین

اے دوست، بظاہر جو فنا ہو گئی جل کر موجود ہین اُس شمع کے ذرات ہوا مین

سورج نہین معدوم اگر ڈوب چکا ہے اس وقت بھی ہے نصف جہان اُس کی ضیا مین

شبنم کے وہ قطرے جو اُڑے دامنِ گل سے روپوش ہوئے پردۂ آغوشِ صبا مین

اشعار جو نکلے کسی شاعر کی زبان سے محفوظ ہوئے سینۂ اربابِ صفا مین

ضائع نہ گئی قوتِ انگشتِ مغنی تبدیل ہوئی جنبشِ مضراب صدا مین

خامی ہے سماعت کی جو ہم سُن نہین سکتے پھرتا ہے ابھی نغمۂ داؤد ہوا مین

طے کرتے ہوئے عرصۂ ہستی کے منازل ہم چھوڑتے جاتے ہین نقوش اپنے فضا مین

اک بار پھر اس زیست کی تصویر مکمل

آئے گی نظر آئینۂ روزِ جزا مین

باب التقریظ والانتقاد

رباعیاتِ سحابی

مرتبہ

خان بہادر مولوی علی اوسط صاحب ریٹائرڈ جج صوبہ متحدہ (اعظم گڈھ)

ضخامت مع مقدمہ ۲۴۰ صفحات قیمت ۱۲؍ ملنے کا پتہ:- سرگذشت پریس علی گڈھ یا اعظم گڈھ مصنف کے نام سے،

عہدہ داران سرکاری کی سی سالہ خدمات کا بہترین معاوضہ پنشن ہی لیکن اگر وہ پنشنر ہو کر قوم و ملک کی کوئی مفید خدمت کر سکیں تو اس کا بہترین معاوضہ صرف وہ شہرت و عزت ہو سکتی ہے، جو اس قسم کے لوگون کو بہت کم حاصل ہوتی ہی،

اخلاقی اور معاشرتی حیثیت سے پنشن خوارون کی ایک خاص زندگی ہوتی ہی، اگر ان لوگون نے زمانۂ ملازمت مین کافی سرمایہ جمع کر لیا ہی، تو اب شب و روز اس کے فوائد کے حاصل کرنے مین مصروف رہتے ہین، جائدادین خریدتے ہین، مکانات بنواتے ہین، تجارتی کاروبار کرتے ہین، غرض اپنے اندوختہ کو ایسے کامون مین لگاتے ہین کہ پنشن کی رقم اور اس سرمایۂ محفوظہ کے منافع سے اس قدر آمدنی ہونے لگے، جو زمانۂ ملازمت کی تنخواہ کے برابر ہو جائے، لیکن اگر بدقسمتی سے تہیدستی کی حالت مین پنشن لینی پڑی ہے، تو اب ان کا کعبۂ مقصود دیسی ریاستین ہوتی ہین، اور ان ریاستون مین ملازمت کی تلاش مین وہ ایسی ایسی گمنام ریاستون کا سراغ لگا لیتے ہین جن کا نام و نشان بھی ہندوستان کے جغرافیہ مین نہین مل سکتا، لیکن ان مین بعض بلند ہستیان ایسی بھی ہوتی ہین، جو

قومی یا علمی خدمت مین اپنی زندگی کا آخری زمانہ صرف کرنا چاہتی ہین، اور اب ون کی تاریخ زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوجاتا ہی، ہمارے دوست مولوی علی اوسط صاحب ریٹائرڈ جج صوبجات متحدہ بھی انھی بلند ترین ہستیون مین شامل ہین جنھون نے پنشنر ہونے کے بعد ایک نہایت متین و سنجیدہ علمی خدمت انجام دی ہی، اور ایک برگزیدہ صوفی شاعر سحابی نجفی کی رباعیات کا ایک نہایت عمدہ انتخاب حروف تہجی کی ترتیب کی رو سے ۱۳۲ صفحات کی ضخامت مین شائع کیا ہی،

اسوقت رباعی گو شعرا مین سب سے زیادہ نامور اور مقبول عام خیام ہی، اور یورپ، ہندوستان، بلکہ مصر وغیرہ مین بھی اسکی رباعیات پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہی، اور لکھا جا رہا ہے، اوسکی رباعیون کے بہت سے اڈیشن بھی شائع ہوچکے ہین، اور متعدد زبانون مین اونکے ترجمے ہوچکے ہین، لیکن ہمارے نزدیک اسکی یہ مقبولیت صرف یورپ کی کورانہ تقلید کا نتیجہ ہے، ورنہ رنگ و بو کسی حیثیت سے بھی وہ گلدستۂ بزم ادب ہونے کی قابلیت نہین رکھتین، اسلوب بیان کے لحاظ سے اسمین کہین بھی شاعرانہ لطافت نہین پائی جاتی اور مطلب و معانی کے لحاظ سے وہ علانیہ رندی و سرمستی کی مخرب اخلاق تعلیم دیتا ہے، اور یہ کسقدر پر لطف بات ہی، کہ جو لوگ صرف اس جرم کی بنا پر فارسی اور اردو شاعری کو مخرب اخلاق سمجھتے ہین، وہی خیام کی رباعیون پر سب سے زیادہ سر دھنتے ہین، اگر وہ خود شراب خوار ہوتا تو کم از کم ان رباعیون مین حافظ کا سا سوز و کیف پیدا کرسکتا تھا، لیکن افسوس ہے کہ وہ خود شراب خوار نہین ہے، بلکہ ایک باطنی ملحد ہے، اور اس پردے مین مسلمانون کو مذہب سے برگشتہ کرنا چاہتا ہی، تاہم چونکہ ایک بزدل ملحد ہے، اسلئے تصوف و اخلاق کی آڑ مین پناہ لیتا ہے، اور جابجا زہد و تقشف توکل و قناعت اور بے ثباتی دنیا کے مضامین کو بھی شامل کرلیتا ہے، لیکن ہمارے دوست مولوی علی اوسط صاحب نے اس قسم کی کورانہ تقلید نہین کی، بلکہ رباعی گو شعرا مین ایک ایسے بلند پایہ شاعر کا انتخاب کیا، جس کا کلام اون کی متانت و سنجیدگی کے شایان شان تھا،

سحابی کو ہندوستان مین پیش کرنیکا فخر صرف حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی کو حاصل ہوا ہے اور اونھی نے سب سے پہلے الندوہ مین اوسکی رباعیون کا تذکرہ کیا، اور اون پر تبصرہ لکھا، اس کام کی تکمیل بھی اسی سرزمین اعظم گڈہ کے ایک معزز فرزند مولوی علی اوسط صاحب نے کی ہی،

سحابی کی رباعیان تعداد مین خیام کی رباعیون سے بہت زیادہ ہین، اوران کا اکثر حصہ تصوف، اخلاق اور فلسفہ کے دقیق مسائل پر مشتمل ہی، لیکن اوس نے ان دقیق اور خشک مسائل کو شاعرانہ لطافت کے ساتھ نہایت دلآویز طریقہ پر بیان کیاہی، اسلئے اگر ان رباعیون کی ترتیب حروف تہجی کے بجائے مضامین کے لحاظ سے دیجاتی تو زیادہ مناسب ہوتا، بہر حال وہ لفظ و معنی دونون حیثیتون سے خیام سے مختلف اور ممتاز ہی اور اوسکی یہ امتیازی شان اوسکی تمام رباعیون سے نمایان ہی، چنانچہ ہر عنوان کے متعلق ہم اُس کی چند رباعیون کا انتخاب درج کرتے ہین،

(تصوّف)

تصوف کے مختلف دور ہین، اور ہر دور کی الگ الگ خصوصیتین ہین، متاخرین کے زمانے مین وہ ایک خاص فلسفہ بن گیا تھا، اور سحابی اسی فلسفیانہ تصوف کے نشے مین چور رہے، اور اس کے مسائل کو اس جوش و بلند آہنگی کے ساتھ بیان کرتا ہی، کہ خیام کا نعرۂ مستانہ اوسکے مقابل مین بالکل پست ہوجاتا ہی، مثلاً

اے آنکہ ز معرفت بفرقت تاج است	باتست شہی کہ عالمش محتاج است
بکشائے نظر کہ ہر نظر دیداریست	بردار قدم کہ ہر قدم معراج است
ہر چیز کہ جز خدائے نامے چنداست	نامے چند است و بہر نامے چنداست
تکلیف و نماز و حج و ہر چیز کہ ہست	جوشے ز پئے پختن خامے چنداست
آنرا کہ بہ تحقیق نظر افتاد است	ہر نیک و بدے کہ میرسد دلشاد است
کج بودن زلف و راستیٔ قامت	عاقل داند کہ کار یک اوستاد است
سالک کہ بفکر اہل و اموال افتد	از ہمسفران خود بدنبال اوفتد
بر ہر قدمے چہ دگر پیش آید	مانند دانہ کو بغربال اوفتد
با ذات بہر صفت گر ایند خوش است	نغمہ بہر آہنگ سرایند خوش است
از بہر خدا ہیچ عمل ضائع نیست	در خلد ز ہر در کہ در آیند خوش است

در کعبۂ توحید نہ جاے ودوام | ہرکس کہ رسید شد در و محو تمام
مردان نہ کنند غیر او را تجویز | جز غول نگیرد بیابان آرام

اخلاق

متاخرین کا فلسفیانہ تصوف آزادی کا ایک سرچشمہ ہے، جسکے معنی یہ ہین کہ وہ کسی مذہب کا پابند نہین اس لئے اوسکی سرحد بھی رندی و سرمستی سے مل جاتی ہے، اس لئے زاہد و عابد یعنی وہ تمام لوگ جو کسی خاص مذہب و مسلک کے پابند ہین، اوسکی زد مین آجاتے ہین، اور اس حیثیت سے سحابی کی اخلاقی رباعیان بھی خیام کی رباعیون سے مشابہ و مماثل ہوجاتی ہین لیکن وہ جس لطیف انداز سے ان اخلاقی مسائل کو بیان کرتا ہو، خیام کو اسکی ہوا بھی نہین لگی ہے، مثلاً زاہدون کی ریاکاری کا مضمون حافظ و خیام کا ایک پامال مضمون ہو لیکن سحابی نے جس پیرایے مین اسکو بیان کیا ہو، خیام کی رباعیون کا تمام دفتر اوس سے خالی ہو،

زاہد ہمہ روز گوشۂ غم تائب | تا خلق شود ببذر کشتنش راغب
گفتند بہ عنکبوت چندا ز خانہ | گفتا ترسم مگس فتد من غائب

یعنی مکڑی سے لوگون نے کہا کچھ روز گھر سے ٹل جاؤ، اس نے کہا ایسا نہ ہو کہ مکھی پھنس جائے اور مین موجود نہ ہون، بعینہٖ اسی طرح زاہد لوگ اپنے گوشۂ عزلت مین اس لئے پڑے رہتے ہین، کہ اپنے دام تزویر مین شکار پھنساتے رہین،

بہر حال وہ انھی اخلاقی مسائل کو لیتا ہے، جو اس فلسفیانہ تصوف سے تعلق رکھتے ہین، اور اون کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتا ہو، مثلاً

نے دولت جم طلب، نہ جاہ گشتسپ | آدم نشود کسے بگاؤ خر و اسپ
بہتر ز تو ہیچ چیز در عالم نیست | دست از ہمہ باز دار بر خویش بچسپ

یعنی انسان کو صرف اس لئے بے نیاز رہنا چاہئے کہ خود اوس سے اعلیٰ تر کوئی چیز نہین اسلئے انسانیت

ہی کی تکمیل کرنی چاہئے،

ہر چند کہ ہست دولت از نعمت و بخت　　بار یست گران چون شد برون از حد سخت

بسیاری مال و جاہ مرد آفت اوست　　انبوہ میوہ بشکند شاخ درخت

آنرا کہ زہر دو کون استغنا نیست　　در بارگہ عشق مقدس جا نیست

ہر جا کہ مگس پر دچہ بالا و چہ پست　　خبر شیفتہ در بوردہ حلوا نیست

کوچک بودن بزرگ را کوچک نیست　　آن کوچکے از کمال باشد شک نیست

ورز انکہ پدر زبان کودک گوید　　عاقل داند کہ آن پدر کودک نیست

فلسفہ

جو فلسفیانہ مسائل علم کلام و تصوّف مین شامل ہو گئے تھے، وہ انکو لیتا ہے، اور عمدگی کے ساتھ بیان کرتا ہے، مثلاً

این کون و مکان را کہ برانگیختہ کن　　بے واسطہ چند نہ سرہست نہ بن

ز اسباب برون مخواہ کارے از حق　　از حکمت خود حکیم را منع مکن

فلسفیانہ مسائل مین مسئلہ خیر و شر علم کلام اور تصوف دونون کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے اور سحابی اس مسئلہ کا فیصلہ بالکل اصول فطرت کے مطابق کرتا ہے،

ہر کس کہ دل خدا طلب ہست درو　　از طاعت و فسق ذکر رب ہست درو

انسان نبود تہی ز تقوی و فجور　　تا عالم ہست روز و شب ہست درو

یعنی جسطرح دنیا دن اور رات یا اندھیرے اور اجالے سے خالی نہین ہو سکتی بعینہٖ اسی طرح کوئی شخص خیر و شر سے خالی نہین ہو سکتا،

ان تمام رباعیون سے اندازہ ہوا ہوگا کہ وہ تمام اخلاق تصوف اور فلسفہ کے اہم مسائل کو لیتا ہے،

اور ان کو تمثیل کے ذریعہ سے ثابت کرتا ہے، متاخرین شعرائے فارسی کے دور مین صائب اس فن کا بادشاہ سمجھا گیا ہی، لیکن سحابی کی رباعیون کے پڑھنے کے بعد ہمکو یہ تاج اوسکے سر پر رکھنا پڑتا ہی،

تمثیل کے علاوہ وہ سیکڑون شاعرانہ انداز سے اپنے مطالب کو بیان کرتا ہی، مثلاً

اے غرہ بجستجوے جسم فانی ، در دل ہمہ آرزوئے شہوت رانی

تاچند بہ آب خویش را پاک کنی رو پاک شو از آب اگر تو انی

یعنی اپنے پرشہوت جسم کو پانی سے کب تک پاک کرتے رہوگے، خود ہی پانی سے کیون نہین پاک ہوجاتے (یعنی نطفہ سے) جو شہوت کا منبع ہی،

گر چشم حقیقی نہ کج مج باشد کافر بکلیسہ رود حج باشد ،

ہر چیز کہ ہست آن چنان میباید ابروے تو گر راست بود کج باشد

یعنی ہر چیز جیسی ہے، اوس کو ویسا ہی ہونا چاہئے، مثلاً اگر کسی کے ابرو سیدھے ہون، تو یہی ان کی کجی ہے،

غرض اوسکی تمام رباعیان اخلاق، تصوف اور فلسفہ کے حقائق و معارف سے لبریز اور شاعرانہ لطافتون سے معمور ہین، اسلئے ہم مولوی علی اوسط صاحب کے ذوق سلیم کو مبارکباد دیتے ہین، کہ انھون نے پبلک کو اس گنجینۂ حقائق سے آشنا کیا لیکن افسوس ہی کہ یہ مجموعہ ذوق صحیح کو تشنہ کام رکھتا ہی، بلکہ اوسکی پیاس کو اور بڑھا دیتا ہی، ضرورت ہے کہ سحابی کی رباعیون کی طرف مزید توجہ کی جائے اور اس کا ایک ایسا مکمل اڈیشن شائع کیا جائے جسمین اوسکی تمام رباعیان درج کیجائین، حروف تہجی کے بجائے مضامین پر اون کی تقسیم کی جائے، اور اُن کی شرح و تفسیر لکھی جائے اگر خیام جیسے بیباک شاعر کو بلا ضرورت اس قدر چمکایا گیا ہی تو اوسکی تلافی کی صورت صرف یہی ہی کہ سحابی کو کم از کم اس قدر ضرور چمکایا جائے کہ لوگون کو یہ معلوم ہوسکے کہ وہ اب تک ایک ایسے غلط راستے پر جا رہے تھے جس سے منزل مقصود روز بروز دور ہوتی جاتی تھی،

خیام کے متعلق مدت سے ہمارا یہ خیال تھا، اور ہم سمجھتے تھے، کہ اس معاملے مین ہمارا کوئی ہمنوا نہ نکلے گا، لیکن خوش قسمتی سے مصر مین ہمارے بعض ہم خیال موجود ہین، چنانچہ وہان کے ایک ادیب جون کے الہلال مین لکھتے ہین کہ "تراجم و تذکرہ کی کسی کتاب مین خیام کا شمار شعراء مین نہین کیا گیا ہے، بلکہ وہ ایرانیون مین صرف ایک فلسفی اور ہیئت دان کی حیثیت سے مشہور ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہین آتا کہ اوسکی رباعیان فارسی مین بلیغ ترین رتبہ نہین رکھتین، البتہ اوس کی رباعیات مین الحاقی رباعیان اس قدر شامل ہوگئی ہین کہ یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ ان مین خیام کی رباعیان کونسی ہین، ہم نے خیام کا غلغلۂ شہرت یورپ سے سنا ہے، ایران سے نہین جس کی وجہ یہ ہے، کہ ان رباعیون کا فلسفیانہ میلان یورپ کے جدید جذبات سے ملتا جلتا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ اون کا عام رواج ہوگیا ہے، اور تمام زندہ زبانون مین اون کا ترجمہ کیا گیا ہے،

اس فلسفیانہ خیال کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا ایک عقدۂ لانحل ہے، اس لئے خوب جی بھر کر اوس سے لطف اندوز ہونا چاہیے، اور جہان تک ہوسکے اوسکے مصائب کو بھلا دینا چاہیے،

ابو العلاء المعری کا فلسفہ بھی یہی تھا، لیکن وہ اس سے ایک بلند ترین نتیجہ پر پہنچا، اور دنیا کو لات مار کر زہد اختیار کرلیا، مین جب معری سے خیام کا مقابلہ کرتا ہون تو خیام کو ایسے پرندے سے تشبیہ دیتا ہون، جو ایک پنجرے مین گرفتار ہو کر پھڑپھڑاتا اور چیختا ہے اور معری مشیر کی طرح اس قید و بند کی تکلیفون کو تو محسوس کرتا ہے، لیکن اوس کی آنکھون مین الم انگیز وقار کی چمک پائی جاتی ہے، البتہ ادیب موصوف کے اس فقرہ کے متعلق کہ "اوسکی رباعیان فارسی شاعری مین بلیغ ترین رتبہ رکھتی ہین،،

ہم اتنا ضرور عرض کرین گے کہ

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

"ع"

محمدؐ مصنفہ مولانا عبدالرحمن ندوی نگرامی مرحوم سابق ادیب و مفسر ندوۃ العلماء حجم ۲۴ صفحہ تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت شاید ۲ ر ہو، پتہ :- مولوی مطلوب الرحمن صاحب نگرامی، نگرام ہوس، نظیر آباد لکھنؤ،

مولانا عبدالرحمن ندوی مرحوم کے مسودون کے ذخیرے سے یہ رسالہ "محمدؐ" نکال کر شایع کیا گیا ہی، اس رسالہ مین اسم "محمد" کی نہ صرف ذوقی بلکہ مدلل شرح و تفسیر بیان کیگئی ہے، اور اس اسم کے اوصاف بتا کر دکھایا گیا ہی کہ مسمی اس اسم کے اوصاف سے موصوف ہونے والا تھا، اسلئے حضرت عبد المطلب کو آپ کے مولود مسعود ہونے ہی کے وقت یہ از خود تلقین ہوئی کہ وہ آپ کو اس اسم سے موصوف کرین، ابتدا مین مرحوم کے قلبی دوست مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی نے "نام نامی" کے عنوان سے ایک خاص اسلوب بیان مین چند سطرین لکھی ہین،

مزارات اولیائے دہلی مولفہ جناب مولوی محمد عالم شاہ صاحب فریدی دہلوی مطبوعہ جیّد برقی پریس دہلی ۱۵۷ صفحے کاغذ و لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت :- عہ ر

دہلی عہد قدیم سے اگر ایک طرف سلاطین کا پایۂ تخت رہا، تو دوسری طرف بزرگان دین کی خانقاہ و مدفن، اسکی خاک مین بڑے بڑے اولیا، صوفیہ، مشائخ اور علما محو خواب ہین، ان بزرگون کے حالات کتب تذکرہ و تراجم مین مدون ہین، اور جن مین اون کے آرامگاہ کا صحیح نشان اور پتہ بھی درج ہے، لیکن ابتدائے زمانہ سے دہلی کے حدود دارلعبہ بدلنے سے محلون کے نام و نشان مین بھی تبدیلیان ہوگئین، اون کا لازمی اثر تھا کہ وہ نشانات وہانیان بھی امتداد زمانہ سے مشتبہ ہوتی گئین، مولوی محمد عالم شاہ صاحب فریدی نے اس ضرورت کا احساس کیا

کہ تمام مزارات کی جاے وقوع نئے سرسے متعین کیجائے، چنانچہ مزارات اولیاے دہلی" کے نام سے ۱۳۳ء مین ایک رسالہ شائع کیا، اتفاق سے یہی زمانہ تھا جب حکومت برطانیہ ہند بھی اپنا دارالحکومت نئے سرے سے دہلی کو قرار دے رہی تھی محلون کے نام بدل رہے تھے، نئی سڑکین نکالی جا رہی تھین، کھنڈر اور ٹیلے برابر کئے جا رہے تھے، ممکن تھا کہ نادانی سے کوئی بزرگ کا کوئی مزار بھی آجاتا، لیکن حکومت کے محکمۂ آثار قدیمہ نے اس رسالہ کو مستند تسلیم کیا، اور اوس کے بیان کے مطابق مزارات کی جاے وقوع کی صحت تسلیم کی، اور پھر مؤلف کی تحریک سے اکثر قبرون پر کتبے نصب کر دیے گئے، اب اوسی رسالہ کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، جو اپنے پہلے اڈیشن سے زیادہ مکمل ہے، رسالہ کی ترتیب قبرون کی جاے وقوع کی ترتیب پر ہے، اسلئے یون سمجھنا چاہئے کہ یہ رسالہ دہلی کے مزارات مشائخ، صوفیہ وعلمائے کے لئے ایک "مستند گائڈ بک" ہے، جس مین مختلف مستند حوالون سے صحیح طور پر اون کی جاے وقوع متعین کی گئی ہے، اور کتب تذکرہ و طبقات سے صاحب مزار کے مختصر حالات زندگی بھی درج کر دیے گئے ہین،

ارتقاء، مولفہ جناب مشتاق احمد صاحب وجدی حجم ۵۰ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی، قیمت مجلد ۱۲ غیر مجلد عہ ، پتہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

جناب مشتاق احمد صاحب وجدی نے اپنی یونیورسٹی کی تعلیم کے زمانہ مین مسئلہ ارتقاء پر چند مضامین لکھے تھے، اب اونھی کو ایک کتاب کی شکل مین "ارتقا" کے نام سے شایع کیا ہے، مسئلہ ارتقاء پر غالباً اردو مین پہلی مستقل تالیف ہے، جو اگرچہ اپنے موضوع کے لحاظ سے تشنہ ہے، لیکن نہایت سلجھے ہوئے انداز اور سلیس بیان مین جامعیت کے ساتھ اس مسئلہ پر اس مین روشنی ڈالی گئی ہے، کتاب چند ابواب پر مشتمل ہے، اولاً مسئلہ ارتقاء کی اوسکے دور قدیم سے عہد حاضر تک کی اجمالی تاریخ بیان کیگئی ہے، اور اس سلسلہ مین مختلف قومون اور ملکون کے اون خیالات کو یکجا کیا گیا ہے، جو مسئلہ ارتقاء سے مربوط کیے جا سکتے ہین، اس ضمن مین عہد اسلامی کے خیالات بھی پیش کئے گئے ہین جنمین عہد عباسیہ مین یونانی تراجم کا آغاز دکھا کر مولانا روم اور ابن مسکویہ وغیرہ کے اقتباسات

درج کیے گئے ہین، لیکن افسوس ہے کہ اس سلسلہ مین محض انھی فارسی شعرا سے استشہاد کیا گیا ہے ان کے علاوہ عرب فلاسفہ و متکلمین کے افکار مین سے جو اخذ کیے جا سکتے تھے، وہ نظرانداز ہوگئے ہین، پھراسی طرح مختلف دورون سے گذر کر ڈارون اور اوسکے ہمعصرون کے کارنامون کا ذکر ہے، اور اس مین ان ارباب علم کو جن مرحلون سے گذرنا پڑا جن ترتیبون سے اس موضوع پر مضامین اور کتابین شایع ہوئین، اور خطبات دیے گئے سب کو تفصیل بیان کیا گیا ہے، اسکے بعد اصل نظریۂ ارتقا کی تشریح آتی ہے، اور اس مین "ابتدائے حیات" "ارتقائے عضوی" "ابتدائے انواع" اور "تنازع للبقا" اور پھر مختلف مسائل اور "نظریۂ توارث" اور "تقلیب" وغیرہ کو بیان کرکے "وجود انسان" کا تذکرہ آتا ہے اور انسان کے عہد بعہد کی ارتقائی شکلون کو پیش کیا جاتا ہے، اور پھر انسان کی مختلف قوتون اور مظاہرون "ذہنی قوت" "زبان" اور "اخلاق" کا ذکر آیا ہے، اور پھر اسی "اخلاق" کی بحث سے "مذہب" کا ذکر چھڑ جاتا ہی اور اس ضمن مین ہربرٹ اسپنسر کے مشہور نظریہ مادہ پرستی اور نفی الٰہیات کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے، اور پھر "تتمہ" کے زیرعنوان "فلسفہ" کی سرخی قائم کرکے برگسان کے نظریہ کے ذریعے سے اسپنسر کے اوس نظریہ کی تلخی دور کرنے کی کوشش کیگئی ہے، اور برگسان کے نظریہ مین سے "قوت حیات" "یا خدائے محض" لان وٹال (ELAN VITAL) کے پردہ پر مولف نے ذات باری تعالیٰ کے تصور کے خطوط کھینچے ہین جناب وجدی کا یہ رسالہ اون کے عہد طالب علمی کا مرتب کیا ہوا ہی، اس لئے اخلاق اور مذہب کے عنوانون مین وہی شوخیان نظر آتی ہین جو ہر مبتدی سے کسی نئے علم کی تحصیل کے وقت سرزد ہوتی ہین، اور وہ اپنے زیر درس فن کے دلائل کو اس درجہ یقینی سمجھتا ہے، کہ اون کے سامنے دنیا کے تمام دلائل ماند پڑجاتے ہین، اور تمام عالم اپنے ہی دلائل سے گونجتا نظر آتا ہے، ضرورت تھی، کہ جناب وجدی کم ازکم ان آخری ابواب پر اشاعت سے قبل نظر ثانی کرلیتے، کہ غالباً امتداد زمانہ سے خود اون کے تخیلات و تقینیات کے عالم جوش و خروش مین ٹھنڈک پہنچ چکی ہوگی، اور وہ دیکھ سکتے کہ مذہب و اخلاق کے موازنہ اور "مذاہب" کے "اوہام و تخیلات" مین امتداد زمانہ کے اس سکون و قرار کے بعد خود اون کے دل و دماغ پر کیسے اثرات طاری ہین، افسوس ہی کہ فہرست مضامین منسلک نہین ہی،

خواب و خیال از جناب مجنون گورکھپوری بی اے حجم ۲۶۵ صفحے تقطیع چھوٹی کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی،

قیمت عہ پتہ:- منیجر صاحب ایوان اشاعت گورکھپور،

یہ جناب مجنون کے افسانوں کا مجموعہ ہے، مجنون اُن افسانہ نگارون مین ہین جو اپنے سامنے کوئی ایک مقصد رکھتے ہین، اور وہی اون کے تمام افسانون کا جزو مشترک ہوتا ہے، وہ اپنے افسانون مین محبت کو ہمیشہ عورت کی جانب سے پیش کرتے ہین، اور اس سلسلہ مین معاشرتی رسم و رواج اور اصول اخلاق سے کسی قدر بے اعتدالی کے ساتھ بے پروا ہو کر جذبات و توقعات کی ترجمانی کرتے ہین، اور اس لئے اگرچہ مختلف افسانے جدا جدا پلاٹون اور نئی نئی رنگ آمیزیون سے لکھے گئے ہین، لیکن سب کا مآل اور سب کے نتائج یکسان ہین اور معلوم ہوتا ہے، کہ ایک ہی ہیروین روپ بدل بدل کر سامنے آتی ہے، محبت کے داغ اوٹھاتی ہے، درد بھری کہانی سناتی ہے، اور آخر مین اپنی بربادی کا عبرتناک منظر پیش کرتی ہے، مجموعہ کی ابتدا ایک "انتساب" اور "پھر تم" کے خطاب سے ہوتی ہے جسمین کسی قدر واقعیت کی بو آگئی ہے، اور پھر "ناچار مسلمان شو" کے عنوان سے خود اپنے اور اپنے افسانون پر کچھ لکھا گیا ہے، اور اس کے بعد سات آٹھ افسانے درج ہین، جن مین سے بعض طبع زاد ہین، اور بعض دوسری زبان کے افسانہ نگارون ہارڈی وغیرہ کے افسانون سے ماخوذ ہین، ضرورت تھی کہ اس رسالہ کے آغاز مین رسالہ ایوان اشاعت کی وہ تحریر بھی شامل کیجاتی، جو مجنون کے افسانون پر چند ماہ گذرے بطور نقد شایع ہوئی تھی،

نرالی اردو از جناب ایم اے مغنی دہلوی بی اے حجم ۱۲۸ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی اور چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت:- ۸ر پتہ:- منیجر صاحب دفتر نرالی دنیا کوچہ لکھمی رائے دریا گنج دہلی،

جناب ایم اے مغنی دہلوی بی اے نے "نرالی اردو" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جس مین دہلی کے بازارون کی مقامی بول چال کو تحریری شکل مین لائے ہین، یہ دہلی کے اون غیر تعلیم یافتہ مسلمانون یا دیہی مزدورون کی زبان ہے، جو بازارون اور کارخانون وغیرہ مین کام کرتے ہین، رسالہ کی ابتدا مین جناب خواجہ

حسن نظامی صاحب اور جناب آصف علی بیرسٹر کی رائین رسالہ کے متعلق ثبت ہین، خواجہ صاحب نے اس رسالہ کو اُس شخص کیلئے سودمند بتایا ہی، جو زبان کے آئندہ تغیرات اور تبدیلیون پر قلم اوٹھائے گا، اور جناب آصف علی صاحب نے اس زبان کو "گونگی آبادی کی زبان" سے تشبیہ دیا ہے، پھر اصل رسالہ شروع ہوتا ہے، جسمین مختلف عنوانون مثلاً "بائیسکوپ کی سیل" "ہم نے تعبیرا چوائی" "اور شمو خان کی بلی قبوتر کھا گئی"، وغیرہ مین دو دو تین تین صفحون کے مضامین ہین اور پھر رسالہ کے آخر مین اردو کے مختلف اہلِ قلم کی رائین درج کیگئی ہین، اس مین شبہہ نہین کہ مرتب کی یہ دلچسپ جدت طرازی ہے، لیکن یہ شبہہ ہوتا ہے کہ ابھی اردو رسالون کو "آئے دن" کی "گلابی اردو" کی تحریرون سے نجات نہین ملی ہے، اب کہین ان مین اس "نرالی اردو" کی ہوا نہ چل جائے اگر مرتب دیباچہ مین اصل اردو اور اس "نرالی اردو" کے چند چند جملون کو آمنے سامنے رکھکر دونون مین فرق دکھا دیتے اور دونون کے لب و لہجہ طریق ادا اور جملون کی نشست کے فرق کی طرف اشارات کر دیتے تو مناسب ہوتا،

اُردو گلستان از مولوی محمد خلیل الرحمن صاحب سابق مالک و اڈیٹر الخلیل، ۲۱۶ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت مجلد عہ، پتہ :- دفتر اردو گلستان بجنور (یوپی)

"اردو گلستان" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، شیخ سعدی کی مشہور گلستان کا اردو ترجمہ ہے، اگرچہ گلستان کے متعدد اردو ترجمے بعض معلوم اور بعض غیر معلوم اشخاص "نثر کا نثر اور نظم کا نظم" مین کر چکے ہین، لیکن مولوی خلیل الرحمن صاحب نے اوسکو نئے سرے سے موجودہ سلیس اردو مین منتقل کیا ہے، اور یہ ترجمہ بھی نثر کا نثر اور نظم کا نظم مین ہے، یہ بھی کوشش کی ہے، کہ گلستان کے ضرب الامثال فقرون کو حتی الامکان ایسے اسلوب مین ادا کرین، جو اردو کے ضرب الامثال کی ترکیبون کے مماثل ہون، ہم نے اس ترجمہ کو جا بجا سے دیکھا، اگرچہ کہین کہین نقلی ترجمہ معلوم نہین ہوتا ہے، لیکن ترجمہ نہایت صاف سلیس، روان اور حتی الامکان لفظی کیا گیا ہے، ابتدا مین ایک مقدمہ ہے، جسمین گلستان کے مختلف ترجمون اور شیخ سعدی کا مختصر تعارف ہی،

"س"

جلد سی ام	ماہ جمادی الآخر سنہ ۱۳۵۱ھ، مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۲ء	عدد ۴

مضامین

سیرۃ کی چوتھی جلد بحمد اللہ کہ حسب وعدہ وسط ستمبر میں شائع ہوگئی، پہلا اڈیشن حسب دستور بڑی تقطیع پر چھپا ہی، اسی تقطیع پر سیرت کی دوسری اور تیسری جلدون کے کچھ نسخے بھی دفتر مین موجود ہین، چونکہ ان نسخون کو جلد از جلد فروخت کرنا ہے، اس لیے اس تقطیع کی دوسری اور تیسری جلدون کی قیمتون مین مناسب تخفیف کر دی گئی ہے،

پنجاب کے اہل علم اصحاب نے "ادارۂ معارفِ اسلامیہ" کے نام سے ایک خالص علمی مجلس کی بنیاد ڈالی ہے جس کے مقاصد یہ ہین (۱) ہندوستان کے تمام محققینِ علوم اسلامیہ کے درمیان اشتراکِ عمل، اتحادِ ذہنی و اجتماعی، اور وسائلِ امداد باہمی کے قیام مین سہولتین بہم پہنچانا، (۲) محققین کی ایسی مشکلات کو جو بسا اوقات ان کے مشاغلِ علمیہ مین پیش آتی ہین، حتی الامکان رفع کرنے کی کوشش کرنا، (۳) محققین کو نتائج تحقیقات علمیہ کی اشاعت کی غرض سے جمع کرنا، (۴) بیرونی ممالک کے مستشرقین کو وقتاً فوقتاً افادۂ علمیہ کی غرض سے دعوت دینا، (۵) ارتقاء تمدن اسلامی کے سلسلہ مین اسلام کی مختلف خدمات کو منظرِ عام پر لانا، (۶) عام طور پر اسلامی تحقیقات کے لیے قوم مین تحریص و تشویق کی تحریک جاری رکھنا، (۷) آمدنی کافی ہونے پر ایک دار الکتب ایک دار الاشاعت اور مشرقیات کا ایک دار النفائس (میوزیم) کھولنا،

اس ادارہ کی وسعتِ کار حسب ذیل دائرون پر مشتمل ہوگی، ادبیات و لسانیات، اخبار و آثار، جغرافیہ و سیاحت، مذہبیات، فلسفہ، عمرانیات، فنون لطیفہ، علوم حکمیہ، صنعت و حرفت، اور قومیات، ان تمام علوم و فنون کے الگ الگ دائرے ہونگے، اور انکے متعلق تحقیق و تلاش کا کام ہوگا، اور مجوزہ کتبخانہ مین اس کے متعلق کتابین اور سامانِ تحقیق مہیا ہونگے،

اس وقت تک اسمین لاہور کے اورنٹیل کالج ٹرننگ کالج اور اسلامیہ کالج کے مسلمان پروفیسرون نے شرکت کی ہو، اور سر اقبال اور سر عبد القادر نے انکی رہنمائی اور سربراہی قبول کی ہو، رکنیت کے لیے پانچ روپیہ سالانہ اور اس کے کسی عام علمی جلسہ مین شرکت کی فیس دو روپیہ ہوگی، مجلس نے امراے اسلام کے دستِ کرم کو اپنی امداد کے لیے جنبش دی ہو اور سب سے پہلے اسکی اعانت کے لیے وہ ہاتھ اٹھا ہے، جو ہمیشہ اس قسم کے کامون کے لیے اٹھا کرتا ہے، یعنی اعلیٰ حضرت سرکار نظام خلد اللہ ملکہ نے اس کیلئے دو ہزار سالانہ کی اعانت منظور فرمائی ہے،

مجلس کا ارادہ ہے کہ آیندہ ماہ فروری ۱۹۳۳ء مین لاہور مین اپنا سالانہ اجلاس منعقد کرے، اور تمام اہل علم اور ماہرین علوم اسلامیہ سے درخواست کی ہے کہ وہ اس مین شرکت کرین اور کسی مسئلہ پر اردو مین یا عربی و فارسی یا انگریزی مین کوئی تحقیقی مقالہ پیش کرین، خط و کتابت کا پتہ پروفیسر شیخ محمد اقبال اورنٹیل کالج لاہور،

ناگری پرچارنی سبھا بنارس، ہندی کی اشاعت کی مشہور انجمن ہے، جسکا مقصد تمام ہندوستان مین ہندی کا پرچار کرنا، بلکہ اپنی کوششون سے ہندی کو اس ملک کی عام مشترکہ زبان بنانا ہے، اُس کے ایک کارکن نے ہندی کی پچیس ۲۵ برس خدمت کرنے کے بعد عزلت گزینی اختیار کی ہے، اس کارکن کی یادگار، اور اس کے خدمات کے اعتراف مین سبھا نے یہ طے کیا ہے کہ اس کے نام پر ہندی اور قدیم ہندوستان کے متعلق محققانہ مضامین کی ایک جلد تیار کرے، اور اس کی تالیف کی وسعت مین ہندو مسلمان دونون کو شریک کرنا چاہا ہے،

ہم نے کسی پچھلے مہینہ کے شذرات مین ہندو مسلم نا اتفاقیون کی ذمہ داری عدالتون اور کالجون کے کارفرماؤن کے سر ڈالی تھی، اس سے متاثر ہو کر، ہمارے مخلص دوست پروفیسر شیخ عبد القادر (پونہ) نے اپنے ہم پیشہ احباب (استادانِ کالج) کی طرف سے اس الزام کو دور کرنا چاہا ہے، اور تجویز کی ہے کہ الزام و شکایت

کے بجاے ضرورت ہے کہ ہندوستان کی صحیح اسلامی تاریخ کی تحقیق و ترتیب کے لیے ایک مجلس کی بنیاد ڈالی جائے ہم آیندہ پروفیسر موصوف کا مضمون اور اپنا اس کے متعلق خیال پیش کرینگے،

دیسی زبان مین اعلیٰ تعلیم کا خیال بحمد اللہ کہ اب خیال کی دنیا سے نکل کر عمل کی دنیا مین قدم رکھ رہا ہے، چنانچہ ہندوستان کی سب سے پرانی انگریزی تعلیم گاہ کلکتہ یونیورسٹی کے ارکان نے یہ طے کیا ہے کہ آیندہ میٹرک تک کی تعلیم دیسی زبان مین دیجائیگی، اس مبارک خیال کی جس قدر تائید کی جائے وہ کم ہے، لیکن اس دیسی زبان سے مقصود کیا ہے؟ غالباً بنگالی ہے، اور اب شاید اسی طرح دوسرے صوبون کی یونیورسٹیان اپنے اپنے صوبہ کی زبانون مین تعلیم کا دروازہ کھولینگی، ادھر سیاسی و انتظامی اسکیم کے مطابق ہر صوبہ کی حکومت خود مختاری کی کوششون مین مصروف ہے، اب ایسی حالت مین جب کہ سیاسی و انتظامی اور نیز زبان کی حیثیت سے بھی ہر صوبہ الگ ہوگا، تو مشترکہ ہندوستان کے اشتراکاتِ عمل، اور رشتہ ہاے اتحاد کے لیے کیا چیز باقی رہ جائے گی؟ کیا اگر اہل ہند کسی مشترکہ نظامِ حکومت پر انگریزون کی مداخلت کے سبب غور نہین کر سکتے، تو کیا کسی مشترکہ نظامِ تعلیم اور متحدہ زبانِ تعلیم کے مسئلہ پر بھی غور نہین کر سکتے،

پروفیسر رامن نے جنکو نوبل پرائز امسال ملا ہے، گذشتہ ماہ اگست مین بمبئی یونیورسٹی کے جلسۂ اسناد کی صدارتی تقریر کے سلسلہ مین کتبخانہ اسکندریہ کی اس مشہور داستان کو کہ وہ حضرت عمرؓ کے حکم سے جلا کر خاک کیا گیا، اس طرز سے ادا کیا کہ لوگون کو ہنسی آگئی ہمین یہ معلوم ہو کہ پروفیسر موصوف سائنس کے ماہر ہین، اور انھین تاریخ سے دور کا بھی واسطہ نہین، تاہم انکی جیسی ہستی کے لیے یہ زیبا نہ تھا کہ اُن کے سنجیدہ خطبہ مین یہ مضحکہ انگیز فقرہ شامل ہو، کیا اس جھوٹ کی وہ عالمگیر تردید جو خود یورپ مین محققین نے بارہا کی ہے، اسکی صداے بازگشت ابھی بنگال کے دار التجربہ مین نہین پہنچی ہے؛

مقالات

ایمان و عمل

از چودھری غلام احمد صاحب پرویز، ہوم ڈیپارٹمنٹ، شملہ،

(۲)

ممکن ہے کہ سورۂ بقرہ کی اُس آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ہَادُوْا الآیہ جس کا حوالہ نمبر ۶ میں گذرا ہے، یہ شبہ ہو کہ جب پہلے ان الذین اٰمنوا آچکا ہے (یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں) تو بعد میں من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر کی ان کے لیے کیا ضرورت پیش آگئی، واضح ہو کہ قرآن کریم میں تائید اور استقامتِ ایمان کیلئے ایسا اکثر آیا ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے،

۱۴- یاایھا الذین اٰمنوا۔ اٰمنوا باللہ و رسولہ . . . (النساء ع ۱۳۶)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ اللہ اور اسکے رسول پر . . . . . .

اور مومن کی تو تعریف ہی یہ بتائی گئی ہے کہ

انما المومنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا . . . . الصدقون (حجرات ع ۱۵)	مومن صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر اسمین کوئی شک و شبہ نہ رہا، اور اللہ کے راستہ میں مال و جان سے جہاد کیا، یہ لوگ ہیں سچے،

بعض لوگون سے ایک اور اعتراض بھی سنا گیا ہے، قرآن کریم میں ہے،

۱۵- وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصریٰ	یہ لوگ (یہود و نصاریٰ) کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی کے سوا اور کوئی جنت میں داخل نہیں ہو سکیگا

. . . . یہ ان کی بیجا امنگین ہین، ان سے کہئے کہ اگر یہ سچے

. . . . . صٰدقین (بقرہ ۱۳) ہین تو کوئی دلیل (اپنے دعوی کے اثبات مین) لاوین،

اعتراض کیا جاتا ہی کہ جب جنت کی ٹھیکہ داری، یہود ونصاری کے لیے ناجائز قرار دیگئی ہے تو یہی چیز مسلمانون کے لیے کس طرح جائز ہوسکتی ہے، اس اعتراض کے دو پہلو ہین، پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر یہی اعتراض ہے کہ جو چیز یہود ونصاری کے لیے ناجائز قرار دیگئی ہے، مسلمانون کے لیے کس طرح جائز ہوسکتی ہی، تو یہ اعتراض تو اس سے بڑھکر اور کئی چیزون پر عائد ہوسکتا ہی، مثلاً یہود ونصاری کی شریعت کو قرآن نے غیر مکمل کہا ہے، اور قرآنی پیغام کو خدا کا آخری کلام کہا گیا ہے، یہود ونصاری کے پیغمبرون کے بعد باب نبوت بند نہین کیا گیا، لیکن "مسلمانون" کے نبی صلعم کو خاتم النبیین کہا گیا ہے، اگر ہر امتیازی تفوق قابل اعتراض ہی تو یہ امتیازات تو اس سے بھی بڑھکر ہین ان پر بھی اعتراض وارد ہوسکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب اعتراضات "نفس اسلام" سے ناواقفیت کی بنا پر کئے جاتے ہین، یا تو یہ لوگ یہ سمجھتے ہین کہ مسلمانون کی جماعت نے "اپنے دین" کو بڑھا چڑھا کر دکھانے کی خاطر قرآن مین یہ کچھ داخل کردیا ہے، یا اللہ تعالیٰ ہی کو (نعوذ باللہ) کچھ خاصی رعایت مقصود ہے گویا ایک مارکٹ مین مختلف دوکاندار بیٹھے ہین، اور ہر ایک کی خواہش ہے کہ دوسرون کی چیزون مین نقص نکالکر اپنا مال بڑھا چڑھا کر پیش کرے، تاکہ گاہک زیادہ آئین، یہ دونون باتین ہی غلط ہین، قرآن مین تحریف کا تو خیال ہی کفر ہے، مذہبی اور تاریخی ہر دو حیثیت سے، اور دوسری چیز کی خود قرآن تردید کر رہا ہے، پچھلے صفحات مین یہ دکھایا گیا ہے کہ لوگون سے اسلام منوانے مین اللہ یا اس کے رسول صلعم کو کوئی ذاتی فائدہ مقصود نہین ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر یہ فرمادیا کہ یہ لوگ اگر مسلمان ہونے سے آپ پر کوئی احسان رکھتے ہون تو ان سے کہدیجئے کہ یہ ان کا کوئی احسان نہین ہے، بلکہ اس سے تو اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان ہے، کہ انھین نور ہدایت سے مستنیر فرمایا، خود رسول اکرم صلعم جب کبھی کج بحثی کرنے والون کی ہٹ دھرمی پر ملول خاطر ہوتے (اسی طرح جسطرح ایک رقیق القلب، شفیق اور غمخوار ڈاکٹر بے سمجھ مریض کی بدپرہیزی اور ہٹ دھرمی پر کبیدہ خاطر ہوجاتا ہے) تو اللہ تعالیٰ یہ کہکر اُن کی تسکین کرتا کہ آپ پر

تو صرف اسی قدر فرض ہے کہ بلغ ما انزل الیک یعنی جو آپ پر نازل کیا جاتا ہے اسے ان تک پہنچا دیجئے اور بس اس کے بعد، لست علیھم بمصیطر، آپ اُن پر کوئی داروغہ تھوڑے ہی مقرر کئے گئے ہیں، ان کو عقل وشعور دیا گیا ہے، پھر اناھدینہ السبیل، ان کو راہ راست دکھا دیا ہے، قد تبین الرشد من الغی گمراہی اور ہدایت ایک دوسرے سے بالکل واضح ہوگئی ہے، اب یہ ان کی اپنی مرضی ہے کہ فاما شاکراً و اما کفوراً، چاہے ایمان لے آئیں چاہے منکر ہوجائیں، واللہ غنی عن العالمین اللہ تمام مخلوقات سے مستغنی ہے، اس سے یہ واضح ہوگیا کہ اسلام پیش کرنے میں یا اسکی اشاعت میں خود خدا یا خدا کے رسول صلعم کی کوئی ذاتی غرض مضمر نہیں بلکہ اللہ کی اپنی مخلوق کے ساتھ رافت وہمدردی اور بے لوث شفقت کا ثبوت ہے، اس کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ آیت متذکرہ صدر کا مطلب کیا ہے، قرآن نے اسلام کے متعلق کہا ہے کہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ دین فطرت ہے، جو انسان کی آب وگل میں ودیعت کرکے رکھا گیا ہے،

۱۴۔ فاقم وجھک للدین حنیفا، فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لایعلمون (۳۰-۴)	پس دین حنیف (سیدھے دین) کی طرف اپنا رخ کرلو (کون دین) وہ (دین) فطرت جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور اللہ کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی دین قیم ہے لیکن اکثر لوگ اسے نہیں سمجھتے

جناب آدمؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک مختلف انبیاء عظام کی وساطت سے یہ پیغام لوگوں تک آتا رہا، کتاب شریعت کے مختلف ابواب ہر زمانے میں ہر قوم پر علحدہ علحدہ حصص میں نازل ہوتے رہے، اور ہر قوم کو صاف طور پر بتایا جاتا رہا کہ یاد رکھئے تمھاری شریعت نامکمل ہے، اور اسکی تکمیل خدا کے آخری پیغام سے ہونے والی ہے، اسی طرح ہر نبی کو بتایا جاتا رہا کہ انکی نبوت اس سلسلہ کی آخری کڑی نہیں ہے بلکہ اسکو مکمل کرنے کے لیے سرزمین عرب میں ایک نبی امی (صلعم) مبعوث کئے جائینگے، اور ان کے اتباع سے آخری نجات ہوگی، حضرت موسیٰؑ کی دعا کے جواب میں آنے والے نبی صلعم کے وعدہ کا ذکر پیچھے ہوچکا ہے، جناب عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے قرآن میں مذکور ہے کہ انھوں نے

اپنی قوم سے کہا کہ

۱۶- . . . . . . ومبشراً برسول میں تمہیں بشارت دیتا ہون ایک رسول کی جو میرے

یاتی من بعدی اسمہ احمد (صف ۱) بعد آئیگا اور اس کا نام احمد ہوگا.

اسی طرح قرآن مین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا بھی موجود ہے، تو گویا ہر امت سے یہ کہدیا جاتا تھا، (اور یہود و نصاریٰ کے متعلق تو کوئی شک و شبہہ ہی نہ رہا کہ ان سے واقعی ایسا کہہ دیا گیا تھا،) کہ ان کے نبی کے بعد ایک نبی آخرالزمان آنے والا ہے، اس وقت نجات اس کے اتباع ہی سے ہوگی لیکن جب وہ نبی اپنی کھلی کھلی نشانیون کے ساتھ آیا تو سب سے پہلے انھی لوگون نے اسے جھٹلا دیا، چنانچہ اوپر والی آیت کا باقی ماندہ حصہ ہے

فلما جاءہم بالبینت قالوا ھذا سحر پس جب وہ اپنی کھلی کھلی نشانیون کے ساتھ آیا تو یہ

مبین، ومن اظلم ممن افتری کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے (اس سے کہہ کر) اس سے

. . . . الاسلام زیادہ ظالم اور کون ہوگا کہ جو اللہ پر افترا باندھے

(صف - ۱) حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو،

ایک جگہ مذکور ہے کہ یہ اس رسول (صلعم) کو اس طرح سے پہچانتے ہین، کما یعرفون ابناءھم جس طرح اپنے بیٹون کو آدمی پہچان لیتا ہے لیکن دیدہ و دانستہ اسے جھٹلاتے ہین چنانچہ یہود و نصاریٰ کو مختلف پیرائے مین سمجھایا گیا ہے کہ دیکھو تمھین پہلے بتا دیا گیا تھا کہ ایسا نبی آنیوالا ہے، تمھاری کتابون مین اس کا ذکر ہے لیکن تم اب اس سے انکار کرتے ہو، ایک جگہ آتا ہے،

ولقد اٰتینا موسی الکتاب وقفینا یقیناً موسیٰ کو ہم نے کتاب دی تھی اور اس کے بعد ہم نے

من بعدہ الرسل . . . . یکے بعد دیگرے اور نبی بھی بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم

. . . . . . کو کھلی کھلی نشانیان دین اور اسے روح القدس سے تقویت

. . . . دی، پس جب (یہ) پیغمبر آیا ساتھ اس چیز کے جسے تمھارا دل

. . . . نہین چاہتا، پس تم نے تکبر کرنا شروع کر دیا، ایک جماعت

. . . تقتلون . (بقرہ ع ۸۷) کو تم نے جھٹلایا، اور دوسرے کے قتل کا منصوبہ باندھنے لگے

اسی طرح مختلف جگہ یہود و نصاریٰ کو ان کا وعدہ یاد دلایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہی وہ نبی ہے جو ان تمام صحائف کی تصدیق کرتا ہے جو تم پر نازل کئے گئے تھے اور جنھین تمہین کہہ دیا تھا کہ یاد رکھو نجات اسکے اتباع سے ہی ہو گی لیکن وہ ہر بات کو جھٹلاتے، اور صاف صاف کہدیتے کہ نہین! نہین! لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودًا او نصاریٰ، جنت مین تو یہود و نصاریٰ ہی داخل ہونگے، اس نئے آنے والے کے اتباع کی ضرورت نہین، قرآن ان کے اس دعویٰ کو جھٹلاتا اور کہتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو اس کے لیے کوئی دلیل لاؤ، دلیل کہان سے لائین، انکی کتابون مین تو اس کا ذکر موجود تھا کہ آخری نبی آنے والا ہے، اس لیے قرآن نے علی الرغم ان کے دعوے کی تردید کرکے کہا ہے کہ جنت مین داخل ہونے کے لیے یہود اور نصاریٰ ہونا نہین، بلکہ جیسا تمھین کہا گیا تھا،

بلیٰ من اسلم وجھہ للّٰہ وھو جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے (اسلام

محسن . . . . لے آئے) اور وہ نیکو کار بھی ہو اسکا اجر اسکے اللہ کے پاس

یحزنون . (بقرہ ع ۱۱۲) ملیگا، اور اسے کوئی خوف و حزن نہین ہوگا،

لفظاً اور معنیً یہی وہ چیز ہے جسے اسلام کہتے ہین، اسی اسلم سے لفظ اسلام نکلا ہے، جس کے معنی تسلیم و رضا یا امن و سلامتی کے ہین، تمام پیغمبرون کا یہی دین تھا، بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تو کئی بار اس کا ذکر آیا ہے، اور مسلم نام بھی پہلے پہل انھی کا رکھا ہوا ہے، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبرون کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ وہ مسلم تھے (مائدہ ع ۴۴) اور واضح طور پر کہدیا گیا ہے کہ

ان الدین عند اللّٰہ الاسلام، تحقیق دین، اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے،

(آل عمران ع ۱۹)

اس سے اب واضح ہو گیا ہوگا، کہ صرف اسلام کو ذریعۂ نجات قرار دینے مین کسی خاص "جماعت" کی رعایت

مقصود نہین بلکہ ایک اصولی چیز کو بیان کیا گیا ہے، ایک سچے مسلمان کے لیے تو بہترین نصرانی اور بہترین یہودی ہونا بھی ضروری ہے، تو یہ کہنا کہ یہود و نصاریٰ کو جنت سے محروم کر دیا گیا ہے، غلط ہے، ایک یہودی یا نصرانی سچا مسلمان ہو جائے، جنت کے دروازے اس پر بھی کھل جائینگے، یہودیت اور نصرانیت تو وقتی اور عارضی اصطلاحین تھین بعد مین موقوف ہوگئین، اور اُن کی بجائے ایک عالمگیر اصطلاح "مسلم" رائج کر دیگئی،

وہ لوگ جو قرآن کو قرآن مانتے ہین، امید ہے سطور بالا سے اُن پر واضح ہوگیا ہوگا کہ قرآن کے رو سے نجات کے لیے ایمان و عمل دونون کی ضرورت ہے، اور ایمان کے لیے اس شکل کا ہونا لازمی ہے جس شکل مین نبی اکرم صلعم نے اسے پیش کیا ہے، اس کے سوا جو تعلیم ہے، وہ کم از کم قرآنی تعلیم نہین، اور کچھ ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایمان کو عمل سے جدا کیا ہی نہین جا سکتا، اعمال جوارح کے بھی ہوتے ہین اور قلب کے بھی، اور ایمان نام ہے قلب کے عمل کا، اور علم نفسیات کے ماہر اُسے بخوبی جانتے ہین کہ اصل شے اعمال جوارح ہوتے ہین یا اعمال قلب، حقیقت یہ ہے کہ عمل نام ہے اس فعل ارادی" کا جو کسی مقصد کے حصول کے لیے انسان سے سرزد ہو، کوئی عمل فی ذاتہ نہ برا ہوتا ہے نہ اچھا، بلکہ یہ اس مقصد پر موقوف ہے جس کے حصول کے لیے یہ عمل صادر ہو، مقصد کے یقین کے لیے ظاہر ہے، سب سے پہلے قلب کا ایک جذبہ محرک ہوگا، اسی کا نام شریعت کی زبان مین "نیت" ہے، قرآنی تعلیم کی رو سے ہر عمل کا مقصد پیش نظر حصول رضائے الٰہی ہونا چاہئے، اس عمل کو عمل صالح کہین گے، اور اس کے محرک جذبہ کا نام "ایمان" ہوگا، اب ظاہر ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل شریعت کی رو سے صالح ہو ہی نہین سکتا اور جو اعمال بظاہر صالحہ یا جو اخلاق حسنہ نظر آتے ہین وہ حقیقت نہین سراب ہے، نظر کا دھوکا ہے، معیار کا فریب ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم مین کفار کے اعمال کے لیے حبطت اعمالھم آیا ہے، کہین ایک جگہ بھی حبطت حسناتھم نہین آیا، کیونکہ ان کے اعمال پر حسنات کا اطلاق ہی نہین ہو سکتا، کفار تو ایک طرف، خود مسلمانون کو مخاطب کر کے فرمایا ہے

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن (بقرہ)	یہی نیکی نہین ہے کہ مغرب کی سمت منھ کرین یا مشرق کی سمت، بلکہ اصل نیکی تو ایمان ہے

اور یہی تقویٰ ایمان ہے، جس کے بغیر کسی عمل کی کوئی قیمت نہین، فلا نقیم لھم یوم القیمۃ وزنا،

آج مسلمان صرف اپنے ایمان کو درست کرلین، اور پھر دیکھین کہ وہی فلاح و بہبود کا دور آجاتا ہے یا نہین آج اُن کے اعمال وافعال مین جو برکت نظر نہین آتی اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ انھون نے صحیح ایمان کو چھوڑ رکھا ہے، اور ایمان کے بغیر اعمال سے نتائج مرتب کرنا تلک امانیھم،

سیرۃ النبیؐ جلد چہارم (منصب نبوت)

جس مین اوّلاً

مقدمہ مین منصب نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصائص پر بحث ہے، پھر قبل از اسلام دنیا کے متمدن ممالک اور خصوصاً عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت کی تفصیل ہے،

اور اس کے بعد

نبوت محمدی نے دنیا اور عرب کے لیے جس عظیم الشان اصلاح کا فرض انجام دیا، اس کا اجمالی بیان ہے، اصلاح کی مشکلات، ان کا انسداد، تبلیغ و دعوت، اور اس کی کامیابی، عرب کے عقائد کی اصلاح، شرک کے ہر پہلو کی تردید، توحید کی تکمیل، اسلامی عقائد کی تشریح، خدا اور اس کے صفات کاملہ، ملائکہ، انبیاء، کتب الٰہی، روز جزا، اور تقدیر پر ایمان کے مباحث، اور ان کے ضمن مین متعدد اہم مسائل کی تشریح،

اگر آپ کو

اسلام کی اُس اصل حقیقت کو سمجھنا ہے، جو وحی محمدی مین بیان کیگئی ہے، تو سیرۃ کی اس جلد کا مطالعہ فرمائیے،

یہ

۱۵ ستمبر ۱۹۳۲ء کو شائع ہوگئی

ضخامت ۰۰۷ صفحے تقطیع کلان، قیمت قسم اعلیٰ آٹھ روپیہ (عہ) قسم دوم چھ روپیہ (للعہ) محصول ڈاک ایکروپیہ بارہ آنے (عہ) پیکنگ وغیرہ معاف،

"منیجر"

عہدِ عالمگیری کی ایک غیر معروف کتاب

مرآۃ الخیال اور اوسکا مؤلف

از

جناب قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڈھی،

فارسی کے قدیم و جدید شعرا کے حالات مین جتنے تذکرے لکھے گئے ہین ان مین تذکرۂ مرآۃ الخیال کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، بادی النظر مین یہ ایک سرسری تذکرہ کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اپنے مختلف اور متنوّع موضوعات کے لحاظ سے وہ ایک علمی، فنی، ادبی اور تاریخی کتاب ہے جسکی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے، شعرائے متقدمین و متاخرین کے حالات کے علاوہ ضمنی مباحثِ علمیہ اور ذخیرۂ معلومات کے لحاظ سے وہ فارسی زبان کی ایک دائرۃ المعارف کہی جاسکتی ہے، خود مؤلف اپنی کتاب کی نسبت لکھتا ہے کہ اوس نے ایک جلد مین ایک "پورا کتاب خانہ" جمع کر دیا ہے[1]،

مابعد کی تصانیف مین اس کتاب کا ذکر آیا ہے، چنانچہ آزاد بلگرامی نے خزانۂ عامرہ کے ماخذ مین اس کو شمار کیا ہے[2]، اسی طرح سروِ آزاد مین بھی بعض جگہ اس کا حوالہ دیا ہے[3]، سہ نثرِ ظہوری کے مرتب نے مقدمات مین موسیقی سے متعلق مرآۃ الخیال کا ایک طویل اقتباس (تقریباً ۳ صفحے) نقل کیا ہے، اور اسی کتاب سے ظہوری کے حالات نقل کئے ہین[4]،

غیاث الدین نے اپنے لغت مین "ہفت اقلیم" پر جو مفصل مضمون لکھا ہے، اوس کے ماخذ مین مرآۃ الخیال

---

[1] مرآۃ الخیال صفحہ ۲ طبع بمبئی [2] خزانۂ عامرہ صفحہ ۶ طبع لکھنو مؤلف کتاب اور آزاد دونون ہمعصر ہین [3] سروِ آزاد ص ۷۱، ۲۲۰، طبع حیدرآباد، [4] مقدمات ظہوری صفحہ ۴ اور صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۱۵ طبع نولکشور،

کا بھی ذکر کیا ہے[۱]، مستشرقین یورپ مین سے بلینڈ (Bland) نے رایل ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل[۲] مین اس کتاب پر تبصرہ لکھا ہے، ڈاکٹر اسپرنگر (Sprenger) نے اودھ کیٹلاگ[۳] مین، اور اومر (Aumer) نے میونخ کی فہرست کتب[۴] مین اس کا ذکر کیا ہے، ڈاکٹر ریو (Rieu) نے عجائب خانہ لندن کی فہرست مخطوطات فارسی[۵] مین اس کے مضامین کی فہرست دی ہے اور اس کے چار[۶] قلمی نسخون (۱۲۳۱ع، ۱۱۷۴ع، ۱۷۷۵ع، ۱۷۸۹ع) کا ذکر کیا ہے جن مین سے ایک نسخہ ۱۱۸۳ھ کا لکھا ہوا ہے، جو تالیف کتاب کی تاریخ سے ۸۱ برس بعد کا ہے، طامس ولیم بیل نے اس کے مؤلف شیر خان لودی کا مختصر حال لکھا ہے[۷]، علامہ شبلی نے اپنے ایک مضمون "جدید معلومات قدیم کتابون مین[۸]" مسئلہ تجاذب اجسام پر اس کتاب سے ایک اقتباس نقل کیا ہے، اسی طرح اپنی معرکۃ الآرا تصنیف شعر العجم کے ماخذ مین اسکو درج کیا ہے،

مطبوعہ نسخہ ہندوستان اور یورپ کے کتبخانون مین مرآۃ الخیال کے قلمی نسخے اکثر پائے جاتے ہین، اور کوئی سو سال پہلے یہ کتاب ۱۸۳۱ء مین ٹایپ کے حروف مین کلکتہ سے شایع بھی ہو چکی ہے، اور جیسا کہ بمبئی اڈیشن کے خاتمہ مین مرقوم ہے آقا محمد جعفر تاجر شوستری معروف بہ مولا نے اسکو چھپوایا تھا، اسکے بعد ۱۳۲۳ھ مین اس مطبوعہ نسخہ پر سے بمبئی کے مشہور کتب فروش ملک الکتاب میرزا محمد خان شیرازی نے اپنے مطبع مظفری سے اس کا دوسرا اڈیشن شایع کیا، اور جیسا کہ آخر کتاب سے ظاہر ہوتا ہے اوسکو مہاراجہ مدار المہام بہادر یمین السلطنۃ "مشیر خطۂ دکن" کے نام سے منسوب کیا ہے، مدار المہام سے مراد غالباً سرکشن پرشاد وزیر اعظم حیدر آباد ہین،

یہ نسخہ متوسط تقطیع کے ۳۴۴ صفحات مین معمولی کاغذ پر چھپا ہے، جو ایک دو جگہ سے کچھ ناقص[۹] اور بعض مقامات پر غلط ہے، تاہم غنیمت ہے، اور اس وقت مطبوعہ صورت مین موجود ہے اور صرف یہی مین ملتا ہی،

---

[۱] غیاث اللغات ص ۵۵۲ مطبوعہ رزاقی پریس کانپور [۲] جلد نہم صفحہ ۱۱۵ [۳] صفحہ ۱۴۰ [۴] ص ۳ [۵] جلد اول ص ۳۶۹ تا ۳۷۰ [۶] ۵۶ [۷] اورینٹل بایوگرفیکل ڈکشنری ص ۳۸۰ [۸] دیکھو الندوہ بابت ستمبر ۱۹۱۰ء [۹] صفحہ ۳۴۰، سطر ۱۶ کے بعد سے بعض سطور غائب ہین،

موضوعِ کتاب | شروع میں چار صفحون کا ایک دیباچہ ہے، جو حمد و نعت پر مشتمل ہے، اس کے بعد صفحہ ۵ سے ۱۱ تک ایک مبسوط مقدمہ ہے، جسمین شعر کے جواز پر مذہبی حیثیت سے بحث کی گئی ہے، اس کے بعد کتابت اور خطاطی کا مختصر تذکرہ ہے، اور اس مین بہت سی مفید معلومات جمع کر دی ہین، پھر حروف، الفاظ، اور اعراب پر بحث کی ہے، اس کے بعد متقدمین شعرائے فارسی کے مختصر حالات رودکی سے لیکر آصفی تک (ص ۲۱ تا ص ۸۲) لکھے ہین، پھر متاخرین شعرا مین عہدِ مغلیہ کے بعض ایرانی اور ہندی شعرا کا تذکرہ ہے، (ص ۸۲ تا ص ۲۹۹) پھر عہدِ مؤلف کے بعض معاصر شعرا و ادبا کے حالات ہین، آخر مین تین عورتون کا تذکرہ اور ان کے کلام کے نمونے دئے ہین،

قدیم شعرا کے حالات کے خاتمہ پر مؤلف نے لکھا ہے کہ یہ تاریخ اور تذکرہ کی کتابون سے لئے گئے ہین، اس کے بعد جو کچھ لکھا گیا ہے وہ خود مولف کے قلم کا نتیجہ ہے[1]،

اسی طرح دیباچہ مین بھی مؤلف نے تصریح کی ہے کہ

"در ایراد احوال قدما باختصار پرداخت چہ آن اخبار از مواضع متعددہ معلوم میگردد و اینجا بجز نقل چارہ نبود، اما در ذکر متاخرین باندازۂ طبع ناقص خویش جولانگری کلک خوش خرام خواہد نمود[2]"،

دیباچہ مین مؤلف نے اپنی کتاب کا موضوع بیان کرتے ہوئے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ اسکو مرتب کرنے مین مؤلف کا مقصد دوسرے تذکرہ نویسون کی طرح بادشاہون اور سلاطینِ وقت کی مدح سرائی نہین ہے، اور چونکہ اس کتاب کی تالیف مین اُس کا مقصد اور تھا، اسلئے تذکرۂ شعرا کے علاوہ کئی باتین خارج از موضوع بھی اوس نے نقل کی ہین، چنانچہ رقمطراز ہے:۔

"چون راقم حروف را از تحریر و ترتیب این گلدستۂ بہارستان خیال مقصدی دیگر در پیش است و شائبہ مدحت ملوک و خواقین پیرامون خاطر این غرض را و مدار ذو بنا علیہ احوال ارباب سخن را دست آویز توی در عذر من صنعت فقد استہدف نمودہ بایراد مقدمات خارج کہ مناسب مقام افتد گرہ کشائی

[1] ص ۵۷، [2] ص ۲،

رشتۂ تزئین خواہد گردید[1]،،

ضمنی مباحث | کتاب کے ضمن مین مولف نے معمولی اور ادنی رعایتِ کلام کی بناپر مختلف علوم وفنون کی طرف گریز کی ہے، اور کئی ضمنی مباحث درج کردئے ہین، چنانچہ ذیل کے موضوعات پر اس نے ایک ایک علحدہ رسالہ قلمبند کیا ہے، جو اپنی مفید معلومات کے لحاظ سے نہایت کارآمد ہے، :-

(۱) عروض وقافیہ، (صٓ ۹۴ تا صٓ ۱۱۱)

(۲) صنائع وبدائع، (صٓ ۱۱۱ تا صٓ ۱۱۱)

(۳) علم النفس، (صٓ ۱۲ تا صٓ ۱۲)

(۴) موسیقی، (صٓ ۱۵ تا صٓ ۱۶)

(۵) علم تعبیر خواب، (صٓ ۱۷ تا صٓ ۱۹)

(۶) علم فراست، (قیافہ) (صٓ ۱۹ تا صٓ ۲۴)

(۷) جغرافیہ (احوال اقالیم سبعہ و بحار و انہار) (صٓ ۲۶ تا صٓ ۲۹)

(۸) علم اخلاق (صٓ ۳۱ تا صٓ ۳۳)

ان کے علاوہ کئی فوائدِ علمیہ درج کئے ہین، مثلاً فنِ تفسیر (صٓ ۱۳۱، صٓ ۱۳۴) استعاذہ (صٓ ۱۳۴ - صٓ ۱۳۹) ذکرِ خفی وجہری (صٓ ۱۴۷ - صٓ ۱۴۹) وجود جنّیات (صٓ ۲۰۸، صٓ ۲۱۴) عشق (صٓ ۲۱۷ - صٓ ۲۲۴) بیان خمر (صٓ ۲۲۵ - صٓ ۲۳۰) شرح جامی بر بعض اشعار قصیدۂ خمریۂ ابن الفارض رح (صٓ ۲۳۱ - صٓ ۲۳۸) علم طب (صٓ ۲۶۱ صٓ ۲۶۳)

ان مضامین متنوعہ وموضوعات مختلفہ کے لحاظ سے دیکھا جائے، تو یہ کتاب چھوٹی سی

ماخذ کتاب | اثنائے تالیف مین مولف کو مختلف علوم وفنون کی مختلف کتابون

ان کتابون کے ذکر سے ظاہر ہوتا ہے اس کتاب کے ماخذ مین مولف نے ۵۰ کتابون کا ذکر کیا ہے، ان مین

---

[1] صٓ ۲۱

وہ متعدد دواوین شامل نہیں ہیں جن سے شعراء کا کلام نقل کیا گیا ہے ان مآخذ کی تعداد موضوعات کے لحاظ سے حسب ذیل ہے،:-

۱۰ تفسیر،	۱۵ تصوف واخلاق،
۱ حدیث۔	۶ تاریخ۔
۱۲ جغرافیہ۔	۲ موسیقی۔
۴ تذکرۂ شعراء،	۲ عروض وقافیہ،
۴ شعروادب۔	۳ متفرقات،

ان میں بعض کتابیں ایسی ہیں جو بالفعل نایاب ہیں، مثلاً رسالہ مفتاح الجمال، تفسیر ملّا شاہ، تاریخ شاہرخی، حوض الحیات (موسیقی)، رسالۂ مادھونل مصنفہ شیخ عالم (موسیقی ہند) گلِ اورنگ تحفۃ الولایات (جغرافیہ) وغیرہ اس سے مؤلف کے مطالعہ کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے،

تاریخ تصنیف جیسا کہ خود کتاب میں مؤلف نے قطعۂ تاریخ میں تصریح کی ہے، یہ کتاب ۱۱۰۲ھ میں اتمام کو پہنچی،

این چمن زاریکہ مرآۃ الخیالش خواندہ ام وارداز حسنِ معانی یک جہان رنگ گل
صورتِ تاریخِ انجامش توان بے "پردہ" دید گرتامل پردہ بردارد ز "مرآۃ الخیال"

یعنی مرآۃ الخیال کے اعداد ۱۳۱۳ میں سے "پردہ" کے عدد ۲۱۱ منہا کر دئے جائیں تو ۱۱۰۲ھ کی تاریخ ہے،

نا کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس نے یہ کتاب اپنے بڑے بھائی عبداللہ خان کی وفات (۱۱۰۰ھ) اور اس وقت اسکی عمر ۳۰ سے تجاوز کر چکی تھی، چنانچہ لکھتا ہے کہ

... ... پدر برادر دو بعضی از زادۂ طبع متقدمین دبرخی از آوردۂ فکر متاخرین ثبت نمودہ[۱]

۱؎ ص ۲۴۰،

تاریخی اہمیت — مذکورۂ بالا خصوصیات کے علاوہ اس کتاب کی ایک خاص تاریخی اہمیت بھی ہے، مؤلف (بقول خود) عہد شاہجہانی مین پیدا ہوا، مدتون شاہجہان آباد (دہلی) مین رہا، عالمگیر کی تخت نشینی کے زمانہ مین سن تمیز کو پہنچ چکا تھا، اس کا باپ شہزادہ شجاع کی نوکری مین تھا، اکثر امراء عمائدین سلطنت حکام اور شعراء دربار کے ساتھ مؤلف کے مراسم تھے، اسلئے ممکن ہے کہ اس عہد کے اکثر واقعات اسکی نظرون کے سامنے وقوع پذیر یا معتبر ذرائع سے اسکے گوش زد ہوئے ہون، لیکن چونکہ یہ تاریخی موضوع پر کوئی خاص کتاب نہین ہے، اس لئے ہمین مؤلف سے یہ توقع بھی نہین ہوسکتی، کہ وہ اس مین اپنے عہد کے تمام حالات و واقعات سے بھی بحث کرے گا، البتہ اس نے بطور خود جستہ جستہ بعض تاریخی اور اپنے عہد کے جزئی امور کا تذکرہ کیا ہے، جن سے شاہجہان اور عالمگیر کی سیرت کے بعض پہلوؤن اور اس عہد کے بعض تاریخی امور پر روشنی پڑتی ہے اس لحاظ سے یہ کتاب تاریخی استناد کا درجہ بھی رکھتی ہے لیکن جہان تک ہمین معلوم ہے، اس مقصد کیلئے کسی نے اسکو استعمال نہین کیا،

یہان ہم بعض تاریخی امور پر بقید صفحات نقل کرتے ہین،:-

(۱) مغل فرمانرواؤن کی علمی قدردانیان، ان کے انعام واکرام، اور داد و دہش مشہور ہین جن سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا، چنانچہ مؤلف نے مشہور فارسی شاعر محمد جان قدسی کے حالات مین لکھا ہے کہ اوس نے ایک رنگین قصیدہ بادشاہ کی مدح مین لکھ کر پیش کیا، تو اوس کے صلہ مین بادشاہ نے مختلف قسم کے جواہرات منگوا کر ان سے سات مرتبہ اس کا منہ بھر دیا[1]، اس سلسلہ مین شاہجہان کی تعریف کرتے ہوئے مؤلف لکھتا ہے:-

بخششہائے بیدریغ صاحبقران ثانی و آدم شناسی و ہوشیاری و لشکرکشی و ملک گیری و طراحی عمارات و عیش و کامرانی و رعیت پروری و خداترسی و شیوۂ عدل و داد بر ساکنان ربع مسکون پوشیدہ نیست، اکثرے از ثقات

---

[1] آزاد بلگرامی [illegible] سرو آزاد (صفحہ ۶۲) لکھتے ہین، کہ شاہجہان نامون کے مؤلف ملا عبدالحمید لاہوری اور ملا علاء الملک تونی اور صاحب عمل صالح نے بادشاہ کے مفصل حالات لکھے ہین، مگر اس واقعہ [illegible] سے خاموش ہین، لیکن مؤلف بھی قدسی کا معاصر ہے اسلئے ممکن ہے، کہ کسی ذریعہ سے اسکو یہ حال معلوم ہوا ہو،

برآنند کہ در تیموریہ ہیچ پادشاہے جامع این صفات مستحسن بظہور نیامدہ[۵]

اسی طرح میر رضی دانش کے تذکرہ مین لکھا ہے کہ اوس نے ایک غزل شاہزادہ دارا شکوہ کی خدمت مین پیش کی، شہزادہ نے اس حسن مطلع کے صلہ مین ایک لاکھ روپیہ انعام دیا[۶]،

تاک را سیراب کن ای ابر نیسان در بہار　　　قطرہ تا مے می تواند شد چرا گوہر شود

خاندان مغلیہ کی شعر فہمی اور قدر شناسی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے،

(۲) ملا شیدا نامی شاعر کے حالات مین لکھا ہے کہ جب اس کا یہ مطلع :-

چیست دانی بادۂ گلگون مصفا جوہرے　　　حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

شاہجہان کے کانون تک پہنچا تو فوراً اوس کو ممالک محروسہ سے نکال دینے کا حکم دیا، آخر ملا شیدا نے معذرت مین ایک قطعہ لکھ کر پیش کیا، ۷ شعر کا یہ قطعہ مولف نے نقل کیا ہے[۳]،

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ بادشاہ کو مذہب کا کسقدر پاس ادب تھا، کہ وہ ایک مسلمان شاعر کے منہ سے ایسے گستاخانہ الفاظ نہین سن سکتا تھا لیکن جب شاعر نے معذرت چاہی اور اپنے اس فعل سے نادم ہو کر توبہ کی کہ

کنون ز توبہ بعذر خطا پذیر آنم　　　بوصف می نکشایم لب از رہ تقریر

تو اوس کی خطا معاف کر دی،

(۳) اسی طرح ایک اور واقعہ اس بادشاہ کی غیرت مذہبی کا منقول ہے، کہ چندر بھان نامی برہمن باشندۂ اکبر آباد (آگرہ) جو دارا شکوہ کی سرکار مین منشی گری کے عہدہ پر مامور تھا، اور نظم و نثر لکھنے مین دستگاہ رکھتا تھا اس کا ایک شعر دارا شکوہ کو بہت پسند آیا چنانچہ شہزادہ نے دربار کے حاشیہ نشینون سے ملکر بادشاہ کی خدمت مین عرض کی کہ منشی چندر بھان نے ایک عجیب شعر کہا ہے، بادشاہ نے اس کو حاضر کرنے کا حکم دیا جب حاضر ہوا تو فرمایا کہ

۱؎ صہ ۸۶ ۲؎ صہ ۱۶۸، ۳؎ صہ ۱۶۹، ۴؎ صہ ۹۲

"درین ایام شعرے کہ بآباد دار اشکوہ، از تو پسند کردہ است بخوان"

چندر بھان نے وہ شعر پڑھا۔

مرا دلے ست بکفر آشنا کہ چندین بار
بکعبہ بُردم و بازش برہمن آوردم

اس شعر کو سن کر بادشاہ بہت برافروختہ ہوا اور کہا کہ کوئی ہے جو اس کافر کو جواب دے سکے؟ امرا عظام میں سے افضل خان نے دست بستہ عرض کی کہ اگر حضور کا حکم ہو تو آج سے چار سو برس پیشتر کے ایک استاد کے کلام سے اس کا جواب عرض کروں، اور سعدی کا یہ شعر پڑھا،

خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود ؎
گر بیاید ہنوز خر باشد ؎

بادشاہ باغ باغ ہو گیا، افضل خان کو انعام و اکرام عطا کیا، اور شاہزادہ کو منع فرمایا کہ آیندہ سے ایسے لغویات حضور میں نہ پیش کرائیں اور چندر بھان کو نکال دیا۔[۱]

اس موقع پر بادشاہ کے یہ الفاظ خاص طور پر قابلِ لحاظ ہیں:۔

"خاطر مبارک بادشاہ بشگفت و شکر بجا آوردہ گفت:۔ از تصرفاتِ دین محمدی این قسم جواب رسید الامن از غصہ ہلاک می شدم"

(۴) شاہجہان نے اپنے لئے "تختِ طاؤس" کے نام سے ایک مرصع تخت بنوایا تھا جس پر بیش قیمت ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے، بقول مؤلف اس پر تین کروڑ روپیہ کی لاگت آئی تھی۔[۲] جب وہ بنکر تیار ہو گیا تو ایک دن جشنِ تخت نشینی مقرر کیا، اور اس پر جلوس فرمایا، اس تقریب میں پایہ تخت کے شعراء نے تہنیت دی

[۱] صفحہ ۱۲۹۔ [۲] ۱۴۰، لیکن شاہجہان نامہ میں علاوہ کاریگروں کی تنخواہوں اور اخراجات کے صرف جواہرات و دیگر اشیاء کی قیمت ایک کروڑ تہائی گئی ہے، یہ عہد مغلیہ کا روپیہ ہے جس کی قیمت تقریباً موجودہ سکہ میں ۱۲ کے برابر ہے،

مدح مین قصائد لکھ کر نذر گذرانے انہیں سلطان شادمان کی یہ غزل بہت پسند کی گئی،

صبحدم کز فیض گشتم ہمنشین آفتاب   نقش نام شاہ دیدم در نگین آفتاب

اس موقع پر اس اسلامی تاجدار نے اپنے جذبۂ خدا پرستی اور جوش عبودیت کا جو ثبوت دیا ہے، اس کی نظیر ملنی دشوار ہے، چنانچہ مؤلف قمطراز ہے،

"آوردہ اند کہ پادشاہ دیندار ساعتے بر آن سریر مکلف بجمال حشمت و نہایت تجمل نشستہ فرود آمدہ دوگانہ بخضوع وخشوع تمام بجا آوردہ زمانے دراز در سجدہ بود چون سر بر داشت فرمود کہ در روایت ارباب سیر آمدہ کہ تخت فرعون از عاج و آبنوس بود، او بر آن تخت دعوی خدائی میکرد گواہ باشید کہ من برین تخت صرف دعوی بندگی دارم، حضار مجلس از فضلائے نامدار و امرائے عالی مقدار متفق اللفظ بدعائے ازدیاد عمر و شکر توفیق بادشاہ اسلام زبان بکشادند"

(۵) اسمین کسی کو مجال انکار نہین ہے کہ عالمگیر اپنے مذہب کا پکا پابند اور امور شرعیہ کا محافظ تھا، چنانچہ اسکے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد ہی رسوم اکبری و جہانگیری اور بدعات داراشکوہی و مراد بخشی کا خاتمہ ہوگیا، ایک طرف اگر وہ احکام شرعیہ کے اجرا اور ان پر عمل کرانے کی کوشش کرتا تھا، تو دوسری طرف اپنی انتہائی دور اندیشی اور سیاست دانی سے اپنے حریفون کو نیچا دکھاتا تھا،

عالمگیر پر جہان بھائیون کے قتل کرانے کا الزام ہے، وہان اس کے دامن دینداری پر سرمد کے "خون ناحق" کا دھبہ بھی مخالفین کی طرف سے ایک "بدنما داغ" بنا کر چمکایا گیا ہے، واقعہ کے صحیح ہونے مین کلام نہین لیکن اسباب وعلل پر غور کئے بغیر کسی کو مورد الزام ٹھہرانا انصاف سے بعید ہے، اسباب خواہ مذہبی ہون یا سیاسی مگر اسمین شک نہین کہ ان پر جسقدر زیادہ غور و تامل کیا جائے گا، اسی قدر یہ جرم ہلکا نظر آئے گا، مذہب و سیاست مین اپنے حریفون کے ساتھ ذرا سی رعایت بھی خطرۂ جان کا سبب ہوتی ہے، اور اگر سرمد سے داراشکوہ کو خاص ارادت تھی،

ص ۵۱ ص ۱۴۵

ثانیاً سرمد کی ظاہری حالت (کہ باطن کا علم خدا ہی کو ہو سکتا ہے) خلاف شرع تھی، پھر اس کے بعض اقوال سے شریعت غرا کے بعض مسلمہ عقائد پر زد پڑتی تھی، عالمگیر کے لئے یہ وجوہ بہت اہمیت رکھتی تھیں، مؤلف کے عہد میں قتل سرمد واقع ہوا ہے، اسلئے اسکے وجوہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے، :-

"سرمد ہموارہ برہنہ زیستی و بول و غایط در نظر خلق کردی، چون خاطر سلطان داراشکوہ بجانب مجانین میل داشت صحبت با دی درگرفت و مدتی باتصنیفات او سرخوش بود تا آنکہ روزگار طرح دیگر انداخت و در سنہ ہزار و شصت و نہ اورنگ خلافت و جہانداری بوجود فیض آمود ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ مزین گردید، و آوازۂ خداپرستی جہان را فراگرفت، ....

... درین ہنگام خجستہ آغاز فرخندہ انجام کہ ہر روز دین مبین را رونقی تازہ و ہر ساعت ملت بیضا را جلائے بے اندازہ است سرمد را تکلیف لباس کردند و او از سودمزاجی تن نداد و فی شہور سنہ الف و اثنین و سبعین (۱۰۷۲) بہ تیغ امر شریعت غرا مقتول گردید و عمدہ در کشتن سرمد این رباعی بود کہ ازان شائبۂ انکار معراج لازم می آید، :-

آنکو بسر حقیقتش یاور شد | خود پہن تر از سپہر پہناور شد
ملا گوید کہ بر شد احمد بفلک | سرمد گوید سپہر در وے در شد[۱]،

(۶) سریر فرمانروائی پر عالمگیر بادشاہ جب حفظ قرآن کی دولت لازوال سے بہرور ہوا تو میرزا رضی شنیفیم شاعر نے تہنیت میں یہ رباعی لکھ کر پیش کی، :-

محی الدین و مصطفیٰ حافظ تو ہو | صاحب سیفی و مرتضیٰ حافظ تو ہو
تو حامی شرعی و حامی تو شارع | تو حافظ قرآن و خدا حافظ تو،

---

[۱] صفحہ ۱۴۱، صفحہ ۱۴۲، سرمد کے حالات و واقعۂ قتل کی نسبت عاقل خان رازی نے اپنی تاریخ (صفحہ ۸۹ - صفحہ ۹۰) میں لکھا ہے، سرمد کے مفصل حالات کے لئے دیکھو دبستان المذاہب (صفحہ ۱۹۴، صفحہ ۱۹۶) اسکے قتل کے وجوہ کے لئے دیکھو مآثر الامراء ج ا صفحہ ۲۲۶ - صفحہ ۲۲۷

اس کے صلہ مین سات ہزار روپیہ مرحمت ہوا،[۱]

(۷) عالمگیر ایک عملی آدمی تھا، خوشامد اور تملق سے اُسے نفرت تھی، سلاطینِ مغلیہ کے دربار مین مدح گو شعرا کی کمی نہ تھی، سخن فہمی اور شعرا کی قدردانی اس خاندان کا ایک امتیازی وصف تھا، اور اگرچہ عالمگیر خود اعلیٰ درجہ کا سخن فہم اور سخن شناس تھا، لیکن شعرا کی مبالغہ آمیز مدح سرائی سے اوسکی طبیعت نفور تھی اور یون بھی پابندیِ شرعِ متین کی بنا پر اس طرح کی خوشامدانہ اور مبالغہ آمیز شاعری وہ پسند نہین کرتا تھا، چنانچہ مؤلف لکھتا ہے، کہ جب عالمگیر تختِ فرمانروائی پر جلوہ افروز ہوا تو سلطان شادمان نامی شاعر نے اس کی مدح مین ایک قصیدہ لکھ کر سنایا،

آن کیست کو ز حقۂ لعلت نشان دہد در خواب اگر دہد بطریقِ گمان دہد الخ

بادشاہ کو اس قصیدے کے بعض اشعار بہت پسند آئے تو اون کو دوبارہ پڑھنے کی فرمایش کی لیکن

"ازآنجا کہ این شاہ مستقیم الاحوال بنا بر پاسِ مراتبِ شریعت بشعر میل ندارد و این صنعت را فعل عبث می شمارد فرمود ماید دانست نیخواہیم کہ بعد ازین گرد این اندیشہ بگردد خاطر تو گردد"

سلطان شادمان نے فوراً پائے مبارک پر ہاتھ رکھ کر اس کام سے توبہ کی اور عمر بھر فکرِ سخن مین نہین کھیلا،[۲]

(۸) عالمگیر کے اپنے مدحیہ قصائد و اشعار نہ پسند کرنے کی تائید مین ایک اور واقعہ لیجئے، امرائے عالمگیری مین ملا شفیعا المخاطب بہ دانشمند خان ایک عالم و فاضل شخص تھا، اس کی تحریک سے محمد علی ماہر نے بادشاہ کی مدح مین ایک مختصر رسالہ رنگین نظم و نثر مین لکھکر "گل اورنگ" سے موسوم کیا تھا، اسکی نسبت مؤلف کا بیان ہے کہ،

"ہر کس کہ آن رسالہ را مطالعہ نمود شد انصاف درستی طبعش توان داد و لیکن ازآنجا کہ این بادشاہ دین پناہ را بنا بر پاسِ مراتبِ شریعت با شعر ہا در باب آن التفات کمتر است و مذہب مصنف نیز در نظر بود، بدیدن و شنیدنش میل نفرمود"[۳]

(۹) اوائل ایام سلطنت مین عالمگیر نے حکم دیا تھا کہ دیوانِ حافظ کو لوگ اپنے کتبخانون سے علحدہ کر دین

[۱] صفحہ ۱۵۰ و ۱۵۱ (دیکھو تذکرہ خوشنویسان ہندوستان ص ۱۰) [۲] صفحہ ۱۵۲ اس قصیدہ کے ۲۲ شعر مؤلف نے نقل کئے ہین، [۳] ص ۲۰

اور ممالک محروسہ کے معلمین اور اساتذہ طلبہ کو اس دیوان کا درس نہ دین، باایں ہمہ دیوان حافظ بادشاہ کے مطالعۂ خاص مین رہا کرتا تھا، اس پر مقربین بارگاہ نے عرض کی کہ یہ دیوان تو ہمیشہ حضور کے مطالعہ مین رہتا ہے، پھر اسکی ممانعت مین کیا راز ہے تو ارشاد ہوا،

"ہرکس را قدرت فہم رموز این کلمات نیست لیکن کہ ارباب غفلت بر ظاہر عبارت حمل نمودہ در ورطۂ بیباکی و عصیان فرو روند و برائے شرب خمر و شاہد پرستی دست آویز بدست آوردہ بہادیۂ ضلالت منہمک گردند"[1]

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ بادشاہ کو اپنی رعایا کے اخلاق و عادات کی حفاظت کا کس قدر خیال تھا، ہمارے زمانہ کی حکومت نے فحش اور مخرب اخلاق لٹریچر کی اشاعت کو ممنوع قرار دینے کے لئے جو قانون نافذ کیا ہے اس سے تین سو برس پہلے اس نیک نہاد اسلامی تاجدار نے اس کا انسداد کر دیا تھا،

(۱۰) مؤلف نے عالمگیر کے ایام شاہزادگی کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، جو اوس کی خانگی زندگی سے تعلق رکھتا ہے، والعھدۃ علی الراوی،

"گویند در ایام شاہزادگی یکے از پرستاران خاص کہ در شیوۂ دلبری و مزاج دانی بے نظیر بود و در نغمہ سنجی بمرتبۂ کہ ہر روز نقشے تازہ بآہنگ دلفریب بسمع مبارک می رسانید بقضائے آسمانی رحلت نمود و مفارقتش بر خاطر آن حضرت نہایت دشوار گردید روز دیگر بجہۃ شکار برآمدند نواب عاقل خان در جلو بود چون مردم بہر جانب منتشر گردیدند وخلوت یافت بعرض رسانید کہ با این ہمہ بار اندوہ و ملال کہ بر خاطر مبارک فرود آمدہ است سواری شکار فرمودن چہ حکمت خواہد بود آن حضرت در جواب این بیت اشارہ نمود:-

نالہ ہائے خانگی دل را تسلی بخش نیست در بیابان میتوان فریاد خاطر خواہ کرد

عاقل خان این بیت از اشعار خود بخواند:-

عشق چہ آسان نمود آہ چہ دشوار بود ہجر چہ دشوار بود یار چہ آسان گرفت

[1] صفحہ ۲۲۵،

آن حضرت را بے اختیار رقت افتاد درزمانے در آنجا بود، چون افاقت یافت پرسید کہ این شعر از کیست گفت از شخصے است کہ می خواہد بحضور بندگان حضرت بنام شاعری موسوم گردد، آن حضرت تبسم نمود و بکرات و مرات آن بیت را استماع فرمودہ یاد گرفت، و از ان روز نظر تربیت بیش از بیش بحال وے بگماشت تا آنکہ بمنصب چہار ہزاری رسانید، امروز کہ دوازدہ سال است حضرت ظل الٰہی بتنبیہ مفسدان دکن توجہ دارند بمین تدبیر و برکت صوبہ داری وے مردم شاہجہان آباد و نواحی راجمیعتے کہ در حضور بادشاہ بود حاصل است"[2]

بعض فوائد علمیہ ان تاریخی امور کے علاوہ اس کتاب مین کئی مفید اور کار آمد باتین درج ہین جنمین سے بعض ذیل مین بیان کی جاتی ہین،

(۱) فردوسی کی نسبت مشہور ہے کہ اوس نے شاہنامہ کے علاوہ ایک اور مثنوی یوسف زلیخا کے نام سے لکھی تھی، مگر موجودہ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی دراصل کسی دوسرے شاعر کی ہے اور فردوسی کے نام سے منسوب کر دی گئی ہے،[3] مولف کا بھی یہی خیال ہے کہ شاہنامہ کے سوا اس کی کوئی دوسری تصنیف نہین ہے، چنانچہ لکھتا ہے :-

---

لہ عاقل خان ۱۰۹۰ھ ۱۶۸۰ء سے ۱۱۰۸ھ ۱۶۹۶ء تک دلی کا صوبہ دار تھا، اس لحاظ سے اس کتاب کی تالیف کے وقت اوس کو ۱۲ سال ہو چکے تھے،

کہ ص ۲۳۹ - ص ۲۴۰ ؛ یہ واقعہ غالباً ہیرابائی عرف زین آبادی بیگم سے متعلق ہی جس کے ساتھ عالمگیر کے تعشق کا اسطورہ بعض نام نہاد مورخین نے اس افسانہ طرازی کے ساتھ وضع کیا ہی، کہ خود تاریخ کو اس پر تعجب ہے کہ ایک مشرقی شہزادہ کا تعشق کوئی امر محال یا ناممکن الوقوع نہین ہے حیرت صرف ان دروغ بافیون پر ہے جو اپنے صریحی تناقض اختلاف تاریخی اور انتہائی مبالغہ کے ساتھ تاریخ کے نام سے پیش کی جاتی ہین، (ملاحظہ ہو احکام عالمگیری مترجمہ جدوناتھ سرکار) اس واقعہ کی نسبت مولف کا ماخذ غالباً عاقل خان رازی یا اوسکی تاریخ ہے، مآثر الامراء (ج ۱ ص ۷۹۲) مین یہ واقعہ بعینہ منقول ہے لیکن چونکہ مآثر بعد کی تصنیف ہی اسلئے صاحب مآثر نے یہ واقعہ عاقل خان کی تاریخ سے لیا ہوگا، یہ اس زمانہ کا واقعہ ہی جبکہ عالمگیر دوسری مرتبہ دکن کا صوبہ دار تھا، اسوقت اوسکی عمر ۳۵ سال کی تھی لیکن پروفیسر جدوناتھ سرکار اوسکی نسبت ریمارک کرتے ہین کہ عالمگیر اس وقت ۶ بچون کا باپ ہو چکا تھا، اور جذبۂ شباب کے لبریز نوجوان نہ تھا، بلکہ اسکے لئے دنیا مین تعشق کا زمانہ رخصت ہو چکا تھا، (ترجمہ احکام عالمگیری ص ۴۶) سے دیکھو رسالہ اردو مین پروفیسر شیرانی کا مضمون

چون از واردات فردوسی غیر از شاہنامہ چیزی دیگر گوش زنرسیدہ بتحریر احوالش اکتفا نمودہ شد[۱]

(۲) لفظ "موسیقی" کے متعلق کہ یہ کس زبان کا لفظ ہے اور کیا معنی رکھتا ہے، بہت کچھ اختلاف ہے، بعض نے اسکو "موسیقار" نامی پرندہ سے منسوب کیا ہے، اور بعض نے اسکو یونانی زبان کا لفظ بمعنی لحن بتایا ہے، اسکے متعلق مولف کی تحقیق یہ ہے کہ

موسیقی لفظ سریانی است، مو در اصطلاح این طائفہ ہوا را گویند و سیقی بمعنی گرہ آمدہ یعنی صاحب این فن برہوا گرہ می زند[۲]

(۳) ارتقاء انسانی کے مسئلہ سے بھی مولف باخبر تھا چنانچہ لکھتا ہے:-

"نشأۃ انسانی کہ بر جمیع اطوار محیط است و بر تمام مراتب سیارہ اولاً در بدو وجود از رتبہ جمادی بمرتبہ نما رسیدہ واز نما بمرتبہ حیوان واز انجا بمرتبہ انسانی انجامیدہ[۳]"

(۴) تجاذب اجسام کے مسئلہ کی نسبت مولف لکھتا ہے:-

"در کتب قدیمہ آمدہ کہ حال آسمان یا زمین چون حال مقناطیس است، آہن پہ آسمان از جمیع اطراف زمین را برابر جذب می کند ازین سبب با اینہمہ ثقال برہوا ایستادہ است[۴]"

(۵) حکماء نے تمام روئے زمین کو "ربع مسکون" لکھا ہے، مگر مولف کو اس کی صحت میں تردد ہے، چنانچہ لکھتا ہے:-

"آب و خاک را با این ہمہ وسعت حصہ ہائے متساوی نمودن بکدام دلیل خواہد بود، چہ بر ہمہ کس ظاہر است کہ دریائے محیط را کنارہ معدوم و ناپیدا است و با آنکہ بادشاہی مثل اسکندر ذوالقرنین با ہمہ حکمائے یونان کہ ہمراہ داشت، ہر چند تلاش ہا کرد، جہازہا فرستاد و مطلقاً چیزے از ان کنارہا نیافت و ایضاً در حقیقت زمین نوشتہ اند

[۱] صفحہ ۲۷، [۲] صفحہ ۱۵۱، [۳] صفحہ ۳۱۲، [۴] ص ۲۰۰، طبع کلکتہ ہم نے یہ عبارت الندوہ میں علامہ شبلی کی منقولہ عبارت سے نقل کی ہے، جو انھوں نے غالباً کلکتہ کے مطبوعہ نسخہ سے لی ہے بمبئی کے اڈیشن میں یہ عبارت نہیں ہے،

کہ دریائے محیط بگرد اکثرے ازان درآمدہ است الا در جنوب مغرب و شمال مشرق بحکیس بدریا نرسیدہ چہ بنا بر بخارات کثیفہ و جبال شاہقہ و اشجار متراکمہ و کریوہ و مغاک پی ہم آدمی را عبور بران دو سمت میسر نباشد ولیکن از قیاس تخمیناً گویند کہ دران حدود ہم دریا خواہد بود و ہمچنین از حقیقت ظلمات کس آگاہ نگردیدہ کہ درانجا آب و خاک چہ مقدار بودہ باشند و این صورت زمین نیز غیر معلومۃ الاحوال ست پس این دو چیز نامعلوم را چہار حصہ مساوی نمودن و از انجملہ زمین را یک حصہ قرار دادن چہ معنی داشتہ باشد"[۵۱]

تذکرۂ مؤلف مضامین کتاب کو بیان کرنے کے بعد اب ہم مؤلف کے حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہین،

مؤلف کا تذکرہ سوائے ایک آدھ کتاب کے اور کہین نہین مل سکا، طامس ولیم بیل نے اس کی نسبت چند سطرین لکھی ہین، جو زیادہ تر اوس کے نام ولدیت اور موضوع کتاب پر مشتمل ہین[۵۲] البتہ خود مؤلف نے اپنی اس کتاب مین جا بجا اپنے بعض حالات کی طرف اشارات کئے ہین، جن سے اوسکی زندگی کے بعض پہلوؤن پر روشنی پڑتی ہے، اور انھی کی مدد سے ہم نے اس کا یہ تذکرہ مرتب کیا ہے،

نام اور ولادت مؤلف کا نام شیر خان لودی ہے، اور اوسکی ولادت عہد شاہجہانی مین ہوئی تھی چنانچہ اپنی کتاب مین اس نے دو مرتبہ اسکی طرف اشارہ کیا ہے[۵۳] ایک جگہ (صفحہ ۱۲۰) مؤلف نے اپنے سلسلۂ تعلیم کو بیان کرتے ہوئے سنہ ۱۰۶۶ھ مین اپنے اوستاد کی تاریخ وفات لکھی ہے، اور اس وقت اپنی "صغر سنی" کا ذکر کیا ہے، اس لحاظ سے اس وقت اسکی عمر ۱۲ سال کی فرض کر لی جائے، اور دوسری جگہ (صفحہ ۱۵) سنہ ۱۰۷۵ھ مین اوس نے اپنے "سن تمیز" کو پہنچنے کا تذکرہ کیا ہے، اس وقت اسکی عمر تخمیناً ۲۰ سال کی فرض کر لی جائے، تو اس حساب سے اسکی تاریخ ولادت ۱۰۵۵ھ مین قرار پاتی ہے، بہرحال خود مؤلف کی تحریر سے تاریخ ولادت کی تعیین ۱۰۵۰ھ اور ۱۰۵۵ھ کے مابین کیجا سکتی ہے،

خاندان مؤلف کے باپ کا نام علی امجد خان لودی تھا، جو شہزادہ شجاع کے ساتھ بنگال مین ملازم تھا، اور وہین اس نے سنہ ۱۰۸۴ھ مین[۵۴] شب شنبہ ۱۴ شعبان کو وفات پائی، شیر خان کے چند بھائی بھی تھے، اور وہ خود سب بھائیون سے

---

[۵۱] ص ۲۸۹-۲۹۰، [۵۲] اورینٹل بایوگرافیکل ڈکشنری ص ۳۸۰، [۵۳] ص ۱۲۰، [۵۴] ص ۸۵، [۵۵] ص ۳۴۰، [۵۶] ص ۱۲۳،

چھوٹا تھا[1]، ان مین سے بڑے بھائی عبد اللہ خان نامی نے ۱۰۸۷ھ مین کابل کے پہاڑون مین جام شہادت نوش کیا[2]، اس کا ایک چچا بھی تھا جس کا نام ناصر خان تھا، اور جس نے ۱۰۷۳ھ مین وفات پائی، ابو طالب کلیم سے اس کی دوستی "موزونیت طبع، سخن فہمی، نکتہ یابی اور لطیفہ گوئی" کی وجہ سے اسکی ہر دلعزیزی کا تذکرہ مولف نے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ "مجموعۂ خوبیہا بود"[3]۔

اس کا باپ علی امجد خان بھی ایک ذی علم اور قابل آدمی تھا، جیسا کہ خود مولف نے اس سے تحصیل علم کرنے اور اہل علم کے ساتھ صحبت رکھنے کا جا بجا تذکرہ کیا ہے[4]،

تعلیم و تربیت علی امجد خان جب بنگال مین شہزادہ شجاع کی ملازمت مین (۱۰۶۰ھ تا ۱۰۶۸ھ) تھا، تو اسی زمانہ مین شیر خان اپنے دوسرے بھائیون کے ساتھ اس کے فیض تربیت سے مستفید ہوتا رہا، اسی اثنا مین جبکہ وہ ہنوز طفل مکتب تھا، اوس نے ہرات کے ایک فاضل شخص ملا فرخ حسین ناظم سے جو اپنے وطن مالوف سے نکل کر بنگال مین آپڑے تھے، اور جہانگیر نگر یا ڈھاکہ مین مقیم تھے، تحصیل علم شروع کی، اور ابھی فارسی اور عربی کی چند مختصرات پڑھنے پایا تھا کہ ملا صاحب ۱۰۶۶ھ مین عاشورہ کے دن عین حالت نماز سحر مین اپنے معبود حقیقی سے جا ملے، اسکے بعد بنگال مین قحط الرجال کے سبب سے کوئی ایسا معلم اسکو میسر نہ آیا، ان کی وفات کے بعد شیر خان نے کچھ صرف و نحو پڑھی، اور اسکے بعد وہ اپنے باپ اور اوس کے احباب کے فیض صحبت سے حسب استعداد تحصیل علم کرتا رہا یہان تک کہ بیرحم پنجۂ اجل نے ان سب کو اس سے علحدہ کر دیا[5]، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہمارے مولف کی تحصیل علم کا زمانہ بہت طویل رہا،

ملازمت باپ اور بھائی کی وفات سے ہمارا مولف بہت دل برداشتہ اور پریشان خاطر رہا، اس حالت مین اسکو دور دراز کے سفر پیش آئے، اور تکالیف شاقہ برداشت کرنی پڑین[6]، آخر کار ۱۰۹۰ھ مین شکر اللہ خان فوجدار سرہند کی خدمت مین پہنچا[7]، جو اوس سے لطف و عنایات سے پیش آیا، چنانچہ شکر اللہ خان کی عنایات و حسن تربیت کے تذکرہ مین مولف طب اللسان اظہار ممنون

---

[1] صفحہ ۱۲۰، [2] صفحہ ۳۴۰، [3] صفحہ ۹۰، [4] صفحات ۱۲۰، ۱۵۰، ۱۶۲، ۱۷۴، ۲۰۹، [5] صفحہ ۱۲۰، [6] صفحہ ۲۴۰، [7] صفحہ ۱۲۱، ۲۴۲

علمی و فنی قابلیت

مؤلف کی علمی قابلیت معلوم کرنے کیلئے اسکی یہ کتاب ایک بہت بڑا ذریعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے
اکثر علوم و فنون مین اس کا مطالعہ نہایت وسیع تھا، فنِ موسیقی کی نسبت خود اس کا بیان ہے کہ معتبر
موسیقی دانون سے نیز اس فن کی کتابون کے مطالعہ سے اوس نے خاصی واقفیت حاصل کی تھی (ص ۱۶۱) علم طب کے مطالعہ مین وہ
کہتا ہے کہ اوس نے کتب طبیہ کا مطالعہ کیا تھا، (ص ۲۶۱)

فن شعر مین اُس نے اپنے زمانہ کے مشہور شعرا سے استفادہ کیا تھا، جیسا کہ اوسکی عبارت ذیل سے متبادر ہوتا ہے،

"این مسافر گذرگاہ ہستی و مقیم کوے ہیچمدانی را کہ بنا بر نارسائی رنگ استعداد و فقدان جوہر والا و عدم فطرت بلند داشت
در اواخر قرن اول از عمر مستعار قائد توفیق کشان کشان بجعلِ بتکدہ و نزہتگاہ تلامیذ الرحمٰن کہ فیض پذیران انوار قدسی
و مقتبسان شعاشع لمعات قدسی اند آورد، در اول حال چندی اعتماد بر حافظہ خویش نمودہ کاغذ را از قلم و قلم
را از دست بیگانہ می داشت و سفینہ و بیاض را کہ در معرض تلف و زوال است لایق محرمیت نمی انگاشت ہموارہ
نقوش این کلمات قدسی بر لوح سینہ ثبت نمودی و بتکرار و تذکار آن مشغوف بودی،، (ص ۲۳۹ و ص ۳۴۰)

لیکن پوری کتاب مین اسکی شاعری کا کوئی نمونہ ہماری نظر سے نہین گذرا، سوا چند اشعار کے جو اپنے باپ
اور بھائی کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس نے لکھے ہین، یا وہ اشعار جو تتمۂ کتاب مین مرقوم ہین، لیکن ان کی نسبت
بھی یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ خود اسی کے کہے ہوے اشعار ہین لیکن اسمین شک نہین ہے، کہ تمام کتاب کا تاریخی
قطعہ یقینًا اسکا طبعزاد ہی،

مؤلف کے طرز تحریر و انشا، کا اندازہ مرآۃ الخیال کے محولۂ بالا اقتباسات سے بخوبی ہو سکتا ہے،

مذہبیت

مؤلف مذہبًا اہل تسنن اور صحیح العقائد معلوم ہوتا ہے، اوس کا مشرب زیادہ تر صوفیانہ ہے، اکثر صوفیاے
کرام مثلًا امام ابن العربیؒ، امام غزالیؒ وغیرہ بزرگون کی تصانیف اوسکے پیشِ نظر رہی ہین اسکے اہلِ دل ہونے کا ثبوت اسی سے ملتا
ہے کہ وہ تین بار خواب مین دیدار نبوی سے مشرف ہوچکا تھا، اس رویاے صادقہ کی کیفیت اس نے بیان کی ہے اور تینون مرتبہ حضور کا اشکال مختلفہ
مین نظر آنا اوس نے لکھا ہے، اسکے متعلق کسی بزرگ سے اُس نے استفسار کیا تو اونھون نے فرمایا کہ مریدون کو ایسا ہی نظر آتا ہے مگر جو منتہی ہوتے ہین

ان کو جمال نبوت اپنی شکل اصلی مین دکھائی دیتا ہے[۱]،

معاصرین | مؤلف نے اپنے زمانہ کے چند شعراء کے حالات لکھے ہین[۲]، اور بعض کے ساتھ اپنے دوستانہ تعلقات کا ذکر بھی کیا ہے، شکر اللہ خان کا ذکر اوپر آچکا ہے، جو عہد عالمگیری کے حکام مین سے شعر و سخن مین مہارت اور خاکسار تخلص کرتا تھا، اسکے ساتھ مولف کو انتہائی عقیدت ہے، چنانچہ اوسکے فیوض سے متمتع ہونے کا تذکرہ کیا ہے[۳]،

اپنے عہد کے مشہور اور ممتاز شاعر ناصر علی سرہندی کے ساتھ جبکہ مؤلف سرہند مین مقیم تھا اوسکے دوستانہ مراسم قائم ہو گئے تھے، اور اکثر اسکی صحبتون مین شریک ہوا کرتا تھا، چند روز ملاقات نہ ہوسکی تو ایک مختصر رقعہ (۲۱ سطر کا) ناصر علی کے نام لکھا جس مین شکایت کی ہے کہ

"مخمور این شراب دیدار را در برابر انتظار داشتن آئین کجا ست؟ و پابندگان سلسلۂ محبت را وقف تغافل کردن رسم کدام شہر

زہجرت بنوعی جگر خستہ ام | کہ مصداق این بیت برجستہ ام
بر آن ناتوان صید بیداد رفت | کہ در دام از یاد صیاد رفت[۴]"،

ناصر علی نے اس کا جواب دیا ہے جسمین اپنی عدم فرصت اور پریشانیون کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"ملاذا! سہ ماہ متصل میگذرد کہ نیاز مند شما فرصت چشم وا کردنی ندارد کہ حولوث ناگوار درفقد کشیدن و سوانح ناملایم گرم از پے ہم رسیدن اند"

دل غمدیدہ دارم میپرس از گرد کلفتہا | صد ادر کوہ چون رگ ماندہ از سنگینی آہش،

میرزا محسن ذوالقدر، (ذوالقدر ترکون کے ہان بے خطا تیر انداز کو کہتے ہین) مولف کا معاصر تھا، اور اس کے ساتھ مدتون تک اسکے دوستانہ تعلقات رہے تھے، اسکی ایک غزل بھی اس نے اپنی کتاب مین درج کی ہے چنانچہ لکھتا ہے:

"راقم حروف را بعد از مدتہاے آشنائی این غزل بخط خود عطا فرمود"

اس سے زیادہ مؤلف کے حالات کا پتہ نہین چلتا، اور نہ یہ معلوم ہوسکا کہ اوس نے کس سنہ مین وفات پائی، البتہ تاریخ تصنیف کتاب کی بنا پر اس قدر [ ] ہے، کہ وہ سنہ ۱۱۰۲ھ تک زندہ تھا،

---

[۱] ص ۱۸۰، [۲] ص ۲۳۸ تا صفحہ ۲۶۱، و صفحہ ۲۹۰ تا ص ۳۰۹، [۳] ص ۲۴۶، [۴] صفحہ ۲۹۳،

اخلاقیات،

از

مولوی سید ابو القاسم صاحب سرور، دار الترجمہ عثمانیہ،

نفسیات کا تیسرا شعبہ اخلاقیات ہے، اخلاقیات مین بری بھلی عادات و خصائل انسانی کی علٰحدہ علٰحدہ فہرستین مرتب کی جاتی ہین، حیات انسانی کا کارخانہ بہت سی قوتون کی ہم آہنگی سے چل رہا ہے، امیال و عواطف، خواہشات و میلانات، مختلف احتیاجات وغیرہ یہ سب اسی کارخانے کے کل پرزے ہین،

انسان ایسی مصروف کار ہستی ہے کہ وہ منتہاے حیات تک کچھ نہ کچھ کرتی اور کسی نہ کسی کام مین مصروف رہا کرتی ہے، ایک حد تک وہ ذی اختیار بھی ہے، ترتیب و انتظام مین اس کا عزم و ارادہ اور افعال کا پروگرام اسی کی خواہش و میلان کا تابع ہے، اپنے ہم جنسون کے ساتھ سلسلۂ معاشرت مین رہ کر منفعت و مضرت مین سے جس نہج کو چاہے اختیار کر سکتا ہے، اس مین ایک ایسی بسیط قوت ہے جس کے اختیار کی باگ اسی کے عزم و ارادہ کے ہاتھ مین رہتی ہے، یہ اپنے اختیار سے کام لیکر اگر چاہے تو جفاکش، مستعد، محنتی بھی بن سکتا ہے، اور کاہلی کی پوٹ بھی، اہم اور پرپیچ معاملات کی گتھیان سلجھانے کی بھی اس مین استعداد ہے اور سطحی و رسمی باتون مین الجھکر رہ جانے کی بھی،

مگر عزم [illegible] انسانی کی کوئی نہ کوئی غایت ہونا لازمی اور ضروری ہے، کیونکہ تنہا ارادہ کا وجود بغیر کسی غایت و مقصد کے ہو ہی نہین سکتا، انسان جس نصب العین کی طرف ارادہ کی باگ پھیرتا ہے، جس مقصود و غایت تک افعال کی مدد سے پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، اخلاقیات اسی [illegible] غایت کی نوعیت کی [illegible] و جانچ اور اسی کی توجہ مین رہتی ہے، اخلاقیات ہی سے انسان یہ سبق حاصل کرتا ہے کہ کس قسم کی رفتار سے شاہراہ حیات طے کرنا چاہئے

اور زندگی کا مقصود کس چیز کو قرار دیا جائے، اخلاقیات کو نوعیتِ عمل کی تعیین اور تشکیلِ حیات کی تخصیصی تعلیم و تربیت کا ایک مہتم بالشان کارنامہ کہین تو نامناسب نہین،

فکرِ انسانی یہ وہ اعجوبہ زا قوت ہے کہ جس سے وہ خود اپنی کنہ و ماہیت کی نسبت تفتیشی اُدھیڑبن مین منہمک ہونے کے لائق بنجاتا ہے اور اسی قوت کی بدولت انسان اپنی ہستی کی غرض و غایت کے معلوم کرنے کی قابلیت پیدا کرلیتا ہے، اسی سے درست نادرست افعال مین امتیاز کرتا ہے اور اپنے افعال و کردار کی رہبری کے لیے اصول و قوانین معین کرتا ہے، ان قوانین و قواعد کے معلوم کرنے کے واسطے اُسے غیر معمولی وقتِ نظر سے کام لینا پڑتا ہے اور کافی غور و خوض کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی قسم کے سوچ بچار کے مجموعہ کو **علم الاخلاق** کہتے ہین،

انسانی افعال کے ماخذ اور محرکاتِ ارادی، افعال اور ان کے ماخذ اخلاقی احکام اور وجدانات قوانین و مقاصد کی تحقیق وغیرہ ان مین سے ہر ایک کا جانچنا پرتالنا، بحث کرنا علم الاخلاق سے متعلق ہے، وہ کون سے محرکات ہین جن سے بعض اوقات اس وقت و حالت کے مدِ نظر انسان مین ایک خاص طرز پر کام کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے، خیر و شر کا علم انسان کو کونسی راہ اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے، اور اس معلومات کی سوغات انسان کے پاس کہان سے آتی ہے؟ علم الاخلاق ہی اس قسم کے استفسارات و سوالات کے جوابات دیتا ہے؛

ایک مہذب انسان بجاے خود محسوس کرتا ہے کہ اسی مین ایک صدائے مستتر ایک صوتِ پنہان ایک ندائے مخفی کا ایسا مستقل وجود ہے، جو صواب و خطا مفید و غیر مفید، اخلاقی اور غیر اخلاقی افعال مین حدود امتیاز کھینچتی اور نوعیتِ عمل پر نظر ڈال کر ایک معین طریقۂ عمل اختیار کرنے کا مشورہ دیتی ہے، اس قسم کی صوتِ ہاطفی ضمیر کے نام سے موسوم ہے، یہ اطلاعِ باطن خارجی اقتدار کے قیود سے یکسر بے نیاز ہے، حاسۂ اخلاق اس وقت سے انسان کا رفیقِ حیات ہے جب فلسفیانہ دقیقہ رسی نے اخلاقی مسائل کو ہاتھ تک نہین لگایا تھا، مگر اس وقت بھی حاسۂ اخلاق ہی کے معین کئے ہوئے طرقِ اعمال پر انسان عمل پیرا ہونے کے لیے مجبور تھا،

سلہ شریعت اس طرح کی صوت ضمیر کو "لطف خفی" سے تعبیر کرتی ہے ۱۲،

احساسات وجدان، اور تصوراتِ مذہبی اس کے ماخذ تھے یا ایسے فیصلے جنھین عملی اغراض کے واسطے کسی جماعت انسانی نے چند ضابطے اور قاعدے ترتیب دیدیئے تھے، اس طرح کے قواعد کی نوعیت سرتاسر رواجی ہی رواجی تھی، جن کی اغراض عملی پر بنیاد تھی اور قانونِ خارجی کے تابع تھی، کثرتِ استعمال نے ان قواعد کو مستند بنایا اور آگے بڑھ کر یہ ضروری اور لازمی ہو گئے، انھین سے رسم و رواج اور عادت کی کونپلین پھوٹین اور ارتقا کی روئیدگی کا قدم آگے بڑھا، یہانتک کہ انھین کی پابندی خوش اخلاقی بنگئی، اور خلاف ورزی بد اخلاقی،

فلسفۂ اخلاق کا کام کیا ہے، رسم و رواج اور عادات کو یکجا کر کے ترتیب دینا، رواج اور ضوابط کی تفتیش وتحقیق کے بعد ان کو پسند یا ناپسند کرنا، اخلاقیات، اخلاقی سرمایہ کو فراہم کرکے اس سے ایسے قاعدے اخذ کرتی ہے کہ جو افعالِ انسانی کو افراط و تفریط سے بچا سکین، اور یہی اخلاقیات انسان کو اس امر کی تعلیم دیتی ہے کہ اسے اثنائے حیات مین کس طرح عمل پیرا ہونا چاہیئے،

تجربۂ عام کی یادداشت دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف انسان کو اپنی مرضی کے مطابق عمل ضیاع کرنا چاہیئے، بلکہ اس کے خلاف بسا اوقات اسے اس قسم کے افعال سے جو اس کے لیے انبساط آور ہین احتراز کی ضرورت بھی پیش آتی ہے، اور دوسرون کی خواہش کی متابعت کرنی پڑتی ہے، اس بنا پر انسان مجبور ہے کہ انسان اپنے عزم و ارادہ کا نقشہ ماحول اور اقتضائے حالات کے موافق مرتب کرے، خیر و شر، نیک و بد یہ الفاظ جس طرح پہلے اختلاف کا مرکز تھے، اسی طرح اب بھی بہ دستور سابق اسی حد پر قائم ہین، وقت و مقام، صورت اور حالات ایک ہی فعل کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہین، ایک صورت مین وہی ایک فعل اچھا اور دوسری صورت مین وہی اچھا برا خیال کیا جاتا ہے، کسی وقت و مقام سے ایک فعل محمود اور اس کی تبدیلی سے پھر وہ محمود نہین رہتا بلکہ بالعکس مذموم شمار کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خیر و شر کے تصورات کی تجدید کی ضرورت اخلاقیات کو پیش آتی رہتی ہے، اور اس قسم کے تصورات کا تغیر زمانی کے ساتھ تغیر پذیر ہونا اور ترقی پانا یا ان کے عدم تغیر وغیرہ کی نسبت کافی تحقیق و ثبوت اسے مہیا کرنا پڑتا ہے،

اخلاقیات انسان مین حیاتِ اخلاقی کا نمایان شعور ظاہر کرتی اور وہ تصورات اخلاقی جن کی مروجہ رسم ورواج نے تشکیل دی ہے، ان کی صحت وسقم کے جانچنے اور پرکھنے کے لیے معیار معین کرتی ہے، منتہائے اصول اخلاق کی تفہیم یا قواعد اخلاق کے ترک و اختیار کرنے کا صحیح مشورہ اور انسانی میلانات و افعال کی تنقید اعمال انسانی کی نوعیت کا اظہار اور حیات انسانی پر کردار کی نوعیتِ اثر، عزم انسانی کی رہبری، وجود اشیائ کی دلیل اخلاقی کی سراغرسی اور اس قسم کے اشیاء کی قدر ومنزلت کی تعیین جنکا انحصار انسان کے ارادہ پر ہے، تشکیل حیاتِ انسانی کی نوعیت اور انضباط افعال انسانی، یہ جملہ فرائض اخلاقیات ہی انجام دیتی ہے، اخلاقیات ہی کی تعلیم سے انسان مقصدِ حیات کا تعین کر سکتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے کن کن حیات کے اجزا کو کس طرح ترتیب دینا چاہئے اور افعال کے سلسلہ کو کس طرح مسلسل بنایا جائے تاکہ حصول مقصد مین کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے،

افلاطون اور خاصکر ارسطو نے حقائقِ اخلاق پر غور وخوض کی ابتداکی، اس کے یہ معنی نہین کہ ان دونون مین سے کوئی اخلاقیات کا موجد ہوا، نہین اس سے بہت پیشتر ذہن انسانی افعال کی تنقید، خیر وشر اور اخلاقی غیر اخلاقی افعال مین امتیاز کرنے کا خوگر ہو چکا تھا، واقعات ومواد کو یکجا کرکے ان کے اسباب و محرکات کی نوعیت کو عقل بشری نے معلوم کرنے کی کوشش کی، مثلاً قتل وخونریزی، رہزنی، غارتگری، یا افعال کیون اچھے نہین، دروغ گوئی کس لیے مذموم ہے، صداقت وراستی کس بنا پر اچھی ہے،

ذیل کے خیال سے فلسفۂ اخلاق کا یونان مین آغاز ہوا، ایک خیر برتر جلوہ گر ہے جس کے تجسس مین انسان سراسیمہ پڑا پھرتا ہے، اس خیرِ برتر کی حیثیت ذریعۂ وآلہ کی سی نہین، یعنی یہ کسی اور شے کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہین، بلکہ اس خیرِ برتر کی حیثیت ایک مہتم بالشان مقصد کی ہے، یہ ایسا مقصد وحید ہے جسے عمل کے ذریعہ سے انسان پا سکتا ہے، اس کے حاصل کرنے کے لیے افعال انسانی کی تنظیم کی ضرورت ہے، یہ خیر مسرت کے نام سے نامزد کیجاتی ہے، جسے کردار انسانی بہ طور ایک اعلیٰ مقصد کے جس کے تمام اغراض ومقاصد تابع ہین

حاصل کرنے کی خواہشمند ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ اور بڑی سے بڑی انفرادی مسرت انتہائی خیر ہے، اسے ماننے کے بعد یونانی فلسفۂ اخلاق نے یہ اہم استفسار پیدا کیا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ انتہائی مسرت کونسی ہے، کیا ہے، اور اسکے حصول کے امکانی ذریعے کیا کیا ہین، اس کے جوابات مختلف طور پر دئے گئے،

سقراط کہتا ہے کہ بڑی سے بڑی مسرت "علم صداقت" مین مضمر ہے، علم وہ نیکی ہے جو بہ امعانِ نظر مطالعہ سے کسب کیجاتی ہے، سقراط اس امر کی تعلیم دیتا تھا کہ کوئی شخص جب تک اس کو علم نہ ہو جائز عمل و ناجائز طریقہ کا استعمال عمداً نہین کر سکتا، اگر ایسا شخص کسی فعل ناروا کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کا سبب محض عدم علم ہے، کیونکہ وہ اس سے بالکل ناواقف ہے کہ صاف اور سیدھا راستہ کونسا ہے، ذی ہوش و ذی عقل شخص ہی نیک کردار اور مسرت حاصل کر سکتا ہے کیونکہ وہ مقصدِ علم سے بخوبی آشنا ہے اور حقیقۃً یہ علم ہی اعمال انسانی کا مقصد اعلیٰ اور فضیلت و نیکی کے ہم معنی ہے، مگر فضیلت و عدل، علم و فکر کی شرکت کے بغیر محض تربیت و عادت کی بنا پر حاصل ہون، تو یہ طریقہ اس بنا پر چندان محمود نہین قرار پا سکتا کہ عمل کی سلسلہ جنبانی علم کے بغیر گھٹا ٹوپ تاریکی مین کسی چیز کے ٹٹولنے کے مساوی ہے، اس مین کلام نہین کہ کبھی اتفاق سے یہ طرز ٹھیک اور سیدھے راستہ پر بھی لگا دیتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ سے تسکینِ باطن اور طمانیتِ خاطر نصیب نہین ہوتی، یہان پہنچکر تصورِ خیر کی صحیح تعریف معلوم کرنے کی ضرورت ہے،

افلاطون اور اس کے ہمنوا کہتے ہین کہ **خیر** وہ ہے جو سرمایۂ مسرت عطا کرتا ہے، اور **عدل** وہ ہے جس کی تحصیل کی انسان مین قوت مخفی و پنہان ہے، افلاطون کے نزدیک عدل اور خیر رائے سے آزاد اور تصورِ الٰہیت کے مماثل ہین، افلاطون نے اپنے نظامِ اخلاقیات کی بنیاد ما بعد الطبیعیات پر رکھی، اسی کی یہ تعلیم ہے کہ فنِ کردار انفرادی اور اجتماعی حیاتِ انسانی مین اس قسم کی ترتیب و موافقت پیدا کرنے کی سعی پر مشتمل ہے جو اس عالم کے صفاتِ اساسی مین داخل ہین، اور اس خیر برتر سے تشابہ پیدا کرنا جس سے روحِ انسانی اپنی حیاتِ ارضی سے پہلے دولتِ نظارہ حاصل کر چکی تھی، اس کے حصول کے لیے فضائل چہارگانہ کا اکتساب ضروری

اور لازمی ہے، یعنی:-

حکمتؔ، عفتؔ، شجاعتؔ، عدالتؔ،

مملکت کی تنظیم و تشکیل سے عدل پایۂ تکمیل پر پہنچتا ہے، ان فضائل چہارگانہ مین مقدم الذکر یعنی حکمت اور موٴخر الذکر یعنی عدالت انھین دو فضیلتون کی بہت زیادہ اہمیت ظاہر کیگئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ سب سے بڑھکر حکمت اور عدل کے مطابق انسان کو عمل پیرا ہونے کی سخت ضرورت ہے، آگسٹے کامٹ کا بیان ہے کہ ارسطاطالیس حقیقت پسند مفکرین کا سرخیل اپنی اخلاقیاتی تحقیق کی ابتدا افلاطون کے اس سوال سے کرتا ہے کہ انسانی زندگی کا اعلیٰ اور انتہائی مقصد وغایت کیا ہے، کونسی انتہائے خیر کے حاصل کرنے کی انسان کو خواہش ہے، اس کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام اعضاء والی ہستیون مین صرف ایک انسان ہی ایسی ممتاز و نمایان ہستی ہے کہ جو احساس و خواہش کے علاوہ عقل بھی رکھتی ہے تنزل اس کا حیوانیت سے ہمدوش ہے، اور اس کی عقل و فہم خدائے برتر سے تشابہ رکھتی ہے، حیوانی اور عقلی قوتون کی قربت و اتصال سے انسان اخلاقی ہستی بنجاتا ہے، اس لئے حیوانی و عقلی عنصرون کے اتحاد و ہم آہنگی ہی اخلاق کے نام سے موسوم ہے، محض تخیل کی بستیان بسانے والے پر اخلاق کا اطلاق نہین کیا جاسکتا، بلکہ حقیقی طور پر اس کا مصداق وہ شخص ہوسکتا ہے جو فکر کے ساتھ تدریجاً سراپا عمل ہو، اور خواہشات و ترغیبات سے متاثر ہوتا ہو، اس لیے صراط مستقیم کے اختیار کرنے کے لیے اُسے قوت تمیزی، عقل اور عزم آزاد کو حیز عمل مین لانے کی ضرورت پیش آتی ہے، اخلاقی فضائل عزم و عقل انسانی کی موافقت و اتحاد سے وجود مین آتے ہین، اور انھین مسرت، انتہائی خیر، یا مقصدِ حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے،

سقراط فضیلت کی نسبت کہتا ہے کہ یہ عادت و تربیت کا حاصل نہین بلکہ نتیجہ عقل ہے، جس کی بنا حکمت علمی اور اخلاقی بصیرت پر قائم ہوتی ہے، مگر ارسطو کی نظر مین مشق و مزاولت، عادت و تربیت، کی ایک خاص اہمیت ہے اور ان کا ہونا ضروری ہے، ارسطو کے نزدیک اخلاقی فضائل مخصوص و معین عادات کے نتائج ہین جو عقل و حکمت کی رہبری کی بدولت رونما ہوتے ہین، سقراط کا خواہش کے مقابلہ مین عقل کو مرجح اور غالب قرار

دنیا، زینو کی تعلیم کا مرکز اور مبدء ہے، سقراط کے اسی خیال سے زینو نے متاثر ہو کر یہ خیال پیدا کیا کہ نیکی مین شان احتیاج نہین، وہ ہر شے سے بے نیاز ہے، ایک دانشمند فقیرون کے سے پھٹے پرانے کپڑون مین مست رہتا ہے ترکِ مطلب سے بے نیازانہ طور پر نہایت سادہ اور آزاد زندگی بسر کرنے کا خوگر ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ فطرت کی تبدیلی اس کے بس کی بات نہین، اس قسم کا یقین اسے فطرت کی متابعت کی دعوت دیتا ہے اور وہ بطیبِ خاطر فطرت کے سامنے سرِ تسلیم جھکا کر اسی کا متبع بنجاتا ہے، بخلاف ایک سفیہ اور نادان کے کہ وہ اپنی جہالت اور نادانی سے بے سوچے سمجھے بات بات پر فطرت سے لڑتا جھگڑتا اور آخر مین ہار جھک مار کر اور اپنے مین تاب مقاومت نہ دیکھکر مجبوراً فطرت کے روبرو اپنے ہتھیار ڈالدیتا ہے،

رواقیین کسی چیز سے اثر نہین لیتے، وہ اس بات کے قائل ہین کہ احکامِ فطرت کے مطابق قیام اشیا رہا کرتا ہے، اور اسی کو تقدیر کہتے ہین، ابیقورین کا ماحصل تعلیم یہ ہے کہ حیات انسانی کی انتہائی غایت اور مقصد جو بھی ہے وہ صرف مسرت ہی مسرت ہے، اس اکتسابِ مسرت مین عقل معین و مددگار ہوتی ہے اور یونانی فلاسفہ کے مثل اخلاق کو مسرت کے مماثل ماننے مین یہ بھی انھین کے ہمخیال ہین، اور نیز فنِ کردار کی نسبت یہ تسلیم کرنے مین بھی ان کے ہمنوا ہین، کہ اطمینان اور سکون کی نوعیتِ تحصیل کی تعلیم فن کردار سے حاصل ہوتی ہے صحیح طریقہ پر کسی شخص کی غرض و غایت اور دلچسپی معلوم کرنا اس طبقہ کے نزدیک معیار اخلاق بس یہی ہے، الذات کی خواہش پر اور خلافِ فطرت عمل اختیار کرنے پر قربانی اور ایثار منحصر نہین، بلکہ حقیقۃً ایثار اور قربانی یہ دونون کے دونون فکر و غور کے ماحصل اور اسی کے نتائج ہین، ذی فکر ہستی ہونے کے لحاظ سے مستقبل کی آنے والی لذاتذ سے بہرہ ور ہونے کے لیے انسان موجودہ لذات سے دستکش ہو سکتا ہے، قیام پذیر، عسیر الفنا، طمانیت و سکون آور لذائذ ذہنی جن سے کارگاہِ حیات کے آلام و مصائب انقلاب کے دہشتناک منظر انسان کی نظر مین ذرا بھی نہین جنچتے، انھین ذہنی لذتون کی ڈھارس سے معرکۂ حیات مین ثابت قدم رہ کر کڑی سی کڑی مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کیا کرتا ہے، ظاہر ہے کہ ان دیرپا ذہنی لذتون کے سامنے سریع الفنا لذتین بالکل بے حقیقت

اور سراسر فریبِ نظر سے زائد نہین،

خواہشِ لذت کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ اُسے عقل کی نگرانی اور اسی کی زیر دستی مین رکھا جائے اس بنا پر کہ بعض اوقات بعض لذتون کا سلسلہ الم آفرین فضا کی جانب لیجاتا ہے، عقل کی نگرانی مین اس قسم کی بیراہ روی کا احتمال باقی نہین رہتا جسم کی صحت، نفس کا سکون، اور اس سے مسرت و انبساط کا پایۂ کمال پر پہنچنا یہ سب باتین اسی طریقے کے برکات اور اسی کے نتائج ہین، مہذب انسان کے لیے منازلِ حیات کا اس طرح قطع کرنا کہ اصولِ حیات دانش آموزی اور عزّت و عدل کی فضیلت سے یکسر خالی ہون قطعًا ناممکن ہے، اسی طرح محض عزت و عدل کی زندگی بسر کرنا جس مین لذت کا شائبہ تک نہ ہو یہ بھی غیر ممکن اور محال، گریز پا اور زوال پذیر اذیت و تکلیف برداشت کرنا دوامی لذائذ سے متمتع ہونے کا انسان کو مستحق بنا دیتا ہے ایسی سکون آفرین اور اطمینان بخش کیفیت جو زندگی کی دشواریون، اذیتون اور تلخیون سے انسان کو بچاتی ہے، ابیقوریین لذت سے یہی مراد لیتے ہین، اس قسم کے احساسات حاشا ان کے مطمح نظر نہین جو گذرنے مین دھوپ چھاؤن سے زیادہ گریز پا ہین،

فلسفہ کی دقیقہ آفرینیان جب روح انسانی کے لیے سرمایۂ طمانیت فراہم کرنے سے عاجز آجاتی ہین تو مذہب تسلّی اور تسکین کا اندوختہ لیے ہوے سامنے آتا ہے، اور فلسفہ کو ہٹا کر اس کی جگہ اپنا کاروبار پھیلا دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ادوار پیشین مین قدیم یونانی فلاسفہ کی جگہ عیسائی اولیا کی مسندین بچھی نظر آتی ہین، مسیحیت نے کوچۂ فکر مین جس قسم کی کایا پلٹ کی نوع انسانی کے کارنامون مین وہ ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، اس انقلابِ فکر کے سامنے یونانی نظریون کی کچھ پیری نہ چل سکی، اخلاقیات کا چشمہ ملحدانہ خس و خاشاک سے پاک وصاف کر دیا گیا، اس کو نٹشے نے تجدید قدرت سے تعبیر کیا ہے،

عیسائیت کو نظرِ غائر سے دیکھنے پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے جو تعلیم دی وہ ایک حد تک یہودیون کی تعلیم کا نشر و احیا تھا، اس سے یہ ہوا کہ مغربی فضا قدیم زمانہ کے نظریاتِ اخلاق سے گونج اٹھی، یہودیون کی اخلاقیات کی

عمارت دینیات کے ستونون پر قائم تھی، اور اسکی بنیاد مذہبی رنگ کے اصول پر یہودیت نے آئین و قانون تنظیم الٰہی کا خلاصہ، ماحصل، نتیجہ، یا اوامر ایزدی کی تعمیل مفہوم اخلاق کو قرار دیا تھا، اور اسی بنا پر یہ خیال پھیل گیا کہ کردار انسانی کی رہبری کے لیے ربانی وضع کردہ آئین و قواعد کی پیروی لازم و واجب ہے، ازروے اخلاق جس شے پر خیر کا اطلاق ہو سکتا ہے، اس سے خداے عز وجل خوش ہوتا ہے، یا آئین خداوندی اور قانونِ اخلاقی یہ دونون ایسے توام تصورات ہین کہ جنھین باہم جدائی نہین ہو سکتی، خلاق مطلق کی محض نسبتِ آفرینش ہی کسی شے کی اچھائی کا سبب نہین، بلکہ خود اس شے کا اچھا ہونا ہی اس کی پیدایش و آفرینش کا سبب قوی ہے، چونکہ وہ شے خود اچھی تھی اس لیے وہ پیدا کیگئی، اس لئے کہ ایک عنصر قوی، ایک مرکز زبردست، ایک ہمہ گیر مقصد، ایک عالمگیر مدعا جو بھی ہے وہ صرف اخلاق ہی ہے، جرمن فلسفی ہرمن لوٹزے کا قول ہے کہ عمل اجتماعی اور ردّ عمل اس سے اقتدار اخلاقی کے شعور مین نمایان بالیدگی ظاہر ہوتی ہے، یہودیت اسی اقتدار کو ایزدی عزم و ارادہ کی صورت مین دیکھنا پسند کرتی ہے، یعنی یہودیون کے مسلک مین یہی اقتدار ربانی ارادہ کی ماہیت مین دکھائی دیتا ہے، اس اقتدار کی متابعت اختیار کرنے کے لیے ربانی الاصل سلطنت کے زیر سایہ بسر کرنیوالی قوم اور افراد قوم کا میلان باطنی اور عمل خارجی ان سب کی ضرورت ہے، اس کے اصول اساسی جن کے واسطے عدل و نکوکاری اختیار کرنا لازمی ہے وہ تین ہین محبتِ الٰہی، محبتِ مخلوق باری، اطاعتِ اوامرِ ایزدی، حیات انسانی کی غایت اصلی اور مقصد انتہائی کیاہے؟ ذات انسان کا درجۂ کمال پر فائز ہونا اور اس اہم ب تکمیل کا سامان کیاہے؟ فطری قوتون کا استعمال صحیح جس کا مآل مسرت سے ہم آغوشی ہی، یونانی اخلاقیات کی تعلیم کا ماحصل اور خلاصہ یہی ہے جو نظر سے گذرا، لیکن مسیحی اخلاقیات نے خواہشات فطری و جسم کو پست و فروتر قرار دیکر ان دونون پر روح کی فرمانروائی قائم کی اور اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ خواہشات فطری اور جسم پر روح کو غالب رکھنے کی دُھن مین حیات فطری اور اس کے اغراض و مقاصد سے طبیعتین بیزار ہونے لگین عزلت گزینی اور خواہشون کے ترک کرنے کی نسبت میلان و رجحان نے قدم بڑھایا تجرد، رہبانیت،

مرتاضیت کے اعتکاف کی طرف لوگ جھک پڑے اور یہان سے لیکر وہان تک حیاتِ غیر فطری سبھون کا نصب العین بنکر رہ گئی، اکتسابِ روحانیت کے جوش و خروش سے عبادتگاہون کے خلوتکدے ہروقت معمور رہنے لگے، اور اس ہروقت کی ریاضت نے آگے بڑہ کر ایک یہ نئی اپچ پیدا کی کہ طبعًا انسان معصیت مین گرفتار ہے، اسکی ذاتی جد وجہد انتہائی خیر کی بلندی تک اسے نہین پہنچا سکتی، آلودۂ معاصی انسان کے منہ پر اسکی بالطبع معصیت کی وجہ سے ابوابِ نجات بالکل مسدود ہین، لیکن عطیۂ نجات محض رحمتِ باری ہی اُسے مرحمت کرسکتی ہے یا کبھی اتفاق سے اسی عطاے جزیل کو کلیسا کا اقتدار روحانیت بھی عنایت کرتا ہے، اسی قسم کے خیال نے عیسائیت کی تعلیم اصلی اور اس کے نظریات کو پایۂ اعتبار سے گرایا اور لطف یہ کہ گھر والے ہی اس کی تضحیک و تشہیر کے باعث ہوئے، موجودہ عیسائیت اور یہودیت فکر و عمل مین حسن اخلاقی کے نشو و نما سے غافل اور رسومِ ظاہری کی بندشون مین پھنسی ہوئی ہے،

خسرو باغ الہ آباد

از مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی، مؤلف "حیات جلیل"، الہ آباد

تعارف

مغلوں کے زمانہ مین بادشاہزادے عموماً سلطان کہلاتے تھے اسی لیے شاہزادہ خسرو بھی "سلطان خسرو" کہلاتا ہے، وہ شہنشاہ جہانگیر کا بڑا بیٹا، جے پور امیر کی راج دولاری راجکماری رانی مان بائی مخاطب بہ شاہ بیگم کے بطن سے تھا، اکبر اعظم کے سے نامور دادا کے سایۂ شفقت مین پرورش و تربیت پائی، دربار شاہی مین مرزا راجہ مان سنگھ اس کا ماموں اور خان اعظم مرزا کوکلتاش اس کا خسر دو زبردست حامی و معاون موجود تھے، جہانگیر کو محروم کر کے خسرو کو تاج و تخت دلانے کا ولولہ دونون کے دلون مین موجزن تھا، یہ تو اکبر کو بھی کبھی کبھی ماننا پڑا تھا کہ باپ سے زیادہ بیٹا فرمانروائی کی استعداد و قابلیت رکھتا ہے، اس کے فیصلۂ قطعی اور اعلان کے موقعے بارہا پیش آئے اور ٹلتے رہے، بالآخر تقدیر الٰہی نے کارفرمائی کی، جب وقت آیا تو جہانگیر آگرہ مین تخت پر بیٹھا، اس نے شاہزادہ اور اس کے واسطہ دارون کی استمالت ودلداری اور عزت افزائی مین حتی الوسع دریغ نہین کیا، مگر جو ہونا تھا ہو کر رہا، خسرو اپنے بندی خانہ یعنی قلعہ آگرہ کے شاہ برج سے بھاگا، بغاوت کی، بادشاہی فوجون نے تعاقب کیا، لاہور پہنچکر مقابلہ ہوا، بیٹے نے شکست کھائی، گرفتار ہوا، مدۃ العمر قید و بند مین رہا، کبھی پدری شفقت کا دریا موجزن ہو جاتا، کبھی سیاست کا جذبہ غالب آتا، انھین شدائد و مصائب مین وہ اپنی زندگی قید و بند مین گذارتا رہا، چھوٹے بھائی شاہجہان کی تمام تدبیرین اور سازشین خسرو کو پامال کرنے

اور راستہ سے ہٹا کر تخت پر پہنچ جانے کی کارگر و کامیاب نظر آنے لگین، خورم مہم دکن پر بھیجا گیا خون کے جوش اور مہر و محبت کے دعوی اور دردرسی و پرداخت کے حیلے سے بڑے بھائی کو ساتھ لیکر چلا" خسرو کا انجام سب کے پیش نظر تھا، محلات شاہی اور بیگمات مین کہرام برپا ہوا، امرائے دربار وار اکین سلطنت حزین و غمگین خاموش کھڑے تھے، سیہ مست جہانگیر کی صرف آنکھین نہین، کان بھی نہ تھے، بے بس و بیکس اسیر قفس خسرو، دکن مین اپنے صاحب تقدیر با تدبیر قوت بازو شاہجہان کے حکم و اشارہ سے ہلاک کر دیا گیا، زمانہ ساز و زمانہ شناس مورخ قولنج کا درد اور قضائے الٰہی کی مشیت بتاتے ہین، ممالک غیر کے سیاح کچھ اور لکھتے ہین مجھسے جو کچھ تحقیق ہو سکی ہو تذکرہ خسروؔ مین مفصل حوالہ قلم کر دیا ہے، نعش برہان پور (دکن) مین سپرد خاک کر دیگئی، چھ مہینہ بعد جہانگیر کے حکم سے نکالی گئی، نتیجہ تحقیقات کے بارہ مین سب خاموش ہین، الزامات و شبہات ثابت ہوئے یا رفع کر دئے گئے؛ دیکھ بھال کی گئی، جراحی اور تشریح اعضا بھی عمل مین آئی ہوگی، پھر براہ آگرہ جنازہ الہ آباد بھیج دیا گیا، فرسودہ و بوسیدہ ہڈیون نے ماں (شاہ بیگم) کی آغوش محبت یا قبر کے قریب جگہ پائی، خسرو باغ آج انھین دونون کی بدولت آباد ہے اور مظلوم شاہزادہ کا نام روشن کر رہا ہے

مرحوم دل بھی کیا تھا، کیا حسرتین تھین اس مین
اب تک کچھ اس کی باتین میری زبان پر ہین،
"مقبول"

بیابان محبت، دشت غربت بھی، وطن بھی ہے یہ ویرانہ قفس بھی، آشیانہ بھی، چمن بھی ہے،

اس کرۂ آب و گل کے جس زندان خانہ مین شاہزادۂ خسرو کا پیکر خاکی اس وقت محفوظ ہے، وہ اکبر کے مشہور و بے نظیر قلعہ سے ایک کوس پچھم واقع ہے، شہر الہ آباد مین آبادی سے بعض سمت ملا ہوا، اور بعض سمت جدا، ایک نہایت وسیع و پرفضا فرحت افزا باغ ہے، جس کو جاننے والے "خسرو باغ" کے نام سے جانتے اور

پکارتے ہیں، وجہِ تسمیہ کسی اہلِ قلم نے نہیں لکھی، خواہ اس وجہ سے کہلاتا ہو کہ خسرو کی ماں وہاں دفن ہوئی یا خسرو نے اپنی غمناک و اندوہگین زندگی کے کچھ دن کبھی یہاں کاٹے تھے، یا اس سبب سے کہ سوا تین سو برس سے یہ باغ خسرو کی دائمی خوابگاہ ہے،

پینتالیس سال ہوئے جب میں اس باغ کو پہلے پہل دیکھنے گیا تھا، اس کے متعلق تاریخی سرمایہ فراہم کرنا چاہا تو ان پیران گمراہ سے بھی، جو رہنما یا گائیڈ کہلاتے ہیں معلومات حاصل کرنا چاہے، ارشاد ہوا کہ یہ جگہ بہت پرانی ہے، پراچین زمانہ کی، پہلے یہاں پراگ جی مہاراج کا مندر تھا، جنھوں نے یہ شہر بسایا ہے، ایک طالب علم کی تشفی و طمانیت کسی کتابی سند کے بغیر دشوار تھی، اس لیے ورق گردانی شروع ہوئی، مطالعہ و تحقیق کے دوران میں جنرل کننگھم کی رپورٹ محکمۂ آثارِ قدیمہ[۱] سے پتہ چلا کہ پراگ دراصل ایک برہمن کا نام تھا، جو اکبر بادشاہ کے عہد میں گذرا ہے، وہ ایک بے حقیقت و کم مایہ شخص تھا، اس کی یا اس کے نام کی شہرت کا راز صرف اس قصہ میں مرکوز و مذکور ہے کہ جب اکبر کے حکم سے قلعہ کی تعمیر شروع ہوئی تو سمتِ دریا کی دیواریں بار بار بنائی جاتی، اور گر جاتی تھیں، علائے تعمیرات کی کوششیں بے کار ثابت ہوئیں، تو بعض واقف کار و دانشمند لوگوں کے مشورہ و صوابدید سے بادشاہ کو اطلاع کی گئی کہ جب تک بنیاد میں کسی انسان کا خون بھرا نہ جائیگا بنیادیں قائم نہیں رہ سکتیں، چنانچہ اعلان عام کیا گیا، اور ایک برہمن جس کا نام پریاگ تھا، بخوشی خاطر از خود سامنے آیا، اور اپنی جان اس شرط پر نذر کی کہ قلعہ کا نام اس کے نام پر رکھا جائے،

سر ہنری ایلیٹ کی بحث و تحقیق جو الہ آباد کی قدامت کے متعلق ان کی کتاب "سپلی منٹل گلاسری" میں مندرج ہے[۲]، مندر کے اس واقعہ کی تردید کرتی ہے،

انگلستان کا مشہور جوہری اور جہاندیدہ سیاح ٹیورنیر جو دسمبر ۱۶۶۵ء میں الہ آباد آیا تھا[۳]، اور یہاں کئی بہت

---

[۱] محکمۂ آرکیالوجی کی رپورٹ بابتہ ۱۸۶۲ء ۶۳ء حصہ اول، صفحہ ۳۰۰۔ و ڈسٹرکٹ گزیٹیر الہ آباد، مطبوعہ ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۶۱ (جلد ہشتم)

[۲] صفحہ ۲۶۹ [۳] بحوالہ سیاحت نامہ و تذکرہ سلی میں، حصہ دوم، صفحہ ۲۲۵،

سی باتین، اچھی بری کہہ گیا ہے، اس بارہ مین کیون خاموش ہے!

اس قسم کی زبانی روایات کی لغویت کا ثبوت ایک اور ملتا ہے،

سر ولیم سلی مین نے ایک موقع پر[1] دعوی کیا تھا کہ "اس ملک مین مسلمانون نے جیسے ہی قدم رکھا اور اپنی وسیع فتوحات کا دائرہ پھیلایا تو ہندؤن کے شہر ویران اور اوجڑ ہونے لگے" مگر اس کا شافی جواب خود انھین کی کتاب کے مرتب اور مصحح ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ نے اسی جگہ دیدیا، وہ اپنے نوٹ[2] مین لکھتے ہین کہ "یہ بیان بہت زیادہ عمومیت رکھتا ہے، بنارس، الہ آباد (پریاگ) اور بہت سے اور بڑے بڑے قصبے اور اہم شہر ہندؤن کے تو کبھی ویران نہین ہوئے، باوجود تمام انقلابات کے آباد و بارونق قائم رہے ہین، یہ صحیح اسی قدر ہوگا کہ خاص خاص مندر اکثر مقامات پر ضائع یا خراب کر دیئے گئے اور زیادہ تر مسجد بنا دیئے گئے"،

اس جگہ مندر یا کسی پرانی عمارت کا کوئی نشان پایا نہین جاتا، بخلاف اس کے یہ واقعہ پیش نظر آجاتا ہے کہ یہ عہد تو اکبر کا تھا جس نے سٹرنیویل اور ان کے گزٹیر (سلسلہ جدید ۱۹۱۱ء) کی روایت[3] کے بموجب "الہ آباد کے پرانے مندرون کو بھی قائم رکھا، کوئی دست اندازی نہین کی، اور قلعہ بھی تعمیر ہوگیا، اس سے بڑھکر کوئی نمایان اور قابل تقلید مثال اس نیک نفس بادشاہ کی مذہبی روا داری اور اعتدال پسندی کی کیا ہو سکتی ہے"۔

ڈاکٹر فوہرر کی روایت سے بھی اس کی کچھ اصلیت پائی نہین جاتی، وہ لکھتے ہین[4] کہ "اکبر نے یہان قلعہ بنایا، شہر بسایا، الہ آباس نام رکھا، جو بعد کو الہ آباد ہوگیا، ورنہ پریاگ پرانا نام اور پرانا مقام ہے، مشہور چینی سیاح ہیونٹ تسانگ[5] جو ساتوین صدی مین آیا تھا یہی نام لکھتا ہے، جو گمان غالب اشوک[6] کے وقت سے چلا آتا ہے"

---

[1] ریمبلس اینڈ ری کلکشنس جلد دوم ص ۱۰۲، [2] نوٹ ذیل صفحہ بالا، [3] صفحہ ۲۱۱، [4] ممالک مغربی و شمالی و اودھ کے صنادید قدیمہ اور ان کے کتبے صفحہ ۱۲۱، [5] اس نامور شخص کی سیاحت ۶۲۹ء مین شروع ہوئی تھی، اس نے ہمارے ملک کی ہر چیز کو غور و احتیاط سے دیکھا ہے، اور اپنے زمانہ کے زاویہ نظر اور نقطۂ نگاہ کے مطابق ضروری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، فاضل مورخ الفنسٹن نے اپنی تاریخ کے ضمیمہ ۹ جلد چہارم مین اسکے مفصل حالات تحریر کئے ہین، نیز اکثر اور اہل قلم نے بھی پرانے ڈسٹرکٹ گزیٹر کا صفحہ ۱۳۴ بھی ملاحظہ ہو، [6] ہندوستان کا مشہور منتظم فرمانروا اشوک جناب مسیح سے دو سو چالیس سال پیشتر گذرا ہے، اسکا ہمعصر انٹیاکیس تھا (ص ۱۳۴ مذکور)

مسٹر سی ڈی اسٹیل پرانے ڈسٹرکٹ گزیٹیر مین تحریر کرتے ہین[1] کہ الہ آباد کا موجودہ نام اکبر نے رکھا تھا، اسوقت تک اس کا نام پریاگ چلا آتا تھا، یہ نام اغلبًا پوررو نے رکھا تھا، جو بودھ کی نسل سے چھٹوین پیڑھی مین تھا، مشہور ہو کہ اسی نے پرانے شہر کی بنیاد حضرت عیسیٰ سے اکیس[2] صدی پیشتر ڈالی تھی،

باین ہمہ مسٹر ولسن کو اختلاف ہی، اپنی کتاب "ہندوستان" مین فرماتے ہین[3] کہ "جب تک اکبر نے اسکو شہر نہین بنایا الہ آباد یا پریاگ کوئی شہر نہ تھا" موصوف کا خیال شاید اکبرنامہ کی طرف نہین گیا جس سے "قصبہ پیاگ" کی موجودگی ثابت ہوتی ہی،

کچھ دن ہوئے ایک ممتاز دانش آموز نے الہ آباد اور الہ باس کی بحث ایک کثیر الاشاعت مقامی اخبار[4] مین چھیڑی تھی، اور اپنی نازک خیالی اور بلند نظری کے ساتھ اس کو بڑھانا چاہا تھا، لیکن جہان تک مجھے علم ہے، اہل علم نے اعتنا نہین فرمایا اور ساکت رہے، مین بھی اس کو تردد بیجا سمجھتا ہون،

یہ قصہ آج کا نہین، بہت پرانا ہے، خلاصۃ التواریخ[5] مین مرقوم ہے کہ اکبر نے قلعہ تعمیر کرایا، الہ باس نام رکھا، شاہجہان نے الہ آباد کر دیا، مسٹر بیل اکبرنامہ شیخ ابو الفضل کے حوالہ سے مفتاح التواریخ[6] مین راوی ہین کہ یہ شہر الہ آباد آباد ہو گیا تو الہ باس[7] نام رکھا گیا، دوسرے موقع پر نقل کرتے ہین[8] کہ "نام الہ باس رکھا گیا تھا" شاہجہان کے عہد مین الہ آباد مشہور ہوا، غالبًا ان کی سند خلاصۃ التواریخ کی تحریر ہے،

شمس العلماء آزاد دہلوی دربار اکبری مین فرماتے ہین کہ "خلاصۃ التواریخ کا لکھنے والا ہندو ہی، صفحہ ۹۱۵" پھر لکھتے ہین کہ "بٹالوی صاحب خلاصۃ التواریخ نے ملک پنجاب مین بیٹھکر کتاب لکھی، اور شاہجہان اور عالمگیر کا زمانہ پایا" (صفحہ ۵۲۲) "یہ اکبر کی جدت پرستی اور ہندو پسندی تھی کہ منشیان دفتر الہ آباد کو بھی الہ باس لکھتے تھے، (صفحہ ۱۹۷) وہ اس سے پیشتر بھی لکھ چکے تھے[9] کہ "۳۱ سنہ جلوس مین عمارت کا کام ختم ہوا تھا، پھر وہ الہ آباد سے الہ باس ہو گیا"

---

[1] مطبوعہ ۱۸۸۴ء جلد ہشتم صفحہ ۱۲۱، [2] تمیر ڈاول صفحہ ۲۰، [3] اخبار لیڈر مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء، [4] قلمی موجودہ کتبخانہ مولوی حکیم سید مظہر احمد مرحوم، واقع قصبہ صمدن پور ضلع فرخ آباد صفحہ ۴۲، [5] صفحات ۹۶ و ۱۹۰، [6] صفحہ ۱۹۰، [7] دربار اکبری صفحات ۱۲۲-۱۲۳،

آپ نہ لالہ سجان رائے بھنڈاری، "منشی المناشی" سرکاری کے قول پر اعتماد کریں، نہ جناب آزاد کے کہنے پر، بلکہ خود اکبر اور اس کے ارکان حکومت اور مقربین عالی منزلت کے طریق عمل پر نظر ڈالیں، جب یہاں قلعہ بنا اور شاہزادوں اور امرائے دولت کے لئے محلات و قصور تعمیر ہوئے، تو ٹکسال بھی قائم ہوئی، اسی ٹکسال سے اکبر کے الہ آباد نام رکھنے کا ثبوت ملتا ہو جس کے سکوں پر شریف سرمدی کا یہ شعر مقبول ہو کر منقوش ہوا تھا[1]

ہمیشہ چون زر خورشید و ماہ روشن باد به شرق و غرب جہان سکۂ الہ آباد

واضح رہے کہ آئین اکبری میں پرانا پرگنہ "الہ باس باحویلی" مندرج ہے، باوجودیکہ کڑے کی اہمیت اس وقت تک باقی اور نمایاں تھی، (درحویلی کڑا و بلدۂ کڑا) آئین اکبری میں موجود ہے،

قرینہ ہے کہ اس کے بعد الہ آباد سے الہ باس ہوا ہوگا، کیونکہ اقبال نامۂ جہانگیری میں بالعموم الہ باس ملتا ہو[2] اور تزک جہانگیری میں الہ باس اور الہ آباد دونوں[3]، منشی سجان رائے نے باوجودیکہ شاہجہانی فرمان اور دباقرار خود) تبادلۂ نام سے آگاہ تھے، اپنی تاریخ میں بالالتزام ہر جگہ الہ باس لکھا، اور بدنصیب و بدنام اورنگزیب نے مواخذہ و تعرض بھی نہیں فرمایا،

باوجود سعی مفرط و توجہ بلیغ، پروفیسر کونسل کشور "الہ باس" کے صحیح اور واقعی معنی معلوم کرنے، اور اس (شاید سنسکرت نژاد) "الا" کے ماخذ واصل کی تحقیق سے قاصر رہے، وہ اس کو ایک پیستان مان کر اہل ذوق و تلاش کو صلائے کرم دیتے ہیں، اس دعوت خاص میں مقبول بے نواہی ممدوح کا ہم آہنگ و ہم نواہی، ان کے نزدیک یہ اس "الا" کی طرف بھی منسوب ہو سکتا ہو جس کا تذکرہ "پرانوں" میں ہے، اور جو بنی آدم کا ابوالآبا رہا تھا، یا یوں کہئے کہ حقیقۃً اس کی فطرت و جنسیت مشتبہ ہے، کیونکہ بعض اس کو ام الامہات بھی کہتے اور بتاتے ہیں، نیز گنگا کے ایک تیرتھ کا نام "ایل" ہے، قیاس پہنچا ہے کہ اسی "ایل" کے مشتقات و صیغوں

---

[1] دربار اکبری، صفحات ۱۲۲ و ۱۲۳، [2] صفحات ۱۰، ۱۷، ۷۰، ۱۲۷، ۲۳۵، [3] الہ باس صفحات ۲۲۷، ۳۲۸ و ۳۳۴ و الہ آباد صفحات ۲۷۴ و ۲۸۰،

سے "الاہے، نکتہ نواز و دقیقہ رس پارگیٹر صاحب اسی "ایل تے آریا" کو ماخوذ اور اس جہت سے اگر تمام نوع بشری کا نہیں، تو از کم کل اصناف و اقوام آریا" کا مہد و گہوارہ الٰہ آباد کو سمجھتے ہیں،

مجھے تسلیم ہے کہ آسان طلبی و سہل انکاری کے موجودہ دور میں الٰہ آباد کو الہ باس بنانے کی تحریک محض بے سود ثابت ہوگی، اس لئے ایسی چھوٹی چھوٹی باتون کے چھیڑنے سے جو جماعتی اختلافات اور تلخیون کو بڑھائین، احتراز لازم ہے،

کہنا پڑا ایسے پے الزام پسند گو، وہ ماجرا جو قابلِ شرح و بیان نہین

کسی تاریخ سے یہ بھی پتہ نہین چلتا ہو کہ باغ کب نصب ہوا تھا، کس نے نصب کیا تھا، ابتداءً نام کیا رکھا گیا تھا، البتہ یہ مشہور و زبان زد عام ہے کہ باغ بہت پرانا ہو، جسکی پیدایش (لغوی معنی مین) اکبر کے قلعہ کے ساتھ ہوئی تھی، اور اکثر مورخ اس بارہ مین متفق ہین، کہ قلعہ کی بنیاد[1] اکبر کے اکیسوین سال جلوس (۹۸۲ھ) یا حسب روایت ڈسٹرکٹ گزیٹیر ۱۵۸۳ء مین پڑی تھی، اوراق تاریخ اس باغ کو اہم بتاتے ہیں اور امتیاز خاص دیتے ہین، کبھی یہ ایک سادی سی جگہ فرحت و سیر کی تھی، اس کی زمین، اس کے چمنون اور روشون نے اس وقت بھی اکبر کے قدم چومے تھے، اس کے پھولون اور غنچون نے اس عظیم الشان شہنشاہ کے دماغ کو معطر کیا تھا، شاہزادہ دانیال جب الٰہ آباد کا گورنر[2] تھا تو یہان اکثر لطف اندوز ہوتا تھا، جہانگیر اس کے درختون کے سایہ مین تکان دور کرتا تھا، تعب سیر و شکار کے بعد آرام و راحت پاتا تھا، وہ مدت تک یہان رہا تھا، سلطنت کی ضرورتون یا اپنی ہنگامی شوریدہ سری کے تقاضے سے کبھی باہر بھی جانا چاہتا تو یہان کی دلچسپیان عنان گیر ہوتین، اور جلد کھینچ کر واپس لے آتین، جہانگیر کو منانے اور سمجھانے

---

[1] منتخب اللباب جصہ اول صفحہ ۲۳۶، و ڈسٹرکٹ گزیٹیر ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۷۰، و دربار اکبری صفحہ ۱۲۲، و مفتاح التواریخ صفحہ ۱۹۶، [2] منتخب اللباب حصہ اول صفحہ ۲۲۲، و ادبیاتِ مغل صفحہ ۱۱۴، و گزیٹیر ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۶۹، [3] گزیٹیر مذکور صفحہ ۱۶۹،

کے لئے جب اس کی والدہ بیبی، مہد مقدس سلیمہ[۱] سلطان بیگم الہ آباد آئی تھی تو جہانگیر نے دو منزل بڑھکر استقبال کیا، اور ملکۂ عالم و عالمیان کو یہان اتارا تھا، تاریخ کا ایک اندوہگین واقعہ بھی اسی مقام سے وابستہ ہے، اکبر کے دانشمند اور یہ ہر فن کامل و ماہر مشیر شیخ ابوالفضل علامی کا سر کاٹ کر راجہ نرسنگ دیو (یا انگریزون کی تنقیح تحقیق سے بیر سنگھ دیو) بوندیلہ نے جہانگیر کے حضور مین الہ آباد[۲] بھیجا تھا، تو اسی جگہ پیش کیا گیا تھا،

زمانۂ حال کا ایک ممتاز انگریز مولف (جس کا نام مین ادباً و احتراماً لینا نہین چاہتا) خسرو باغ کو ایک اور شرف دینا چاہتا اور لکھتا ہے، کہ "جب جہانگیر ۱۵۸۰ء کے قریب الہ آباد کا گورنر تھا، تو اس کا بیٹا جو تخت نشین ہوکر شاہجہان ہوا، نیز اس کا بڑا بھائی "خوش رو" نام وہین پیدا ہوئے تھے، اسی دوسرے نام یعنی "خوش رو" سے "خسرو باغ منسوب ہے" یہ صاحب اپنے ماخذ اور ذریعۂ معلومات کا حوالہ نہین دیتے، خسرو کو خوش رو قرار دینا اور اپنے اہل زبان کو اس کے معنی "فیر فیس" (اچھے چہرے والے) بتانا ذہانت و نکتہ آفرینی کی ایک عجیب و نازک اختراع ہی، بہت ممکن ہے کہ ان کو ملا غیاث الدین رام پوری کی تحقیقات و موشگافی سے یہ خیال پیدا ہوا ہو، جنھون نے اس لفظ کے متعلق غیاث اللغات[۴] مین اچھی خاصی بحث کی ہے، اور مولف بہار عجم اور ان کے استاد کے حوالہ سے یہ خوشگوار فیصلہ کیا ہو کہ صحیح لفظ خسرو ہے، زیر کے ساتھ نہ کہ پیش سے، اور یہ خُسرو کا معرب ہے

[۱] سلیمہ سلطان بیگم، مرزا نور الدین محمد سے گلرخ بیگم کی بیٹی، بابر کی نواسی تھی، یعنی ہمایون کی بھانجی اور اکبر کی پھوپھی زاد بہن، ہمایون نے اس کی نسبت بیرم خان، خانخانان سے ٹھہرادی تھی، شادی کی تقریب ۹۶۴ھ (۱۵۵۷ء) مین اکبر کے ہاتھون انجام پائی، بیرم خان کے مرنے پر ۹۶۸ھ (۱۵۶۱ء) مین خود اکبر نے اس سے نکاح کر لیا، شاہزادہ خانم ایک بیٹی اور سلطان مراد ایک بیٹا اس کے بطن سے تھے، بڑی خوش سلیقہ، خوش بیان، شیرین کلام، حاضر جواب، اہل علم و ہنر کی قدر نواز تھی، شعر و سخن سے بھی بہرہ کامل رکھتی تھی، عہد جہانگیر مین ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) مین اس دار فانی سے رخصت ہوئی، باپ خواجگان کاشغر سے ایک خاندانی شخص تھا، نیز مآثر الامراء صفحہ ۱۳۰ ملاحظہ ہو [۲] منتخب اللباب حصہ اول ص ۲۲۳ [۳] سیر المتاخرین ج ۱ ص ۲۰۰، و امرائے ہنود، ص ۹۴۴، دیباچہ تزک جہانگیری صفحہ ۱۰ [۴] فصل خائے معجمہ مع سین مہملہ،

جس کے معنی خوبرو ہیں، بہرحال میں موصوف کو یاد دلانا چاہتا ہون کہ خسرو کوئی بنا وضع کیا ہوا لفظ نہین ہے، اس کی نسبت ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ نے سر ولیم سلی مین کے سیاحت نامہ مین لکھا اور اس کا یونانی املا "گریک فارم (CHOSROES) بتایا ہے[۱]،

رہا خسرو باغ اور شاہجہان کی ولادت، اس بارہ مین اسی قدر لکھدینا کافی ہو کہ شاہجہان کے مقرب اور درباری مورخ عبدالحمید لاہوری نے اس کے زائچہ کی نقل وصراحت کے ساتھ یہ اضافہ کیا ہے کہ شاہجہان دار السلطنت لاہور مین پیدا ہوا تھا[۲]، مسٹر بیل بھی اس کی تائید کرتے ہین[۳]، شاہزادہ خسرو کے مفصل تذکرہ مین گذارش کر چکا ہون کہ خسرو کے مولد ہونے کا فخر بھی لاہور[۴] کو حاصل ہے، الٰہ آباد اس شرف سے محروم ہے،

ڈسٹرکٹ گزیٹر کی یہ روایت[۵] کہ "زمانۂ قیام وسکونت الٰہ آباد مین یہ باغ جہانگیر کا نزہت گاہ تھا" واقعات وتحریرات سے صحیح معلوم ہوتی ہے، مگر اس کا دوسرا جزو کہ "جہانگیر کے بعد اس کے باغی بیٹے خسرو کو دیدیا گیا تھا" ماننے کے قابل نہین، اس داد ودہش کی تائید نہ تاریخ کے صفحات سے ہوتی ہے، نہ قرائن وقیاسات سے، اکبر کے جیتے جی خسرو اس کے پاس آگرہ مین رہتا تھا، اس کے تمام معاون اور حامی امرا موقع مناسب کے انتظار مین تھے، وہان گھیرے رہتے تھے، جہانگیر کے تخت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی خسرو نظر بند کر لیا گیا، شاہ برج مین مقید تھا، چھ[۶] مہینہ بعد بھاگا، لڑا، پکڑا گیا، اور پھر زندگی بھر اس کو رستگاری ومخلصی نصیب نہین ہوئی،

یہ مختصر سی ہے میری سوانح عمری ہمیشہ وقفِ ستم ہائے روزگار رہا

مسٹر فرینو اپنی دلچسپ وعالمانہ کتاب "گلمپسز آف انڈیا" مین لکھتے ہین[۷] کہ "شاہزادہ سلیم جو اکبر کا بیٹا تھا، اور بعد کو مشہور شہنشاہ جہانگیر ہو گیا تھا، وہ بھی اپنا وقت یہان (خسرو باغ مین) صرف کرنے

۱؎ رمبلین اینڈری کلکشنس، جلد اول صفحہ ۱۲۶ ۲؎ تعیین تحنی (؟)، ۳؎ بادشاہ نامہ جلد اول، دور اول، صفحہ ۱۶ نیز ابو الفضل ۴؎ اوڈنیل بیگرفی کال ڈکشنری صفحات ۱۵۰، ۲۵۴، ۵؎ نیز مفتاح التواریخ صفحہ ۲۲۴، ۶؎ سلسلہ قدیم ۱۸۷۳ء صفحہ ۱۷۵ سلسلہ جدید ۱۹۱۱ء جلد ہفتم، صفحہ ۲۰۳، ۷؎ ڈاکٹر فوہرر کی تاریخ یادگارہائے قدیمہ جلد دوم ص ۱۳۰ ۸؎ مطبوعہ فلیڈلفیا (امریکا) ۱۹۰۵ء ص ۲۲۰۔

کا شوقین تھا"

شاہ عالم کا قیام[1] بلکہ سکونت الہ آباد مین ۱۷۷۱ء تک رہی تو وہ بھی خسرو باغ کا دلدادہ اور حاضر باش تھا[2] مرزا جہانگیر جو اکبر شاہ ثانی، بادشاہ دہلی کا بڑا بیٹا، اور ولی عہد سلطنت تھا جس نے ۱۸۰۹ء مین مسٹر سین ریزیڈنٹ متعین دہلی پر تپانچہ (پستول) کا فائر کیا تھا، اور اسیر سلطانی کی حیثیت سے الہ آباد بھیج دیا گیا تھا، یہان خسرو باغ مین کئی سال رہا تھا، اس نے اکتیس سال کی عمر مین ۱۲۳۶ھ (۱۸۲۱ء) مین وفات پائی، شاہزادہ کے سالہاے عمر کے شمار سے، دفن کے وقت، قلعہ الہ آباد کی فصیل سے اکتیس ضرب توپ کی ماتمی شلک سر کی گئی، وہ اسی باغ مین سپرد خاک کیا گیا، مگر بعد کو ممر بادشاہ کی خواہش اور اصرار پر ۱۸۳۲ء مین لاش نکال کر دہلی منتقل کر دی گئی، اور حضرت نظام الدین اولیا کے مزار کے صحن مین دفن ہوئی[3]

نکالی جا رہی ہین ہڈیان کچھ قید خانے سے ہوئی ہی ختم میعاد آج پابند سلاسل کی

سر ولیم سلی مین نے ۱۸۱۶ء مین شاہزادہ کو یہان دیکھا تھا، وہ مسٹر بیل کی طرح اس کو ولی عہد اور اکبر دوم کا فرزند اکبر (اول) نہین بتاتے، لیکن اپنے سیاحت نامہ و تذکرہ مین لکھتے ہین[4]، کہ "یہ شاہزادہ الہ آباد مین اسیر و حبس کی حالت مین نہ تھا، صرف دہلی واپس جانے کی ممانعت تھی، اس کا مکان شاندار تھا، آمدنی معقول تھی اور اس کے مرتبہ و شان کے حسب حال تمام اعزاز برقرار تھے"۔

(باقی باقی)

[1] گزیٹیر سابق، صفحہ ۱۴۶، و حال صفحہ ۱۸۲، [2] ایضاً [3] اور نیل بیاگرفی کل ڈکشنری، صفحہ ۱۲۸، [4] جلد دوم، صفحہ ۱۶۷،

بہمنی عہدِ حکومت کا ایک دکھنی شاعر

از

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی مولف "یورپ مین دکھنی مخطوطات"

اب یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے، کہ بہمنی دور (۷۴۸ھ تا ۹۳۲ھ) مین دکن مین اردو (دکھنی) کا رواج تھا، اور نہ صرف عام طور سے بول چال اور کام کاج مین اس کا استعمال تھا، بلکہ اوس نے تحریری مدارج بھی طے کر لئے تھے، چنانچہ اوسکی نثر کے کئی نمونے دستیاب ہوے ہین جنمین سے خواجہ بندہ نواز متوفی ۸۲۵ھ کے تصانیف اوران کے شاگرد سید محمد عبد اللہ حسینی کا رسالہ نشاط العشق کا ترجمہ مشہور ہی۔

لیکن اس عہد کی نظم کے صحیح نمونے ہنوز دستیاب نہین ہوئے تھے، نظم کا جو صحیح نمونہ ملتا ہے وہ ابراہیم قطب شاہ (۹۵۷ھ تا ۹۸۸ھ) کے دور کے شاعر **وجہی** کا کلام ہے، جس نے سلطان عبد اللہ قطب شاہ متوفی ۱۰۸۳ھ کے دور مین انتقال کیا تھا،

آج ہم ایک ایسے شاعر کا تعارف کراتے ہین، اور اوس کے کلام سے ناظرین کو روشناس کراتے ہین، جو عہدِ بہمنی سے تعلق رکھتا ہے، اوس کا تخلص نظامی ہی، اوسکی ایک نامکمل مثنوی ہمارے دوست مولوی لطیف الدین[1] ادریسی صاحب کے پاس ہے جنھون نے ہم کو مطالعہ کیلئے مستعار دی ہے، اوران کی اجازت سے اوس کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔

---

[1] موصوف مدرسۂ دار العلوم مین ہمارے ہم جماعت تھے، کتاب شناسی مین خوب مہارت رکھتے ہین، قدیم اور نایاب قلمی ذخیرہ فراہم کرکے فروخت کرتے ہین، حیدرآباد ہی مین سکونت ہے،

مثنوی ناقص ہے، درمیانی اور آخری حصہ نہیں ہے، جو اشعار موجود ہیں، ان کی تعداد تقریباً (۸۶۵) ہے۔
اس مثنوی کو کدم راؤ و پدم راؤ سے موسوم کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان ہی دو شخصوں کا قصہ منظوم ہوا ہے، شاعر کے تخلص کی تصدیق حسب ذیل اشعار سے ہوسکتی ہے،

جو داتھین نہ چلی یون کوئی　　نظامی کدھین سن برس نہ ہوئی
نظامی سے دہرد کہ کیون رادھے　　کہ پت رت کن بات دھن سودھے
کہون سد ساجی نظامی دھرم　　پدم سب سنے بات بانچی کدم
نظامی کہنہار جس بار ہوئے　　سہنار سن نغز گفتار ہوئے

اس مثنوی کو دور بہمنی کی مثنوی قرار دینے کی وجوہات حسب ذیل ہیں:-

(الف) اشعار ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مثنوی بہمنی دور کی پیداوار ہے،

شہنشہ بڑا شاہ احمد کنوار　　پرتبال سینسا کرتار ادھار
دھنین تاج کا کون راجا ابھنگ　　کنور شاہ کا شاہ احمد بھجنگ
لقب شہ علی آل بہمن ولی　　دتی تہین بہت بدہ بدا کلی کد

(ب) مثنوی میں مختلف عنوانات ہیں، جن میں سے ایک عنوان حسب ذیل ہے،

"مدح سلطان علاء الدین بہمنی نور اللہ مرقدہٗ"

(ج) زبان کے لحاظ سے نہایت قدیم اور ابتدائی دکھنی کہی جا سکتی ہے، کیونکہ اب تک قدیم سے قدیم جو کلام دستیاب ہوا ہے، اس سے بھی اس کی زبان زیادہ مشکل ہے،

(د) رسم الخط کے لحاظ سے بھی یہ نہایت قدیم مثنوی قرار دی جا سکتی ہے،

اس کے بعد اب یہ امر تحقیق طلب ہے کہ یہ مثنوی کس سنہ میں تصنیف ہوئی ہے؟ اس کے متعلق جو کچھ ہمارے معلومات ہیں، وہ صرف یہ ہیں کہ یہ مثنوی علاء الدین بہمنی کے انتقال کے بعد لکھی گئی ہے، اور اس کے شہزادہ کا نام

احمد شاہ تھا، لہذا اب اس امر کی تحقیق ہونی چاہیے، کہ بہمنی خاندان مین سے کن کن بادشاہون کا نام علاء الدین تھا،

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ خاندان بہمنی مین پانچ بادشاہ علاء الدین کے نام سے گذرے ہین یعنی:-

(۱) علاء الدین بہمن شاہ	بانی خاندان	۷۴۸ھ تا ۷۵۹ھ
(۲) علاء الدین مجاہد شاہ	تیسرا حکمران	۷۷۶ھ تا ۷۸۰ھ
(۳) علاء الدین احمد شاہ ثانی	دسوان حکمران جو احمد شاہ کا لڑکا تھا،	۸۳۸ھ تا ۸۶۲ھ
(۴) علاء الدین ہمایون شاہ	گیارہوان حکمران	۸۶۲ھ تا ۸۶۵ھ
(۵) علاء الدین	سولھوان حکمران	۹۲۷ھ تا ۹۲۹ھ

ان مین سوا نمبر ۴ کے کوئی ایسا نہین ہے جس کا شہزادگی احمد ہو صرف وہی ایسا حکمران ہے جس کا لڑکا احمد شاہ ثالث تھا، اور وہ ۸۶۵ھ مین تخت نشین ہوا، اور ۸۶۷ھ مین فوت ہوا، اوسکو اگرچہ مصنف تاریخ فرشتہ نے نظام شاہ سے موسوم کیا ہے، مگر جو سکے ۸۶۵ھ سے ۸۶۷ھ تک مضروب ہوئے ہین ان پر بادشاہ کا نام احمد شاہ ہے[1] اسکو اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ مثنوی اسی عہد میں تصنیف ہوئی ہے، اس قیاس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، کہ شاعر بادشاہ کا مصاحب تھا، اور شاہی دربار سے اسکو تعلق تھا، چونکہ بادشاہ کا لقب عام طور سے نظام شاہ تھا، اس لئے بہت ممکن ہے، کہ شاعر نے اپنا تخلص بادشاہ کے نام پر نظامی قرار دیا ہو،

احمد شاہ ثالث علاء الدین ہمایون شاہ کا لڑکا تھا، صرف آٹھ سال کی عمر مین سریر آرا ہوا، اوس کی والدہ نرگس خانم تھی، جو مخدومہ جہان کے لقب سے تاریخ مین مشہور ہے، اوسکی عقلمندی اور فراست سے بادشاہ کے صغیرسن ہونیکے باوجود نظم و نسق سلطنت مین کوئی خرابی آئی اور نہ دشمنون نے قلمرو بہمنیہ سے فائدہ اوٹھایا، اگرچہ محمود شاہ گجراتی نے

[1] اردوئے قدیم طبع ثانی ص ۳۴ حاشیہ

سلطنت بہمنیہ پر حملہ کیا تھا، مگر ناکام رہا، مخدومۂ جہان نے محمود گاوان اور خواجہ جہان ترک کو مختار کل بنا رکھا تھا اوران دونون کے حسن انتظام سے سلطنت کا کاروبار چلتا رہا،

احمد شاہ کے انتقال کے متعلق ایک عجیب واقعہ بیان کیا گیا ہے یعنی بادشاہ کی شادی ہوئی، اور شب زفاف کو آدھی رات کے وقت کمرہ سے شور ہوا کہ بادشاہ کا انتقال ہوگیا، ممکن ہے قلب کی حرکت موقوف ہونے سے یہ موت واقع ہوئی ہو،

مصنف مثنوی نظامی کے متعلق ہمارے معلومات کچھ نہین ہین، اس مثنوی سے صرف اس قدر پتہ چلتا ہے، کہ یہ بادشاہ کے دربار کا شاعر تھا اور کسی فخرالدین سے ادسکو بڑا اتحاد تھا،

مثنوی مین پہلے حمد ہے، اس کے بعد نعت، اسی مین منقبت صحابہ بھی ہے، پھر علاء الدین بہمنی کی تعریف اسکے بعد اصل قصہ شروع ہوتا ہے، ہر نیا مضمون نئے عنوان سے شروع ہوتا ہے، عنوان سرخی سے لکھا گیا ہے،

اس امر کا ذکر ہو چکا ہے، کہ مثنوی کی زبان نہایت مشکل ہے، اس مین عربی اور فارسی کے بجائے ہندی الفاظ زیادہ ہین، جیسا کہ عام طور سے اس زمانہ مین دستور تھا، ذیل مین مثنوی سے نمونۂ کلام پیش کیا جاتا ہے،

ابتدا بسم اللہ کے ساتھ، :-

گسائین تہین ایک دو نہ جگ ادار ۔۔۔ برو بر رو نہ جگ تہین دنیہار
اکاس انخپر پاتال دھرتی تہین ۔۔۔ جہان کچھ نہ کوئی تھا ہے تہین

نعت :-

تہین ایک ساجا گسائین امر ۔۔۔ سری دوی تین جگ نوراد گر
بھٹایا امولک رتن نور دھر ۔۔۔ کرتی ویک بلکت کرن راج کر
امولک مکت سیس سنسار کا ۔۔۔ کرے کام نر دھار کرنار کا ،

محمد جرم ادم نبیا د نور — د و سبی جگ سری دے پوسا د نور

مدح سلطان علاء الدین بہمنی نور اللہ مرقدہٗ،

بڑا شاہ وہ شاہ جس شاجگ — وہین سیو تی جرم تسے پاے لگ

انھین شہ کیا شاد کہن دہرن — گگن دل دھرتے دل مسخر کرن

عطارد مسخر ھوا لے قلم — مسخر کیا سور دے ہت علم

علم گارہ کہن سور چل سرا چاؤ — طبل دھول برغون بدل تون بجاؤ

چمکنے لگے جب کتک ہستیر — چرہا واکیا دھرتے اکاس پر

چمک بجلی تیون علم مجھ جیون — علم سنگ تون گرج کہن چپوتون

. . . .

تہنشہ بڑا... الخ

بعض دیگر مقامات سے نمونہ ملاحظہ ہو،

کدم راؤ رتھی رن و نہ آد ھر — کہ رہن بات سن بات بک بت دھر

سنیا تھا کی ناری دھری بہت جہند — سو مین آج دتیا تری جہند بند

دھنی جہند جب مین دھتیا جگ مین — نتی و بل تھے تہین ہون پربار ک مین

سجات ایک ناگن کجات ایک سانپ — اسنکت دھنی کھلین لاتب جہانپ

جو کرتار مجکون کیا ہوے راؤ — اسنکت کہ کیون دیکھ سکون انیاؤ

پدم راؤ رہتیا مہا کردین — کندل پیراؤ بہا ہوا اسر وین

کہیرا تیر ھو جیون رہیا تھا ادھل — کمان ھو پربانیکہ کی پائے تل

اجاسیس باہر کیے یکہ نباٹ، — نہ یون کوئی بنوی نہ ناکہ جات

کہ توں ساچ میرا گسائین کدم پدم راؤ تجھ پاؤ کیرا پدم ہوئہ

جہان تو دھر پاؤ صورسر دہردن ایس سارکی کت ترا ای کروں

کہاھوی جو بات ین رانکہ ئہ کہی کو توا ایوں کہ منجھکوں یکہ ئہ

اگر چور دہ جری باہوے سپاہ یکر کوں تس بہتر کہوری باد

نکربان جی لوہے کرا کانتہ سنگ نہ ہوتا کدھن کانتہ کو نہ بہنگ

اس مثنوی کا خط نسخ ہے، اعراب بھی دے گئے ہین، گ، ج اور ط کیلئے کوئی علامت نہین ہے، اور یائے معروف اور مجہول مین کوئی فرق نہین ہے،

چونکہ مثنوی نامکمل ہے اس لئے سنہ کتابت اور نام کاتب وغیرہ کا پتہ نہین ملتا، قصہ کی تفصیل بھی دشوار ہے، کیونکہ اول تو ناقص ہے آخری اور درمیانی اوراق نہین ہین اور پھر زبان اس قدر مشکل اور دشوار ہی کہ اوس کا سمجھنا ضرور کسی قدر دقت طلب ہی، بریں ہم اس مثنوی کے دیکھنے سے پایا جاتا ہی، کہ نظامی اپنے عہد کا باکمال شاعر تھا اور اپنے فن مین استادانہ مہارت رکھتا تھا،

تلخیص و تبصرہ

انجمن ادبی افغانستان

افغانستان دنیائے اسلام کے اون آتش فشان پہاڑون کا نام ہے جن کے شعلے طوفان حوادث سے کبھی سرد نہین ہوے، اوس کا عہد تنزل عبارت اس سے ہے کہ وہ شعلے خود باشندگان ملک کے دامن کو جلانے لگے، اور اوس کا زمانہ ترقی وہ ہے جب وہ ملک سے باہر ادھر اودھر پھیل گئے تو پھر نہ تو اون کو دریائے آمون کی روانی سرد کرسکی، اور نہ ہمالیہ کی چہار دیواری اون کی تیزی کو سست کر سکی،

احمد شاہ سے لیکر امیر عبد الرحمن خان اعظم تک اوسکی پراگندگی کا جو عالم رہا وہ تاریخ کی آنکھون کے سامنے ہے، عبد الرحمن خان نے جس شجاعت و تدبیر سے اس دیو کو اپنے قابو مین کیا، وہ دوست دشمن ہر ایک کی تحسین و آفرین کا مستحق ہے امیر حبیب اللہ خان اور شاہ امان اللہ خان نے اپنے اپنے دور سیاست کو جس طرح تمام کیا، اوسکی نسبت دو رائین ہوسکتی ہین، مگر اس سے کوئی انکار نہین کرسکتا کہ ان مین سے ہر ایک نے ملک کی علمی و تعلیمی ترقی کی سمت راستہ کھولا، اور نئی تعلیم نے وہان فروغ پایا،

مگر اب تک جو کچھ ہوا تھا وہ سر تا پا حکومت کی کوششون کا نتیجہ تھا، مگر اب غازی نادر شاہ کے عہد میمون کے برکات کے سلسلہ مین جو چیز نادر تر معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ حکومت کے علاوہ خود اہل ملک کے اندر ترقی کے احساسات و اقدامات کارفرما نظر آتے ہین، ان مجاہدات مین سب سے اہم کارنامہ افغانستان مین **انجمن ادبی** کابل کا قیام ہے،

یہ انجمن افغانستان مین ایک سال سے قائم ہے اس کا مرکز پایہ تخت کابل ہے اوس کا مقصد افغانستان مین

جدید علمی و ادبی روح پھونکنا ہے، افغانستان مین ایک کتبخانہ قائم کرنا، افغانستان کی نئی تاریخ کو ترتیب دینا، وہان کے شعروادب کو دنیا مین روشناس کرنا، نئے موضوعات پر نئی کتابین تالیف وترجمہ کرنا اور چھپوانا، اور نوجوانون مین علم وادب کی نئی سرگرمی پیدا کرنا ہے،

یہ انجمن ایک صدر، ایک ناظم، ایک مددگار اور گیارہ ممبرون سے مرکب ہے، جن کے نام یہ ہین،

۱ - عالی جناب آقای محمد نوروز خان میرمنشی حضور ہمایونی رئیس انجمن ادبی،

۲ - شہزادہ احمد علی خان درانی، مدیر انجمن ادبی،

۳ - آقای غلام جیلانی خان اعظمی، مددگار

۴ - آقای میر غلام محمد خان غبار - رکن

۵ - شاعر مشہور جناب عبد العلی خان مستغنی رکن

۶ - آقای سرور خان گویا، رکن

۷ - آقای عبد الغفور خان، رکن

۸ - آقای عبد الباقی خان لطیفی رکن

۹ - محمد سرور خان پویا - رکن

۱۰ - غلام جان خان - رکن

۱۱ - محمد اکبر خان فارغ - ″

۱۲ - آقای امین اللہ خان، ″

۱۳ - آقای محمد یعقوب خان، ″

۱۴ - آقای سرور خان جویا، ″

انجمن کے ان کارپردازون مین جناب عبد العلی خان مستغنی کے علاوہ سب نوجوان افغان اہل قلم ہین،

جنھون نے یہ تہیہ کیا ہے کہ اپنے ملک کی علمی و ادبی سطح کو ہر ممکن طریق سے بلند کرین،

اس کے لئے اونھون نے حسب ذیل طریقے اختیار کئے ہین، ایک کتبخانہ کی تاسیس، تالیفات و تراجم کے سلسلہ کا قیام، ایک ماہوار علمی رسالہ کی اشاعت، انعامی مضامین کا اجراء،

کتبخانہ اس سلسلہ مین کسی یکسالہ انجمن سے کوئی بڑی توقع نہین کی جاسکتی، تاہم معلوم ہوا ہے کہ علمی، تاریخی اور ادبی کتابین اوس نے تھوڑی بہت فراہم کی ہین، اور فارسی، عربی، ترکی، انگریزی اور فرانسیسی زبانون کی کتابون کی فراہمی کی کوششین کی ہین، اور ہندوستان، ایران، مصر، لندن، پیرس، اور برلن کے کتب فروشون سے کتابین منگوانے کا انتظام کیا ہی،

اسی سلسلہ مین انجمن کے ارباب بست وکشاد سے یہ عرض بیجا نہ ہوگی کہ اگر وہ اپنے ملک کے نجی کے کتبخانون اور پرانے خاندانون سے قلمی کتابین جو غالباً تلف ہورہی ہون گی، اون کو حکومت کی امداد سے دیکھ کر یکجا کرنیکی کوشش کرین تو وہ علم کی بہت بڑی خدمت انجام دین گے، اور عجب نہین کہ چند سال کی محنت مین انجمن کا کتبخانہ دنیا کے مشہور کتبخانون مین شمار کیا جائے، اگر اب بھی افغانستان نے ادھر توجہ نہ کی، تو روسی ترکستان کی طرح یہان کی قلمی نادر کتابین بھی مشرق سے مغرب کو منتقل ہوجائین گی،

تالیفات و تراجم اس راہ مین بھی انجمن نے چند قدم اوٹھائے ہین، چنانچہ **اخلاقِ عسکری** کے نام سے ایک کتاب آقا غلام جیلانی مددگار ناظم انجمن نے دو جلدون مین لکھی ہی، اس کی ایک جلد اس عرصہ مین چھپ چکی ہے اور دوسری زیر طبع ہے، **قرأتِ فارسی** کے نام سے دو ابتدائی رسالے ابتدائی مدارس کے چوتھے اور پانچوین درجون کے لئے لکھے گئے ہین، چھپے ہین، ان کی تالیف کا کام آقای محمد انور خان بسمل سابق ناظم انجمن اور آقائی سرور خان گویا رکن انجمن نے انجام دیا ہے،

باقی حسب ذیل کتابین زیر تالیف ہین،

۱۔ تاریخ افغانستان، بتالیف آقای میر غلام محمد خان غبار۔

۲- تاریخ ادبیات افغانستان، بتالیف آقائی غلام جیلانی خان،

۳- تذکرۂ مشاہیر افغانستان، ایضاً " "

دوسری زبانون سے حسب ذیل کتابین ترجمہ کی گئی ہین،

۱- آثار عتیقۂ بامیان موسیو گودار د موسیو ہاکن، فرانسیسی یک جلد ۱۱۶ صفحے، ترجمہ آقائی احمد علی خان مترجم فرانسیسی،

۲- نگارش ونگارندگان شامی اہل قلم کرد علی کی عربی کتاب (الانشار والمنشون) کا فارسی ترجمہ از آقائی سردر خان گویا،

۳- جلال الدین خوارزم شاہ، نامق کمال بے ترک ادیب کے افسانہ کے (سید سجاد حیدر صاحب کے) اردو ترجمہ سے فارسی ترجمہ از شہزادہ احمد علی خان درانی ناظم انجمن،

۴- خرمہرۂ طلائی، تالیف ویدگر ایلن پو (امریکن) ترجمہ شہزادہ احمد علی خان درانی، انگریزی سے،

۵- شرح حال سید جمال الدین افغانی، تالیف ابراہیم علاء الدین (ترکی) ترجمہ آقائی میر غلام احمد لطیفی،

۶- امان اللہ خان کے افغانستان کی راہ سے تالیف سہراب، ک ایچ کا تراک پارسی ترجمہ آقائی عبد الباقی خان لطیفی (انگریزی سے)

۷- دنیا مین اسلامی سلطنتون کی مختصر تاریخ، ہندی سے اضافون کے ساتھ ترجمہ بقلم آقائی غبار،

۸- مولانا شبلی نعمانی کی شعر العجم جلد دوم کا اردو سے ترجمہ از آقائی سردر خان گویا،

۹- گیتان جلی ٹیگور کا اردو سے ترجمہ از شہزادہ احمد علی خان درانی،

۱۰- تاریخ افغانستان مصنفہ ملسن (انگریز) کا انگریزی سے ترجمہ بقلم آقائی محمد حسن خان مترجم انگریزی،

۱۱- اصول نامہاے اساسی افغانستان، افغانستان کی مجلس شوری و دستور کا فارسی سے پشتو مین ترجمہ

بقلم آقای امین اللہ خان،

ان کے علاوہ انجمن نے تین رسالے، اور ایک جلد اخلاق عسکری کی اور منتخبات بوستان چھاپ کر شائع کی، علاوہ ازین حسب ذیل کتابین جو انجمن سے باہر ترجمہ کی گئی، یا لکھی گئی تھین، انجمن نے اپنی اصلاح و تنقید و تبصرہ سے مزین کیا،

۱۔ الفاروق مولفہ مولانا شبلی نعمانی، مترجمہ مرحومہ علیا جناب حرم اعلیٰ حضرت رحبیب اللہ خان شہید رد و سے آقای محمد بشیر خان منشی زادہ اور آقای امین اللہ خان نے فارسی زبان کی لفظی اصلاح کی،

۲۔ تاریخچہ مختصر ادبی تالیف استاد قاری عبد اللہ خان تصحیح آقای عیار،

۳۔ راہ نمائے فراہ و چخانسور تالیف محمد یعقوب خان فراہی (جغرافیہ و تاریخ)،

۴۔ جغرافیہ افغانستان تالیف آقای محمد علی خان،

۵۔ تاریخ مسلمانان مور در اسپین، ترجمہ آقای حبیب اللہ خان طرزی، (انگریزی سے) زیر تصحیح آقای گویا،

اس سلسلہ مین ہمکو اپنے افغان رفقا سے یہ گذارش کرنی ہے کہ وہ ایک حاکم نجیب و ترقی خواہ ملت کے افراد ہین، اون کو کتابون کے انتخاب مین اس امر کو فراموش نہ کرنا چاہئے، کہ اون کو اپنی قوم کی دماغی و ذہنی تربیت لئے کس قسم کی کتابون کی ضرورت ہے، ابھی متین و سنجیدہ علوم و فنون سے اونھین کہان فرصت کہ تفریح و تماشا کی کتابون کی طرف توجہ فرمائین، ابھی افغانستان کی "جدیت" کا عہد ہے، بہتر ہے کہ منزل رسیدہ اقوام کی "ہزلیت" کی خوشنمائی کی طرف اون کو متوجہ ہونے کا موقع نہ دیا جائے،

رسالہ کابل انجمن کی طرف سے "کابل" نام ایک علمی، ادبی، اجتماعی، تاریخی ماہوار رسالہ ایک سال سے نکل رہا ہے، اس وقت اس کے سال دوم کا پہلا پرچہ ہمارے سامنے ہے، خوبصورت ٹائپ مین، نہایت خوشنما لوح و تصاویر، و نقاشی کے ساتھ عمدہ کاغذ پر بہترین علمی و ادبی مضامین پر یہ مشتمل ہے، ۱۴۰ صفحون کی ضخامت ہے

اور بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ان ظاہری و باطنی خوبیون کا رسالہ جس ملک کے نوجوان بھی نکال سکتے ہین اوس کے علمی مستقبل کی درخشانی مین شک وشبہہ کی گنجایش نہین اس رسالہ کے شروع مین ایک افغانی نقاش ومصور آقائی عبد الغفور خان نے حافظ کے اس شعر،

مزرع سبز فلک دیدم وداس مہ نو   یادم از کشتۂ خویش آمد وہنگام درو

کو جس طرح مصور ومجسم کیا ہے، وہ اردو کے اون رسالون کے لئے قابل رشک ہے، جو بازاری تصاویر کو چھاپ چھاپ کر نوجوانون کے شریف اخلاق کا خون کیا کرتے ہین،

ہمکو پوری امید ہے کہ اگر انجمن ادبی یون ہی اپنے کامون مین مصروف رہی، تو عنقریب اوسکی حیثیت وہ ہو جائے گی، جو ترقی یافتہ ملکون کی شاہی علمی سوسائٹیون اور کتبخانون کی ہے،

"س"

اسلامی عمارتین عہد بنوامیہ مین،

کپتان کرسویل یورپ کی جنگ عظیم کے زمانہ مین شام مین محکمۂ پرواز کے ایک عہدہ دار تھے، اور اوس زمانے مین اون کو اسلامی عمارتون کے جو حیرت انگیز مناظر آئے، اوس نے اون کے دل مین یہ خیال پیدا کیا کہ تاریخ اور فن تعمیر کی خدمت کے لئے ان آثار کے متعلق علمی حیثیت سے تحقیقات کیجائے چنانچہ اوسی وقت سے وہ ایک کتاب کی تدوین وترتیب مین مصروف ہوے، اور اب یہ کتاب مطبع آکسفورڈ کی جانب سے شائع ہو کر پبلک کے سامنے آگئی، کتاب انگریزی زبان مین ہے، جو ۴۲۰ صفحات کی ضخامت مین شایع ہوئی ہے، کتاب مین ۱۴۰ آثار وعمارات کے عکسی فوٹو دئے گئے ہین، کپتان کرسویل نے یہ کتاب شاہ فواد کی خدمت مین بھی پیش کی ہے، اور وہان سے اوسکو حسن قبول حاصل ہوا ہے،

اس کتاب مین ابتدائے اسلام سے تیسری صدی تک کی عمارات اسلامیہ پر بحث کی گئی ہے، اور اس زمانے مین اہل عرب کے فن تعمیر پر ایران وروم کا جو اثر پڑا اسکو نمایان کیا گیا ہے، اس کے بعد اہل عرب کے

اوس مستقل طرز تعمیر کو دکھایا گیا ہے جب اہل عرب نے تمام ممالک کو فتح کرلیا اور اون کی سلطنت کو استقلال حاصل ہوا اور اوس طرز تعمیر کے بعد اسلامی عمارات کو جو امتیازی خصوصیات حاصل ہوئین اونکو نہایت خوبی کے ساتھ واضح کیا گیا ہے،

کپتان موصوف نے تاریخی حیثیت سے حسب ذیل امور پر نہایت دقت نظری کے ساتھ بحث کی ہے:

(۱) جو تعمیری یادگار باقی رہ گئی ہے اوسکی تفصیلی تاریخ،

(۲) ہر عمارت کے انجینیری اصول پر بحث،

(۳) ان کے ماخذون پر بحث اور ہر عمارت کی الگ الگ تصویر،

لیڈی مارگریٹ نے جو عربی فن آثار کی بڑی ماہر ہین، بیت المقدس کے قبہ صخرہ اور دمشق کی جامع مسجد کی پچہ کاری پر ایک طویل مضمون لکھا ہے، اور یہ بھی اس کتاب مین شامل ہے، اس بحث کے لئے نوے تصویرین خاص کرلی گئی ہین جو ۳۰ صفحے مین آئی ہین جن مین ۸۰ تصویرین پچہ کاریون کی ہین اور اس بحث سے یہ کتاب مکمل ہوگئی ہے،

کتاب جس تحقیق سے لکھی گئی ہے اوس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ تمام مباحث مین نہایت کثرت سے تاریخی ماخذون سے استناد کیا گیا ہے، مثلاً قبہ صخرہ کی بحث کے ماخذ ۳۰، جامع اموی کے ۴۰، جامع قرطبہ کے ۱۲۰، جامع عمرو کے ۱۱۰، مقیاس النیل کے ۲۷، جامع ابن طولون کے ۷۰ ہین، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب کی تالیف مین مصنف نے بڑا وقت صرف کیا ہے، اور کافی دقت نظر سے کام لیا ہے،

"ع"

اخبارِ علمیہ

نخلستانِ خارغا کے آثارِ قدیمہ

مصر کے شمالی حصہ مین مس کیٹن ٹامسن (CATON THOMPSON) نے بعض آثار دریافت کئے ہین جو تین ہزار سال قدیم خیال کئے جاتے ہین، الکسر سے مغرب کی جانب ۱۰۰ میل کے فاصلہ پر خارغا کا نخلستان ہے، وہان اثریات کی یہ ماہر خاتون ہر سال چار مہینے قیام کرتی ہے اور ۱۰۰ آدمیون کو کام پر لگا کر ریگستان اور پہاڑون کو کھدواتی ہے، اس کھدائی مین سنگ چقماق کے ایسے آلات برآمد ہوئے ہین، جو اب سے ہزارون سال پیشتر وہان مستعمل تھے، لیکن سب سے زیادہ اہم انکشاف جو مس ٹامسن نے کیا ہے، وہ بعض چشمے ہین جو لاپتہ ہو گئے تھے، مس ٹامسن کی ایک ہمسفر مس گارڈنر کا بیان ہے کہ "ہم ایسے چشمون کا پتہ لگانا چاہتے تھے جنکی نسبت ہمین یقین تھا کہ وہ پہلے وہان موجود تھے اور ہم نے نہ صرف اُن چشمون کو معلوم کرلیا، بلکہ اُن آدمیون کے تمام حالات بھی بہت کچھ دریافت کرلئے، جو زمانہ قبل تاریخ مین وہان آباد تھے تاریخ مصر کے قدیم ترین دور سے بھی بہت پہلے لوگ صحرا سے لیبیا سے آکر ان چشمون کے کنارے ٹھہرتے تھے، وہ زراعت کے طریقون سے ناآشنا تھے، اور پتھر کے بھدے آلات شئے سکار کرکے اپنی زندگی بسر کرتے تھے پیلیولتھک (PALEOLITHIC) عہد مین یہ نخلستان بہت سیراب رہا ہوگا، کیونکہ وہان کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقام ایک مدت تک آباد تھا کوئی انسانی ڈھانچہ نہین ملا، اس لئے نہین کہا جاسکتا کہ وہ لوگ کس قسم کے تھے اور اس کے بعد نیولتھک (NEOLITHIC) عہد مین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چشمے

خشک ہونا شروع ہوئے اور کچھ دنون بعد بالکل خشک ہوگئے، اس وقت سے چھٹی صدی قبل مسیح تک اون کے حالات سے ناواقفیت ہے، اس صدی مین ایرانیون نے وہان پہنچکر ایک کنوان کھودا اور پھر اہل رومہ بھی آئے،"

نقص بصارت کا علاج

امریکہ کے ڈاکٹر بیٹس (Dr BATES) نے بارہا تجربہ کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ بینائی کی کمی عینک کی مدد کے بغیر بھی پوری ہوسکتی ہے، نقص بصارت کے علاج پر جو کتاب اونھون نے لکھی ہے، اُس مین اوسکے مختلف طریقے بیان کئے ہین، جنمین سے چند حسب ذیل ہین:-

(۱) جلد جلد پلک مارنا، یہ طریقہ نظر کے لئے مفید ثابت ہوا ہے، بار بار بند کرنے سے آنکھون کو آرام ملتا رہتا ہے، اگر بغیر پلک مارے ہوئے کوئی چیز دیکھی جائے یا کوئی عبارت پڑھی جائے تو صاف نظر نہ آئے گی،

(۲) قوت بینائی کی جانچ کے واسطے جو حروف جلی خط مین لکھے ہوتے ہین، اونھین دس فٹ سے بیس فیٹ تک کے فاصلے سے ہر روز پڑھنا چاہئے، ایسا کرنے سے نہ صرف آنکھ کی روشنی قائم رہتی ہے، بلکہ بہتر بھی ہوجاتی ہے،

(۳) گہرے رنگ کے شیشہ کی عینک سے آنکھون پر بہت زور پڑتا ہے، ایسی عینک استعمال کرنے والون کی آنکھون سے جلد یا بدیر کوئی نہ کوئی خرابی پیدا ہوجاتی ہے، آنکھون کو اپنی قوت باقی رکھنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہے، جو لوگ معمولی روشنی بھی نہین برداشت کرسکتے، اونھین چاہئے کہ روز صبح کو پلک بند کرکے پانچ سے پندرہ منٹ تک اپنی آنکھین آفتاب کے مقابل رکھین، ایسا کرنے سے یہ شکایت جلد رفع ہوجائے گی،

(۴) بینائی کی کمزوری دور کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ پلک بند کرکے آنکھون پر ہتھیلی رکھی جائے لیکن اس طرح کہ تلیون پر کسی طرح کا بار نہ پڑنے پائے، پھر کسی خوشگوار شے کا تصور کیا جائے، مثلاً پھول، آنکھون کو یون پانچ منٹ تک بند رکھا جائے، اوسکے بعد وہی جلی حروف پڑھے جائین، یہ حروف بہت صاف نظر آئینگے، لیکن جلد ہی وہ دھندلے معلوم ہونے لگین گے، جب پھر دھندلے معلوم ہونے لگین، تو آنکھون کو اوسی طرح پانچ

منٹ تک پھر بند رکھا جائے کم سے کم پانچ بار ایسا ہی کیا جائے، یون کچھ دنون کے بعد روزانہ مشق کرنے سے نظر اپنی اصلی حالت پر آجائے گی،

اکس رے "غسل"

نیویارک کے میموریل ہسپتال مین اکس رے سے "غسل" کا ایک طریقہ ایجاد کیا گیا ہے جس سے ایک طویل عرصہ تک مریض کے تمام جسم پر اکس رے کی شعاعین پڑتی رہتی ہین، یہ طریقۂ علاج ان لوگون کے لئے ایجاد کیا گیا ہے، جو تولری (TUMOURS) کے مریض ہین، اس ہسپتال مین ایک اکس رے مشین کے گرد چار پلنگ رکھے گئے ہین، یہ مشین ہمہ وقت کام کر سکتی ہے، مریضون کو پلنگ پر لٹا کر ان شعاعون سے "غسل" دیتے ہین، ڈاکٹر فاملان (DR. FAILLA) کا جنھون نے امریکہ کی انجمن ترقی سائنس کے سامنے اس طریق علاج کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، خیال ہے کہ ابھی اسکی کامیابی کے متعلق کوئی صحیح رائے نہین قائم کی جاسکتی، تاہم تجربے سے اتنا معلوم ہوا ہے، کہ جن مریضون کو معمولی اکس رے کے علاج سے کوئی فائدہ نہین ہوا تھا، انھین اس جدید "غسل" سے شفا ہوگئی انسانون کے علاوہ جانورون پر بھی یہ طریقہ استعمال کیا گیا، اور مفید ثابت ہوا، چنانچہ بعض چوہون کو جنھین تولری کی شکایت تھی، چند ہفتہ تک ان شعاعون کے سامنے رکھا گیا جس سے اون کو بہت فائدہ ہوا،

دو سو پچاس (۲۵۰) میل فی منٹ کی پرواز

جرمنی مین پروفیسر کٹش بیک (KUTSCHBACK) نے ایک راکٹ پلین (ایک نئے قسم کا ہوائی جہاز) ایجاد کیا ہے، جس کے متعلق اون کا دعوی ہے، کہ وہ دو سو پچاس (۲۵۰) میل فی منٹ کی رفتار سے پرواز کرے گا، یعنی برلن سے نیویارک تک پندرہ (۱۵) منٹ مین پہنچ جائے گا، معترضین کا خیال ہے کہ ایسے ہوائی جہاز پر سفر کرنے والے زندہ نہ رہ سکین گے، اگر یہ (۲۵۰) میل فی منٹ کی رفتار سے روانہ ہوا تو مسافر کو بالکل

بے حس وحرکت کر دے گا، یہ سات سو میل کی بلندی پر پرواز کرے گا، لیکن اگر اسی رفتار سے پست تر فضا میں اُترے گا تو مختلف فضاؤں کی رگڑ سے بیحد گرم ہو جائے گا، اور انسان کو بالکل جلا ڈالے گا، علاوہ برین (۲۵۰) میل کی رفتار سے اگر یہ جہاز زمین پر اترے گا، تو اس کا ہر مسافر نیست و نابود ہو جائے گا، موجد نے ان اعتراضات کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ جہاز نہ تو اپنی انتہائی رفتار سے روانہ ہوگا، اور نہ اس رفتار سے زمین پر اُترے گا، اڑنے اور اوترنے کے وقت یہ اپنے دو بازو پھیلا دے گا، جس سے رفتار کم ہو جائے گی، نیز اوترنے کے وقت، اُس کی "ناک" سے گیس بھی خارج ہوتی رہے گی، جس سے رفتار اور کم ہو جائے گی، پروفیسر موصوف کی طرح جرمنی مین اور لوگ بھی اس قسم کے ہوائی جہاز کی تیاری مین مصروف ہین، دوسرے ممالک مین بھی درجنون آدمی راکٹ پلین کے مسئلہ پر غور کر رہے ہین، اور ایسے راکٹ پلین تو تیار بھی ہو گئے ہین جو زمین سے ساٹھ میل کی بلندی پر دو منٹ سے کچھ ہی زیادہ مدت مین دو سو میل پرواز کر چکے ہین،

دستورِ عُشاق کا ایک قلمی نسخہ

برٹش میوزیم مین مخطوطاتِ مشرقی کے شعبہ نے حال مین "دستورِ عشاق" کا ایک نایاب قلمی نسخہ حاصل کیا ہے، جہان تک معلوم ہے محمد یحیٰی نیشاپوری کی مثنوی کا یہ تنہا قلمی نسخہ ہے، جو اب تک محفوظ ہے، محمد یحیٰی زیادہ تر اپنے تخلص فتاحی سے مشہور ہین، یہ کتاب محمود بن محمد التبریزی خوشنویس کے ہاتھ کی نہایت خوبصورت خط مین لکھی ہوئی ہے، سنہ کتابت ۸۸۶ھ ہجری مطابق ۱۴۸۲ء ہے، اس نسخہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے انتقال کے ۳۵ ہی سال بعد کا لکھا ہوا ہے، "دستورِ عشاق" کے متعلق صرف اسی قدر معلوم ہو سکا ہے کہ اوس کا ایک خلاصہ نثر مین ہوا ہے، اور بعض ترک شعراء نے اس کے مضمون سے اخذ کیا ہے،

"ع ز"

ادبیات

پیامِ اقبال بملتِ کہسار

ڈاکٹر سر اقبال نے حسبِ ذیل نظم ملتِ کہسار (افغانستان) کے نام ۴ ہر مارچ ۱۹۳۲ء کو لکھکر بھیجی تھی، اور اب وہ جون ۳۲ء کے "رسالہ کابل" مین چھپکر شایع ہوئی ہی، اور ہم اوسکو معاصر موصوف سے مستعار لے کر یہان شایع کرتے ہین،

صبا بگوے بافغانِ کوہسار ز من		بمنزلے رسد آن ملتے کہ خود نگر است
مرید پیرِ خرا باتیانِ خود بین، شو،		نگاہِ او، ز عقابِ گرسنہ تیز تر است
ضمیرِ تست کہ نقشِ زمانہ تو کشد		نہ حرکتِ فلک است این نہ گردشِ قمر است
دگر بسلسلۂ کوہسارِ خود بنگر،،		کہ تو کلیمی و صبحِ تجلّیٰ دگر است
بیا بیا کہ بداما نِ نادر آویزیم.		کہ مردِ پاک نہاد است و صاحب نظر است
یکے است ضربتِ اقبال و ضربتِ فرہاد		جز این کہ تیشۂ ما را نشانہ بر جگر است

کلامِ طاہر

از

جناب شمس العلماء صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خان صاحب طاہر بھوپال ہاوس لکھنؤ،

ولا کے شوق دلِ مبتلا نے لوٹ لیا		دکھا کے راہ مجھے رہنما نے لوٹ لیا

شکیب و ضبط کسی کی حیا نے لوٹ لیا، جو بچ رہا تھا وہ ناز و ادا نے لوٹ لیا

دل رمیدہ کو زلف دوتا نے لوٹ لیا بچھا کے دام بلا کو بلا نے لوٹ لیا،

نہ بن پڑی کوئی تدبیر دل بچانے کی حیا نے چھوڑ دیا تھا، ادا نے لوٹ لیا،

ہر اک قدم پہ رہ عشق مین رہا نا کام مجھے تو اس دل بے مدعا نے لوٹ لیا

ادھر تو ہم رہے تاثیر آہ پر نازان، ادھر اثر کو عدو کی دعا نے لوٹ لیا

اب آنسوؤن مین کہان خون دل کی رنگینی تمام رنگ کو دزد حنا نے لوٹ لیا

ہنوز ہونے نہ پائے تھے مہربان مجھ پر نگاہ لطف کو شوق جفا نے لوٹ لیا

رہا نہ پرسش روز جزا کا غم طاہرؔ
مرے گناہون کو لطف خدا نے لوٹ لیا

کلام شاد

از

حضرت شاد عظیم آبادی مرحوم

ترے انتظار مین جب مری چشم باز ہوگی وہی دن طویل ہوگا وہی شب دراز ہوگی

یہ ادا یہ اون کا ملنا یہی کہہ رہا ہے مجھسے کہ جفا بھی اب جو ہوگی تو بشکل ناز ہوگی

یہان خون کرے شب غم کہ ستائے دل ہزارون وہان ہوگا دور اسی کا یہی سرفراز ہوگی

نہ کمی کرین گے آنسو نہ ملیگا اب وہ کوچہ نہ وضو تمام ہوگا نہ مری نماز ہوگی

یہ غضب کی قید دیکھو کہ جو بات برملا ہو مرے کان تک پہنچکر وہی بات راز ہوگی

تمھین دیکھتا ہون جو دم ترے لئے ہی نعمت کہین جا کے مدتون پر یہی چشم باز ہوگی

اسی آرزو مین اب تک مین جفائین سہہ رہا ہون کہ جفا جو ہوگی اب کے تو وہ دل نواز ہوگی

آثار علمیہ و ادبیہ

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا ایک مکتوب گرامی

از مولنا سید شاہ محمد فخر عالم صاحب، سجادہ نشین خانقاہ بھاگلپور،

اوراق پارینہ کی جستجو اور تلاش کا یون تو پہلے ہی سے شوق تھا لیکن اب ان کرم خوردہ اوراق کی قدر ومنزلت اور بھی بڑھ گئی ہے، خاندانی اور پرانے گھرون مین ابتک سیکڑون ایسی چیزین موجود ہین جنکو گر منصۂ شہود پر لایا جائے تو یقیناً صاحب تحقیق و تدقیق کے لئے اضافہ معلومات نیز نئے ابواب پر بحث و تجسس کے دروازے کھل جائین، اور ایسی بہت سی یادگارین جو ہمارے بزرگون کے لئے سرمایۂ فخر و دانش تھین، اور جنکے نہ ہونے سے اسلاف کے تاریخی حالات تاریکی مین پڑے ہوئے ہین، انکا انکشاف و اظہار دونون کے لئے باعث تعریف و تشکر ہے، لیکن اس خیال کے لوگ ہین بھی تو معدودے چند اور اگر کہین نظر بھی آ گئے تو وہ ان نادر مجموعون کی اشاعت تو علحدہ چیز ہے، کسی کو دکھانا تک پسند نہین فرماتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نادر کتابین اور خطوط الماریون اور صندوقون مین پڑے پڑے کرم خوردہ ہو کر دریا یا آگ کی نذر ہو جاتے ہین،

یون تو ہمارے ہان کے نادرات بھی تلف ہو گئے لیکن خدا کا شکر ہے کہ مین ہوش سنبھالتے ہی ان قابل قدر یادگارون کو سینے سے لگانے لگا، قلمی کتابین اور پرانے خطوط جہان بھی پاتا بحفاظت تمام رکھ چھوڑتا، رفتہ رفتہ وہ منتشر اوراق ایک جگہ جمع ہونے لگے، اور آخرکار ان قدیم کتابون اور خطوط کا کافی ذخیرہ مہیا ہو گیا، چنانچہ انھین ذخائر مین ایک تاریخی خط بھی مل گیا، جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا لکھا ہوا ہے،

یون تو مراسلہ نگار کی ذات ہی اس قابل ہو کہ جو کچھ بھی آپکی تصنیف و تالیف کا ملجائے ہم لوگون کیلئے باعث صد نازش ہے چہ جائیکہ ایسے موضوع پر کہ جس کے عمل کی وجہ سے صوفیائے کرام کا گروہ ہدف ملامت ہوتا آرہا ہے، آپ جیسے متقدمین و متبحر فاضل و محدث کا لکھا ہوا خط جسمین وہ اپنے عمل اور معمولات کو ظاہر کرتے ہین کیون نہ قابل قدر و لائق عمل ہو،

اس لیے مین ارباب اثر و تفحص کی دلچسپی کے لیے اس نمیقۂ انیقہ کو درج ذیل کرتا ہون :۔

نقل خط حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ بنام احمد یار خان صاحب ساکن کشن گنج گھگرا

"از فقیر عبدالعزیز بعد سلام مسنون مکشوف ضمیر ذکا تخمیر باد، کہ عنایت نامۂ سامی بار دیگر در مقدمۂ مرثیہ خوانی وغیرہ وصول نمودہ، آنچہ درین باب معمول فقیر است می نویسد از ہمین جا قیاس باید کرد در تمام سال دو مجلس در خانۂ فقیر منعقد میشود، یکے مجلس ذکر وفات شریف، دوم مجلس ذکر شہادت حسین علیہ السلام و مردم روز عاشورا یا یک روز دو روز پیش ازین قریب چہار صد یا نصد کس بلکہ گاہے قریب ہزار کس فراہم می آیند، و درود میخوانند بعد ازان کہ فقیر می برآید و می نشیند ذکر فضائل حسنین علیہ السلام کہ در حدیث شریف وارد شدہ در بیان می آید، وانچہ در احادیث اخبار شہادت این بزرگان و بدنامی قاتلان ایشان وارد شدہ نیز مذکور میشود و باین تقریب بعضے شدائدکہ بر جناب ایشان گذشتہ از روے احادیث معتبر بیان کردہ میشود، وہم درین ضمن مرثیہ ہائیکہ از مردم غیر یعنی جن و پری حضرت ام سلمہ و دیگر صحابہ شنیدند نیز مذکور میشود، بعد ازان ختم قرآن و پنج آیت خواندہ، بر ماحضر فاتحہ نمودہ می آید، و درین وقت اگر شخصے خوش الحان سلام میخواند یا مرثیۂ مشروع شروع میکند، اتفاق شنیدن می شود، و ظاہر است کہ درین اکثر حضار مجلس را و این فقیر را ہم رقت و بکا لاحق می شود پس اگر این چیزہا نزد فقیر بہمین وضع جائز نمی بود اقدام بران اصلا نمی کرد، وانچہ امور دیگر نامشروع است تا حاجت بیان ندارد و امام شافعیؒ می فرماید لو کان رفضا حب آل محمد فلیشہد

الثقلان انی رافضی زیادہ بجز توفیق حسنات چہ برنگارد؟

مہر

۱۱۸۹
هو العزیز الولی الرحیم

نواب احمد یار خان صاحب کون بزرگ ہین اس کا مجھے پتہ نہ ملا اور نہ اس کی تحقیق کی چندان ضرورت ہی، مقصد تو ایک مقدس ہستی کے خط اور عمل سے ہے، جو اس مکتوب گرامی سے ظاہر ہورہا ہے، کہ آپ کے ہان مجلس عزا اور مجلس وفات ہر سال قائم ہوتی تھی جسمین محدث علیہ الرحمۃ خود بنفس نفیس بیان فرماتے تھے، نیز سلام اور مرثیہ مشروعہ بھی سنتے تھے،

باب التقریظ والانتقاد

ترجمان القرآن جلد اول

تالیف مولانا ابوالکلام ضخامت ۵۵۴ صفحے قیمت چھ روپے، پتہ:- دفتر ترجمان القرآن دریا گنج دہلی، یا ۲ اسٹور روڈ کلکتہ؛

واقعات کی رفتار پر جن لوگون کی نظر ہے، ان کو یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانون مین روز بروز قرآن مجید اور خالص قرآن مجید کی طرف توجہ بڑھتی جاتی ہے اور اسکو سمجھنے اور اس مین غور و فکر کرنیکا میلان ترقی کر رہا ہے، مگر ایک طرف اگر قرآن صرف عمل اور نصیحت پذیری کے لئے پڑھا جائے، تو وہ نہایت آسان ہے لیکن دوسری طرف اگر نکتہ آفرینی اصول فہمی اور استنباط مسائل کے لئے پڑھا جائے تو وہ نہایت دقیق و عمیق ہے گو عام مسلمانون کیلئے صرف پہلی حیثیت سے اوس کا پڑھنا اور سمجھنا کافی ہے، مگر نکتہ آفرین اور کاوش و تفلسف کے خوگر مسلمان اپنی تسکین و تشفی کے لئے ہر حکم کی گہرائی اور ہر آیت کی تہ تک پہنچنا چاہتے ہین، مگر ظاہر ہے کہ

یہ منصب بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہان

آج کل افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض کوتاہ نظر مسلمانون مین یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ قرآن حکیم نہ صرف نصیحت پذیری کیلئے بلکہ نکتہ آفرینی اور استنباط مسائل کے لئے بھی نہایت آسان ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ہر کہ و مہ قرآن کی ہر آیت کے متعلق بکمال جرأت داد تحقیق دینے کیلئے تیار نظر آتا ہے اور اوراق کی سیاہی مین اپنے دل کی

سیاہی کا مظاہرہ کرتا ہے،

اسمین کوئی شبہہ نہین ہے کہ نوجوان مسلمانون مین قرآنِ پاک کا ذوق مولینا ابو الکلام کے الہلال والبلاغ نے پیدا کیا، اور جس اسلوبِ بلاغت، کمال انشار پردازی اور زورِ تحریر کے ساتھ اونھون نے انگریزی خوان نوجوانون کے سامنے قرآنِ پاک کی ہر آیت کو پیش کیا، اوس نے اون کے لئے ایمان ویقین نئے نئے دروازے کھول دئے، اور اون کے دلون مین قرآنِ پاک کے معانی ومطالب کی بلندی اور وسعت کو پوری طرح نمایان کر دیا،

ضرورت تھی کہ اسی مؤثر قلم سے قرآنِ پاک کی پوری تفسیر شایع ہو تاکہ عربی سے نابلد مسلمانون کے لئے نور بینش اور افزایش بصیرت کا سروسامان اردو مین میسر آئے، ۱۹۱۲ء سے شایقین کا اصرار تھا، اور خود مولانا کی بھی خواہش تھی کہ وہ قرآن پاک کا ایک ترجمہ اور ایک تفسیر لکھین، اور مجھے یاد آتا ہے کہ ۱۹۱۳ء مین سب سے پہلے مین ہی نے مولانا کے سامنے ترجمہ وتفسیر دونون کے درمیان کی چیز "تفسیری ترجمہ" کی تحریک کی یعنی ایک ایسا مطلب خیز ترجمہ جو گو سر لفظی نہ ہو لیکن لفظون سے الگ بھی نہ ہو، اور ساتھ ہی حسب موقع توضیحی وتشریحی الفاظ بھی اوس کے ساتھ ساتھ ہون یہ چیز الفاظ وعبارت اور ضخامت اور مولانا کی قلت فرصت کے لحاظ سے مختصر اور ممکن بھی تھی، اور شائقین کی بصیرت اور فہمِ قرآن کے لئے بھی بس کرتی تھی، مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے اس مشورہ کو قبول کیا، اور "تفسیری ترجمہ" کی طرف توجہ کی لیکن ساتھ ہی ساتھ بڑی تفسیر البیان لکھنے کا خیال بھی اُن کے دل سے محو نہین ہوا، لیکن جنگِ عظیم (۱۹۱۴ء) کے اعلان کے بعد ہی سیاسی دار وگیر کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس نے اون کے جیسے آزاد کو بارہا گرفتار اور بارہا آزاد کیا، اس سلسلۂ قید وحبس مین اون کے کاغذات ومسودات بھی بارہا قید ونظر بند ہوئے آخر ان پے در پے حوادث کے بادِ تند نے ان اوراق کو پراگندہ اور منتشر کر دیا، مصنف کو جب کبھی جیل کے اندر یا باہر یکسوئی نصیب ہوئی، اوس نے ان اوراقِ پریشان کو از سرِ نو مرتب کرنا چاہا، اور عجب نہین کہ مولانا حالی کا یہ شعر اوس وقت ان کی زبان پر ہو

مین آج بیٹھا ہون ترتیب دینے دفتر کو
ورق کو جب کہ اوڑا لے گئی ہوا ایک ایک

بہرحال گذشتہ سال وہ مبارک وقت آیا، کہ مولانا نے اپنے ترجمہ و تفسیر کی پہلی جلد بنام ترجمان القرآن مرتب کرکے شایع کی اس جلد میں سورۂ فاتحہ کی پوری مکمل تفسیر اور سورۂ بقرہ و آل عمران و نسا، و مائدہ و انعام پانچ سورتوں کا (جو آٹھ پارون پر مشتمل ہیں) تفسیری ترجمہ ہے،

مسلمانون نے قرآن پاک کی تفسیرین بہت لکھین، اور شاید ایک بھی نہین لکھی، شاید اسلئے کہتا ہون کہ سلف کی تفسیرین ناپید ہین، اس لئے اون پر حکم لگانا احتیاط کے خلاف ہے، بہرحال کتب تفسیر اور علما کی تفسیری تصنیفات جہان تک نظر سے گذری ہین، علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم اور خاص ادب و اعجاز کے لحاظ سے ابو الفتح عبد الکریم موصلی (مصنف المثل السائر) اور متاخرین مین حضرت شاہ ولی اللہ سے بہتر قرآن کے محقق نگاہ مین نہین بنچے،

علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی مستقل تفسیرین تو ناپید ہین، لیکن یون اون کی ہر تصنیف قرآن پاک کی تفسیر کا ایک ٹکڑا ہے، علاوہ ازین علامہ ابن تیمیہ کی تفسیر سورۂ اخلاص معوذتین اور سورۂ نور الگ بھی چھپ گئی ہین، اور حافظ ابن قیم کی اقسام القرآن مفتاح دار السعادۃ، اور ابھی حال مین بدائع الفوائد چھپ گئی ہے، ان کتابون سے ان بزرگون کی طرز تفسیر کا پتہ بخوبی چلتا ہے،

بات یہ ہے کہ عموماً تفسیرین دو ہی قسم کی لکھی گئی ہین، یا محض روایتی و نقلی جیسے ابن جریر طبری، ثعالبی، قرطبی، بغوی، ابن کثیر وغیرہ، یا تمامتر عقلی جیسے تفسیر کبیر ابو مسلم نیشاپوری، راغب اصفہانی، امام رازی، نیشاپوری، مدارک و بیضاوی وغیرہ، لیکن ایسی تفسیر جس مین عقل و نقل کی پُر احتیاط آمیزش ہو، اور جسمین اگر روایتین ہون تو وہ بھی روایت و درایت سے پوری اور عقلیات ہون تو افلاطون و ارسطو کی پیروی سے آزاد، اگر لکھی گئی تو علمائے اسلام مین یہ سعادت علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کے سوا کسی اور کو نصیب نہین ہوئی، علما روایت پسند ہوے، تو اسرائیلیات کے شکار ہوے اور علما عقلیت پسند ہوے، تو یونانیون کے مزخرفات کے اسیر دیا بند، یہ دو بزرگ اسلام مین ایسے ہین، جو اگر ایک طرف روایات کے ناقد و مبصر ہین، تو دوسری طرف یونانیات کے نقاد اور اون کے حق و باطل کے واقف کار ہین، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اون کے دل ان سب سے ماورا، حکمت محمدی کے ذوق چشیدہ، اور

اون کے سینے معارف نبوی کے گنجینہ ہین، اون کی تفسیر تمام تر حکمت و مصلحت او حقیقت و مغز پر مشتمل ہوتی ہو مگر وہ حکمت نہین جو یونان کے خم کدہ سے اوچھلی ہو، بلکہ وہ جو حجاز کی نہر کوثر سے بہکر نکلی ہو، یا جو فطرت انسانی کے ربانی چشمون سے اوبلی ہو،

مصنف ترجمان القرآن کی یہ دیدہ وری داد کے قابل ہے کہ اونھون نے وقت کی روح کو پہچانا، اور اس فتنۂ فرنگ کے عہد مین اُس طرز و روش کی پیروی کی، جسکو ابن تیمیہ اور ابن قیم نے فتنۂ تاتار مین پسند کیا تھا، اور جس طرح اونھون نے اس عہد کے مسلمانون کی تباہی کا راز فلسفۂ یونان کی دماغی پیروی کو قرار دیا، اسی طرح اس عہد کے مسلمانون کی بربادی کا سبب ترجمان القرآن کے مصنف نے فلسفۂ یونان و فرنگ کی ذہنی غلامی کو قرار دیا، اور نسخۂ علاج وہی تجویز کیا کہ کلام الٰہی کو رسول کی زبان و اصطلاح اور فطرت کی عقل و فلسفہ سے سمجھنا چاہیے،

پیش نظر کتاب دو حصون پر منقسم ہے، حصہ اول مصنف کی تفسیر البیان مین سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے، اور حصہ دوم سورۂ فاتحہ سے لیکر انعام تک کا تفسیری ترجمہ ہے، مصنف کی دیدہ وری اور نکتہ پژوہی کا اصلی جولانگاہ پہلا حصہ ہے، یہ درحقیقت نصف کتاب ہے، اس مین سورۂ فاتحہ کے ایک ایک لفظ کی ایسی دلنشین تشریح، اور بصیرت افزا تفسیر ہے، کہ اوس سے اس سورہ کے ام الکتاب (اصل قرآن) ہونے کا مسئلہ مشاہدۃً معلوم ہونے لگتا ہے، اور اسلام کے تمام امہات مسائل اور اصول دین پر ایک تبصرہ ہو جاتا ہی خصوصًا قرآن پاک کے طرز استدلال، خالق کائنات کی ربوبیت و رحمت کے آثار و دلائل اتنی تفصیل سے لکھے ہین، کہ مصنف کی وسعت علم و نظر کی داد بے اختیار دینی پڑتی ہے، اور امام غزالی نے الحکمۃ فی مخلوقات اللہ تعالیٰ مین اور ابن قیم نے مفتاح دار السعادۃ مین اس مبحث پر جو کچھ لکھا تھا، اوس سے زیادہ بسط و تشریح او مقتضیات زمانہ کی مطابقت سے ترجمان القرآن مین یہ بحث آگئی ہے چنانچہ توحید اور دلائل توحید نیز تخلیق بالحق، الہدیٰ اور الدین کی مصنف نے جو قرآنی تشریحین کی ہین وہ اگر ایک طرف نکتہ پرور ہین، تو دوسری طرف ایمان پرور ہین،

سرسید کے وقت سے لے کر آج تک جس لفظ نے ہوا پرستون کو سب سے زیادہ گمراہ کیا ہے وہ فطرۃ اللہ

کا لفظ ہے، ضرورت تھی کہ مولانا اسکی حقیقت کو بھی واضح فرماتے، اور یہ بھی دل چاہتا تھا، کہ مصنف نے آثار ربوبیت، اور آثار رحمت پر جیسے سیر حاصل اور پُرمغز مباحث لکھے ہین ویسے ہی یوم الدین اور ملک یوم الدین پر بھی ایک مؤثر بحث ہوتی، تاکہ ترازو کے دونون پلّے برابر رہتے،

سورۂ بقرہ سے لیکر انعام تک کی تفسیر نہین، بلکہ تفسیری ترجمہ ہے، اور اسی کا نام ترجمان القرآن ہے، اہمین مترجم نے یہ کیا ہو کہ اوّل ہر مضمون کو اختصار کے ساتھ حاشیہ مین ایک کنارہ لکھ دیا ہو، پھر اوپر آیت لکھ کر نیچے صفحہ مین تفسیری ترجمہ لکھا ہو، معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ کے لئے شاہ عبد القادر صاحبؒ کا ترجمۂ قرآن پیشِ نظر رہا ہے، یہ تو مشکل ہے کہ ہر شخص دوسرے سے ہر مقام پر اتفاقِ رائے کر سکے، تاہم بحیثیت مجموعی ترجمہ صحیح، دلنشین، مؤثر اور باوقار ہے،

ترجمان القرآن وقت کی اہم چیز ہے، ضرورت ہے کہ اوسکو گھر گھر پھیلایا جائے، اور نوجوانون کو اوس کے مطالعہ کی ترغیب دی جائے، اور ہر اسلامی دار المطالعہ مین اوس کا ایک نسخہ منگوا کر رکھا جائے، مولانا سے بھی عرض ہے کہ وہ اس ضروری تالیف کی تکمیل کو اپنی عمر کا اہم کارنامہ سمجھین، اور دوسرے کامون سے وقت بچا کر سب سے پہلے اوسکو انجام تک پہنچائین، اور ہمین اون کے ایک گرامی نامہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ بقیہ جلدین بھی کتابت اور طبع کے لئے حوالہ کی جا رہی ہین،

"س"

الجہاد فی الاسلام

اس کتاب مین اسلامی جہاد کی حقیقت بتائی گئی ہے، اسلام کے قوانین صلح و جنگ کی تفصیل کر کے دوسرے قومون کے قوانینِ جنگ سے ان کا مقابلہ کیا گیا ہے، اور موجودہ یورپین قوانینِ جنگ پر تبصرہ کر کے ان پر اسلامی قانون کا تفوق ثابت کیا گیا ہے، اور مخالفین کے تمام شکوک و شبہات زائل کئے گئے ہین، ضخامت ۴۹۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ قیمت للعہ

"منیجر"

مطبوعات جدید

یورپ مین دکھنی مخطوطات ۔ از مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی حجم ۴۱۷ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت غیر مجلد للعہ مجلد صہ مؤلف سے تلجا گوڑہ ترپ بازار، حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی اردو علم ادب کی تاریخ کی ایک کڑی "دکن مین اردو" پیش کر کے اردو کے قدردانون سے خراج تحسین وصول کر چکے ہین، موصوف نے اوسی تالیف کی تکمیل کیلئے دکھنی زبان کے مخطوطات پر معلومات جمع کرنا شروع کئے، اور اسی سلسلہ مین اونھین اون دکھنی مخطوطات کی تفصیلات معلوم کرنے کا شوق ہوا، جو یورپ کے مختلف کتب خانون مین محفوظ ہین اور جن کا سب سے پہلا تذکرہ معارف کے صفحات پر مولینا سید سلیمان صاحب ندوی نے اپنے سفر انگلستان کے زمانہ مین کیا تھا، چنانچہ مؤلف نے حکومت سرکار نظام حیدرآباد سے امداد لے کر یورپ کا سفر کیا، اور وہان کے مشہور کتب خانون سے دکھنی مخطوطات کا عطر کشید کیا، اور اب وہی کشید اس مجموعہ "یورپ مین دکھنی مخطوطات" مین پیش کی گئی ہے، افسوس ہے کہ مولف کو وہان قیام کا مزید موقع نہ مل سکا، کہ وہ جرمنی وغیرہ کے کتب خانون سے بھی استفادہ کرتے اور یہ مجموعہ صحیح معنون مین "یورپ مین دکھنی مخطوطات" سے موسوم ہو سکتا، کتاب مین سب سے پہلے ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری کا ایک مختصر مقدمہ ہے، پھر مولف کا دیباچہ ہے اور اس کے بعد مخطوطات کا تذکرہ تاریخ جو مختلف تاریخی دور "قطب شاہی" و "عادل شاہی"، "دور مغلیہ"، "میسور"، "ارکاٹ" اور "دور آصفی" وغیرہ مین تقسیم کر کے تاریخ وار پیش کئے گئے ہین، ان مین سے اکثر مضامین "خاور نامہ"، "عادل شاہی عہد مین دکھنی مخطوطات" اور "ارکاٹ کے دکھنی مخطوطات"

وغیرہ وقتاً فوقتاً معارف کے صفحوں میں شائع ہوتے رہے ہیں، اس لئے اس کتاب کے بہ کثرت نمونوں سے ناظرین معارف پہلے سے آگاہ ہیں، کتاب کے آخر میں مختلف فہرستیں بہ ترتیب حروف تہجی منسلک کیگئی ہیں، جناب ہاشمی نے اپنی ان تحقیقات وانکشافات سے اردو تاریخ کی بڑی خدمت انجام دی ہے،

پنجاب کی فصلیں و سبزیات:۔ مترجمہ جناب چودھری ظفر عالم صاحب، بی ایس سی اگریکلچرل اسسٹنٹ زراعتی کالج لائل پور، حجم ۸۵ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۸؍ پتہ:۔ سول اینڈ ملیٹری گزٹ پوسٹ بکس نمبر ۳۶، لاہور،

مسٹر ڈی ملن سی، ای، ای، آئی ای ایس، ڈائرکٹر محکمۂ زراعت پنجاب اور جناب خانصاحب علی محمد آئی سیڈ باٹنسٹ حکومت پنجاب لائل پور نے باہمی اشتراک سے ایک کتاب انگریزی زبان میں "فیلڈ اینڈ گارڈن کراپس آف دی پنجاب" لکھی تھی، جناب چودھری ظفر عالم صاحب بی ایس سی نے ان مصنفین کے ایما سے اسکو اردو میں "پنجاب کی فصلیں و سبزیات" کے نام سے منتقل کیا ہے، کتاب چند بابوں میں تقسیم ہے، جن میں اولاً مختلف موسموں کی مختلف فصلیں بیان کی گئی ہیں، پھر غلوں، ترکاریوں اور سبزیوں کی کاشت کے طریقے اور نگہداشت وغیرہ کے معلومات و ہدایات درج ہیں، اس کے بعد ایک زراعتی کیلنڈر مرتب کیا گیا ہے جس میں غلوں اور ترکاریوں پر مختلف فصلوں میں جو مختلف عمل کئے جاتے ہیں اون کا ماہانہ نقشہ مرتب کیا گیا ہے، پھر فصلوں اور ترکاریوں کو جو مختلف بیماریاں لگ جاتی ہیں، اون کی اصلاح کے مختلف نسخے اور طریقے درج کئے گئے ہیں، سب سے آخر میں ایک باب متفرقات ہے جس میں مختلف زرعی معلومات طاقت روئیدگی کی دریافت کا طریقہ، زرعی آلات اور کلین، زرعی اشیاء کے اجزائے کیمیائی اور اسی طرح مختلف ضروری اوزان اور پیمانے اور مختلف مفید اعداد و شمار درج کئے گئے ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ یہ زرعی معلومات کا ایک اچھا مجموعہ ہے، اور فن زراعت کے مستند ماہرین پر اسکی صحت کی ذمہ داری ہے، اس لئے اس سے فائدہ اوٹھانا چاہئے، ترجمہ صاف، سلیس اور رواں ہے، لیکن فصلوں، ترکاریوں کے ناموں اور زرعی اصطلاحوں کو کہیں کہیں پنجابی ناموں اور اصطلاحوں میں ادا کیا گیا ہے، اگرچہ یہ رسالہ خصوصیت سے باشندگان پنجاب کے لئے لکھا گیا ہے تاہم اگر قوسین میں اون کے اردو نام

واصطلاحات بھی درج کئے جاتے تو زیادہ سہولت ہوتی، لیکن پھر بھی ایسے خالص پنجابی ناموں اصطلاحوں کی تعداد نسبتہً زیادہ نہیں ہے، اونکا مفہوم اس کے باوجود بھی واضح ہوجاتا ہے، اس لئے ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے زراعت پیشہ اصحاب اور زراعت سے دلچسپی رکھنے والے اشخاص بھی اس سے فائدہ اوٹھا سکتے ہیں،

گناہ کی دیوار:۔ از جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی حجم ۶۰ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی عمدہ قیمت درج نہیں، پتہ:۔ مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

"گناہ کی دیوار" ایک سبق آموز ڈراما ہے، حسین ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ، شاعر مزاج، اور حساس نوجوان نرمل نام اپنی شادی کے بعد اپنی بیوی کو ایک شاعرِ خیال عورت ہونے کے بجائے ہندوستان کی ایک معصوم دیہی پاتا ہے اور اسکی طرف مائل نہیں ہوتا، نرمل کے بعض احباب کامنی کو فریب سے نکال لے جاتے ہیں، اور ایک چکلہ میں فروخت کرتے ہیں، اور پھر ایک اصلاحی انجمن کا ایک ممبر اوسکو آزاد کرتا ہے، نرمل اخبارات میں روداد دیکھ کر کامنی کو لینے آتا ہے اور وہ "گناہ کی دیوار" حائل ہونے کی وجہ سے ساتھ جانے سے انکار کرتی ہے، فسانہ کا پلاٹ دلچسپ و سبق آموز ہے، اگرچہ اختصار مدنظر ہونے کے باعث کہیں کہیں سے تشنہ رہ گیا ہے، ڈراما اخلاقی اور ازدواجی حیثیت سے پڑھنے کے لائق ہے،

اربعین عندلیب از مولوی محمد عبد الوہاب صاحب عندلیب حجم ۱۶ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت درج نہیں، پتہ دفتر رسالہ واعظ حیدرآباد دکن،

"اربعین عندلیب" ایسی چالیس حدیثوں کا مجموعہ ہے، جو کھانے پینے اور دعوت وضیافت سے متعلق ہیں، مرتب نے احادیث کے مفہوم کو اردو میں نظم کیا ہے، جو ہر حدیث کے نیچے مکتوب ہے،

ہمارا دین مولفہ جناب سید نواب علی صاحب رضوی ایم اے جوناگڈھ حجم ۴۸ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت ۲ر پتہ:۔ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرولباغ دہلی،

مصنف نے اس میں نومسلموں کو آسان طریقے سے اسلام کی حقیقت سمجھائی ہے، اس میں پہلے کلمۂ طیبہ پھر ایمان مفصل "برکاتِ اسلام" اور "تعلیمِ اسلام" کے عنوانوں سے اسلام کی تعلیمات اور اوس کے ارکان خمسہ کو عام فہم اور سلیس

زبان مین لکھا گیا ہے،

دربارِ رسالت از مولوی فضل اللہ خان صاحب شاہجہانپوری، ناظم مدرسۂ ہاشمیہ بمبئی جم ۲۳۶ صفحے تقطیع چھوٹی،
کاغذ اچھا، اور لکھائی چھپائی بچون کے مناسب قیمت ۸ر مولف سے مدرسۂ ہاشمیہ بمبئی نمبر ۸ کے پتہ سے مل سکتی ہے،

اس رسالہ مین آنحضرت صلعم کے سوانح مبارک عام فہم اور سلیس انداز مین اسلامی مدارس کے طلبہ کیلئے لکھے گئے ہین، رسالہ کی ترتیب اچھی ہے، اولاً اسلام سے پہلے عرب کی مذہبی واخلاقی حالت وغیرہ بیان کی گئی ہے، پھر آنحضرت صلعم کی پیدایش سے وفات تک کے حالات ہین، اس کے بعد ایک باب مین اخلاق نبوی کا تذکرہ ہے، اور پھر اسلامی تعلیمات اور اسکی حقیقت وحکمت بیان کی گئی ہے، اور سب سے آخر مین "آنحضرت صلعم اغیار کی نگاہون مین" کے عنوان سے مختلف غیر مسلم اکابر کی رائین آپ کے متعلق درج کی گئی ہین، کتاب مدارس مین پڑھانے کے لائق ہے،

شروط الائمۃ الستہ (عربی) تصنیف حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی المقدسی جم ۲۲ صفحے، مجلس اشاعۃ العلوم شبلی گنج حیدرآباد دکن،

زیر نظر رسالہ مین حافظ مقدسی نے ائمۂ ستہ یعنی امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ کے وہ شرائط بیان کئے ہین، جن کے ماتحت اون کی کتابون مین حدیثین اخذ کی گئی ہین! اور اسی سلسلہ مین اون مختلف ائمہ کے مختلف شرائط کے باہمی فرق کو بھی دکھایا ہے، یہ رسالہ اگرچہ مختصر ہے لیکن علم حدیث کے طلبہ واساتذہ کیلئے اس کا مطالعہ مفید اور مناسب ہوگا،

الوسیلۃ العظمیٰ (عربی)، از مولوی سید غلام محمد برہان الدین قادری جم ۱۲۶ صفحے، قیمت ۱۲ر مجلس اشاعۃ العلوم شبلی گنج حیدرآباد دکن

رسالہ الوسیلۃ العظمیٰ مجلس میلاد مین ذکر ولادت کے وقت قیام کرنے کے اثبات مین لکھا گیا ہے، جس مین اولاً قیام کرنے کے خلاف بیان کردہ دلائل کی تردید کی گئی ہے، اور پھر اپنے نقطۂ نظر سے قیام کے اثبات کے دلائل دیے ہین،

"م"

جلد سی ام | ماہ رجب ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۳۲ عیسوی | عدد ۵

مضامین

شذرات

نہایت خوشی و مسرت کیساتھ ناظرین تک ہم یہ خبر پہنچاتے ہین کہ سیرۃ جلد چہارم کی اشاعت کے بعد سلطان العلوم اعلیحضرت ہز اگزالٹڈ ہائنس حضور نظام خلد اللہ ملکہ نے دار المصنفین کی دو سو ماہوار کی مزید امداد تین برس کے لیے منظور فرمائی ہے، اس وقت جب تمام دنیا کی بڑی بڑی حکومتین اپنی اقتصادی تباہی پر ماتم کر رہی ہین، اعلیحضرت کی گورنمنٹ اپنی اولوالعزمانہ شاہانہ داد و دہش مین اُسی طرح مصروف ہے، نیک نیتی نے اس کے مالیات کے سرچشمہ کو قدرت کا لازوال خزانہ بنا دیا ہے، جو دنیا کے طوفانِ حوادث سے بفضل خدا مامون و محفوظ ہے، اور انشاء اللہ رہیگا،

یارب بظلِ رحمتِ خویشش نگاہ دار

کزا بردست او بہ ہمہ نم رسیدہ است

آجکل مصر سے متعدد اہم عربی تصنیفات شائع ہو رہی ہین جن مین سے ذکر کے قابل حسب ذیل کتابین ہین، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصفہانی، یہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور اُن کے بعد کے بزرگون کے سوانح ہین، جنمین اُن کے روحانی اور قلبی اور صوفیانہ احوال و محاسن کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے، یہ ۱۰ جلدون مین تمام ہوگی، دوسری کتاب مشہور محدث و مفسر ابن کثیر کی تاریخ البدایۃ والنہایۃ ہے، جو انبیاءؑ، ملوک اور اسلام کی مفصل تاریخ ہے، اس کی پہلی جلد چھپ چکی ہے، یہ ۱۶ جلدون مین ختم ہوگی، تیسری کتاب شذرات الذہب فی اخبار من ذھب ہے، اس کے مصنف کا نام عبدالحیٰ بن العماد المتوفی ۱۰۸۹ھ ہے، یہ آٹھ جلدون مین پوری ہوگی، اس مین تمام واقعات و حوادث مصنف کے زمانہ تک سنہ وار لکھے گئے ہین، یہ تینون کتابین

شرف الدین الکتبی واولادہ، بھنڈی بازار بمبئی سے جیسے جیسے چھپتی جائینگی، ملتی رہینگی، ان کتابون کی پیشگی خریداری کی حسب ذیل قیمتیں ہین، پہلی کے لیے بیس روپیے، دوسری کے لیے چالیس اور تیسری کے لیے ستائیس،

لکھنؤ کی سرزمین مین جہان ہندو مسلم اتحاد کے ہر معاہدہ پر دستخط ہوئے ہین، گذشتہ مہینہ ایک اور معاہدہ کی بنیاد رکھی گئی، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ پچھلے چند سالون سے مسلمانون کے سیاسی فرقون مین جو افسوسناک اختلاف و افتراق پیدا ہوگیا تھا، اس کا بحمد اللہ کہ خاتمہ ہوگیا، مسلم کانفرنس کے چودہ نکات مین سے تیرہ پر مسلمانون کے تمام سیاسی فرقے متحد ہوگئے، اور صرف مخلوط مشروط طریقہ انتخاب کی تعیین کا کام رہ گیا، اور طے پایا کہ جب ہندو ہموطن ان تیرہ دفعات کو تسلیم کرلین، اس چودھوین دفعہ پر باہم گفتگو کیجا سکتی ہے، ہمارے نزدیک تحفظ حقوق کی اصلی دفعہ وہ ہے، جس کو **جمعیۃ العلماء** نے پیش کیا ہے، جداگانہ انتخاب حقیقت مین اصل مقصد نہین، بلکہ ذریعہ ہے، اگر تحفظ حقوق کی منزل تک ہم کسی اور راستہ سے بھی پہنچ سکتے ہین، تو اس پر اڑنا بیجا ہے،

قنوج مین قنوج اور سرائے میران سے متصل موضع راہگیر سے بجانب غرب و جنوب، ایک ویران موضع رتو کالا ہے، جس کے جنوبی حصہ مین ایک ٹیلہ پر ایک سنگ مزار نمودار ہوا ہے، جس کے اوپر بخط فارسی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہے، اور اس کے نیچے دونون طرف کے گوشون مین اور بیچ مین "اللہ" لکھا ہے، اور اس کے نیچے بخط نستعلیق "۱۰ ذیقعدہ روز اول ہفتہ، مورخہ ۹۹۰ھ" مرقوم ہے، اس سنہ کو وہان کے کچھ مسلمانون نے ۹۹ھ پڑھکر یہ چاہا کہ اس کو آخر قرن اول کے کسی بزرگ کی قبر بنائین، ادھر اسد الغابہ مین قنوج مین سرباتک نام ایک بزرگ کا ذکر ہے جو صدیون بعد زندہ رہکر صحابیت کے مدعی تھے، ان مسلمانون کی آگاہی کے لیے یہ اعلان کردینا مناسب ہے کہ اول تو یہ سنہ ۹۹ نہین، بلکہ ۹۹۰ھ ہے، جسمین ہجری کی ھ، عدد ۹۹ اور صفر کے درمیان لکھدی گئی ہے، اس سے دھوکا نہ کھانا چاہئے، پھر یہ فارسی خط اور زبان اس قرن کے لحاظ سے صحیح نہین، سرباتک کی صحابیت کا واقعہ اول تو محض کہانی ہے، ثانیاً ان کی تاریخ وفات جیسا کہ اصابہ ابن حجر مین ہے ۳۳۳ھ ہے، ۹۹ھ نہین، اسی طرح جس قنوج

مین محمد بن قاسم نے مبلغ بھیجے تھے، وہ سندھ مین واقع تھا،

جرمنی اور فرانس کے بعد اب انگلستان کو بھی مشرقی علوم کی اشاعت کا شوق پیدا ہوا ہے، چنانچہ ابھی حال مین اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے ملل ونحل کے مشہور مصنف عبد الکریم شہرستانی کی علم کلام میں ایک نئی کتاب نہایۃ الاقدام کی پہلی جلد چھپ کر شائع ہوئی ہے، اس کتاب کی چھپائی کے مصارف برٹش اکاڈمی اور جیمس نیو اسکالرشپ فنڈ سے ادا کئے گئے ہین، یہ علم کلام کی وہ اہم کتاب ہے، جس کو فخر رازی نے بھی فخر سے یاد کیا ہے، الفرڈ گو لیوم پرنسپل گلمم کالج نے اسکی تصحیح و تحشیہ کی خدمت انجام دی ہے، دوسری جلد مع فہرست و حواشی امسال شایع ہوگی،

آج یورپ کے مختلف ملکون مین مسلمانون کی علمی و مذہبی کتابون کی طبع و اشاعت کی کوششین جاری ہین، اور ان پر مختلف سوسائٹیون کی طرف سے بے دریغ روپیہ صرف ہوتا ہے، مگر یہ دیکھکر افسوس ہوتا ہے کہ ایک دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کو چھوڑ کر جو شہریار دکن کی خالص فیاضی کا نتیجہ ہے، تمام دنیاے اسلام مین ایک بھی ایسی عام علمی مجلس نہین، جو اس قسم کے کامون کو انجام دے سکے، اور عربی و فارسی ذخیرون کی وہی خدمت کر سکے جو یورپ کے تقریبًا ہر ملک مین کیجارہی ہے، آج ہندوستان کا یہ حال ہو رہا ہے کہ پرانے مطبعون کے ٹوٹنے کے بعد، عربی تو کجا، فارسی کی بھی کوئی کتاب یہان نہین چھپتی ہے، جو کچھ یہان کتابون کی رونق ہے، وہ مدرسون اور اسکولون سے ہے، اگر یہ بھی نہ ہو تو ہر طرف سناٹا ہے،

افسوس ہے کہ گذشتہ ماہ اکتوبر کے خاتمہ پر نئی تعلیم کے ایک بہترین نمونہ کا خاتمہ ہوگیا، سر سید علی امام صوبہ بہار کے مشہور خاندان کے سپوت نے اس عالم فانی کو الوداع کہا، مرحوم نے ارادہ کیا تھا کہ وہ امسال سفر حج اختیار کرینگے مگر افسوس کہ اس سفر سے پہلے ان کو سفر آخرت پیش آگیا، مرحوم ایک کامیاب بیرسٹر کے علاوہ ہماری زبان کے مشہور مقرر اور اپنے زمانہ عمل مین اسلامی سیاسیات کی بساط کے نامور مہرے تھے، وہ یکسر نئی تعلیم نئے تمدن، اور نئے خیالات کے باوجود اپنے مشرقی علوم و تمدن سے اپنے خاندانی اثر سے بہت کچھ واقف تھے، غالبًا ۱۹۰۸ء مین مسلم لیگ منعقدہ امرتسر کی ایک ہی کامیاب صدارتی تقریر تھی جسنے انکو مسلمانون کا سیاسی رہنما بنا دیا، ہنگامۂ کانپور کے وقت مین وہ دیسراے کی مجلس وزارت کے رکن رکین تھے، اس ہنگامہ کے فرو کرنے اور مسلم یونیورسٹی کی قانونی ترتیب مین غالبًا ان کا بڑا حصہ تھا، خدا مغفرت فرمائے،

مقالات

بزم تاریخ ہند

از

پروفیسر شیخ عبدالقادر، ایم اے (پونہ)

"اکتوبر کے شذرات مین ہم نے شیخ صاحب موصوف کی جس تجویز کا ذکر کیا تھا، وہ حسب ذیل ہے"

"معارف"

صدیقی الاعز، دام لطفہ،

السلام علیکم، معارف کے تازہ ترین نمبر بابت اگست ۳۲ء کے شذرات کے پہلے پارہ مین آپنے ارشاد فرمایا ہے "ہندو مسلم نااتفاقیون کے مبدء کی جب تلاش کیجائیگی تو ہمیشہ اس کا سرا یا کورٹ یعنی سرکاری عدالتون کے کارپردازون کے ہاتھون مین ملیگا یا کالجون کے پروفیسرون کے" گو یہ قول شیخ صحیح ہے کہ ؎

چو از قومی یکے بیدانشی کرد نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

مگر کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ کالج کے تمام پروفیسرون کا گروہ "گاوانِ دہ" کی ریوڑ مین شامل کرکے ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جائے؟ زیادہ سے زیادہ تاریخ ہند کے سکھانے والے پروفیسرون پر آپکا کلیہ جزئیۃً عاید ہوسکتا ہے مگر جو اشخاص کہ قرآن مجید، احیاء العلوم، منہاج العابدین، دیوان حضرت علی، قصیدہ بردہ، مثنوی شریف، کیمیاے سعادت، اخلاق جلالی، ناصری، محسنی، منطق الطیر، حدیقۃ الحقیقہ، نزہتہ الارواح

گلشن راز، باب الاولیاء ہند از فرشتہ، سبحۃ الابرار، مخزن الاسرار، مطلع الانوار، تحفۃ الاحرار وغیرہ وغیرہ کتابین پڑھتے پڑھاتے ہین، وہ کس طرح بین الاقوامی کیا معنی بین الانسانی تفرقے کے باعث یا ذمہ دار قرار دیئے جا سکتے ہین؟ جہان وحدۃ الوجود کے مسئلے پر آئے دن دھیان لگایا جاتا ہے وہان کثرت اور دوئی کا خطرہ کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟ اگر آپ نے ان بزرگون کو اپنے کلیہ سے علیحدہ نہین کیا تو کیا ظلم ہوگا؟

اسی شذرہ کے چوتھے پارہ مین آپ فرماتے ہین "معارف مین بار بار یہ دکھایا گیا ہے کہ ہماری یونیورسٹیون کی تاریخ ہند کی کتابون مین ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی باتین جمع کیجاتی ہین جن سے ان دونون قومون کے جذبات مین مزید اشتعال ہو اور ان کا اتفاق آیندہ مشکل سے بڑھکر محال ہو جائے" یعنی بعبارت اُخری جو باتین خلاف مقصود ان کتابون مین پائی جاتی ہین وہ یا تو یونیورسٹیان لکھواتی ہین یا کالج کے پروفیسر تحریر کراتے ہین، کیا یہ کہنا سچ ہے کہ جو کتابین کالج یا مدارس مین متداول ہین وہ کالجون یا یونیورسٹیون یا مدرسون کی طرف سے لکھوائی جاتی ہین؟ اس مین شک نہین کہ مدرسون یا کالجون مین جو نصاب تعلیم مقرر ہے اس مین ایک مضمون تاریخ ہند بھی ہے، اسی طرح جس طرح ندوۃ العلمار کے مدرسے مین تاریخ ہند یا تفسیر کا مضمون داخل نصاب ہے، اس کے پڑھنے پڑھانے کے لیے جب کبھی کتابون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو ان کتابون ہی سے انتخاب ہو سکتا ہے جو بازار مین دستیاب ہوتی ہین، جیسی کتابین میسر آتی ہین ویسی انتخاب کیجاتی ہین، جیسی کتابین چاہئین ویسی اگر نہین ملتین تو اس مین کس کا قصور ہے؟ جو اشخاص ایک خاص قسم کی کمی کا احساس کرتے ہین وہ اس کے پورا کرنے کی کوشش کیون نہین کرتے؟ تاکہ جب تاریخ ہند کے متعلق مناسب کتابین داخل درس کرنے کے لیے ڈھونڈی جائین تو منتخبین کو ایسی ہی کتابین ملین جیسی مقصود ہون، حسب دلخواہ کتابین دستیاب ہوتے ہوئے اگر ان کو یونیورسٹیون کے نصاب مین جگہ نہ ملے تو آپ کا اعتراض ایک حد تک بجا ہو سکتا ہے، مگر جب سرے ہی سے ایسی کتابین موجود نہ ہون تو پڑھنے پڑھانے والون یا کالجون اور یونیورسٹیون کا کیا قصور ہے،

شذرات کے آخری پارہ مین آپ فرماتے ہین، "حکومت کا فرض ہے کہ رعایا مین امن وامان کے قیام کی خاطر اس قسم کی کتابون اور تماشون کی روک تھام کرے، اور پبلک کا فرض یہ ہے کہ وہ ایسی کتابون اور ایسے تماشون کی حوصلہ افزائی سے باز رہے،، تماشون اور تماشائیون سے مجھے کوئی سروکار نہین، حکومت کی طرف سے اگر کتابون کی روک تھام کرانا منظور ہے تو حکومت کی توجہ بالاستیعاب اُن کتابون کیطرف مائل کیجئے، اگر کسی فرد واحد کی درخواست حصول مقصد کے لیے کافی نہ ہو تو ایک ایسی با اثر جماعت قائم کیجائے جس کی آواز حکومت کے کان مین پہنچکر اس کے دل مین اثر کر جائے، یون تو مقلب القلوب حوادث کا پیدا کرنے والا اور تاریخ کا گڑھنے والا ہے، مگر عالم اسباب مین وسائط اور وسائل کے بغیر چارہ نہین، پبلک کے فرائض منصبی کی نظر سے بھی اگر "می باید خواند" کتابین اسکی نظر کے سامنے موجود نہ ہون تو "نمی باید خواند" کتابون کی حوصلہ افزائی وہ نہ کرے تو کیا کرے؟ ظلمات سے نور کی طرف کھینچنے والا جب تک کھینچے خفتگانِ شب کو روزِ روشن کا احساس کس طرح ہو؟

غرض کالج یا مدارس یا ان مین درس دینے والے ہی اس خرابی کے ذمہ دار نہین ہین، بلکہ ایک بڑا گروہ بھی اس ذمہ داری مین شریک ہے اور وہ اُن لوگون کا ہے جو "نابینا و چاہ" کا تماشا دیکھتے ہین، اور خاموش رہتے ہین، اور امر بالمعروف کی نہی فرماتے ہین، یہ گروہ عنداللہ اور عندالناس کبھی معذور نہین ہو سکتا،

علاج کیا ہے؟ اس علتِ مزمنہ کی باقاعدہ تشخیص کیجائے اور اس کے بعد دُہرا بلکہ تہرا علاج شروع کردیا جائے، یعنی یونانی اور ڈاکٹری اور بیدک، مسلمانون کی مسخ شدہ تاریخ کو اصلی صورت مین پیش کیا جائے اگر ایک شخص اس اہم کام کا متکفل نہین ہو سکتا تو ایک جماعتِ واحدہ (مشتملہ علی الاشخاص المختلفہ فی القابلیۃ ولکن المتحدہ فی المقصد والنظر) قرار دیجائے، طبی اصول کے موافق مشورہ کیا جائے، کیا پورے ہندوستان مین ایسے چند اشخاص نہین مل سکتے جو اس ضروری اور اہم کام کو پورا کرنے کے لیے بذریعہ خط وکتابت

اور مراسلت (بتوسط معارف) اکٹھا ہو کر مسلمانانِ ہند کی صحیح اور اصلی تاریخ کما حقہٗ معاصرین اور متاخرین کے لیے درست کرین، مئے کہن سے نئی بوتلین بھرین، شرابِ طہور کو جدید کاسون مین (کان مزاجہا کافورا) اونڈیلین؟

غرض آپ کی خدمت فیضدرجت مین یہ عرض ہے کہ آپ ایک اسکیم مرتب کرین، اس کے قواعد وضوابط متعین کرین، تاریخی چھان بین تحقیق تشخیص وتداوی کے لیے ایک لائق جماعت قائم کرین، اسکی ممبری اور رکنیت کے شرائط مقرر کرین، مضمون کے علٰحدہ علٰحدہ حصّے کرکے اُن کی تقسیم "جو شخص کہ جس کام کے قابل نظر آیا" کے مطابق کرکے کارکو روبراہ کرین، اور پبلک سے اپیل کرین کہ سخنے درمے قلمے امداد فرمائین، معارف مین ایک باب "اصلاحِ تاریخ ہند" کا کھولدین، اور اسی مین اس کام کے متعلق تمام کارروائی صفحون کی قید سے شائع کیا کرین، مولٰنا مرحوم کی رُوح خوش ہوگی اور غیب سے مدد ہوگی، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم دیگا، اور عمل خیر کرنے والون کو گو وہ ذرّہ کے برابر کیون نہ ہو اس کا بدلہ ضرور عطا فرمائے گا،

من نگویم کہ این مکن آن کن،
مصلحت بین و کار آسان کن

معارف

شیخ صاحب نے اوپر کی سطرون مین سب سے پہلے اپنے ہم پیشہ دوستون کی مدافعت کا فرض انجام دیاہے، جو بہرحال ایک نیک جذبہ ہے، ظاہر ہے کہ معارف کی مراد فارسی اور سنسکرت ادبیات کے مدرسین سے نہ تھی، بلکہ زیادہ تر تاریخ ہند کے معلمین اور بعض دوسرے علوم کے مدرسین سے تھی، تاہم یہ نکتہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ تاریخ ایک ایسی وسیع چیز ہے کہ جس کی وسعت مین ہر علم وفن کا کوئی نہ کوئی گوشہ داخل ہو جاتا ہے، "تاریخ" کے وسیع معنی "ماضی کی یاد" کے ہین، اب ماضی کے تمام واقعات خواہ وہ سیاسی ہون، یا تجارتی،

مذہبی ہون، یا علمی، سب اس کے دائرہ مین آجاتے ہین، چنانچہ سائنس جیسی معصوم چیز، اور خصوصًا طبعیات جیسے غیر متعلق اور غیر متعصب علم کی نسبت کوئی یہ بدگمانی کرسکتا ہے، کہ اس "معصوم" کے ہاتھ سے کسی قوم کو شکایت کا موقع ملسکتا ہے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ہم کو ایک نیک نیت "شیخ وقت" کو سمجھانا تھا، اس لیے اسی شیخ کی نسبت سے یہ کرامت ظہور مین آئی کہ انھین کی یونیورسٹی کے کامیاب طلبہ کی مجلس اسناد مین، طبعیات کا ایک مشہور پروفیسر رامن کھڑا ہوتا ہے، اور خطبۂ صدارت کے اثنا مین یورپ کے الزام کی ایک پارینہ کہانی کو جو حضرت عمر کو کتبخانۂ اسکندریہ کے جلانے کے الزام کے متعلق تھی، اس طرح دہراتا ہے کہ فاتح قیصر و کسریٰ کی منطق پر حاضرین کو ہنسی آجاتی ہے، کوئی کہہ سکتا ہے کہ طبعیات و عناصر و کیمیا کے ایک مدرس کو تاریخ کے خارزار مین قدم رکھنے کی کوئی ضرورت تھی؟

ابھی ہمارے سامنے اسٹیٹسمین کلکتہ مورخہ یکم مئی ۱۹۳۲ء کا پرچہ ہے، اسمین دی لائف آف لے پرنسس (مؤلفہ میڈم انڈریا بوٹمنشن ANDYEA BUTEMSCHON) پر ریویو ہے، جسمین جہان آرا بنت شاہجہان کے حالات ہین، جسمین تمام لغویتون کے ساتھ یہ جھوٹی کہانی بھی درج کیگئی ہے، کہ جہان آرا ایک راجپوت پر عاشق تھی، اور راجپوت آئین کے مطابق راکھی بندھن کرکے اس نے اس کو اپنا بھائی بنالیا تھا، یہ وہ جہان آرا ہے، جو اپنے صوفیانہ مذاق کے لیے مشہور ہے، اور جو حضرت خواجۂ چشت خواجۂ اجمیر کی شمع مزار کی پروانہ تھی، اور جس نے بڑے والہانہ انداز مین خواجہ کے حالات قلم بند کئے ہین،

پونہ کی تاریخ آفرین "مرہٹہ سوسائیٹیون" مین جو کچھ ہو رہا ہے اس کا رازدان ہمارے دوست سے بڑھکر پورے ہندوستان مین کوئی نہین، پونہ، بمبئی، بنگال اور الہ آباد کے مصنف پروفیسرون کی تاریخی تصنیفات مین جو کچھ لکھا جاتا ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہین، آجکل الہ آباد کے پروفیسر ڈاکٹر ایشوری پرشاد کی تاریخ ہند ہمارے صوبہ مین پڑھائی جاتی ہے، اس کا صرف وہ باب پڑھنا کافی ہے، جسمین عالمگیر اور سیوا جی کی داستان لکھی گئی ہے،

ان حالات مین کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ارباب قلم ہندوستان کی ماضی کی تاریخ لکھکر حال و مستقبل کی کوئی بہتر خدمت کر رہے ہین ؟

ہمارے فاضل دوست نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ صرف بیماری کا شکوہ نہین، بلکہ بیماری کا علاج کرنا چاہیئے اور اس کے لیے ایک مجلس تاریخ کی تجویز کی ہے، ہم بڑی خوشی کے ساتھ اُن کی اس تجویز کا خیر مقدم کرتے ہین، اُن کو یاد ہوگا کہ آج سے چوبیس برس پیشتر بھی ہم نے حضرت الاستاذ مرحوم کے حسب ہدایت، ندوۃ العلما کے زیر سایہ ایک مجلس تصحیح اغلاط تاریخی کا کام کئی سال تک انجام دیا ہے، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ ہندوستان کے اکابر علم اور مشاہیر فن اسمین شرکت کرین، اور کم ازکم اُن کی باہمی امداد سے ہندوستان کی ایک صحیح تاریخ مرتب کیجائے، لیکن اس سے بھی زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ آیا صرف اردو مین کسی ایسی کتاب کا لکھا جانا، مقصد کے حصول کے لیے کافی ہو سکتا ہے،

اس مین کوئی شک نہین کہ ہندوستان کی ایک محقق تاریخ لکھنا آج مسلمانون کا سب سے بڑا فرض ہے، دار المصنفین اس کے لیے اپنے مقدور بھر سب کچھ کرنے کو تیار ہے، لیکن ضرورت ہے کہ دوسرے درد مند اہل علم بھی ہمارے کامون مین حصہ لین، اور اپنی سعی و تحقیق سے ممنون فرمائین،

ہمارے نزدیک یہ مناسب ہے کہ تاریخ ہند کے مختلف حصے کر دیئے جائین، اور ایک ایک حصہ ایک ایک ایسے شخص کو دیدیا جائے، جس نے اس دور تاریخی پر کچھ تلاش و جستجو کی ہے، اور اگر سرمایہ اجازت دے تو ان کو ان کے کامون کا مالی معاوضہ بھی دیا جائے،

اس وقت چونکہ تمام لائق لوگون کے نام ذہن نشین نہین ہین، اس لیے صرف اپنی یاد کے مطابق اس بزم تاریخ ہند کے متعلق حسب ذیل اشخاص کے نام یاد آتے ہین،

۱- پروفیسر شیخ عبد القادر، دکن کالج پونہ،

۲- پروفیسر محمد حبیب، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ،

۳- پروفیسر ہارون خان شروانی، جامعۂ عثمانیہ، حیدرآباد دکن،

۴- پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی، اسماعیل کالج بمبئی،

۵- مولنا سید ابوظفر صاحب ندوی، مؤلف تاریخ گجرات احمدآباد،

۶- ڈاکٹر محمد ناظم، محکمۂ آثارِ قدیمہ دکن، مصنف تاریخ محمود،

۷- پروفیسر سید عبدالقادر، اسلامیہ کالج لاہور،

۸- حکیم سید شمس اللہ قادری، حیدرآباد دکن،

۹- مولوی سید ہاشمی صاحب، مؤلف تاریخ ہند، دارالترجمہ حیدرآباد دکن،

۱۰- مولوی سید مقبول احمد صاحب، مؤلف "حیاتِ جلیل" الہ آباد،

۱۱- مولوی اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی، مؤلف آئینۂ حقیقت،

۱۲- مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی،

یہ نام محض سرسری یاد سے لکھے گئے ہین، ضرورت یہ ہے کہ لوگ اس ضرورت کو سمجھین، اور اس کی امداد کے لیے درمے و قلمے تیار ہو جائین، اس کی تالیف کے مصارف کا تخمینہ کم از کم پانچہزار ہے، تاکہ صاحب تصنیف کو اُس کی تصنیف کا معاوضہ بھی دیا جاسکے، اور اسی قدر روپیہ ان جلدون کی چھپائی پر صرف آئیگا، گو دارالمصنفین اپنی حیثیت کے مطابق اس بوجھ کو جہان تک ممکن ہوگا، اٹھائیگا، لیکن اگر کوئی صاحبدل رئیس اس بار کو اٹھا کر تاریخ مین ہمیشہ کے لیے اپنا نام روشن کرجانا چاہتا ہے، تو بہتر ہے کہ اس سلسلۂ تالیف کو اس کے نام سے منسوب کر دیا جائے،

شعلۂ طور

از

مولوی شاہ معین الدین احمد، صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین،

دنیائے شاعری مین جناب جگر کا نام اوران کا کلام کسی تعارف کا محتاج نہین ہے، آج شاعری کا مذاق سلیم رکھنے والا کوئی انسان ان کی شاعری سے ناواقف نہین نکل سکتا، موجودہ دور مین جن جن شعرا نے تغزل کی پست اور پامال سطح کو آسمان کا ہمدوش بنایا ہے، ان مین جگر کا نام بھی خاص طور سے لائق ذکر ہے یون تو جدید رنگِ شاعری کو چمکانے اوراسے پاکیزہ بنانے مین دورحاضر کے بہت سے شعرا کا حصہ ہے، لیکن ان مین رئیس المتغزلین حسرت، فانی، اصغر اور جگر کی کوششین زیادہ نمایان اور زیادہ کامیاب نظر آتی ہین، ان مین سے ہرایک نے گلستانِ شاعری مین نئے نئے گل بوٹے کھلائے اوراپنی زمزمہ سنجیون سے تغزل کی زمین کو آسمان تک پہنچا دیا، ان سب کا رنگ اوران کی خصوصیت جدا جدا ہے، چنانچہ حسرت کا خالص تغزل، فانی کا سوز و گداز، اصغر کی صوفیانہ اور فلسفیانہ غزل سرائی ان کے اوصاف خصوصی ہین، اسی طرح جگر کا خاص رنگ اوراُن کی خصوصیت ان کی بیخودی و بےخبری اور جوش و سرمستی ہے، کسی نہ کسی حد تک ان کے دوسرے معاصرین مین بھی انفرادی طور پر یہ اوصاف پائے جاتے ہین، لیکن جگر ہمہ تن جوش و سرمستی ہے، اس نے کیفِ بیخودی مین اپنی ہستی بالکل گم کردی ہے، اور یہی اس کی شاعری کا مابہ الامتیاز وصف ہے،

جگر کی شاعری کی عمر کچھ ایسی زیادہ نہین ہے، کم ازکم انھین پبلک مین روشناس ہوے زیادہ زمانہ

نہین گذرا، آج سے دس پندرہ سال پہلے مخصوص طبقون کے علاوہ عام لوگ ان کی شاعری سے کم واقف تھے، لیکن آج کوئی مذاقِ سخن رکھنے والا اُن سے ناواقف نہین نکل سکتا، اس قلیل عرصہ مین ان کی شاعری مین حیرت انگیز انقلاب ہوگیا ہے، گو ان کا گلستانِ شاعری آغاز ہی سے اپنے پُربہار مستقبل کا پتہ دیتا تھا، تاہم آج سے دس برس پہلے اور اب کے کلام مین زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے، پہلے ایک کلی تھا، اب گل خندان ہے، پہلے ایک جوے مستانہ خرام تھا اب پُرشور طوفان ہے، پہلے بیخودی مین احساس بھی شامل تھا، اب ہمہ تن بیخودی اور بے خبری ہے، غرض یہ شراب پرانی ہوکر خالص جوہر بنگئی ہے، جسکا ایک ایک قطرہ دوسرے لذت آشناؤن کو بھی سرشار بنا دیتا ہے،

اُن کا پہلا دیوان ہمارے شہر کے مشہور شاعر اور سخن فہم مرزا احسان احمد صاحب بی اے ایل ایل بی علیگ نے آج سے دس بارہ برس پہلے بزمِ ادب کی جانب سے شائع کیا تھا، اب حال مین دوسرا دیوان مطبع مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے چھپ کر شائع ہوا ہے[1]، گو یہ دیوان بشمول "تعارف" چھوٹی تقطیع پر ۱۲۰ صفحات سے زیادہ نہین ہے، لیکن بقول ایک مرحوم اور معمر ادیب کے کہ "لوح سے تحت تک بمشکل سو صفحے ہین، لیکن کیا ہے جو یہان حاضر نہین، کون سا نغمہ ہے جو اس سازِ زندگی کے تارون مین بیدار یا خوابیدہ موجود نہین ہے" مین آیندہ سطور مین اسی سازِ زندگی پر مضراب لگانا چاہتا ہون،

اس مختصر دیوان کے آغاز مین استاذی مولنا سید سلیمان ندوی کا لکھا ہوا دس صفحات کا تعارف ہے جو بجاے خود ایک دیوان منثور اور جسکا لفظ لفظ شعر ہے جیسا کہ "تعارف" کے لفظ سے ظاہر ہے، اس مین شاعری کی حقیقت و ماہیت یا جگر کی شاعری پر فنی حیثیت سے کوئی نقد و تبصرہ نہین ہے بلکہ محض حضرت جگر کی ذات کا تعارف اور ان کی شاعری پر شاعرانہ انداز مین اظہارِ خیال کیا گیا ہے، اس تعارف مین شاعر کی زبان مین حقیقت کی ترجمانی نے عجب کیف پیدا کر دیا ہے، قطع نظر لطفِ بیان کے اس سے جگر کی شاعری کی حقیقت پر بھی پوری

[1] معارف :- دفتر مسلم انسٹیٹیوٹ پریس مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے عہ مین ملیگا،

روشنی پڑتی ہے، اس لیے اس کے بعض ٹکڑے اس موقع پر نقل کیے جاتے ہین، جگرؔ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہین،

"جگرؔ کی شاعری مین زلف وشانہ ہے، نہ سرمہ وآئینہ نہ ہوسِ بالاے بام نہ شکایتِ منظرِ عام، نہ اُس کے کاشانۂ خیال مین جیتھاے سنبل کی آئینہ بندی ہے، نہ اس کے محبوب کے ہاتھون مین قصاب کی چھری اور جلاد کی تلوار ہے، نہ اس کے کوچہ مین شہدار کے دل وجگر کی گلکاری ہے، وہ مست ہے اور اسی مستی مین کسی نادیدہ کا سراپا مشتاقِ نظر ہے، وہ اس کے حجابات کو اپنے رعشہ دار ہاتھون سے بار بار اٹھا دینا چاہتا ہے، مگر نہین اٹھا سکتا، وہ جھانک کر دیکھنا چاہتا ہے مگر نہین دیکھ سکتا، اسکی تمنا کی آنکھین اس کو کبھی بے حجاب دکھا دیتی ہین، تو وہ ہاتھ بڑھا کر چھونا چاہتا ہے مگر وہ تصویرِ نگاہون کے سامنے سے غائب ہوجاتی ہے،

جگرؔ مستِ ازل ہے، اس کا دل سرشارِ الست ہے، وہ محبت کا متوالا ہے، اور عشقِ حقیقی کا جویا وہ مجاز کی راہ سے حقیقت کی منزل تک، اور بتخانہ کی گلی سے کعبہ کی شاہراہ کو، اور خم خانہ کے بادۂ کیف سے بیخود و فراموش ہوکر بزمِ ساقیِ کوثر تک پہنچنا چاہتا ہے،

جگرؔ بظاہر سرشار مگر درحقیقت بیدار ہے، اس کی آنکھین پُرخمار مگر اس کا دل ہشیار ہے، اور کیا عجب کہ خود جگرؔ کو بھی اپنے دل کی خبر نہ ہو، اگر ایسا نہ ہو تو اس کے کلام مین یہ اثر نہ ہو،"

مذکورۂ بالا سطور جگرؔ کی شاعری کی حقیقت کا خلاصہ اور عطر ہین جن سے اس کی شاعری کی تمام ناقابلِ بیان کیفیتون اور نازک اداؤن کو الفاظ مین دکھا دیا گیا ہے،

اس مختصر تعارف کے بعد اصل دیوان شروع ہوتا ہے جو ۱۱۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس مین ۱۰۰ صفحات مین اردو کی غزلین اور کچھ متفرق اشعار ہین، اردو کی غزلون کے بعد ۱۴ صفحون مین "خمستانِ فارس" کے عنوان سے بادۂ شیراز کے مصفا جام یعنی فارسی کا کلام ہے، سب سے آخر مین چھ صفحون مین "نظمیات" کے ماتحت تین مسلسل

نظمین "غمِ انتظار"، "نرگسِ مستانہ" اور "یادِ ایام" ہین، آیندہ سطور مین اسی مختصر مجموعہ کے متعلق اظہارِ خیال کرنا ہے،

جگر کی شاعری پر نقد و تبصرہ بہت اہم اور نازک فرض ہے جس سے کم از کم میرے لیے خوش اسلوبی کیساتھ عہدہ برآ ہونا بہت مشکل ہے، اس لئے کہ جہانتک ان کی شاعری کی فنی حیثیت اور ظاہری خوبیون کا تعلق ہو اس کو تو الفاظ مین دکھایا جاسکتا ہے، لیکن اس کی وجدانی اور ذوقی کیفیتین اور لطیف اور نازک ادائین الفاظ کی تشریح کی متحمل نہین ہوسکتین کہ پھول کی بو، ساز کا نغمہ، اور شراب کا نشہ نقطون کی قید مین نہین آسکتا، اور اس کے لیے صرف اسی قدر کہا جاسکتا ہے کہ ع ذوقِ این بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی،

جگر کی شاعری کی خصوصیات

جگر کے کلام مین ظاہری اور معنوی حیثیت سے چند ایسی خصوصیات ہین جو اس کو دوسرے شعراء کے کلام سے ممتاز بناتی ہین، انکی ظاہری خصوصیات مین سب سے پہلے جس چیز پر نظر پڑتی ہے وہ اس کی سادگی اور سلاست ہے، جگر ہمیشہ نہایت سہل اور سادہ الفاظ، آسان اور دل نشین ترکیبین استعمال کرتا ہے، غزل کی غزل پڑھ جاؤ، کسی شعر مین کوئی ثقیل، نامانوس اور مشکل لفظ نہ ملیگا، لیکن اس کے باوجود کمال قدرت یہ ہے کہ شعر کی گرمی، زورِ بیان اور بلاغت مین کوئی کمی نظر نہین آتی، جگر کا ادب شناس ذوق اس نکتہ سے اچھی طرح واقف ہے کہ نظم و نثر کی بلاغت اور دلنشینی کا راز الفاظ کے ثقل اور شکوہ سے زیادہ انکے در و بست اور ترکیب کے توازن مین پنہان ہے، اسی لیے وہ انھین شیرین اور سادہ الفاظ اور سہل و آسان ترکیبون سے باغ کی بہار، جوئبار کی مستانہ خرامی، نسیمِ سحر کی اٹکھیلیان، اور تبسم کی موج کی بھی مصوری کرتا ہے اور انھین سے بجلی کی تڑپ، بادل کی گرج، طوفان کے شور اور آندھی کے جھکڑ کے ہولناک مناظر بھی دکھاتا ہے، لطیف جذبات اور سادہ خیالات کی مثالین ملاحظہ ہون،

حسن بن کر حجاب نے مارا ایک رنگین نقاب نے مارا

کہہ چکا مین فسانۂ غم کیا موت کی نیند چھائی جاتی ہے

سنبھالا مجھے ساقی کہ بے نقاب ہوا فروغِ بادہ ترے حسن کا جواب ہوا

لہو کی ہر ایک بوند دل بنگئی ہے خوشا لذتِ کامیابِ محبت

ان لبون کی جان نوازی دیکھنا منھ سے بول اٹھنے کو ہے جامِ شراب

اوپر کے اشعار لطیف اور سادہ جذبات کی مثالین ہین اور کسی مین کوئی ثقیل لفظ اور پرپیچ ترکیب نہین ہے لیکن اس سادگی کے باوجود شعر کی دل آویزی اور بلاغت مین کوئی کمی نہین نظر آتی،

بعینہ انھین سادہ الفاظ اور آسان ترکیبون سے وہ تیز سے تیز اور تند سے تند جذبات اور خیالات کا نقشہ کھینچتے ہین اور سادگی کے باوجود جوشِ بیان اور سرمستی مین کوئی کمی نہین پیدا ہوتی،

جدھر کو مستیِ دریا نے رخ کیا اپنا تڑپ کے موج اٹھی جھوم کر حباب اٹھا

بجلیان طورِ تصور پہ گرانے والے پھونک دے پھونک دے ہستی کے سیہ خانے کو

یک بیک سامنے آیا نہ کرو بے پردہ لے کے اڑ جائے نہ یہ عالمِ امکان کوئی

مری ہستی کا ہر ذرہ اڑا جاتا ہی منزل سے مرا منھ دیکھتے ہین جذبِ منزل دیکھنے والے

اس جانِ مے کدہ کی قسم بارہا جگر کل عالمِ بسیط پہ مین چھا کے پی گیا

جو دل سے اٹھتے ہین شعلہ وہ رنگ بن بنکر تمام منظرِ فطرت پہ چھائے جاتے ہین

ان اشعار مین پرشکوہ الفاظ سے احتراز کے باوجود ہر شعر تندی جذبات کی پوری مصوری کر رہا ہی:

الفاظ کا انتخاب اور اس کی نشست شعر کی تاثیر کے لیے سب سے مقدم شرط الفاظ کا مناسب انتخاب اور انکا مناسب استعمال ہے کیونکہ سامعہ پر سب سے پہلا اثر الفاظ کی شیرینی اور اس کے ترنم کا پڑتا ہے، معنی پر بعد مین نظر جاتی ہے، معنوی حیثیت سے شعر کا مفہوم کتنا ہی بلند کیون نہ ہو لیکن اگر الفاظ شیرین اور ترکیب مترنم نہین ہے تو شعر بالکل پست ہو جائیگا اور سننے والے پر اس کا کوئی خاص اثر نہ پڑے گا اس کے برعکس سادہ سے سادہ تخیل کو الفاظ کی سحر کاری کہین سے کہین پہنچا دیتی ہے، جگر کو الفاظ کے مناسب انتخاب اور اسکی نشست کا خاص سلیقہ ہے، وہ اگرچہ الفاظ نہایت سادہ استعمال کرتے ہین، لیکن ان کی شیرینی اور ترکیب کی خوبی شعر کو

کہین سے کہین پہنچا دیتی ہے،

کیف شباب و سرخوشی بادۂ حیات کیا دور تھا تری نگہِ مستِ ناز کا

ان لبون کی جان نوازی دیکھنا منھ سے بول اٹھے کوئی جامِ شراب

دوڑا کے حسنِ یار کی ہلکی سی اک لہر کانٹون کو بین نے رنگِ گلستان بنا دیا

دیدۂ شوق سے ہوئین آج وگل فشانیان ڈوب گئی بہارین سادگیِ لباس حسن

فریب خوردۂ رنگینیٔ اداہون مین نظر کی چند شعاعون مین گھر گیا ہون مین

بعض بعض اشعار مین وہ صرف ایک لفظ سے عجیب کیفیت پیدا کر دیتے ہین، اس موقعہ پر "خاص" کے لفظ کے استعمال کی چند مثالین پیش کیجاتی ہین، کہ انھون نے اس کو کس کس خوبی سے استعمال کیا ہے اور اس سے کیسے کیسے لطیف معنی پیدا کئے ہین، کسی قدیم شاعر نے کہا ہے ؏ غمزۂ خاص بہر گبر و مسلمان داری" اس "غمزۂ خاص" کی تشریح ناممکن ہے، اب جگر کا "خاص" ملاحظہ ہو،

اے حال وقال سے واسطہ نہ غرض مقام وقیام سے جسے کوئی "نسبت خاص" ہو ترے حسن تیز خرام سے

"نگاہِ خاص" سے چھلکا رہا ہے مَے کوئی وہ پاکباز نہین اب جو پاکباز رہے

نہین معلوم وہ کس طرح کے انسان ہونگے جن پہ تیرے "ستم خاص" کے احسان ہونگے

مذکورۂ بالا اشعار مین "نسبت خاص"، "نگاہِ خاص" اور "ستم خاص" نے اشعار مین کتنے بلند اور کیسے وسیع اور گہرے معنی پیدا کر دیئے ہین، یا مثلاً

معراجِ شوق کہئے یا حاصلِ تصور جس سمت دیکھتا ہون تو مسکرا رہا ہے

"مسکرانے" کے بجائے یہان اور بہت سے معراجِ شوق کے نتائج دکھائے جاسکتے ہین لیکن مسکرانے کے خاص لفظ نے شعر مین جو بات پیدا کی ہے وہ کسی دوسرے نتیجے سے نہین پیدا ہوسکتی تھی،

سلاست و روانی | نظم کی ایک ممتاز خوبی یہ ہے کہ خیالات کی نزاکتون اور ادا کی دقتون کے باوجود سلاست

و روانی مین کوئی فرق نہ آنے پائے اورکسی جگہ زبان کو ٹھوکر نہ لگے نظم کی سلاست و روانی کا انتہائی کمال یہ ہے کہ اس کو نثر کرنے کے بعد بھی اسکی ترکیب مین فرق نہ آئے یعنی اگر اسے نثر بنایا جائے تو کسی لفظ اور کسی جملہ کو اس کی جگہ سے ہٹانے کی ضرورت نہ پیش آئے، مرزا غالب کا یہ کمال سمجھا جاتا تھا کہ اپنی ژولیدگی بیان کے باوجود انھون نے بعض بعض غزلین ایسی کہی ہین جو سلاست و روانی کا مکمل نمونہ ہین. مثلاً

موت کا ایک دن معین ہے — نیند کیون رات بھر نہین آتی

سبزہ کو جب کہین جگہ نہ ملی — بن گیا روے آب پر کائی

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہان کوئی نہ ہو — ہمنوا کوئی نہ ہوا ور ہم زبان کوئی نہ ہو

یون تو جگر کا پورا کلام سلاست وروانی کا مجموعہ ہے لیکن چھوٹی بحر کی متعدد غزلین سلاست بیان کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہین غزل کی غزل پڑھ جاؤ شربت کے گھونٹ کی طرح حلق کے نیچے اترتی چلی جائیگی اور کہین پر زبان کو رکنے کی ضرورت نہ پیش آئیگی بعض بعض غزلین تو ایسی ہین کہ اگر پوری غزل کو نثر بنانا چاہین تو ایک لفظ کی تقدیم و تاخیر کی ضرورت نہ پیش آئے گی یہان مختلف غزلون کے دو دو شعر نمونۃً نقل کیے جاتے ہین:

عشق کو بے نقاب ہونا تھا — آپ اپنا جواب ہونا تھا

تیری آنکھون کا کچھ قصور نہین — ہان مجھی کو خراب ہونا تھا

چھپتے ہین اور چھپا نہین جاتا — اس ادا ے حجاب نے مارا

ہم نہ مرتے ترے تغافل سے — پرسشِ بے حساب نے مارا

جذبۂ شوق کامیاب ہوا — آج مجھ سے انھین حجاب ہوا

دل کی ہر چیز جگمگا اٹھی — آج شاید وہ بے نقاب ہوا

ستم یار کی دہائی ہے — نگہِ التفات نے مارا

موت کیا ایک لفظ بےمعنی — جس کو مارا حیات نے مارا

جز ترے کچھ نظر نہین آتا　　آرزو بن گئی مجسم کیا

موت کی نیند چھائی جاتی ہو　　کہہ چکا مین فسانۂ غم کیا

لہو کی ہر اک بوند دل نگئی ہو　　خوشا لذت کامیاب محبت

کوئی نقش صورت نہ قائم رہیگا　　ٹھہرنے جو دے اضطراب محبت

لطف زبان | شاعری کے اس دور انقلاب مین بھی شعرا کا ایک طبقہ ایسا ہے جو ابھی تک خیالات کی بلندی جذبات کی پاکیزگی اور اسلوب بیان کی ندرت کے مقابلہ مین شاعری مین "زبان" کی چاشنی ڈھونڈھتا ہے، اور جو شعر اس ٹکسال کا ڈھلا نہین ہوتا وہ خواہ اپنی دوسری خوبیون کے لحاظ سے کتنا ہی بلند اور پاکیزہ کیون نہ ہو کھوٹا شمار کیا جاتا ہے، اس مین شبہ نہین کہ ہر کلام کی خوبی کے لیے خواہ وہ نظم ہو یا نثر زبان کی صحت اور شستگی نہایت ضروری ہے، لیکن زبان کی صحت اور شستگی الگ شے ہے اور لطف زبان اور شے، لطف زبان سے مراد وہ مخصوص اور ٹکسالی محاورے ہین جو اردو کے مرکزون کی گلیون مین بولے جاتے ہین، میرے نزدیک زبان کی خوبی کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ اس مین کوئی صرفی نحوی خامی نہ ہو، محاورے کے خلاف نہ ہو، انداز بیان مین فصاحت اور دلکشی ہو، اگر کلام اس معیار پر ٹھیک اترتا ہے تو پھر اس کی خوبی کے لیے اور کسی عنصر کی ضرورت نہین، اس معیار کے مطابق جگر کے کلام کی خوبی مین گفتگو کا کوئی محل ہی نہین ہے، اس کا ہر شعر نہ صرف صحت زبان بلکہ فصاحت و بلاغت کا بھی نمونہ ہے، لیکن شاعری مین زبان کی چاشنی ڈھونڈنے والون کے لطف کا بھی پورا سامان موجود ہے،

چشم پرنم زلف آشفتہ نگاہین بے قرار　　اس پشیمانی کے صدقے مین پشیمان ہوگیا

زاہد یہ میری شوخی رندانہ دیکھنا　　رحمت کو باتون باتون مین بہلا کے پی گیا

لاکھ جانین ہون تو مین اُنپہ تصدق کردون　　وہ یہ فرمائین زبان سے اسے برباد کیا

فراق و وصل کے صدقہ مگر مرے مالک　　فراق و وصل مین کوئی تو امتیاز رہے

الہی بھیجدے ایسے مین اس جانِ تمنا کو سکوتِ شب کا سناٹا ہو اور دل کی کہانی ہے

لیے پھرتا ہون ایک تصویر حسرت اپنے سینہ مین خدا بخشے دلِ مرحوم کی زندہ نشانی ہے

نیتِ شب بخیر اے ساقی بزم جم کیا ہے ساغر جسم کیا

فارسی ترکیبین اس مین شبہ نہین کہ نظم ہو یا نثر اسکی خوبی الفاظ کی سادگی اور ترکیبون کی سہولت مین ہے، لیکن اسی کے ساتھ اس سے بھی انکار نہین کیا جا سکتا کہ شعر کا لطف فارسی کے شیرین الفاظ اور دلنشین ترکیبون سے کہین دوبالا ہو جاتا ہے، اور یہ وہ مرصع کاری ہے جس سے زیور شاعری جگمگا اٹھتا ہے، زبان کی سادگی اور فارسی الفاظ اور ترکیبون مین کوئی تضاد نہین ہے، جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے، تضاد تو ان بد مذاقون نے پیدا کر دیا ہے جنھین اردو مین فارسی الفاظ اور ترکیبون کے کھپانے کا سلیقہ نہین ہے، وہ فارسی کے ہر قسم کے الفاظ خواہ وہ اردو کے آہنگ سے جوڑ کھاتے ہون یا نہ کھاتے ہون عبارت مین ٹھونس دیتے ہین ورنہ اگر دونون کے ترنم اور آہنگ کا خیال رکھتے ہوے فارسی کے شیرین الفاظ اور دلنشین ترکیبین اردو مین کھپائی جائین تو اردو نثر و نظم کہین سے کہین پہنچ جاتی ہین، حضرت جگر نے حتی الامکان فارسی سے بہت احتراز کیا ہے لیکن انکا کلام اسکی لطیف آمیزش سے بالکل خالی نہین ہے، لیکن جن جن موقعون پر انھون نے فارسی سے کام لیا ہے اپنی خوش مذاقی سے اسے اردو مین ایسا کھپا دیا ہے کہ فارسی اور اردو کی متناسب آمیزش سے عجب خوش منظر گنگا جمنی رنگ پیدا ہو گیا ہے، ذیل کی مثالین اس کی شاہد ہین،

بندگی جنون ادا بے خودی ادب سرشت حسن کی اصطلاح مین عشق اسی کا نام ہے

شیشہ مست و بادہ مست و حسن مست و عشق مست آج پینے کا مزہ پی کر بہک جانے مین ہے

دستِ رنگین و جمالِ بے حجاب اے خوش آن وقتے و خوش جام شراب

ہان نگاہِ شوق وہ اٹھی نقاب آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

نہ دیکھو مجھے صرف اتنا تو کہہ دو ہلاکِ تماشا خرابِ محبت

تیری نگاہ ناز باین شانِ اضطراب ہم جان دردِ عشق ہم ایمانِ اضطراب

حرم و دیر نظر آتے ہین سب سر بسجود جلوہ گر کون مرے شوقِ جبین ساز مین ہے

لٹا دے دولتِ کونین اور میرے لئے بس اک تبسم عاجز نواز رہنے دے

ان اشعار مین نہ صرف فارسی کی ترکیبین ہین بلکہ بعض بعض پورے پورے مصرعہ فارسی کے ہین، لیکن اس حسن مذاق کے ساتھ کھپائے گئے ہین کہ شعر کے ترنم مین کوئی فرق نہین آیا ہے بلکہ اردو اور فارسی کے زیر و بم نے مل کر ایک ہم آہنگ نغمہ پیدا کر دیا ہے،

جگر کی معنوی خصوصیات اوپر جو کچھ لکھا گیا وہ جگر کی شاعری کے ظاہری نقوش اور خد و خال کے متعلق تھا، گو اس مین بھی وہ اپنے اکثر معاصرون سے ممتاز ہے، لیکن یہ اس کا کوئی مخصوص اور انفرادی وصف نہین ہے، بلکہ اس کے بعض دوسرے خوش مذاق ہمعصر بھی اس وصف مین اس کے شریک ہین، جگر کی شاعرانہ انفرادیت اس کی شاعری کی معنوی خصوصیات مین نظر آتی ہے،

اس کی معنوی خصوصیات مین جو خصوصیت سب سے زیادہ نمایان نظر آتی ہے وہ خیالات کی وحدت و یکسانی کے ساتھ انداز بیان کا تنوع اور طریقِ ادا کی نیرنگی ہے، حافظ شیرازی کی طرح جگر کے خیالات بھی محدود اور بندھے ہوئے ہین، انھین کچھ وہ مختلف پیرایون مین ادا کرتا ہے اور اس طرح ادا کرتا ہے کہ بیان کی نیرنگی سے ایک عالم نظر آتا ہے، شراب ایک ہی ہوتی ہے، لیکن مختلف ساغرون مین بٹ کر جدا جدا کیف و اثر دکھاتی ہے ساز ایک ہی ہوتا ہے لیکن اس کا ہر نغمہ اپنی تاثیر اور ترنم کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف سنائی دیتا ہے، دوسری خصوصیت اس کے جذبات کی لطافت اور پاکیزگی اور خیالات کی فلک پیما بلندی اور وسعت ہے، غزل کے مضامین محدود ہین یعنی وہی حسن و عشق کی واردات اور کیفیات اور اس کے لوازم و نتائج کی مصوری، اسی لیے تغزل کی زمین مین مشکل ہی سے کوئی اچھوتا مضمون نکلسکتا ہے لیکن یہ جگر کے خیالات کی وسعت اور بلندی ہے کہ وہ اس پامال زمین مین بھی نئے نئے گل بوٹے کھلاتا ہے، اُ

پرانے پھولون کو بھی اس طرح سجا کر پیش کرتا ہے کہ ہر گلدستہ اپنے رنگ و بو کے اعتبار سے نیا نظر آتا ہے،

تیسری خصوصیت اس کا جوش اس کی سرمستی اور بیخودی اور خود فراموشی ہے، وہ جو کچھ کہتا ہے عالم بیخودی مین کہتا ہے اور کہتے کہتے خود اس مین گم ہو جاتا ہے، اسی کا یہ اثر ہے کہ اس کا ہر شعر سننے والون کو بھی مست و بیخود بنا دیتا ہے،

جگر کے خیالات کی بلندی اور وسعت

خیالات اور جذبات کے اعتبار سے جگر کی شاعری کی دو قسمین ہین ایک مادی دوسری روحانی، جگر جب تک انسانی پیکر مین عالم آب و گل کی باتین کرتا ہے تو وہ اپنے خیالات مین کسی نہ کسی حد تک عام شعراء کا ساتھ دیتا ہے، لیکن جہان سے اس کی خاص روحانی سرحد شروع ہوتی ہے وہان سے وہ عالمِ ناسوت کو چھوڑ کر عالمِ لاہوت مین پرواز کر جاتا ہے اور روح القدس سے ہم کلام ہوتا ہے، اس وقت اس کے خیالات سراسر الہام بن جاتے ہین، اس کی شاعری زیادہ تر اس کی دوسری حیثیت سے تعلق رکھتی ہے، کیونکہ اس کا مطلوب ایک نادیدہ اور بعید از فہم و قیاس حقیقت ہے اس لیے اس کے عشق کی شان اس کے اثرات اور اسکی کیفیات بھی جداگانہ ہین، ہجر و وصل، سوز و گداز، کامیابی و ناکامی کی تمام کیفیتین اس پر بھی طاری ہوتی ہین، لیکن ان تمام کیفیتون کی شان عام عشق کے کوائف سے جداگانہ ہوتی ہے، بلکہ وہ خود ان ناقابل بیان کیفیتون کو بیان نہین کر سکتا ہے،

جگر کی شاعری کا یہی وہ حصہ ہے جس پر الفاظ مین تبصرہ بہت مشکل ہے، کیونکہ وہ محض ایک وجدانی کیفیت، ایک ماوراء مادہ تخیل اور ایک ایسی نازک، دقیق اور لطیف حقیقت ہے جو قلم کی موشگافیون کی متحمل نہین ہو سکتی، اور اس کا حقیقی لطف صرف اربابِ ذوق اور اہل دل ہی اٹھا سکتے ہین، بہر حال اپنی کوتاہیِ قلم کے اعتراف کیساتھ پہلے جگر کی شاعری کے اس حصہ پر تبصرہ کیا جاتا ہے، جس پر مجاز کا ہلکا سا رنگ جھلکتا ہے، تاکہ ناظرین آیندہ جمالِ حقیقت کے بے نقاب مشاہدہ کے لیے تیار ہو سکین،

حسن و عشق کی بنیاد تمام تر دل پر ہے، خواہ وہ عشق حقیقی ہو یا مجازی عشق کی آگ اسی چقماق سے

پیدا ہوتی ہے، دونون مین فرق اس قدر ہے کہ عشق حقیقی مین دل کی کیفیتین زیادہ لطیف اور پاکیزہ ہوجاتی ہین اور ہوا و ہوس کے تمام خس و خاشاک جل کر خاکستر ہوجاتے ہین، لیکن دل کا تعلق بہرحال قائم رہتا ہے، لیکن جگر کا عشق اس سے بھی بلند تر پاکیزہ تر ہے، چونکہ اس کا مطلوب عالمِ مادی سے ماورا، اور مجسم لطافت ہے اسلیے اس کے یہان دل کا مادی واسطہ بھی درمیان مین باقی نہین رہتا،

حیران ہون کہ یہ آخر کیون بیچ مین حائل تھا   میرا ترا رشتہ تو بے واسطۂ دل تھا

اس سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے اور درمیان مین اپنی ہستی کا پردہ بھی گوارا نہین کرتا،

تمام اٹھ گئے پردے تو اس سے کیا حاصل   مزہ تو جب تھا کہ مین بھی نہ درمیان ہوتا

وصل و ہجر عاشقی کی ضروری وارداتین ہین لیکن جگر کے ہجر و وصل کی صورت عالمِ مادی کے وصل و ہجر سے بالکل مختلف ہے،

وہ ہجر کے پردے مین جس وقت کہ واصل تھا   اس درجہ لطافت تھی، احساس بھی مشکل تھا

ہجر بلائے جان نہین بلکہ راز و نیاز کا "خاص وقت" ہے۔

تنہائیِ فراق مین کیون گریہ کیجئے   اے دل یہ وقت خاص ہے راز و نیاز کا

وصالِ دوست کا حسن، عشق کے نقص اور ناتمامی کی دلیل ہے،

خلوتیانِ راز کا خاص یہ اک پیام ہے   حسنِ وصالِ دوست بھی منزلِ ناتمام ہے

"خلوتیانِ راز" کے اس "خاص" پیام کا لطف خلوتیانِ راز ہی اٹھا سکتے ہین،

نگاہ کے تحیر اور رگِ جان کے تواجد سے نظر مشاہدۂ جمال اور دل اس کے احساس سے محروم ہے،

نہین آپے مین کوئی کسکو ہو احساسِ نظارہ   تحیر ہے نگاہون کو تواجد ہے رگِ جان کو

شاد عظیم آبادی نے اس تخیل کو اس سے زیادہ پاکیزہ ادا کیا ہے،

کبھی ایک وعدہ وصال کا جو وفا ہوا بھی تو کیا ہوا   مجھے حیف اپنی نظر پہ ہے انھین اپنے جلوہ پہ ناز ہے

لیکن جگر کو اس تحیر کا کوئی غم نہین بلکہ یہ اسکی عین آرزو ہے اور اس کا سبب یہ ہے،

بھلا ہوا کہ نظر حیرتون مین ڈوب گئی کہان کہان نہ ترا حسن رائگان ہوتا

مشاہدۂ جمال کی آخری حد یہ ہے کہ دیکھنے والا سراپا نظر بنکر جلوون مین گم ہوجائے،

ترے جلوون مین گم ہوکر خودی سے بیخبر ہوکر تمنا ہے کہ رہ جاؤن مین سراپا نظر ہوکر

جمال کی لطافت مانعِ نظارہ سہی لیکن دل کا ربطِ نہانی خود قربت کا پتہ دیدیتا ہے،

لطافت مانعِ نظارۂ صورت سہی لیکن دھڑکنا دل کا کہتا ہے وہ گذری ہین ادھر ہوکر

سالک راہِ حقیقت کی آخری منزل پر پہنچکر خود گم ہوجاتا ہے،

مجھے تلاش کرائے بیخودیٔ شوق سجود پہنچ کے منزلِ مقصد پہ کھو گیا ہون مین

اس منزل پر پہنچنے کے بعد سالک راہِ حقیقت پر سے ظاہری آداب و رسوم اٹھ جاتے ہین،

اسے حال و قال سے واسطہ نہ غرض مقام و قیام سے جسے کوئی نسبت خاص ہو ترے حسنِ برق خرام سے

اس لیے کہ نسبت خاص کے بعد پھر حال و قال اور مقام و قیام کی ضرورت ہی کیا باقی رہجاتی ہے،

آشنائے راز ہونے کے لیے دوری چاہیئے،

کھلا یہ راز تری جلوہ گاہ قربت مین جو تجھ سے دور رہے آشنائے راز رہے،

گو حسن حقیقت مستور رہے لیکن عشق کی تسلی کا سلسلہ برابر جاری ہے،

مجھے دیرہے ہین تسلیان وہ ہر ایک تازہ پیام سے کبھی آکے منظر عام پر کبھی ہٹ کے منظر عام سے

شکستِ ساز کا نغمہ ساز کے نغمہ سے زیادہ پر لطف ہوتا ہے،

دل مرا توڑ کر کہا اس نے زبان راز مین ساز مین نغمہ وہ کہان جو ہے شکستِ ساز مین

"زبانِ راز" کے ٹکڑے نے اس شعر مین کتنی گہرائی پیدا کردی ہے،

اکبر اور اقبال نے اس مفہوم کو اس سے زیادہ صاف اور واضح ادا کیا ہے، اکبر نے کہا ہے،

دلِ شکستہ مین رہتا ہے بادۂ عرفان سنا ہے مین نے کہ شیشہ یہ چور ہی اچھا

اقبال کہتا ہے،

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز مین

گو واقعہ کے اعتبار سے اکبرؔ و اقبالؔ کے اشعار حقیقت سے زیادہ قریب ہین لیکن جگرؔ کے انداز بیان مین شعریت زیادہ ہے، اس لیے کہ اس مین خود ساز کا بنانے والا، شکست راز کے رمز کو، زبان راز مین بتا رہا ہے

انجام محبت کی محویت مین قربت اور دوری کا امتیاز باقی نہین رہتا،

انجام محبت کی اللہ رے محویت یہ بھی نہین کھلتا ہے قربت ہے کہ ہے دوری

سجدہ اور جبین سائی مین جبین و سجدہ کا امتیاز باقی رہنا، جبین و سجدہ کی توہین ہے،

جبین و سجدہ کی توہین ہے جبین سائی جبین و سجدہ مین کچھ بھی جو امتیاز رہے

یہی سجدہ خلاصۂ عبادت ہے،

یہ بیخودی اس سے بھی آگے بڑھ کر عبادت کے سدرۃ المنتہی تک پہنچتی ہے، جہان جبین و آستان مین بھی امتیاز باقی نہین رہتا،

مین کس کے سامنے اب اپنی جبین جھکاؤن میری جبین نہین ہے ترا ہی آستان ہے

یہی وہ مقام ہے جہان طالب و مطلوب مین گم ہو کر اپنی شخصیت فنا کر دیتا ہے اور عالم وارفتگی مین وہ مطلوب کی زبان بنکر بولنے لگتا ہے،

اسرار حقیقت اوپر جو اشعار نقل کئے گئے، وہ اگرچہ اپنے خیالات کی بلندی و وسعت کے لحاظ سے جگرؔ کے مقام عشق کا پتہ دیتے ہین، لیکن اس اصول کے ماتحت

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو بنتی نہین ہے ساغر و مینا کہے بغیر

ان مین ہلکا سا حجاب مجاز نظر آتا ہے اور جگرؔ خود اس حجاب کو اٹھانا نہین چاہتا ہے کیونکہ یہ حسن حقیقت

کے احترام کے منافی ہے چنانچہ کہتا ہے،

روان اگرچہ ہین اسمین بھی سب وہی موجین مگر ہے قطرہ پر فرض احترام دریا کا

لیکن اتحادِ معنی خود زبان بنکر بول اٹھتا ہے،

ہر ایک قطرہ انا البحر کہہ اٹھیگا ضرور یہی جو رنگ رہا اتحادِ معنی کا

اس کے عشق کی ابتدا روزِ ازل ہی سے ہوتی ہے،

ربطِ باطن اسکو کہتے ہین کہ روزِ اولین روح مضطر ہی رہی پیدا نہ جبتک دل ہوا

اٹھتے تھے ادھر پردے پیہم رخِ فطرت سے مین محوِ تماشائے صورت گریِ دل تھا

روزِ ازل اس بارِ امانت کو اٹھا تو لیا لیکن انجام سے غافل تھا،

کونین کا غم دل نے سب لیا اپنے سر آغاز کا دیوانہ انجام سے غافل تھا

وحملها الانسان انه کان ظلوماً جهولاً، لیکن

خراب ہو کے بھی دل کب جہان خراب ہوا اک آفتاب کا سایہ تھا آفتاب ہوا

پھر یہی "دلِ خراب" اور "سایۂ آفتاب" ذاتِ حق مین فنا ہو کر دائرۂ مجاز کا مرکز بنگیا،

ہو کے فنائے ذاتِ حق دل مرا سوز و ساز مین مرکزِ اصل بنگیا دائرۂ مجاز مین

اور اس وقت اس کا یہ کہنا بالکل بجا و درست ہے کہ

حرم و دیر نظر آتے ہین سب بسجود جلوہ گرکون مرے شوقِ جبین سا زمین ہے

اور یہ دعوی بھی اس پر زیب دیتا ہے،

آجائے اگر ضد پر اپنی کوئی دیوانہ خود گرد پھرے آکر کعبہ ہو کہ بتخانہ

اب اس راہِ سلوک کے کچھ قوانین و ضوابط اور احوال و کوائف ملاحظہ ہون چونکہ یہ عالم اس عالم مادی سے جدا ہے اس لیے اس کے قوانین و ضوابط بھی اس سے جدا ہین اس عالم مادی مین نظارہ مشاہدہ جمال کا

وسیلہ ہے، لیکن جمالِ حقیقت کے مشاہدہ کے لیے یہی وسیلہ حجاب بنجاتا ہے،

تو سامنے ہے پھر بھی بتلا کہ تو کہان ہے ۔ کس طرح تجھکو دیکھون نظارہ درمیان ہے

اس مسئلہ پر معتزلہ اور اشاعرہ کی پرانی بحث چلی آتی ہے کہ قیامت مین ان آنکھون سے دیدارِ الٰہی ممکن ہے یا نہین،

پردۂ مجاز کے بغیر مجرد جمالِ حقیقت کا مشاہدہ ان مادی آنکھون سے ناممکن ہے،

شمع جب فانوس مین تھی آنکھ تھی محوِ جمال ۔ جب ہوئی عریان نگاہون کو پریشان کردیا

جب آئے محفلِ وحدت سے بزمِ کثرت مین ۔ نظر کا بنگئے دھوکا نظر کی صورت مین

اسی لیے حسنِ حقیقت ہمیشہ پردۂ مجاز مین نظر آتا ہے،

کچھ اس طرح وہ پسِ پردۂ مجاز رہے ۔ حجاب ساز مین جیسے نوائے ساز رہے

اسی تشابہ کی بنا پر سالک کو ہر ہر قدم پر دھوکا ہوتا ہے،

دھوکا تھا ہر قدم پر تری بزمِ ناز کا ۔ کیا سخت مرحلہ تھا حریمِ مجاز کا

اور صوفی اس تشابہ مین گرفتار ہوکر مجاز کو حقیقت سمجھنے لگتا ہے،

صوفی نے جس کو شاہدِ مطلق سمجھ لیا ۔ ایک پرتوِ لطیف تھا حسنِ مجاز کا

دل کی آنکھ یا چشمِ بصیرت تو انوارِ جمال کے گنجینہ کو سمیٹ لیتی ہے، لیکن مادی آنکھون کی محدود نظر اس کے احاطہ سے قاصر ہے، اس لیے طالبِ دیدار التجا کرتا ہے،

دل ہے گنجینۂ انوار نگاہین محدود ۔ کاش اس کل کا ہر اک جزو پریشان ہوجائے

لیکن مشکل یہ ہے کہ حسنِ حقیقت کے قیدِ تعین مین آنے کے بعد نظر تعینات و تشخصات مین الجھکر رہجاتی ہے، اس لیے طالب اس پردۂ تعین کو بھی ہٹانا چاہتا ہے،

پھونکدے قیدِ تعین کو بھی اے برقِ جمال ۔ دل ہے آزاد نگاہین مگر آزاد نہین،

لیکن پھر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے کہ حسنِ حقیقت جیسی شے تعینات و تشخصات کی قید مین آہی نہین سکتی کہ سمندر کوزہ مین نہین سما سکتا، آفتاب کی روشنی مٹھی مین نہین سمیٹی جا سکتی ہے، اس لیے کہتا ہے کہ تعینات کی قید صرف اوہام کا فریب ہے،

حسن اور قیدِ تعین یہ خیالِ خام ہے　　بے خبر یہ سب فریبِ جلوۂ اوہام ہے

اس اذعان ویقین کے بعد پھر وہ اپنی ہمت سے خطاب کرتا ہے،

یہ سب جو حسنِ حقیقت پہ ہین حجاب اٹھا　　نظر کو ہے جو اٹھانا تو کامیاب اٹھا

یون بڑھے پائے طلب حسنِ قدم کی جانب　　ایک ہی جست مین طے عالمِ امکان ہو جائے

وحدت فی الکثرت اور کثرت فی الوحدت یا وحدۃ الوجود یعنی تمام کائناتِ عالم ایک ہی اصل کی فرع ایک ہی آفتاب کا پرتو اور ایک ہی تصویر کا مرقع ہے،

پرتوِ حسنِ ازل کی اُف یہ نقش آرائیان　　بن گئے کتنے مرقعے ایک ہی تصویر مین

کثرت و اختلاف مین وحدت و ربطِ باطنی　　اف یہ کرشمہ سازیان تیری نگاہِ نازکی

آخری شعر مذاہبِ عالم کے اصولی اتحاد اور فروعی اختلافات کی مصوری بھی کرتا ہے،

تمام کائنات صرف اسی آفتابِ حقیقت کا سایہ ہے، اور اس کی گردش کے ساتھ سایہ بھی گردش کرتا رہتا ہے،

عالم کا تلون کیا ہستی کا تعیّن کیا　　تو خود جو خرامان ہر سایہ بھی خرامان ہے

جگر کا عام رنگ | اوپر کے اشعار کا تعلق جگر کی شاعری کے منزہ عن المادہ حصہ سے تھا، جہان ہر عامی کی نظر نہین پہنچ سکتی، اور اس سے لطف اٹھانے والے صرف مخصوص اہلِ دل ہین، باقی عام دنیا دارون کے لیے اس عالمِ آب وگل کی روئدادِ عشق زیادہ پرلطف ہے، جگر جب اس رنگ مین کہتا ہے تو اپنے بیان کی ندرت سے اس مین بھی ایک خاص لطف اور انوکھا پن پیدا کر دیتا ہے، اس مین ایک طرف دل کی گرمی

کا پورا سامان موجود ہے، اور دوسری طرف ابتذال اور سفاہت سے دامن بچا ہوا ہے، غرض اس پامال اور شاہراہِ عام مین بھی اس نے اپنا راستہ الگ نکالا ہے،

محبوب کا عتاب عاشق کے لیے ایک جانگسل مصیبت ہے، لیکن جگر کی نگاہِ دل اس مین بھی کرم کا سامان تلاش کر لیتی ہے،

نگاہِ دل بھی یکایک اسے سمجھ نہ سکی　　وہ ہر کرم جو پسِ پردۂ عتاب ہوا

غالب نے کہا تھا:-

دوستی کا پردہ ہی بیگانگی　　منھ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہئے

جگر بھی کسی قدر ترمیم کے ساتھ قریب قریب اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے،

جذبۂ شوق کامیاب ہوا　　آج مجھ سے انھین حجاب ہوا

"حجاب" جذبۂ شوق کی کامیابی کا کتنا سچا اور کتنا پر لطف ثبوت ہے،

آشوبِ عشق مین دل پر کبھی اضطراب کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور کبھی سکون ہو جاتا ہے لیکن جگر کا حرمان نصیب دل سکون سے ہمیشہ محروم رہا، اس لیے کہ سکون ہوتے ہی اضطرابِ دل بنگیا جو اضطراب کا اصل سبب ہے، گویا اضطراب نے صرف شکل بدلدی،

ٹھہرا جہان یہ جسم مین دل بنکے رہ گیا　　دیکھے کوئی سکون مرے اضطراب کا

ناظرین نے معشوق پر تصدق اور نچھاور کی بہت سی سوغاتین ملاحظہ کی ہونگی، لیکن جگر کے صدقہ کی لطافت اور کیفیت ملاحظہ ہو،

سب انہیں پہ ہے تصدق وہ سامنے تو آئین　　اشکون کی آرزوئین آنکھون کی التجائین

"زبان خاموشی" عرض شوق کی بہت قدیم ترجمان ہے لیکن جگر کے بیان کی ندرت دیکھئے،

دیکھنا بیخودئ شوق کا اعجازِ سکوت　　کہہ رہا ہون وہ فسانہ جو مجھے یاد نہین،

اس سے بھی لطیف اور پرکیف پیرایہ ملاحظہ ہو،

ان کی نگاہِ لطف ہے اور کشفِ رازِ دلبری میری نگاہِ شوق ہے اور داستانِ عاشقی

"نگاہِ لطف" اور "کشفِ رازِ دلبری" نے شعر مین کتنا بانکپن پیدا کر دیا ہے، اس خاموش ترجمان کا مقابل دیکھئے،

مہربان ہم پہ رہی چشمِ سخن گو ان کی جب ملی آنکھ نگاہون نے کچھ ارشاد کیا

"چشمِ سخن گو" اور نگاہون کے ارشاد نے عجب لطف پیدا کر دیا ہے،

نگاہِ ناز کا یہی رمز حاصلِ عاشقی ہے اس کے بعد پھر دنیا مین کس چیز کی ضرورت باقی رہجاتی ہے؛

درد بھی ساتھ چھوڑ دے روح بھی تن سے ہو جدا دیکھ چکا ہون مین بھی "کچھ" انکی نگاہِ ناز مین

"کچھ" کے مجمل لفظ مین کسقدر وسیع معنی پنہان ہین،

یہ بہت پامال تخیل ہے کہ ناصحون کی ملامت حسن سے ان کی بیخبری کا نتیجہ ہے کسی پرانے استاد کا شعر ہے،

دکھاؤ نگا تجھے زاہد اس آفت جان کو خلل دماغ مین تیرے ہے پارسائی کا

دیکھئے جگر اپنے بیان کی ندرت سے اس پامال تخیل کو کتنا بلند اور پاکیزہ بنا دیتے ہین کہ اسکی صورت نہین پہچانی جاسکتی،

ہنسی پھر اڑنے لگی عشق کے فسانہ کی نقاب الٹ دو بدل دو فضا زمانے کی

یہ بھی ایک پامال تخیل ہے کہ حسن کی بقا عشق سے ہے عشق کے مٹنے سے حسن کا کوئی نام لیوا باقی نہین رہجاتا، سب سے پہلے حسرت نے اسے پاکیزہ الفاظ مین پیش کیا ہے،

مین جو مٹتا ہون تو مٹتا ہے ترے عشق کا نام فیصلہ پس مری تقدیر کا آسان نہ رہا

جگر نے اس کو اور زیادہ بلند اور ستھرا بنا دیا،

مجھے یون نہ خاک مین تو ملا مین اگرچہ ہون ترا نقشِ پا ترے جلوہ جلوہ کی ہے بقا مرے شوق نام بنام سے

ایسے عالی ظرف مشتاق کم نکلینگے جن کی زبان ستم یار کے شکوہ سے آلودہ نہ ہوئی ہو، جگر کی عالی ظرفی دیکھئے کہ وہ نہ صرف شکایتِ ستم سے زبان آلودہ نہیں کرتا بلکہ "ستم خاص" کی تمنا کرتا ہے،

نہیں معلوم وہ کس طرح کے انسان ہونگے جن پہ تیرے ستم خاص کے احسان ہونگے

عرضِ تمنا رعنائی خیال کی رسوائی ہے،

رعنائیِ خیال کو رسوا نہ کیجئے ممکن بھی ہو تو عرضِ تمنا نہ کیجئے

عشق کو افسانۂ بزم و انجمن بنانا عشاق کا قدیم شیوہ ہے لیکن جگر زبان پر مطلوب کا ذکر بھی لانا احترام حسن کے منافی سمجھتا ہے،

ہاں سزا دے اے خدائے عشق اے توفیقِ غم پھر زبانِ بے ادب پر ذکر یار آہی گیا

خدائے عشق اور توفیق غم سے طلبِ سزا نے شعر کو اور زیادہ بلند کر دیا ہے،

عشق پر حسن کی نظر ترحم آدابِ عشق کے خلاف نہیں ہے بلکہ عشاق کی عین تمنا یہی ہوتی ہے لیکن جگر کے عشق کی بلندی دیکھئے کہ وہ اس ننگ کو بھی گوارا نہیں کرتا اور یار کی "نظر رحم" کو دیکھکر غیرت سے التجا کرتا ہے،

پھونکدے اے غیرتِ سوزِ محبت پھونکدے اب سمجھتی ہیں وہ نظریں رحم کے قابل مجھے

محبت لازوال اور جذب مجسم،

محبت ابتدا سے انتہا تک غیر فانی ہے یہی اک نقش اوّل ہے یہی اک نقش ثانی ہے

محبت اصل حقیقت ہے اسکو کیا کرتے ہم التجا جو نہ کرتے وہ التجا کرتے

عاشقی خود اپنا اعلان ہے،

چھپکے رہ نہیں سکتی عاشقی وہ ہستی ہے دل سے بادل اٹھتے ہیں آنکھ سے برستی ہے

لغزشِ مستانہ وار کے اثرات،

رگ رگ میں آج دوڑگئی موجِ سرخوشی قربان تیری لغزشِ مستانہ وار کے (باقی)

خسروباغ الہ آباد

از مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی، مؤلف "حیاتِ جلیل" الہ آباد،

(۲)

ہندوستان کی بغاوت ۱۸۵۷ء کے زمانہ مین بھی اربابِ سیاست کی نگاہین خسروباغ کی طرف لگی ہوئی تھین، کہاجاتا ہے کہ "تاریخ اپنے کو دہراتی ہے"، مسٹر ایٹیل اور اون کے رفقائے قلم کے بقول "خسروباغ اگر پونے تین سو برس پیشتر ایک بغاوت کیش و سرگشتہ شاہزادہ کا مامن ومسکن تھا، تو ۱۸۵۷ء مین بھی اُس نے ایک شوریدہ سر فتنہ گر کو پناہ دی تھی"،[1]

"یہ شوریدہ سر فتنہ گر" مولوی لیاقت علی باشندہ مہہ گاؤن[2] (پرگنہ چایل ضلع الہ آباد) ہین، جنکے تقدس و اتقا کا شہرہ دُور دُور تھا، بغاوت کے شروع ہی سے ضلع الہ آباد کے اُس علاقہ مین جو مابین دوآب گنگ وجمن واقع ہے ان کا بڑا اثر تھا، وہان کے آشفتہ مزاج زمیندارون نے اونکو اپنا پیشوا بنایا، وہ بڑی آن بان اور سردارانہ تزک و احتشام سے کوچ کر کے الہ آباد آئے، بادشاہ دہلی کی فرمانروائی اور حکومت کا اعلان فرمایا، گورنر الہ آباد کی حیثیت سے اپنا جھنڈا بلند کیا، خسروباغ مین قیام اختیار کیا، یہین سے تمام احکام صادر ہوتے تھے،

وسط جون مین مولوی لیاقت علی اور اون کے متبعین اور پیرودن کی جماعت نے افواج انگریزی سے شکست کھائی، اور بھاگ کھڑے ہوئے، مولوی صاحب کچھ زمانہ تک مفرور اور روپوش رہے، ۱۸۷۲ء مین الہ آباد مین گرفتار ہوئے، اور مدۃ العمر محبوس رہنے کیلئے بعبور دریائے شور بھیج دئے گئے،

---

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹر سابق صفحہ ۱۵۲ و صفحہ ۱۶۵، وجدید صفحہ ۱۸۲، [2] مہہ گاؤن الہ آباد سے چودہ میل پچھم بڑی سڑک پختہ پر واقع ہے،

قانون کی نگاہ میں، اور سرکاری طور پر ان کے جرائم ضرور ناقابلِ درگذر اور نظم مملکت کے لحاظ سے شدید مواخذہ و بازپرس کے مستوجب رہے ہون گے، مگر مین نے بعض سن رسیدہ ممتاز اور فہیم مسلمانون کو ان کا نام ادب و احترام کے ساتھ لیتے ہوے سنا ہے، ان کے ذکر مین خود گر بیٹرون کا لہجہ بھی چندان تلخ و درشت نہین ہے[1]۔

خسرو باغ[2]، الہ آباد کے ایسٹ انڈیا ریلوے اسٹیشن (جنکشن) سے ایک تیر پرتاب یا انگریزی اصطلاح مین ایک اسٹون (پتھر) پھینکنے" کے فاصلہ پر شہر سے ایک میل واقع ہے، باغ نہایت وسیع طویل و عریض ہے، اسکی وسعت اور گنجایش اُس دور کے بادشاہی باغات کے مساوی اور شایان شان رکھی گئی تھی،

خسرو باغ کے متعلق تفصیلات و جزئیات کے بیان کرنے سے پہلے فن نخلبندی و باغبانی کی نسبت اس قدر کہہ دینا ضروری ہے کہ کسی وقت یہ ایک مستقل ہنر تھا، ہندوستان مین اس کا شوق مسلمان ایران اور وسط ایشیا سے اپنے ساتھ لائے تھے مغل سلاطین اور اون کے ارکان دولت نے خاصکر اپنے ذوق یہ رنگ طبیعت ملک کی آب و ہوا اور رسم و رواج کے موافق و مناسب تغیرات کرکے اوسکو خوب ترقی دی، سرپرستی و پرورش فرمائی، دلکش اختراعین اور دلآویز اصلاحین کین حتی کہ اپنا خانہ زاد ہندوستان پرور بنا لیا، ان کے قصور و ایوان کے ساتھ پایین باغ، خانہ باغ کم از کم چمن صحن کا ہونا لازم و ملزوم تھا تغلق فیروز جس نے فی الجملہ امن و عافیت کے ساتھ بسر کی، اور سینتیس سال فرما روا رہا اپنے مستقر سلطنت مین جو دہلی سے زیادہ فیض آباد کے نام سے اس وقت شہرت رکھتا تھا، تنو باغ نصب کرائے تھے، زمانہ کا زبردست دست تباہکار ہاتھ ان سب کو مٹا چکا ہے اور آج ایک کا نشان بھی نہین بتاتا،

اک نقش مٹ گیا ہے روتے نشان پر ہین دل مین ہین داغ حسرت قصے زبان پر ہین

بابر نے جب ہندوستان فتح کیا، تو دہلی چھوڑ کر آگرہ کو مرکز حکومت بنایا، اپنے دل پسند تو اصلاث باغ، "باغ وفا" واقع کابل کی یاد تازہ تھی، اوس کی نقل یہان بھی کرنی چاہی، "چار باغ" "یا باغ گل افشان" کی بنیاد ڈالی[3]، اپنے مالوف وطن کے

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۵۲ نیز گزیٹیر سلسلہ جدید ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۸۲ [2] تاریخ جہانگیر از ڈاکٹر بینی پرشاد صفحہ ۳۲۴، [3] اسی باغ کے ایک حصہ مین "جو جو برجی" کہلاتا ہے، کابل جانے سے پیشتر بابر کا تابوت دفن ہو رہا تھا، تاریخ تاج از منشی معین الدین مرحوم صفحہ ۱۴۸،

سوا، بخارا اور بدخشان اور بہت سے پہاڑی مقامات سے پھل پھول کے درخت اور بیج منگائے، نے شکر کی پودہ انار سنگترے اور شفتالو اُگائے، مگر کنکریلی زمین اور ناہموار سطح نے شکست دی، کوشش رائگان گئی، بہادر ترک پھر بھی ہمت نہ ہارا، جمنا کے پرفضا کنارے نیلگون پانی کی موجون سے دُھلنے والی ہواؤن سے معمور مقام "پرآرام باغ"[۱] آباد کیا جو تین چارسو برس گذر جانے پر "رام باغ" کے نام سے اوس کی یادگار آج بھی باقی ہے، اور اوس مُلک مین مغلون کا سب سے پرانا بارونی باغ مانا جاتا ہے، فدائی خان کا لگایا ہوا پنجور کا باغ شملہ کے راستے (پٹیالہ کے علاقہ) مین موجود ہے، یہ امیر اورنگ زیب عالمگیر کا برادر رضاعی اور لاہور کی شاہی مسجد کا مہتمم تعمیر تھا، اس باغ کے نصب کرتے وقت اس کو جو دشواریان پیش آئین، وہ قدرتی موانع سے زیادہ انسانون کے ہاتھ سے تھین، راجاؤن نے ہوشیاری وچالاکی کے ساتھ مخالفت کی، ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جسمانی امراض مین مبتلا کریہہ پیکر باغبان اور کشاورز فراہم کئے جنکو دیکھ کر محل کی بیگمین اور کنیزین سہم گئین، پھر آب وہوا کی ردائت وخرابی کے عجیب وغریب مہیب قصے اور بے بنیاد افسانے سنا سنا کر دلیر داشتہ وخوف زدہ بنا دیا، یہ نمونہ جنت باغ نزہت ولطافت کا ایک دھندلا سا خاکہ یا ایک بگڑا سا نقشہ رہ گیا ہے سیلانی وہان جاتے حسرت وعبرت کے ساتھ دیکھتے اور یہ کہکر چلے آتے ہین،

سرمہ بینش تھی گرد راہ شاہون کے لئے   خواب گاہ ناز تھی تو کج کلاہون کے لئے

آج ہین تیری فضا مین سرد آہون کے لئے

ہندوستان کے باغات مین خواہ وہ مسلمان کے لگائے ہون، یا اون کے حلقہ بگوش راجہ مہاراجاؤن کے چند خصوصیات وضربات پائی جاتی ہین، جاننے والے اون کو بنیادی اصول قرار دیتے ہین، اولاً ایک مستحکم چار دیواری سے باغ کا محصور ہونا، خواہ مربع ہو خواہ مستطیل، دوسرے آبیاری وآبپاشی کا خود ساختہ وخود اختیاری، دیرپا انتظام، باغ کے اندر بہتی ہوئی نہرون اور دیگر مصنوعی وغیر قدرتی ذرایع سے کیا جانا، ان کی تفصیل یون کی جاسکتی ہے، کہ باغ کا پانی کہین درختون مین سے ہو کر کہین آبشارون کی شکل مین گذرتا ہے کہین صاف شفاف

[۱] منشی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ آرام باغ جہانگیر نے نورجہان کیلئے نصب کرایا تھا کابل کے باغ نور افشان کی نقل ہے، صفحہ مذکور۔

چادرون مین لپٹا ہوا آتا، اور وسیع وعریض حوضون مین گرتا ہے، تزک سے پایا جاتا ہے، کہ شہنشاہ بابر پانی کے بارے مین بڑی کاوش اور توجہ رکھتا تھا، جگہ کا انتخاب اوس کا مخصوص واولین نقطۂ نظر تھا، اچھے سے اچھا اور بہتر سے بہتر موقع تلاش کرکے اپنی پسند واطمینان کے مطابق پانی کی بافراط بہم رسانی کا بندوبست کرلیتا تب کام شروع کرنے دیتا، اسی طرح شاہجہان نے جب اپنی استراحت دائمی کے لئے اسی سرزمین آگرہ کو پسند کیا، مہتاب باغ کی نیاد ڈالی، تو پانی کا انتظام مقدم سمجھا، کنوون کا ایک سلسلہ نبا ڈالا، اس کے حوضون فوارون کے مقامات، نالیون اور نہرون کے ساتھ ساتھ نو بڑے بڑے کنوین اب تک قائم و برقرار ہین[له]، ان دو کے بعد تیسرا رنگ و بو کے تناسب اور لطیف امتزاج حسین وجمیل ترتیب اور ترکیبات کے ساتھ اون کی آراستگی، درختون کے لگانے مین یہ امر مد نظر رہتا تھا کہ طرفۃ العین مین باغ کی ہیئت وحیثیت مجموعی یا اوس کا نقشہ نگاہ کے سامنے آجائے باغ کے تمام حصے اور ٹکڑے مربع اور بجائے خود مکمل ہوتے تھے، گرداگرد نہرین روان ہوتین، ہر قسم کے پھلون کے درخت بکثرت ہوتے تھے، بالخصوص ایوان کے قریب، بہشت برین کی نقل یا قدرت مطلق کی تبعیت وتقلید مین ان نمونۂ بہشت باغون کے حصے بھی آٹھ رکھے جاتے تھے، یہ تعداد اگر کسی وجہ سے پوری نہ ہوسکتی، تو بھی مساوی ویکسان حصون مین تقسیم کیا جانا لابد تھا،

باغ کے وسط مین ورنہ کسی دوسرے موزون محل پر ایک نفیس وخوبصورت بارہ دری یا کوشک کا تعمیر کیا جانا آرایش وآسایش کے لئے ناگزیر تھا، برسات مین اور گرمیون مین بالخصوص بیگمات وشہزادیان، سلاطین اور شاہزادے اس بارہ دری مین، یا باغ کے سایہ دار ٹھنڈے ٹھنڈے مرمرین چبوترون پر استراحت فرماتے، گرمی کی تپش وکلفت دور کرتے، نہرون کا خوشگوار اور شیرین پانی کوثر وتسنیم کی طرح دنیاوی وفانی حوضون سے نشاط انگیزیون کا ضامن ہوتا، سیل آب اور فرحت بخش تموج لطف اندوز کرتا، فتح مند جنگ آزما بڑے بڑے معرکے جھیل کر سفر وتعب اور تحمل مشاق ومصائب کے بعد سکون وراحت کا ٹھکانا یہان پاتا، سرو وشمشاد کے درخت اپنے نیچے خوشنما زمردین کیاریون مین مختلف

[له] تاریخ تاج وغیرہ از مفتی معین الدین احمد صلا

قسم کے پھولون اور خوشبو غنچون کو اکٹھا کرکے ایک فرش رنگ و بو بچھا دیتے، قدرت کا رنگ و نور جلوہ فرما ہوجاتا نکہت بیز و کیف آور نسیم و صبا سے تھکا ہوا دماغ معطر و تازہ ہو جاتا، سبزہ و گل کے تختے نگاہ کو شاداب کر دیتے،

مست کر دیتی ہے مجکو فصل گل مین بوئے گل　　　وجد مین لاتی ہے حالت سبزہ و اشجار کی
بھینی بھینی ہائے وہ نارنج کے پھولون کی بو　　　جس پہ سو جانین فدا ہون طبلۂ عطار کی

باغون کے لگانے مین جہانگیر نے اپنے پردادا مرزا بابر سے کچھ کم سلیقہ و ذوق نہین پایا تھا، بلکہ اطمینان اور امن و امان نصیب ہونے سے اوس نے دل کھول کر اپنا شوق پورا کیا، کابل اور کشمیر کے بعض سرسبز دسطح میدان اسکے لئے موزون اور قدرتی طور پر مناسب تھے جنکو اوس نے سرمایۂ بہار یا گلزار ارم بنا دیا تھا[1]، وہ ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ء) مین کابل گیا تھا، پردادا کی قبر کی زیارت کی، حکم دیا کہ بڑا لمبا چوڑا باغ شہر آرا باغ کے متصل نصب کیا جائے، اور جہان آرا باغ نام رکھا جائے، دریائے کابل کاٹ کر نہر نکالی جائے، اور اس باغ مین ہو کر گذرے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا،

گرد دامن بن گیا صحرا کا دامان دیکھ کر　　　پاؤن پھیلائے ہین ہم نے بھی بیابان دیکھ کر

دور کیون جائیے، اپنے ہی صوبہ (متحدہ) مین ہندوستان کے پرانے پایۂ تخت آگرہ کو چلیے اس گئی گذری حالت مین بھی بہت سے باغات یا مٹے ہوؤن کے نشانات و آثار ملین گے (۱) اچانک باغ جو چار باغ سے ایک میل کے قریب جمنا کے ادھر ہے، مشہور ہے کہ بابر کے عہد مین لگایا گیا تھا (۲) باغ خان عالم (مرزا برخوردار) جو اکبر و جہانگیر کا معتمد اور مقرب امیر تھا، (۳) اعتماد الدولہ کے روضہ کا تین سو برس سے زائد ہوئے، نورجہان نے لگایا تھا، (۴) مہتاب باغ، جسکو شاہجہان نے اپنی پس مرگ راحت کے لئے تجویز اور بنا کیا تھا، (۵) بہشت آباد سکندرہ کو دیکھئے جس کا باغ اور صحن بیٹی باغ جو تارون سے گھرا ہوا اور محفوظ ہے (اس قسم کے احاطے اور اضافے پرانی دفتری اصطلاح مین خار بندی کہلاتے تھے)، محکمۂ باغات کی تازہ ترین سرکاری رپورٹون[2] مین اوس کا رقبہ

---

[1] تاریخ جہانگیر از گلیڈون صہ ۳۹، [2] صوبجات متحدہ کے سرکاری باغات کی رپورٹ بابتہ ۱۹۲۹-۳۰ء صہ ۱۱،

۱۶۵۰ء، ۱۰ ایکڑ لکھا ہے، مسٹر ڈنکن انجینیر ۱۲۳ ایکڑ کہتے[۵۱] کرنیل ہویل ۱۵۰ ایکڑ بتاتے ہین، اور اوسکی سنگین دیوارون کو چوبیس فٹ[۵۲] بلند، منشی معین الدین باغ کی وسعت ڈیڑھ سو ایکڑ اور اس کے جنوبی پھاٹک کی رفعت ۷۲ فٹ سے زائد تحریر فرماتے ہین[۵۳] اسمین شک نہین کہ اس کی تکمیل کی نوبت ۱۶۱۳ء مین جہانگیر کے ہاتھون پہنچی[۵۴] اور اوس نے ایک مرتبہ اس کا پورا نقشہ بھی بدل دیا تھا، مگر دراصل[۵۵] اکبر نے اپنا مقبرہ اپنی زندگی مین تعمیر کرانا شروع کیا تھا، بے موقع سہی تاہم یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ تین ہزار زیادہ آدمی دس سال تک روزانہ لگے رہے[۵۶] پندرہ لاکھ سے زیادہ صرف ہوا[۵۷] یہ عمارت ہندوؤن کے طرز تعمیر سے مشابہ ہے، اور اس وسیع وعریض کشور کی تمام تعمیرات مین ہندوستانی وضع وشان کی نمود کے لحاظ سے بے مثل وبے نظیر مانی جاتی ہے، جہان گرد سیاح مسٹر سیورڈ کا بیان ہے، کہ یہ یادگار تہا اپس (CHEOPS) کے ہندسے کہین زیادہ قابل تحسین ہے[۵۸]

مقبرہ اللہ اکبر! کیا عظیم الشان ہے استانہ پر جلالت آج تک دربان ہے

افسوس ہے کہ ۱۶۹۱ء مین جاٹون کی وحشیانہ دست برد سے بھی نہ بچی[۵۹] اور اس کا احترام اور پاکی کا لحاظ نہ کیا گیا، اس بارہ مین منوچی صاحب (ترجمہ مسٹر اِرِوین) پنڈت ایشور داس ناگر کی فتوحات عالمگیری کا اپنے نوٹ مین حوالہ دیتے ہین[۶۰] مگر میرے سچے اور اچھے منوچی! تمھارے یقین دلانے سے کون ہندوستانی باور کرے گا، کہ واقعی جاٹون نے اکبر کی ہڈیان باہر نکال کر پھینک نہین، پھونک دی تھین، وہ جیتے جی ہندوؤن کے اکثر شعائر ورسوم کو مانتا، اور ان کا ادب کرتا تھا، اگر تمھاری روایت سچ ہے تو مان لیجئے، کہ اوسکی رہی سہی بعد مرگ کی آرزو بھی جاٹون کی بدولت پوری ہوگئی، یہ صحیح ہے اور ڈاکٹر فوہرر بھی اپنی کتاب[۶۲] "آثار قدیمہ اور کتبات" مین تسلیم کرتے ہین، کہ "مقبرہ کا

[۵۱] آگرہ ہینڈ بک، ص ۲۱۵، [۵۲] آگرہ مین تین دن ص ۱۸۳، [۵۳] تاریخ تاج وصنادید آگرہ ص ۱۳۸، [۵۴] تاریخ جہانگیر، از پروفیسر بینی پرشاد، ص ۶۷، وتاریخ تاج از منشی معین الدین ص ۱۳۸، [۵۵] مسٹر ڈبلیو ایچ، سیورڈ کا دنیا کے گرد سفر صفحات ۳۴۳، ۳۴۴، [۵۶] تاریخ جہانگیر ص ۶۷، [۵۷] تاریخ تاج، ص ۱۳۸، وتزک جہانگیری مطبوعہ علی گڑھ ص ۷۲، [۵۸] دنیا کے گرد سفر ص ۳۴۵، [۵۹] تاریخ جہانگیر از ڈاکٹر بینی پرشاد ص ۶۷، [۶۰] ایشور داس مورخ ص ۱۳۶ [۶۱] منوچی مترجمہ اِرِوین صاحب جلد اول ص ۱۵۹ وجلد دوم ص ۳۲۰، [۶۲] ممالک مغربی وشمالی واودھ ص ۷۶

بالائی حصہ کھلا ہوا ہے، آسمان کا نیلگون چتر اوپر، اس لئے پہلے اس پر کمخواب اور سونے چاندی کا زرتار وزرکار شامیانہ سایہ گستر رہتا تھا، یہ چبوترے پر آویزان کیا جاتا، اردگرد کے تمام شہ نشینون اور صحنچیون مین اسی شان و اہتمام کے قیمتی پردے اور چلمینین ہر طرف لٹکی رہتیں، ان کو اور بہت سی قیمتی اشیا و اسباب و زیورات کے ساتھ راجہ جواہر سنگھ جاٹ اوڑا لے گیا، اسی جواہر سنگھ نے سنگ مرمر کے تختے اور منقوشات اوکھاڑ کر ڈیگ کو بھیج دئے تھے، سُن اے زبردست راجہ! سُن

ایک بیکس کی لحد سے یہ صدا آتی ہے، یاد کر میری محبت کو، مجھے یاد نہ کر،

باز آمد:۔ آئیے اور باقی آس پاس کے شاہی وقت کے بعض باغات اور مقبرون کی اراضی و وسعت کو بھی ملاحظہ فرمائیے،

آگرہ کا	رام باغ	بیس ۲۰ ایکڑ
"	اعتماد الدولہ	۷/۳۳ ایکڑ
"	تاج کا باغ اور اسکا مربع	اکیس ۲۱ ایکڑ

اس کے بعد الہ آباد کو لیجئے، جس کے الفرنڈ پارک نے حسب اندراج ڈسٹرکٹ گزیٹیر ما ۱۳۳ ایکڑ ایک روڈ ۲۹ پول اور بروے رپورٹ سالانہ ۱۸۸/۲۵ ایکڑ رقبہ پایا ہے، مگر یہ بعد غدر کی عالی ہمتی اور وسیع حوصلگی تھی، یا حقیقۃً اُن بدنصیب مسلمانون کی یادگار جنھون نے ناعاقبت اندیشی سے سرکار سے بغاوت کی، ازماست کہ برماست، اکی پاداش مین اپنے علاقہ و جائداد سے محروم ہوئے گاؤں ویران کردئے گئے، گھرون پر گدہے کا ہل چلگیا، البتہ دس بارہ برس بعد شاہزادہ عالی تبار ڈیوک آف ایڈنبرا کی بدولت سننے والون کو یہ فخر کرنے کا موقع ملا،

نہ ہو قناعت شعار گلچین اسی سے قائم ہے شان تیری

وفور گل ہے اگر چمن مین، تو اور دامن دراز ہو جا

لہ رپورٹ انتظام باغات سرکاری، بابتہ ۱۹۲۹-۳۰، صفحہ ۱۱، گزیٹیر سابق مطبوعہ ۱۸۸۴ء صفحہ نیز نائم ٹیبل ریلوے، صفحہ ۲۱۵

سے رپورٹ سالانہ باغات سرکاری بابتہ ۱۹۲۹-۳۰، صفحہ ۹، گزیٹیر سابق مطبوعہ ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۷۷

یہ تو زبانی اور مقامی روایات تھین، سرکاری گزیٹر[51] کا بیان ہے کہ "جب ڈیوک نے اپنے قدمون سے سرزمین پراگ کو عزت بخشی تو اس مبارک واقعہ کی یادگار مین ۱۸۷۱ء مین اس پارک کی بنیاد ڈالی گئی، پہلے یہان چھاونی تھی، مگر اوسکی آب وہوا ناقص اور خراب رہتی تھی"

یہ بھی ایک قابلِ اظہار حقیقت ہے کہ جس سال ایک حقیر متنفس یعنی راقم سطور نے اس عالم آب و گل مین قدم رکھا تھا، اُسی سال اُس نزہت گاہ نے صفحۂ ہستی کو اپنے ظہور سے رونق بخشی تھی،

خسرو باغ کی بلند اور چوڑی چکلی مضبوط چار دیواری جو اس بڑے اور فراخ مربع رقبہ کو گھیرے ہوے ہے، جہانگیر کے حوصلہ اور سلیقہ تعمیر کی یادگار ہے، باغ کے ہر طرف پختہ سڑک کافی وسیع موجود ہے، مقامی روایات اور مسٹر بیل کی تحریر[52] سے پایا جاتا ہے، کہ عظیم و عریض سنگین احاطہ عہد شاہزادگی مین جہانگیر کے حکم سے قلعہ کے باقی ماندہ[53] مصالح سنگ وخشت اور چونے سے بنا تھا، مسلمان مورخ اس بارہ مین قطعاً خاموش ہین، ایک باغی شہزادہ کی اگرچہ تقدیرات ایزدی سے وہ بعد کو شہنشاہ ہوگیا تھا، اس کے عالم کے شباب کی سرمستی، شوریدہ سری، اور سرکشی کی کسی مستقل یادگار کا اپنی کتاب مین ذکر کرنا زمانہ شناس اہل قلم کی شان کے منافی،

یہ ڈر لوگون پہ غالب ہے کہ حالت میری ظالم سے
سُنی کا ذکر کیا آنکھون کی دیکھی بھی نہین کہتے،

اُس زمانہ کے سیاحون کے نزدیک بھی یہ جگہ محض آنے جانے، اور گذر جانے کی چیز رہی ہوگی، یہ بھی ممکن ہے کہ سراپردگیان عصمت و عفاف سلطانی کی اقامت کی وجہ سے بے چارون کا گذر بھی یہان نہ ہوتا ہو،[55]

---

[51] گزیٹر سابق مطبوعہ ۱۸۸۴ء، ص ۱۷۷، [52] ڈسٹرکٹ گزیٹر قدیم، ص ۱۶۵، [53] ڈاکٹر فوہرر کی تاریخ یادگارہائے قدیمہ، اور انکے کتبات، جلد دوم، صفحہ ۱۳۱، [54] مفتاح التواریخ، ص ۲۲۵، [55] مفتاح التواریخ و تاریخ جہانگیر از ڈاکٹر بینی پرشاد صفحہ ۴۴۸، دیریاگ یا الٰہ آباد کی ہینڈبک، مرتبہ ماڈرن ریویو آفس صفحہ ۵۰،

ایک مشہور روایت یہ ہے کہ خسرو باغ سے قلعہ تک اندر اندر جانے آنے کیلئے زمین دوز راستہ بنا ہوا تھا، یہ روایت خواہ کیسی ہی مقبول عام اور دیرینہ کیون نہ ہو، مگر اوس کی تصدیق نہ تو کسی تحریر سے ہوتی ہے، نہ پیران کہن سال سے، نہ اوس کے کوئی نشان و آثار نظر آتے ہین ممکن ہے کہ آگرہ و دہلی کی بعض عمارات کی طرح یہان کے متعلق افواہ کی بھی کچھ بنیاد یا اصلیت رہی ہو، مگر مجھے تو خسرو باغ کے اندر اور باہر ہر طرف گھوم پھر کر دیکھنے اور غور و توجہ کرنے سے کسی سرنگ یا اس کے دہانے کا پتہ نہین چلا،

بحالت موجودہ یہ فرح بخش و مسرت خیز باغ ایشیا اور یورپ دونون کے کمال فن اور باغبانی و چمن آرائی کا نفیس اور ستھرا نمونہ ہے، ایک طرف لہلہاتے ہوئے شاداب و سرسبز قطعات بابر اور جہانگیر کی تختہ بندی اور گلکاریون کی یاد دلاتے ہین، دوسری طرف صناعان فرنگ کی ہنرمندی اور طرز جدید کی نظر فریب تختہ بندی و سبزہ کاری و مرغزاری کے نمونے پیش کرتے ہین، ان سب پر مستزاد واٹر ورکس کے لمبے چوڑے خوش قطع تالاب ہین،

زیرک و فرزانہ سیاح جو ابھی قلعۂ معلّی سے، وہ اکبری ایوان اور جہانگیری قصر جن مین تین سو سال کے قریب تیمور صاحب قران کی آل اولاد اقامت پذیر اور راحت گزین رہی تھی دیکھ کر آرہا ہے، انسانی فطرت کے اقتضا، اور کارگاہ عالم کے مشاہدہ و تجربہ سے اوس کے دل مین ایک خیال پیدا ہوتا ہے، وہ بے اختیار پوچھ اٹھتا ہے؛

اے اہل شہر! مدفن این دردمان کجاست		خاکم بفرق، خوابگہ خسروان کجاست؟

غریب الدیار کچھ جواب پاتا، اور اسی پتہ پر چل دیتا ہے، وہ قلعہ یا پورب کی سمت سے آرہا ہے، شہر کے باہر پرانے قبرستانون، پھر شہر کے کچھ قدیم اور مقابلۃً کم آباد و بے رونق محلّون سے گذرتا ہے، پھر شاندار و فلک بوس محلات، اور لکھپتی مہاجنون کی کوٹھیون اور دولت مند تاجرون کی دور و یہ دکانات سیٹھ ساہوکارون کے مالا مال ایوانات دیکھتا ہے، بڑی اور خوب وسیع و کشادہ سڑک سے کوتوالی شہر اور متنوع و مختلف امراض اور شکایتون کے متعدد شفاخانون کے سامنے سے ہوتا ہوا سرا خلد آباد کے بڑے اور فراخ و کشادہ احاطہ مین داخل ہوتا ہے، جو اپنیوین

۱؎ پریاگ یا الہ آباد کی ہینڈ بک مطبوعہ ماڈرن ریویو آفس صفحہ ۵۔

صدی مسیحی کی کاروباری و منتظم حکمران جماعتون نے روپیہ کی ضرورت اور آمدنی کے لالچ سے ایک بڑے بازار یا حسب[۱]
روایت پروفیسر بینی پرشاد مچھلی بازار کی شکل مین منتقل کر دیا ہے، اوس کے دونون جانب بھاری بھاری پھاٹک
موجود ہین، پچھم والے پھاٹک کا کتبہ خود شاہد[۲] ہے کہ اوسکی تعمیر جہانگیر کے حکم سے ہوئی تھی،

بفرمان شہنشاہ جہان گیر کہ زیبد ملکش از مہ تا بہ ماہی
بناشد این سرائے آسمان قدر کہ باد آباد خلد آباد شاہی

آبادی شہر کا یہ حصہ "خلد آباد" اسی مناسبت سے کہلاتا ہے، پوتھے مصرع (باد آباد خلد آباد شاہی)
سے عدد ۵، ۹ نکلتے ہین، اگر گ کے عدد بیس اور اضافہ کر لئے جائین، جو فن تاریخ گوئی مین جائز نہین تو ۹۹۵ ہو جائینگے
یہی خسرو کا سال ولادت ہے، جہانگیر اُس وقت تک نہ شہنشاہ ہوا تھا نہ ملک کا حکمران مطلق تھا، البتہ آگے چل کر باپ سے
باغی ہو کر اوس نے تمام شوکت و شان[۳] ملوکانہ اختیار کر لی تھی، ممکن ہے کہ اسی رعایت سے یہ قطعہ کہا گیا ہو،

دوسرا[۴] دروازہ خسرو باغ کے اصلی پھاٹک کے بالکل مقابل ہے؟ جس کا ذکر تحقیق مزید کا محتاج ہے،

بشپ ہیبر صاحب نے ۱۸۲۵ء مین اس سرا کو گئی گذری بلکہ گری پڑی حالت مین دیکھا تھا، تاہم اس کی نسبت
لکھتے ہین[۵] کہ "یہ ایک بوتل (عالیشان) مربع ہے جس کے چار عمدہ گاتھک وضع کے پھاٹک ہین جس کے گرد قلعہ بند
دیوار ہے، اور جس کے اندر وارد و صادر کے قیام و راحت کیلئے حجرے بنے ہین"،

ایک صدی اور گذرنے پر یہ حالت ہے کہ سرا جا بجا گر گئی ہے، زمانہ کی روش بدل جانے اور آیندو روند کی
عارضی ضرورت قیام باقی نہ رہنے کی وجہ سے اس فرودگاہ عوام کا اصلی مقصود مفقود ہو گیا ہے، البتہ میونسپلٹی کے زیر
اہتمام اس کے وسط مین کھانے پینے کی چیزون اور موسمی پھلون اور پیداوار کا ہاٹ لگتا ہے، اس کے وسیع و فراخ

---

[۱] تاریخ جہانگیر ص ۲۴۰، [۲] ڈسٹرکٹ گزیٹر قدیم ص ۱۶۶، جدید ص ۲۰۷ [۳] اکبر اور سلطنت مغلیہ کا عروج از کرنیل
میلی سن، ص ۱۳۰، و تاریخ جہانگیر از گلیڈون ص ۹ و گزیٹر جدید صفحہ ۱۶۹ [۴] ڈسٹرکٹ گزیٹیر جدید صفحہ ۲۴۳
[۵] سیاحت نامہ جلد اول صفحہ ۲۴۳،

صحن میں موقع و بے موقع مختلف قسم و وضع کی کچھ خوشنما اور کچھ بدزیب عمارتیں اور دوکانیں بن گئی ہیں، اور بنتی جاتی ہیں، سڑک کا دروازہ پشت کی جانب سادہ اور پرانا ہے خسرو باغ کی طرف اس وقت کوئی دروازہ نہیں ہے، نہ دیوار ہے، نہ کوئی روک ہے سرا کا یہ رُخ کھلا ہوا ہے، سڑک رواں ہے۔ اسی گذرنے والی سڑک کے پورب پچھم دونوں جانب دروازے ہیں، جو خلد آباد کے پھاٹک کہلاتے ہیں جن کا ذکر ابھی کر چکا ہوں قطعۂ تاریخ کے صرف تین مصرعے اس وقت کھُلے ہوئے ہیں، چوتھا غائب ہے، غالباً کسی بڑے حاکم کی آمد کے ہنگامے یا گرمئ محفل کے وقت درستی کی ضرورت سمجھی گئی، حسن اتفاق سے معمولی مرمت کی نوبت بھی پہنچی، لیکن اس طرح کہ اس ٹکڑے پر بدنما استر کرنے میں پورا ایک مصرعہ غائب ہو گیا، حقیقتہً یہ چاروں مصرع ایک سیدھی لائن میں ایک لمبے پتھر پر خوشنما نستعلیق میں کھدے ہوئے تھے

ہم دل میں خوش کہ سبزۂ تربت ہرا ہوا وہ اس ادا سے روئے کہ پلکیں بھی نم نہیں

سرا کے وسطؔ میں پہنچتے ہی شمالی جانب خسرو باغ کا بلند بادشاہی پھاٹک سامنے نظر آتا ہے، اس عمارت کا انداز تعمیر، خوش وضعی و خوشنمائی، یورپ کے نامور سیاحوں اور انجنیروں سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے،

میں نے دیکھا ہے کہ یہاں پہنچکر صاحب نظر سیاح متحیر ہو جاتا ہے، پھاٹک کی رفعت و عظمت، بلندی و شان اوس کو مبہوت بنا دیتی ہے، اب نہ وہ جہانگیر باقی ہے، جو کبھی بلند ارادہ شاہزادہ تھا، جو شاہانہ تمکنت، احتشام و جلالت سے الہ آباد میں وقت گذارتا، اور ہندوستان کے تاج و تخت کے خالی ہونے کا انتظار کر رہا تھا، نہ وہ اولوالعزم حوصلہ مند خسرو سلطان نظر آتا ہے جو مرتے دم بھی سلطنت اور بادشاہی کا سودا اپنے سر میں لیگیا، اس وقت ہر طرف خاموشی و سکون طاری ہے، لیکن دیکھنے والا اگر لرزہ براندام نہیں ہو جاتا تاہم یہاں کی مجموعی کیفیت سے متأثر و مرعوب ہوتا، اور اوس کے ہر جزو و کل پر بڑی عبرت و حسرت کی نگاہ ڈالتا ہے۔

پھاٹک پر یہ پتھر نصب ہے جس سے واضح ہے کہ اس کا مہتمم تعمیر آقا رضا تھا، جو اس عہد کا شاہی معمار تھا،

۱؎ ڈسٹرکٹ گزیٹیر جدید صفحات ۲۰۲، ۲۰۳، و پریاگ یا الہ آباد کی ہینڈ بک صفحہ ۸،

یا حیُّ یا قیُّوم۔ باہتمام مرید باخلاص آقا رضا مصوّر،

این بنائے عالی صورت اتمام یافت ۱۰۱۰

جدید گزیٹر کا مؤلف لکھتا ہے کہ اس پھاٹک کا تعمیر کنندہ شاہی معمار آغا رضا کا شاگرد تھا[۱]

"مُرید باخلاص آقا رضا،، کے اور کیا معنی آپ بتا سکتے ہین؟ مگر فی الواقع یہ ذی العلم کرنیل (نیویل) کی غلطی نہین بلکہ اُس کم استعداد دفتر کے اہلکار یا بابو کی خوش فہمی ولیاقت ہوگی، جو فارسی کی کتابون کو پڑھنے اور ان کے ترجمے کے لئے مامور ہوا ہوگا،

آقا رضا عہد اکبری کا ایک باکمال صانع، جہانگیر کا مقبول وہم مزاج امیر نامور مہندس (انجینیر) جابکدست مصور ونقاش تھا، اس کے تذکرہ کے لئے ایک مستقل مقالہ درکار ہے،

خسرو باغ کے بیرونی جانب فصیل یا چار دیواری سے ملحق پھاٹک کے دونون طرف سنگین دوکانین برابر بنی ہوئی تھین، جو کسی نہ کسی حال مین اب بھی موجود ہین، ان کی وضع وساخت سے پایا جاتا ہے کہ باغ کے متعلق تھین ہمارے خلد آباد کا جزو نہ رہی ہون گی، یہ دوکانین یا دوہرے حجرے شہر کی آبادی کے اندر ہونے سے کم وبیش اب تک آباد ہین، پہلی سی رونق البتہ باقی نہین نہ ان مین کوئی اعلیٰ قسم کا سامان تجارت یا عمدہ مال واسباب رکھا جاتا ہے، جائے سکونت کے طور پر تختی پیشہ ورون کے مصرف مین ہین اس لئے صفائی اور ستھراپن مفقود ہے،

---

[۱] ڈسٹرکٹ گزیٹیر جدید سنہ ۱۹۱۱ صفحہ ۲۰۲۔

پھاٹک کی عظیم الرفعت عمارت زیادہ تر معمولی سنگ سرخ کی ہے، جو ان اطراف مین بہ آسانی دستیاب ہو جاتا ہے کہین کہین کچھ تختے نیلے رنگ کے یا خاکی بھی پائے جاتے ہین، مگر ان کی تعداد چندان قابل لحاظ نہین عمارت سادہ ہے یعنی ہر قسم کے تکلفات اور نمایش و آرایش سے معرا، نہ اسمین سنگ مرمر کی جدولین ہین، نہ سیاہ پتھر کی تحریرین، نہ منبت کاری ہے نہ پچی سازی، شروع سے باغ تھا، اور باغ ہی رہا، اس لئے شاہی گورستانون کا سا اہتمام نہین پایا جاتا،

دروازہ مین داخل ہونے پر دونون جانب وسیع شہ نشین ملتے ہین، چار پانچ برس پہلے ان (دونون نعلی دالانون) مین نیچے اوپر دونون طرف پولیس کی چوکی تھی، اب خالی رہتے ہین، بالائی منزل پر یعنی اوپر بہت سی عمارت بنی ہے کافی جگہ ہے، زنانہ مکانات ہین، دالان ہین، کوٹھریان ہین، کبھی پردگیان حرم سرائے سلطانی ان مین فرد کش و راحت گزین ہوتی تھین، پھر حجلہ نشینان نگارخانہ پولیس کے اعتکاف کے لئے وقف ہوئین، اب وہ صورت بھی باقی نہین، آخر قدم پر بائین ہاتھ کو اوپر کی طرف ایک کمرہ کا ساین بورڈ آگاہ کرتا ہے کہ اس مین آثار قدیمہ کے محافظ کا دفتر یعنی آرکیالوجیکل آفیس ہے، جس نے پولیس کو بے دخل کرکے یہ جگہ حاصل کی ہے،

مسلم ہے کہ یہ سب تعمیرات جہانگیر کے زمانۂ قیام اور گورنری و ولیعہدی کے دور کی یادگار ہین،

صہبائے دانش

از

مولوی سید ابو القاسم صاحب سرور، دار الترجمۂ عثمانیہ

بسلسلۂ گذشتہ

اخلاقیات | خود نیکی کیا چیز ہے، اس کا خیال انسان مین کیونکر اور کس طرح پیدا ہوتا ہے، کہنے مین تو یہ ڈھائی لفظ ہین لیکن اس ذرا سے سوال کی پیچیدگی خود ایسی ہے کہ ابتدا سے ہر قوم و مذہب نے اپنی اپنی انتہائی کوشش اس چیستان کے حل کرنے مین صرف کر دی، نیکی صرف ایک لفظ ہے مگر ایسا ہو کہ ہر دور نے اسے اپنا مطمح نظر بنایا اور خوب اچھی طرح بجائے خود جانچا پرتالا، مگر تعبیرات اور تعریفات مین تنوع اور فروعات مین ہمیشہ اختلاف کی ہنگامہ آرائی ہوتی رہی اور کسی طرح اس اختلاف نے اتحاد کی صورت اختیار نہ کی، ابتداءً حکمائے اخلاق کا اختلاف فروعات و تفصیلات سے زائد نہ تھا، لیکن آگے بڑھکر فروعات کی طرح اصول بھی اس زد مین آگئے، اور اس اختلاف و ردّ و قدح نے بڑھتے بڑھتے دو گروہ بنا دیئے، جو ضمیریین و افادیین کے نام سے مشہور ہوئے۔

ضمیریین افعال کے حسن و قبح کا اصل ممیز ضمیر کو بتاتے ہین، افادیین کے نزدیک یہ سب افعال کی حیثیت افادی کا کرشمہ ہے، اس قسم کے اختلاف کا کچھ شائبہ افلاطون اور ارسطو کے یہان پایا جاتا ہے، مگر زینو اور اپی کورس نے اس مین زیادہ حصہ لیا اور یورپ نے اسے مکمل کر دیا، افادیین پر ضمیریین کا اعتراض یہ ہے کہ السنۂ عالم مین سے کسی ایک مین بھی نیکی اور افادیت کے الفاظ ہم معنی نہین مانے جاتے تو ایسی صورت مین کوئی بھی نیک کام جو کسی فائدہ کی غرض سے کیا جائیگا اس پر نیک ہونے کا کس طرح اطلاق آسکتا ہے اور اعمال کی حیثیت افادی ہی کو نیکی کا محرک قوی ماننے کے یہ معنی ہونگے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ نیکی کی منزلت پست

دفروتر قرار دیجائے اور افضل ترین اخلاق کا سرمایۂ نازش بے اعتنائی کے حوالہ کردین، اور اگر مسرت والنبساط کی مقدار اُنکے مدارج کے لحاظ سے ہوگی تو سخت ترین افعال ذمیمہ اعلیٰ محاسن کی نورانی فضا چھین لینگے اور اعلیٰ محاسن کو مکروہ ذمائم کی تاریکی مین منھ چھپانا پڑے گا، اپنی حیثیت افادی کی وجہ سے حیا باختگی، عفت فروشی، اعلیٰ محاسن مین شمار کیجائیگی، ایثار خود غرضی سے بھی پست تر درجہ اختیار کریگا، فیاضی حرف غلط کی صورت اختیار کریگی اور اسراف و فضول خرچی اس کے قائم مقام شمار کیجائیگی، رحم کی جانشینی کے لیے ظلم منتخب ہوگا اور انصاف کی جگہ قدرت کام کریگی، اس کے علاوہ اکثر و بیشتر افعال حسنہ ایسی تعجیل مین انجام پاتے ہین کہ ان کے منافع اور مضار کی نسبت اس تعجیل مین نہ خیال ہی ادھر متوجہ ہوتا ہے اور نہ اس بارہ مین ردّ و قدح کے لیے وقت ہی مساعدت کرتا ہے اس کے بھی ماسوا ایک اور بات یہ ہے کہ ایک ہی نیک کام جو ایک شخص کے لیے نفع بخش ہے دوسرے کے لیے اسی کار نیک کی منفعت بخشی اور نفع رسانی نہ لازمی ہے اور نہ ضروری. تو ایسی حالت مین اس کی حیثیت افادی نیکی کو کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے،

افادیین بھی خاموش نہین وہ ضمیریین کی قبائے تحقیق کی اس طرح دھجیان اڑاتے ہین کہ جب نیکی کی حیثیت افادی کے علم کے بعد پھر نیکی نیکی نہین رہتی تو پھر کسی فعل کے نیک ہونے کے تذکرہ کے وقت اس کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ اس سے فلان فلان فائدے حاصل ہوتے ہین، اگر ضمیر ہی کو نیک و بد کا ممیز اور افعال انسانی کا رہبر تسلیم کر لیا جائے تو ایک سفاک رہزن جو صدہا بے گناہون کے خون سے ہاتھ رنگ کر اپنی ناپاک ذلیل اور نجس خواہش کو پورا کرنے کے سامان بار بار فراہم کرنے پر بھی نہین تھکتا، اور دوسرا جو فلاکت و تہیدستی کی پیہم ٹھوکرین کھانے پر بھی ضبط و تحمل و شرافت و عزت کا دامن نہین چھوڑتا اور اسی عزت نفس کے سایہ مین محنت و مشقت سے اپنے قوت لایموت حاصل کرنے کی سعی و کوشش کرتا رہتا ہے، ان دونون مین امتیاز کی کونسی صورت اختیار کیجاسکتی ہے، اس لیے کہ دونون کے دونون ضمیر رکھتے ہین، ضمیر کا ایک کی رہبری کرنا، اور دوسرے کو قعر مذلت مین گرا دینا یہ ترجیح بلا مرجح کیون اور کس بنا پر؟ اس سے

بھی اگر قطع نظر کر لیجائے تو ایک اور سماں آنکھون کے سامنے آجاتا ہے، وہ یہ کہ جب ضمیر ہی کو شمع ہدایت تسلیم کر لیا گیا ہے تو پھر اپنے مذہب کو حق اور اس کے نہ تسلیم کرنے والے کو گمراہ کس استحقاق سے کہا جا سکتا ہے؟ کیونکہ نہ ماننے والے بھی تو ضمیر رکھتے ہین، مگر یہ واقعہ ہے اور آئے دن کا مشاہدہ کہ ایک پیرو ملت اپنے مقابلہ مین دوسرے عقائد کے متبع کو خاطی، عاصی، گرفتار ضلالت سمجھتا ہے، اسی بیان مین ذیل کی صورتین بھی اضافہ کے قابل ہین، کل تک ایک شخص جو ذمائم کی نجاست مین لتھڑا ہوا تھا، سیہ کاری اور تردامنی کی انگشت نمائی جسے اپنے ساتھ ساتھ لیے پھرتی تھی، وہی آج زہد و اتقا اور طہارت باطن کے اس درجہ پر پہنچ گیا کہ اس کا دامن نچوڑ کر فرشتون کو وضو کی دعوت دیجا سکتی ہے، اسی طرح وہ شخص جسے دینداری و پرہیزگاری کے منبر پر تزکیۂ نفوس کے وعظ و پند مین آنکھین مصروف دیکھ چکی تھین آج وہی میکدۂ ہوس رانی کا پیر مغان نظر آتا ہے؛ اسی قسم کی بوالعجبی سے جستجو کی ضرورت پیش آئی کہ دیکھا جائے آخر وہ کیا چیز ہے جو سچے اور جھوٹے صحیح اور غلط ضمیر مین امتیاز و فرق قائم کر دیتی ہے،

ضمیر کے یکسان حالت پر رہنے کی صورت مین بھی بحث کے لیے خاصی جگہ تھی، لیکن اس کی دوسری صورت کو دیکھکر تو حیرت کی کوئی انتہا ہی نہین رہتی کہ عمر، تجربہ، اثر صحبت، وسعت معلومات، خیالات اسے کہان سے کہان پہنچا دیتے ہین، ادھر خیالات مین ردوبدل اور گھٹ بڑھ ہوئی کہ ضمیر بھی اسی کا تابع بن گیا، تبدیلی صرف خیالات ہی مین نہین ہوتی، ساتھ ہی ساتھ ضمیر بھی بالکل بدل جاتا ہے، کسی مذہب و ملت کا ماننے والا جو ایک زمانہ تک اپنے دیرینہ مسلمات کی پرستش کرتا رہا ہے اس کے نزدیک ان مسلمات کی صداقت اور حقیقت اس کا ایمان اور اس کی روح کی طمانیت کا سبب ہے، لیکن یہی پرستار مذہب و ملت خیالات کی تبدیلی سے بالکل کایا پلٹ ہو جاتا ہے جو چیزین اس کی نظر مین قابل احترام اور صداقت آفرین ایک زمانہ تک رہین، اب وہی قابل تنفر اور یکسر کذب و دروغ کا مجموعہ معلوم ہوتی ہین، اور وہ بھی اس حد پر کہ اپنے پرانے معتقدات پر نفرت کی خاک ڈال کر بخوشی نئے عقائد کا طمانیت کدہ تیار کرنے مین مصروف ہو جاتا ہے،

جب ضمیر کی یہ تلون ریزیان ہین تو پھر اس سے یہ امید باندھنا کہ اس وقت تک جو حالتین نظر سے گزرین وہ آشنائی صورتین تھین لیکن آیندہ اور باتون مین یہ دھوکا نہ دیگا، ایک مضحکہ خیز لایعنی امر کے مرادف ہوگا،

ضمیرئین نے بنیادِ اخلاق یعنی ضمیر کی تعریف بھی عجب نہج سے کی، جو جامع اور مانع نہین، ان کے نزدیک ضمیر ایسا حاسہ ہے جو کیفیاتِ مسرت والم سے بالکل بے نیاز، اور انسان کو ہمیشہ نکوکاری کی ترغیب دیتا ہے، اس تعریف پر تنقید نے جو استفسار طلب چیزین نکالین مثلاً انسان مین یہ حاسہ کب اور کس وقت پیدا ہوتا ہے، الم ومسرت سے بے نیازی اور استغنا کا کیا مطلب، ان کے جوابات اگرچہ دیئے گئے مگر نہایت سطحی، نہایت کمزور اور نہایت بے پھسپھسے، جنکا عدم ووجود دونون برابر ہے، غرضکہ اسی قسم کے ایرادات کے اوزار ضمیرئین اور افادئین باہم استعمال کرتے ہین، جنکی تفصیل وتشریح کی اس مختصر مین گنجایش نہین، کیونکہ ان کے لیے بہت پھیلنے کی ضرورت ہے،

یورپ مین اخلاقیات کا جو نہج شہرت وقبولیت حاصل کرچکا تھا وہ اس وقت تک برقرار رہا جبتک کہ مارٹن لوتھر نے جدید اخلاقیات کا سنگِ بنیاد نہ رکھ دیا جس کا رجحان حقیقت کی طرف تھا، اسی نے یہ تعلیم دی کہ انسان اپنی قوت و استعداد کے ذریعے سے اس عملی زندگی مین اپنا مقصدِ حیات پاسکتا ہے اور یہی عالمِ رنگ وبو اس کے اخلاقی افعال واعمال کی نمایش گاہ ہے، اسی خیال سے فلسفۂ جدید نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور تدریجاً اخلاقیات کو دینیات کی زیردستی سے نکال کر اپنے برابر جگہ ہی نہین دی بلکہ اپنے استقلال مین اسے بھی برابر کا شریک بنالیا، اور جرمن کے مشہور فلاسفر کانٹ نے تو اخلاقیات کو کچھ سے کچھ کر دیا، وہ کہتا ہے کہ انسان آئین وقوانین کا ماخذ اور روح اخلاقی خود اپنے مین رکھتا ہے، اس روح اخلاقی کو بیرونی اور خارجی احکام کی حاجت نہین، اس لیے کہ یہ اس سے بے نیاز اور بالکل آزاد ہے، قانون اخلاقی کو حکم اطلاقی کہا جاتا ہے، انسان اپنے عزم وارادہ کو اقتدارِ باطنی یا حکمِ اطلاقی کی متابعت مین رکھکر اپنے فرائضِ متعلقہ انجام دیتا ہے اور یہی طریقہ اخلاقی عمل کے نام سے موسوم ہوتا ہے،

اجتماعیات اکیلا انسان نہ ہنستا بھلا نہ روتا بھلا، یہ وہ مشہور کہاوت ہے کہ جو عام طور سے زبانون پر چلی آرہی ہے، اس کی صحت اور سچائی مین بالکل کلام کی گنجائش باقی نہین رہتی جب یہ خیال آکر اپنے تفصیلات سامنے پھیلا دیتا ہے کہ کیسے ہی فردوس نظیر بہجت آور مناظر انسان کے پیش نظر کیون نہ ہون، لیکن اگر یہ اکیلا ہے تو وہ فرحت بخش اور نشاط انگیز مناظر اس کی نظر مین ادنیٰ وقعت وحقیقت نہین رکھتے اور یہ کسی سے بھی حظ اندوز ہونے کے قابل نہین رہتا اس لیے کہ اس کے میلان ورجحان فطرت نے کبھی اکیلا پن پسند ہی نہین کیا،

طبع انسانی کی یہ خواہش کوئی نئی نہین، پیچھے چھوٹے ہوے بعید سے بعید زمانہ کے جہانتک تاریخ ٹٹول سکی ہے ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تنہائی کبھی انسان کو پسند نہ تھی، الگ تھلگ رہنے کے بجاے ہمیشہ سے یہ کنبون، قبیلون، خاندانون، قومون کی چہل پہل، رونق وآبادی کا گرویدہ اور شیفتہ رہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کی فطری حاجتین اور مختصر زندگی کی ضرورتین ایسی نہین کہ یہ تن تنہا اپنے بنی نوع سے بے نیاز ہوکر ایک لمحہ بھی بسر کر سکے، اس لیے یہ اس امر پر مجبور رہے کہ زندگی کے مختلف کاروبار مین اپنے ابناے جنس کے ساتھ شیر وشکر ہوکر رہے، اُن سے ملاپ کے پینگ بڑھائے اور ارتباط واتحاد کا سلسلہ قائم کرکے اسے مستحکم بنانے کی کوشش کرے،

انسان کے باہم اتحاد پیدا کرنے کی کیا شرطین ہین، آپس مین ایک دوسرے کے ہاتھ بٹانے کے کون کون سے معاملات ہین، باہم اثر اور عمل کرنے کی نوعیت اور باہمی تعلقات کی کیا کیا صورتین ہین، حیات اجتماعی کی ترقی کے قانون کون کون سے ہین، یہ اور اسی طرح کے استفسارات اجتماعیات کے موضوع بحث ہونے کی حیثیت رکھتے ہین، عالم اجتماعی اور انسان مین جو سلسلہ تعلق ہے، حیات اجتماعی کے وجود کی جو جو صورتین ہین ان کا اظہار اور ان سے بحث کرنا اجتماعیات کا فریضہ ہے،

مختصر یہ کہ انسانی جماعت یا انسانی نوع کے فیما بین اتحاد واتصال کی بحث اسی سے متعلق ہے، یہی اجتماعی طاقتون کے آپس مین عمل واثر کی علت ووجہ دریافت کرتی ہے اور اس کے پاس مربوط اکائیون

کی مسلسل لڑی رہتی ہے، اجتماعی طاقتون کی کل جس قاعدہ سے چلتی ہے، ان قوتون کے پیچھے جو قانون کار فرما ہے، اس قاعدہ اور قانون کے معلوم کرنے ہی پر اجتماعیات اکتفا نہین کرتی بلکہ اس دریافت کے بعد آگے بڑھکر ان قوتون کا سلسلہ اس طرح مسلسل کرنے کی کوشش کرتی ہے جس سے انسانی جماعت مین ایک معتدل توازن پیدا ہو سکے،

لوگاس اور سوشیز یونانی اور لاطینی کے ان دو لفظون سے مل کر علم الاجتماع (سوشیالوجی) کی اصطلاح وجود مین آئی، (لوگاس یونانی لفظ کے معنی علم اور سوشیز لاطینی لفظ کے معنی اجتماع کے ہین) جس کا موجد اگسٹے کامٹ بتایا جاتا ہے، یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ اس اصطلاح سے پیشتر اس علم کا نام و نشان تک نہ تھا، بات یہ ہے کہ اس اصطلاح کی عمر سے اس علم کا سن کہین زائد ہے، وضعِ اصطلاح سے قبل علم الاجتماع اور علمون کے مثل عہدِ طفولیت مین تھا اور چونکہ یہ علم کل کا کل نظری نہ تھا اس لیے عملی مسائل سے بھی اس کا رشتۂ ارتباط قائم تھا، جسے سیاسیات کہا جاتا تھا،

یونان کے مایۂ نازش افراد افلاطون اور ارسطو نے اپنی اپنی تصنیفون مین نہایت شد و مد سے اس موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے "جمہوریت" اور "قوانین" افلاطون کی ان دونون تصنیفون مین ریاست و حکومت کے اختلافِ اشکال کی نسبت تفصیلی بحث ملتی ہے، ساتھ ہی اس طریقہ کی تعیین و تخصیص بھی جو افلاطون کی چشمِ تحقیق مین ریاست کا سچا اخلاقی مدعا تھا، اس نے اپنی تصنیفون مین ریاست اور حکومت کی مختلف ہیئتون کی نسبت جس طرح کے خاکے اور نمونے تیار کئے اور جس قسم کی خیال آرائی سے کام لیا، ارسطو کی نظر مین اس قسم کی تمام موشگافیان ایسی مخدوش معلوم ہوئین کہ اپنی شہرت یافتہ کتاب سیاسیات مین کل تحقیق کو نہایت پر زور تردیدی استدلال سے پامال کرکے رکھدیا،

کتاب مذکور مین شاہی، اشرافیہ، جمہوریت یا عمومیت یہ تین قسمین حکام کی قسمون کے اعتبار سے اس عہد کی حکومتون کی تقسیم کی جانب نہایت بالغ نظری سے ارسطو نے توجہ کی، ارتقا کا آغاز ہو یا کمال و انتہا دونون

حالتون مین انسان جتھون، گروہون مین زندگی بسر کرنے کے سوا تنہا اور اکیلا کسی طرح نہین رہ سکتا، ارسطو خیال کی یہ حدین عبور کرتا ہوا یہان تک آگے بڑھا کہ اس کی چشم تحقیق مین ریاست تخم فطرت کی تدریجی روئیدگی کا نتیجہ معلوم ہوئی، اور اس نے اس کے ثابت کرنے کی انتھک کوشش کی،

کامٹ نے اس عقل کے پتلے کی اس باب خاص مین نہایت مدح و ستایش کی ہے، وہ کہتا ہے، کہ پیروان افلاطون اور خود افلاطون کے خیالات جائداد کے اشتراک کی نسبت نہایت ہیب صورت رکھتے تھے، اسی دانشور یعنی ارسطو نے جس ژرف نگاہی اور دقیقہ رسی کے آلات سے اس ہیبت کدہ کو مسمار کیا وہ یقیناً آپ اپنی نظیر ہے،

قرون متوسط مین دینیات کے سرمایہ کی مانگ خانقاہ ضمیر مین اس حد پر بڑھی ہوئی تھی کہ اس کی مقدار جتنی بھی پہنچی ناکافی معلوم ہوتی، مذہبی بلند آہنگیون کی دلچسپیون مین التفات و اعتنا نے مسائل اجتماعی کی بات تک نہ پوچھی، خدا خدا کر کے نشأۃ جدیدہ کا آغاز ہوا اور ٹھکرائے ہوے مسائل اجتماعی پر تحقیق کی ایسی للچائی ہوئی نظرین پڑین کہ توجہ و التفات نے آگے بڑھکر انھین اپنے آغوش مین اٹھا لیا، ستر و اور البین ان دونون کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ "حقوق فطری" کے مسئلون اور سوالون کی نسبت گروہ فلاسفہ کے پیشرو اور ارباب قانون ان دونون جتھون کی صدائین بلند ہو چکی ہین، اس قسم کے سوالات جو اب تک نظریات کی چار دیواری مین نظر بند چلے آتے تھے نشأۃ جدیدہ نے انھین یہان سے نکال کر سیاسیات عملی کے خوشنما صحن مین لا بٹھایا، ہیگو گراٹس اور تھامس ہابس یہ دونون افراد موجدین کی سی شخصیت رکھتے ہین، فرق صرف یہ ہے کہ مقدم الذکر کو قانون کے فلسفہ کی ایجاد کا شرف حاصل ہے اور مؤخر الذکر کا زادۂ طبع نظریۂ معاہدہ ہے، جو اس کے لیے طرۂ امتیاز سے کسی طرح کم نہین، حقوق فطری اور رواجی کو پہلے پہل ہیگو گراٹس ہی کی دقت نظر نے بحث کے سانچہ مین ڈھالا، اسی بنا پر اسے قانون فلسفہ کا موجد کہا جا سکتا ہے، تھامس نے بھی نظریئے جانچے پرتالے اور سیاسیات کی کسوٹی پر کسے، تھامس جبر و قدر

کے ایک رسالہ مین اپنے مابعد الطبیعیاتی اور اخلاقیاتی خیالات بیان کرتے ہوے اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ اور مخلوقات کے مثل انسان بھی جبر کی مضبوط زنجیرون مین جکڑا ہوا ہے، اور تقدیر یا عزم الٰہی کا زیردست اور محکوم ہے، اخلاق اور دوسرے کاروبارِ حیات مین منفعت اور غرض یہی دونون منصب اعلیٰ کا درجہ رکھتی ہین، ہاٹس فطرت کی نسبت کہتا ہے کہ وہ ایک ہیئت پیکار، حالت جنگ یا تنازع للبقا کا نام ہے جس مین قوت سے حقیتِ حق کا ظہور ہوتا ہے، اپنے بچاؤ اور فطرت کی اس آویزش اور کارزار کو خاموش کرنے کے لیے انسان نے باہم ایک ایسا معاہدہ کیا ہے جس سے ریاست کا ظہور ہوا، ریاست کیا ہے یہ حیاتِ افراد اور صیانتِ جائداد کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے، ہر ہر فرد کی نظر مین ریاست کی مرضی و خواہش قانون اعلیٰ کی طرح لائقِ احترام ہونا چاہئے، رعیت کے مطیع و منقاد ہونے سے ریاست اپنے نصب العین تک پہنچ سکتی ہے، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ نظریۂ معاہدہ کی ایجاد کا سہرہ ہاٹس کے سر ہے،

مانٹس کوئین اپنی تصنیف "رومیون کے عروج وزوال" وغیرہ مین سیاسی مظاہر کی نسبت اسطرح اظہارِ خیال کرتا ہے کہ جس طرح فطرت کے بیشمار مظاہر تغیر نہ قبول کرنے والے قوانین کے تحت اور زیر اثر چلتے آتے ہین بس یہی حال سیاسی مظاہر کا بھی ہے۔ کامٹ کا بیان ہے کہ اس نے اجتماعی فکر و عمل کی تعمیر کے لیے فطرت کے قوانین کو سنگ بنیاد ٹھہرایا، مگر بعض افراد کا خیال اس سے بالکل مختلف ہے، وہ یہ کہتے ہین کہ واضعین قانون کے دست وبازو اک ایسی بسیط طاقت اور ہمہ گیر قوت کے حامل ہوا کرتے ہین کہ وہ نظامِ ریاست و مملکت مین اپنے منشا کے موافق تبدل و تغیر کرنے کا پورا اقتدار رکھتے ہین، ریاست و مملکت افراد کے معاہدۂ باہمی کا نتیجہ ہے۔ ہاٹس کے اس بیان کو روسو نے بھی اپنی تصنیف "معاہدۂ اجتماعی" مین تسلیم کیا ہے،

مثنوی فتوح الحرمین محی لاری

از

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان حسرت شروانی علی گڈھ،

اس مثنوی کا ایک قلمی نفیس نسخہ حیدرآباد سے حال ہی مین آکر داخل کتابخانہ حبیب گنج ہوا ہے، خط خلاف تمام قلمی کتابون کے خطاطی کی شان لیے ہوئے ہے، باقاعدہ ہے، جہانتک پڑھا صحیح ہے، جدول طلائی لاجوردی کاغذ سمرقندی آب رسیدہ، قدرے کرم خوردہ نقشے رنگین و طلاکار، عنوان طلاکار لاجوردی، نام کاتب اور سنہ کتابت مفقود، قرائن کی شہادت سے باطمینان کہا جاسکتا ہے کہ کم وبیش تین سو برس کا پرانا نسخہ ہے،

محی لاری کا ذکر اکثر تذکرون مین ہے، کشف الظنون نے بھی فتوح الحرمین کے تحت مین لکھا ہے،

ریاض الشعراء داغستانی مین ہے کہ محی لاری سلطان یعقوب کے عہد مین تھا شاہ طہماسپ کے زمانے تک رہا، کمال فضیلت سے ممتاز تھا، قصیدۂ تائیہ ابن فارض کی شرح لکھی ہے، حج سے واپس آکر سلطان مظفر بن محمود شاہ کے نام پر مثنوی فتوح الحرمین لکھی، ایک لاکھ سکہ سکندری انعام پایا، خزانۂ عامرہ مین بھی یہی ذکر ہے، اتنا اضافہ ہے کہ محی لاری محقق دوانی کا شاگرد تھا، ہفت اقلیم اور مخزن الغرائب مین ذکر ہے، آخر الذکر نے بابا فغانی کا معاصر لکھا ہے، فہرست کتابخانۂ بانکی پور مین سنہ وفات ۹۳۳ھ درج ہے (اس اطلاع کیلئے پروفیسر نظام الدین استاذ جامعۂ عثمانیہ کا سپاس گذار ہون) کلام صاف، زبان شیرین ہے، حقیقت و اثر کا رنگ لیے ہوے ہے، مکۂ مکرمہ کی تعریف ملاحظہ ہو،

مکہ کہ شد قبلۂ اہل نجات   حرسہا اللہ عن الحادثات

طعنہ برا کسیر زند خاکِ او — گل خجل است از خس و خاشاکِ او

ریگ زمینش چو نجوم سماست — گم شدگان راہ یقین رہنماست

جنت میں نیست کہ بے زرع و کشت — جمع درو گشتہ نعیم بہشت

گل نہ و باد سحرش مشکبوی — می نہ و میخانہ پر از ہائے و ہوی

زرع نہ و خرمن او دانہ بخش — غرس نہ و طوبی او سایہ بخش

باغ نہ و میوۂ او ظاہر است — راغ نہ و سبزۂ او ظاہر است

لالہ نیفروختہ در وے چراغ — بر دلش از حسرت آب اند داغ

تمام مناسکِ حج شوق کی تڑپ اور پاسِ ادب کے ساتھ بیان کئے ہیں، حج کے بعد زیارت مدینہ طیبہ کی تفضیل شانِ بالا کے ساتھ ہے، ایک باب کا عنوان ہے، "من نتائج انفاس مولنا نورالدین عبدالرحمٰن جامی" عنوان ہذا سے پہلے یہ شعر ہے، ؎

گر بود ت از سخنِ من ملال — گوش کن از عارفِ جام این مقال

اس عنوان کے تحت چار صفحے مولنا جامی کے کلام کے ہیں، اخیر شعر یہ ہے،

یارب از آنجا کہ کرم آنِ تست — چشم ہمہ بر در احسانِ تست

جامی اگر چند نہ صاحبدلی ست — از تو بامید چنین حاصلی ست

نسخہ ہذا کے ہاتھ آنے پر میں نے اپنے کتابخانہ کا جائزہ لیا تو دو نسخے نکلے ایک قلمی، دوسرا مطبوعہ، سردست مطبوعہ نسخہ سے بحث کرنی ہے، کہ ایک فاش غلطی کی اصلاح ہو، یہ نسخہ مطبع نولکشور میں دوبارہ ۱۸۸۶ء میں بمقام لکھنؤ طبع ہوا ہے، کاغذ سپید ہے، خوشخط جلی قلم، کاتب فدا حسین خوش نویس مطبع، آخر میں ۱۹ صفحے تقریظوں اور تاریخوں کے ہیں، مطبع والوں نے اس مثنوی کی تالیف کی بابت سخت دھوکا کھایا ہے اور ان کی وجہ سے پبلک مغالطے میں مبتلا ہوئی ہے، جو تقریظ مالک مطبع کی طرف سے شامل کتاب ہے، اوس میں لکھا ہے،

"نسخۂ صحیحۂ فتوح الحرمین مصنفہ جناب تقدس مآب ...... محی الدین عبدالقادر جیلانی ......"

اس کے آگے لکھا ہے کہ "اس مثنوی کا ایک نسخہ" مرقوم بخوشترین خط نستعلیق ولایتی" مولوی اشرف علی لکھنوی کے توسط سے ملا، اس کو دیکھتے ہی طبع کا شوق ہوا، دوسرا نسخہ باوجود تلاش نہ ملا، منشی محمد مرزا جان تصحیح پر مامور ہوئے جن کے مذاق شعر و سخن کی مہارت تام کی تعریف بھی درج ہے، ہم یہ مان لیتے ہیں کہ جو نسخہ مطبع کو ملا اس میں انتساب تصنیف حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی جانب ہوگا، لیکن مطبع کی ذمہ داری اس پر ہی ختم نہیں ہو جاتی، حضرت کے حالات کی تحقیق کرنا تھا کہ آپ نے فارسی میں کوئی مثنوی لکھی ہے، ظاہر ہے، کہ مغالطہ محی کے لفظ سے کھایا ہے، لہذا شعراء کے تذکروں میں محی کا ذکر دیکھنا لازم تھا، انتہائی بے پروائی یہ تھی کہ تذکرۂ خزانۂ عامرہ اس مثنوی سے برسوں پہلے اسی مطبع میں طبع ہو چکا تھا، اس کو بھی دیکھنے کی تکلیف گوارا نہ کی گئی،

جو عنوان ہمنے مولنا جامی کے کلام کا مثنوی قلمی سے اوپر نقل کیا ہے، اگرچہ مطبوعہ میں نہیں ہے، تاہم مولنا جامیؒ کے نعت کے دو مشہور بند درج مثنوی مطبوعہ ہیں، (دیکھو صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳) مولنا کا کلیات بھی مطبع نولکشور میں ۱۸۸۱ء میں چھپا تھا اس میں یہ بند بھی ہیں، (ملاحظہ طلب صفحہ ۹ اکلیات مطبوعہ نولکشوری) کاش ان کو بھی اہل مطبع دیکھ لیتے، ان بندوں میں ایک شعر ہے ؎

کز گدا اے بینوا جامی عنایت وامگیر کش عنان دل زکف حرص و ہوا بر بودہ اند

مثنوی مطبوعہ میں بجائے "جامی" کے "جام" ہے اور مصرعہ اسطرح

"کز گدائے بینوا جام عنایت وامگیر"

بڑی زبردست اور روشن شہادت اس مثنوی کی زبان اور طرز بیان ہے حیف کہ آج سے نصف صدی پہلے اہل مطبع میں ذوق فارسی اسقدر مفقود تھا کہ وہ نہ سمجھ سکے کہ مثنوی کی زبان نویں دسویں صدی ہجری کی ہے جو فیضی جامی وغیرہ کی مثنویوں میں بے تکلف ملائی جاسکتی ہے، پانچویں یا چھٹی صدی ہجری کی زبان یا طرز سخن نہیں جو حضرت کی طرف منسوب ہو سکتی ہے، کاش شیخ عطار و حکیم سنائی کی مثنویوں سے ملا لیتے،

ضمیمہ :- مضمون سابق کی کتابت کے بعد صاحب مضمون کا حسب ذیل ضمیمہ موصول ہوا،

"معارف"

عجب اتفاق ہے، پرانے خطوط ایک ضرورت سے دیکھے جا رہے تھے کہ علامہ شبلی مرحوم کی ایک تحریر مورخہ ۸ فروری ۱۹۱۰ء ہاتھ آئی، لکھتے ہین،

"فتوح الحرمین" حالات حرمین مین ایک مثنوی ہے، مصنف کا نام محی ہے، لیکن کشف الظنون کے سوا اور کسی تذکرہ مین پتہ نہین لگتا، آپ اپنے دفتر مین تو دیکھئے"

عین اس وقت جبکہ میرا مضمون معارف مین چھپ رہا ہے اس تحریر کا بائیس ۲۲ برس بعد ہاتھ مین آنا کیسا عجیب ہے، یہ تو یاد نہین کہ اس وقت جواب کیا دیا تھا، لیکن اس سے ایک خاص لطف قلب محسوس کرتا ہے کہ ایک محترم فرمایش کی تعمیل ہو رہی ہے، معلوم نہین مولوی صاحب نے کون سے تذکرے دیکھے جو محی کے ذکر سے خالی تھے، ورنہ خزانۂ عامرہ، ریاض الشعراء وغیرہ تذکرون مین تو اس کا ذکر موجود ہے"

ابن رشد

مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانون مین ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے، اور جس کی تصنیفات مدتون تک یورپ کی یونیورسٹیون مین پڑھائی جاتی تھین، سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ اور اسی ضمن مین مسلمانون کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو اور یورپ مین اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ معلومات کسی مشرقی زبان مین کیا کسی مغربی زبان مین بھی نہین ملسکتا، ضخامت ۵۰۰ صفحے،

قیمت :- ہے

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

دار التالیف کابل

کابل مین دار التالیف ایک مدت سے قائم تھا، لیکن دورِ نادری مین اس نے نمایان ترقی کی ہے اور اس ترقی کی تاریخ رسالۂ آئینۂ عرفان مین شائع ہوئی ہے، جسکا خلاصہ اخبار اصلاح کابل (۳۰ اگست ۱۹۳۲ء) کے ذریعہ سے ناظرینِ معارف کے اضافۂ معلومات کے لیے حسب ذیل ہے،

سرکاری طور پر کابل مین تالیف و ترجمہ کا صیغہ ۲۵ سال سے قائم تھا، لیکن اس مدت مین وہ بالکل غیر منظم حالت مین رہا، اس لیے کوئی قابل الذکر علمی خدمت نہ انجام دے سکا، البتہ ۱۳۰۲ھ کے آخری حصہ مین اس نے ایک وسیع پیمانے پر کام شروع کیا، اگرچہ جو ابتریان اور بدنظمیان اس زمانے مین دوسرے محکمون مین پائی جاتی تھین، ان سے یہ محکمہ بھی غیر متاثر نہ رہا، تاہم چھ سال کی مدت مین اس نے ان تمام ابتریون اور بدنظمیون کے باوجود ۱۴ کتابین ترجمہ و تالیف کین، اور بہت سے رسالے، پروگرام، دستور العمل اور ڈرامے وغیرہ شائع کئے، لیکن دورِ نادری مین اور چیزون کے ساتھ علمی ذوق کو بھی بے انتہا ترقی ہوئی ہے، چنانچہ اعلیحضرت نادر شاہ نے اس ذوق کو ترقی دینے کے لیے تقریبًا ..... ۱۰ فرمان جاری کئے ہین، اور اسی قدر تقریرین کی ہین، اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ تمام ملک مین مطالعہ کا شوق بے انتہا ترقی کر گیا ہے، اور ہر قسم کے علمی، اقتصادی اور اجتماعی رسالے اور اخبار نکل کر اس شوق کی پیاس بجھا رہے ہین، اسی سلسلے مین انھون نے دار التالیف والترجمہ کی طرف بھی توجہ مبذول فرمائی ہے، اور اس کے لیے بجٹ مین ایک معقول رقم کی منظوری دے کر اسکو محکمۂ تعلیم کا ایک جزو قرار دیا ہے جس کا نام

"ریاست تعلیم و تربیت" ہے، اور اس کے پروگرام کو جس قدر وسعت دی ہے اسکی تفصیل حسب ذیل ہے"

(۱) پروگرامون کی تحقیقات،

(۲) کتابون کی تالیف و ترجمہ اور علمی کتابون کو چھاپنے کے لیے متعین کرنا،

(۳) علمی و فنی اصطلاحات کا انتخاب و اتحاد،

(۴) طلبہ و اساتذہ کے امتحان کا اصول مقرر کرنا،

(۵) تعلیم و تربیت کے اصول کی تحقیقات اور بوقت ضرورت علمی رپورٹون کی جانچ پڑتال،

(۶) اساتذہ و متوسلین سررشتۂ علوم و فنون کے متعلق دستور العمل کی وضع و ترتیب،

(۷) موقت اور غیر موقت علمی رسالون کی اور علوم و فنون کی فہرستون کی ترتیب،

(۸) جو کتابین بالمقابلہ لکھی جائین ان کی تصدیق و ترجیح،

(۹) آثار تاریخی اور فنون لطیفہ کے اہمیت کی تحقیقات،

(۱۰) کتب خانون کی ترتیب و تنظیم،

اس محکمے مین ۱۳۰۱ھ سے ۱۳۰۲ھ کے نصف حصے تک چار مولف و مصحح، سات کاتب، اور ایک سرمحرر ابتدائی کتابون کے ترجمہ و تالیف پر مامور تھے، مگر ۱۳۰۲ھ کے آخری حصے مین ایک سال تک ایک مددگار نے بھی کام کیا، لیکن ۱۳۰۳ھ کے آخری حصے مین مولفین و محررین کا تمام عملہ الگ کر دیا گیا، صرف ایک معاون، ایک سرمحرر، اور دو کاتب رہگئے، لیکن چند مہینون کے بعد ان مین ایک کاتب مصحح کر دیا گیا، اور اب اس محکمے کے عملے مین صرف ایک معاون، ایک مصحح، ایک کاتب، ایک سرمحرر باقی رہے' ایک سال کے بعد ۱۳۰۴ھ کے ابتدائی حصے مین یہ مصحح بھی الگ کر دیا گیا لیکن ایک سال کے بعد ایک مصحح کا پھر تقرر ہوا،

اگرچہ اس محکمے کے متعلق ایک دستور العمل بھی جو ۲۹ دفعہ پر مشتمل تھا عقرب ۱۳۰۲ھ مین قانوناً منظور ہو چکا تھا، لیکن صرف اس کی بعض دفعات نافذ ہو سکین، بقیہ دفعات ہر دور مین بدل بدل کر بیکار

ہوتی ہین، غرض ۱۳۱۶ھ تک اس محکمہ نے اپنا کام کیا اور بہت سی کتابین، اور بہت سے موقت اور غیر موقت رسالے شائع کئے، لیکن جدی ۱۳۱۶ھ مین اور محکمون کی طرح اس پر بھی زوال آگیا، لیکن اب اس محکمہ مین دوسرے ترقی یافتہ ملکون کیطرح چار عالم خود اس محکمے کے، اور چار عالم دوسرے محکمون کے اور چار تعلیم یافتہ شخص جو مکاتب اور دوسرے انتظامی صیغون کا تجربہ رکھتے ہین کام کر رہے ہین، اس کے علاوہ بیرونی ممالک مثلاً مصر، ایران اور ہندوستان کے بھی چند علمار کا اضافہ ہونے والا ہے، جو عنقریب جمع ہو کر لاکھون روپیے کے صرف سے درس و تدریس کے لیے مفید کتابین لکھکر ملک کے سامنے علم و ادب کا ایک غیر معمولی ذخیرہ رکھدینگے،

ایک اٹالین نژاد عربی قبیلہ،

جن اٹالین سیاحون نے مصر اور مشرق قریب کے ملکون کی سیاحت کی ہے اور اپنی تصنیفات مین مصر، مصر کے آثار اور وہان کے بدویون اور شہریون کے عجیب و غریب حالات لکھے ہین، اُن مین ایک سیاح روبکی بریکیتی (ROBECCHIBRICHETTI) ہے جس نے ۱۸۸۵ء مین مصر کی سیاحت کی اور وہان ایک مدت تک مقیم رہا، اس کے سفر کا ظاہری مقصد تو صرف طبی جڑی بوٹیون کا جمع کرنا تھا، لیکن اس نے مخفی طور پر فراعنہ کی مومیات کا سراغ لگانا بھی پیش نظر رکھا تھا، اس کی اس سیاحت کی یادداشت ۱۹۰۱ء مین شائع ہوئی ہے، اس سفرنامہ سے ایک مصری اہل قلم نے اب تک قبیلہ سناجرہ کے دلچسپ حالات شائع کئے ہین، جو موجودہ دور مین اپنے عادات و اخلاق، رسم و رواج، طرز زندگی و معاشرت اور زبان و مذہب کے اعتبار سے خالص عرب قبیلہ معلوم ہوتا ہے، یہ قبیلہ صحرائے لیبیا مین بحر ابیض کے ساحل پر آباد ہے، اٹالین سیاح نے اس قبیلہ کو اٹالین نژاد عربی قبیلہ قرار دیا ہے، اس نے اس قبیلہ کی جو کچھ تاریخ بیان کی ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے، اس کا بیان ہے کہ

"اس قبیلہ کی تاریخ اس طرح شروع ہوتی ہے کہ جزیرۂ صقلیہ کے شہر شاکا کا ایک شخص جس کا نام

سینکیری تر یناگریزی تھا، آبادیانی کشتی مین مچھلی کاشکار کیا کرتا تھا، ایک بار وہ اپنے اور رفقار کے ساتھ اسفنج اور مونگے کے شکار کے لیے ساحل افریقہ کی طرف روانہ ہوا لیکن بدقسمتی سے کشتی ڈوب گئی اور صرف وہی زندہ بچ گیا، چنانچہ جب موجون نے اس کو ساحل کے کنارے ڈال دیا تو عرب اس کو اٹھا لائے اور اس کو ڈوبنے سے بچا لیا، اگرچہ وہ ابتدار مین اس قدر خوف زدہ رہا کہ چند دنون تک اس نے بات چیت تک نہین کی، تاہم عربون نے اس کے ساتھ اس قدر شریفانہ برتاؤ کیا کہ وہ انھی مین رہگیا اور اپنے وطن کی طرف مراجعت نہین کی، صرف یہی نہین، بلکہ اس نے اس احسانمندی کے اظہار مین اپنے اصلی مذہبی عقیدے کو چھوڑ کر مذہب اسلام قبول کر لیا، اور اس کے بعد اس نے ایک حسین بدوی لڑکی سے شادی کر لی اور غالبًا اسی کے عشق و محبت مین اپنی اس نئی زندگی کو قائم رکھا، اس قبیلے کے عرب اپنے قبیلے کے بانی سینکری کو اب تک سنجر کے نام سے نہایت ادب و احترام کے ساتھ یاد کرتے ہین،

اور یہ لوگ نہایت قوی، حسین، بہادر، فیاض اور مہمان نواز ہوتے ہین،

یہ ایک بہت بڑا قبیلہ ہے جس کے افراد کی تعداد ۲۰ ہزار سے زیادہ ہے، اور وہ دوسرے قبائل سے بھی رشتہ داری کے تعلقات رکھتے ہین، یہ لوگ بالکل آزاد اور خود مختار زندگی بسر کرتے ہین، نہ تو کسی سلطنت کی رعایا ہین، نہ ٹکس ادا کرتے، اور نہ اپنے عقیدے کے خلاف کسی قانون کی پابندی کرتے، بقدر ضرورت کھیتی باری تو کر لیتے ہین، لیکن زیادہ تر ادھر ادھر بکریون اور مویشیون کو چراتے پھرتے ہین، اور مویشیون کی تربیت و پرداخت مین اپنی نظیر نہین رکھتے،

یہ لوگ بارش کے شروع ہونے کے ساتھ ہی نہایت سرعت کے ساتھ کھیتی باڑی کا کام شروع کر دیتے ہین، اور رائش، پیاز، خربزہ، ککڑی، بالخصوص دھان کو بو کر شاداب قطعون مین دو تین مہینے کے لیے نکل جاتے ہین، پھر پلٹ کر اپنے پہلے مقام پر خیمے نصب کرتے ہین، تاکہ اپنی کاشت کے فوائد سے متمتع ہون، لیکن ان مین بعض لوگ پہاڑون یا دوسری وادیون مین بھی اقامت گزین رہتے ہین، لیکن تمام

پہاڑ اور وادی سمندر کے کنارے ہوتے ہین جو اُنکی اصلی قیامگاہ ہے،

"ع"

معارف:۔ نہین معلوم قبیلۂ سناجرہ کا وہ ایطالوی مورث اعلیٰ کس عہد سے تعلق رکھتا ہے، ایطالوی سیاح کے جزیرۂ صقلیہ کا شہر شاکا، عربون کا شہر شاقہ تھا، یہان اسلامی دور مین عرب قبائل آباد تھے، امام سلفی کے استاذ، ابو عمر عثمان بن حجاج الشاقی، اسی طرف منسوب ہین،

اندلس کے علمی آثار،

میڈرڈ جسکو اہل عرب مجریط کہتے ہین اندلس کا ایک عظیم الشان شہر ہے، اور جو مدت سے اب اس کا پایۂ تخت ہے، اور تمام تمدنی ساز و سامان، مثلاً سر بفلک عمارتون، شاداب باغون، وسیع سڑکون، شاندار ہوٹلون، اور فرحت انگیز سیرگاہون سے معمور ہے لیکن ایک علمی شخص کے لیے اس مین سب سے زیادہ دلچسپ چیز ایک عربی عجائب خانہ (میوزیم) ہے، جسمین اندلس کی قدیم نادر چیزین مثلاً ظروف گلی، مختلف قسم کے کپڑے خاصکر طلاکار کپڑے، اور قبرون کے کتبے وغیرہ جمع کئے گئے ہین، حال مین شیخ خلیل الخالدی نے جو بیت المقدس کی مذہبی عدالت کے صدر ہین میدرید کی سیر کی ہے، اور اس عجائب خانے کو دیکھا ہے اور اسکی متعدد نادر الوجود قلمی کتابون کا مطالعہ کیا ہے، چنانچہ وہ اپنے ایک خط مین اخبار فتح (مصر) کے اڈیٹر کے نام لکھتے ہین کہ " اس عجائب خانے مین مین نے بعض قدیم اندلسی قرآن دیکھے جو حضرت عثمانؓ کے مصحف کے موافق لکھے گئے ہین، میرا اصلی مقصد یہ تھا کہ اس عجائب خانے مین اندلس کی قدیم کتابین دیکھون، چنانچہ مین نے اسکو اس حیثیت سے دیکھا تو حیرت زدہ ہوکر رہگیا اور ایسی نادر الوجود کتابین دیکھین کہ اب تک حیرت زدہ ہون،

اس عجائب خانہ کے بعد مین نے اسکوریال کا رخ کیا جو اپنے کتبخانہ کیوجہ سے نہایت مشہور ہے مین نے وہان ایک مدت تک قیام کیا، اور ایک خاص چیز کے متعلق مجھکو بحث و تنقید کا کافی سامان نظر آیا یعنی یہ کہ علماے اندلس کے یہان صرف، نحو، لغت اور ادب کی تعلیم کا کیا طریقہ تھا؟ اور وہ کون کونسی کتابین پڑھاتے تھے؟ اس سلسلے

مین خوش قسمتی سے مجھے سیبویہ کی کتاب کا ایک نسخہ اندلس کے شیخ النحاۃ والعربیہ ابوعلی شلوبینی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ملا جو پڑھا گیا ہے، اور اسکی تصحیح کیگئی ہے، اس کے علاوہ مین نے حسب ذیل کتابین دیکھین،

(۱) ایضاح المنہج فی الجمع بین کتابی التنبیہ والمبہج کتاب التنبیہ والمبہج ابن جنی کی تصنیفات سے ہین جو اس کے حماسہ پر لکھی ہین، اور ایضاح المنہج ابو اسحاق بن ملکون الاندلسی کی تصنیف ہے، جو نحو و لغت کے امام اور ابوعلی شلوبینی کے استاد ہین،

(۲) شرح ابن سید البطلیوسی، یہ ابوالعلا معری کی کتاب ملقی السبیل کی شرح ہے،

(۳) نقد النثر[1] یہ مشہور انشا پرداز ابوالفرج قدامہ بن جعفر کی کتاب ہے جو البیان کے نام سے مشہور ہے اور جاحظ نے کتاب البیان والتبیین مین اسی کی پیروی کی ہے،

ان کتابون کے علاوہ مین نے میڈرڈ مین چند اور کتابین دیکھین مثلاً

(۱) کتاب الجوامع لابن رشد، اس مین اس نے ارسطو کی فلسفیانہ کتابون کا خلاصہ کیا ہے، مستند اقوال جمع کئے ہین، اور قدماء کے مذاہب کو حذف کر دیا ہے،

(۲) کتاب الفلاحۃ فی الارضین والحیوان[2]، دو ضخیم جلدون مین ہے جسکو یحیی بن احمد بن محمد بن العوام نے فلاحین اور حکمائے متقدمین کی کتابون کی مدد سے مدون کیا ہے،

(۳) کتاب التلقین، ابن نصر کی تصنیف ہے جسکی معری نے سقط الزند مین تعریف کی ہے،

(۴) التبیین فی شرح التلقین، یہ اسی کتاب کی شرح ہے جسکو امام مجتہد ابوبکر بن عربی نے لکھا ہے،

مصر کے سکے

سکے کی تاریخ علوم و فنون اور نظام حکومت کی تاریخ کے ساتھ ساتھ شروع ہوتی ہے، کیونکہ تاریخ مین

---

[1] معارف:- اس مصنف کی ایک اور کتاب نقد الشعر ہے، جو چھپ گئی ہے، اور دارالعلوم ندوہ کے نصاب درس مین شامل ہے،

[2] ؎ :- یہ کتاب یورپ مین چھپ چکی ہے، اور اس کا ترجمہ بھی اردو مین معارف پریس سے شایع ہو چکا ہے،

کسی ایسی سلطنت کا ذکر نہین ہے، جس کا مخصوص سکہ نہ ہو، لیکن جب اُس سلطنت پر زوال آیا تو اس کیساتھ چند دنون مین اس کا سکہ بھی فنا ہو گیا، اس بنا پر تاریخون مین سکون کی مختلف قسمین ملتی ہین جو ایک زمانے تک رائج رہے، پھر بعد کو فنا ہو گئے، چنانچہ یونانی اور رومی سکون کا یہی حال ہوا،

معدنی سکون کا رواج تو چھٹی صدی قبل مسیح مین ہوا، لیکن سونے کا سکہ ظن غالب ہے کہ قارون نے ڈھالا جو ایک مشہور دولتمند بادشاہ تھا اور اسی زمانے سے ہر سلطنت نے اپنے اپنے مخصوص معدنی سکّے رائج کئے، اور ان سکون کی مخصوص شکلین مثلاً بعض کی گول، بعض کی مربع، بعض کی مستطیل، اور بعض کی مثلث قرار دیگئین، اور ہر ایک پر ایسے رموز و نقوش کندہ کئے گئے جنکا تعلق دینی عقائد، یا سیاسی واقعات سے تھا،

چونکہ سکون کا تعلق سلطنتون کے استقلال کیساتھ ہے، اس لیے مستقل حکومتون کے فرمانروا ہمیشہ اپنے نام اور اپنی تصویرون کیساتھ سکے ڈھالتے رہے ہین، اور یہ سکے چونکہ مختلف حجم اور مختلف معدنیات سے ڈھالے جاتے تھے، اسلیے بعض نہایت بڑے اور بعض نہایت چھوٹے ہوتے تھے، یہانتک کہ بعض سکون کو ایک آدمی اٹھا بھی نہین سکتا تھا،

جیساکہ ہم اوپر بیان کر چکے ہین، سونے کے سکے سب سے پہلے قارون نے ڈھالے اور اسی وقت سے سونا بلکہ چاندی بھی تمام دنیا مین نقد کا معیار قرار پایا، لیکن سونے کی اصلی قیمت اس وقت ظاہر ہوئی جب اقتصادی مشکلات کے زمانے مین تمام سلطنتون نے سونے کا ذخیرہ جمع کرنا شروع کیا،

بعض قومون نے مٹی اور شیشے اور لوہے وغیرہ کے سکے بھی استعمال کئے ہین، اور اس زمانے مین سکون کی قیمت کا معیار اس کی دھات کی کمی و بیشی پر ہے، یعنی جسقدر وہ دھات کمیاب ہوتی ہے، اسکی قیمت زیادہ ہوتی ہے، اور جسقدر اسکی مقدار زیادہ ہوتی ہے، اسکی قیمت کم ہو جاتی ہے، سونے کی قیمت کی زیادتی کی وجہ یہی ہے،

حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے جب ۶۴۱ء مین مصر کو فتح کیا ہے اس وقت وہان کا اصلی سکہ وہی دینار تھا، جو عرب مین رائج تھا، اور جس کو اب حکومت عراق انگریزی گنی کی مساوی حیثیت سے دوبارہ جاری

کرنا چاہتی ہے، چنانچہ انھون نے باشندگان مصر پر دینار ہی کے حساب سے جزیہ لگایا، اس کے بعد سلطان صلاح الدین کے زمانے تک مصر مین خلفائے بنو امیہ اور خلفاے عباسیہ کے سکے رائج رہے، لیکن خود مصر مین سب سے پہلے ۲۷۰ھ مین امیر احمد بن طولون نے دینار ڈھالے جنکو ان کے نام کی نسبت سے **احمدیہ** کہتے ہین، اس کے بعد ۳۵۸ھ مین سپہ سالار جوہر صقلی نے نئے دینار ڈھالے جو خلیفہ معز لدین اللہ کے نام کی نسبت سے **معزیہ** کہے جاتے ہین،

ہم ابھی کہہ چکے ہین کہ سلطان صلاح الدین کے زمانے تک مصر مین خلفائے بنو امیہ اور عباسیہ کے سکے جاری رہے، لیکن سلطان صلاح الدین نے ان کے بجائے نئے مصری دینار ڈھالے اور انکو رائج کیا، اور وہ ۹۲۲ھ تک رائج رہے، فاطمین کے زمانے مین مصر مین ایک ٹکسال تھا، جسمین مختلف قسم کے سکے جو اس زمانے مین رائج تھے ڈھالے جاتے تھے، محمد علی خدیو مصر کے زمانے مین ریال مصری ڈھالی گئی، اور فرانسیسی ریال اور فرانسیسی گنی کا بھی رواج ہوا، اس کے بعد خود مصری گنی ڈھالی گئی، اور ربنتو کا بھی رواج ہوا، لیکن مصری سکون کا صحیح نظام خدیو اسمٰعیل کے زمانے مین قائم ہوا، جو شاہ فواد اوّل کے باپ تھے، چنانچہ ان کے زمانے مین گنی کی خاص اصلاح ہوئی اور دوسرے مختلف سکے رائج کئے گئے، جو بیسوین صدی کے آغاز تک رائج رہے، اس کے بعد مختلف عثمانی سکون نے ان کی جگہ لے لی،

مصر مین فاطمین کی ٹکسال کے علاوہ محمد علی پاشا کے زمانے مین قلعہ مین ایک ٹکسال قائم ہوا جو ۱۸۳۸ مین شارع حجالیہ قاہرہ مین بیت المال کیطرف منتقل ہوگیا، اس ٹکسال مین سکون کے ڈھالنے کے علاوہ چاندی، سونے اور وزنون اور پیمانون کی بھی جانچ کیجاتی تھی اور حکومت کیلئے مہرین بنائی جاتی تھین، لیکن بعد مین اسمین چاندی کے سکون کا ڈھالنا موقوف ہوگیا اور صرف سونے چاندی اور نیکل کے سکے ڈھالے جانے لگے، لیکن ۱۹۱۲ مین اسمین سکون کا ڈھالنا موقوف ہوگیا، اور یہ کام انگلستان کے ٹکسال کے حوالے کیا گیا،

"ع"

(الہلال مصر)

اخبار علمیہ

ہندوستان میں یہود کی آبادی

ہندوستان کی گذشتہ مردم شماری میں جن اقلیتون کی آبادی کا شمار علحدہ کیا گیا تھا، اُن میں سب سے کم تعداد یہود کی ہے، برطانوی ہند اور ریاستون کی آبادی (۳۵۲۸۳۷۰۰۰) ہے، اس میں یہود کی مجموعی تعداد صرف (۲۴۱۴۱) ہے اُن میں (۱۲۴۵۰) مرد اور (۱۱۶۹۱) عورتین ہین، یہود کی آبادی سب سے زیادہ صوبۂ بمبئی میں ہے، جہان ان کی تعداد (۱۷۷۳۹) ہے، بنگال میں ان کی آبادی (۱۸۶۷) ہے، ریاستون میں یہود کی مجموعی تعداد (۲۹۳۵) ہے، ہندوستان میں یہ لوگ سب سے پہلے ریاست کوچین میں آکر مقیم ہوئے تھے، وہان اون کی آبادی (۱۴۵۱) ہے، صوبہ جات متوسط میں اون کی تعداد (۱۵۳) ہے، صوبہ پنجاب اور صوبہ دہلی میں صرف (۱۲) اور (۱۱) صوبہ کورگ میں ایک بھی یہودی نہیں ہے، اسی طرح جزائر انڈمان میں بھی کوئی یہودی نہیں ہے،

وحشی اقوام کی ایک عجیب و غریب رسم

ڈاکٹر لوتھروپ (Dr. LOTHROP) نے جنوبی امریکہ میں وحشی اقوام کے متعلق تحقیق و تفتیش کے سلسلہ میں ان کی ایک عجیب و غریب رسم کا پتہ لگایا ہے، قدیم زمانہ میں ان قومون میں یہ رواج تھا کہ اپنی انگلی کی ایک یا دو پور کاٹ ڈالتے تھے، ڈاکٹر موصوف کو اس تحقیق کے سلسلہ میں معلوم ہوا کہ دریائے پراما کے ڈیلٹا میں جو وحشی قومین آباد تھین اُن میں کم سے کم چار ضرور ایسی تھین جنمین یہ رواج پایا جاتا تھا، اسی طرح وسط امریکہ کی قدیم قوم مایا میں

بھی یہی رواج تھا، یورپ میں بھی زمانہ قبل تاریخ میں بعض شکاری قومیں اس رسم میں مبتلا تھیں، چنانچہ اس وقت بھی فرانس کے بعض غاروں میں ان کے ہاتھوں کے نشان موجود ہیں، جن سے کٹی ہوئی انگلیوں کا پتہ لگتا ہے ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے، کہ افریقہ، ہندوستان، اور اسٹریلیا میں بھی انگلی کاٹنے کی رسم کے علامات معلوم ہوئے ہیں، اس رسم کے مختلف اسباب تھے، جنوبی امریکہ میں یہ ماتم کی علامت سمجھی جاتی تھی، ملنسکوا اور یورپ قبل زمانہ تاریخ میں اوس کا تعلق جادوگری سے تھا، آسٹریلیا میں یہ بیماری کا علاج سمجھی جاتی تھی، اور قدیم ہندوستان میں اسکا شمار ان رسومات میں تھا، جو پیدائش کے وقت برتی جاتی تھیں،

دو ہزار سال کی روٹی

شہنشاہ ہیڈرین کے بازار کی جو دوکانیں روم میں کھود کر برآمد کی گئی ہیں، ان میں مسولینی نے حال میں رومی طباخی کی ایک بین الاقوامی نمایش کا افتتاح کیا تھا، اس نمایش کی سب سے زیادہ عجیب چیز ایک قدیم رومی روٹی ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، کہ دو ہزار سال قبل کی ہے، یہ بہت سخت ہے، اور اس کے مرکزی حصہ سے آٹھ لکیریں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں، ایک سو ملکوں نے اس نمایش میں حصہ لیا ہے، اور اپنے اپنے عجائبات بھیجے ہیں، ان عجائبات میں ترنس پروکیولو (TERENCEPYOCULC) اور اوس کی بیوی کی تصویر بھی ہے یہ دونوں پومپیائی کی تباہی سے کچھ ہی دنوں قبل وہاں نان بائی کا پیشہ کرتے تھے، لیکن اس عام ہلاکت میں جو وسویس کی آتشفشانی سے پیدا ہوئی، یہ بھی جلتی ہوئی راکھ کے نیچے دفن ہوگئے،

ایک جدید گھڑی

ایک امریکن نے ایک ایسی گھڑی ایجاد کی ہے جس کے اوپر ڈائل نہیں ہوتا جسپر ہندسے لکھے ہوتے ہیں، بلکہ وہ بنکوں کے اس صندوق سے مشابہ ہے جس کے بٹن کے دبانے سے ہندسے اس پر لکھ جاتے

ہین، بعینہ اسی طرح جب اس گھڑی سے وقت معلوم کرنا ہوتا ہے تو اسکا بٹن دبا دیا جاتا ہے اور وقت کا ہندسہ اُسپر چھپ جاتا ہے،

نباتات مین قوت فکریہ

سر جگدیش چندر بوس کا نظریہ جس کا تذکرہ بارہا ان صفحات مین آچکا ہے، یہ ہے کہ نباتات مین بھی انسانون کی طرح حس وشعور کی قوت ہے، اور وہ بھی انسانون کی طرح رنج ومسرت کا احساس کرتے ہین، لیکن اب ایک امریکن پروفیسر نے اس قسم کا ایک دوسرا نظریہ پیش کیا ہے کہ انسانون کی طرح نباتات مین بھی غور وفکر کی قوت پائی جاتی ہے، اور اس نظریہ کو انھون نے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے،

حقیقی ہیرا بنانا

ایک امریکن پروفیسر نے پہلے اُن طریقون کا مطالعہ کیا جن کے ذریعہ سے قدرتی ہیرے پیدا ہوتے ہین، پھر کیمیاوی طریقہ سے اُس نے قدرتی ہیرا بنایا، البتہ پروفیسر موصوف کا یہ طریقہ بہت کثیر المصارف ہے، اور اس کے لیے بہت زیادہ فشار اور حرارت کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن پروفیسر موصوف کے خیال مین آیندہ یہ مصارف کم کئے جاسکینگے اور اس طرح کثرت سے ہیرا بننے لگیگا،

ایک جدید زہر

روس کے بعض علمار نے ایک ایسے پودے کو دریافت کیا ہے جس سے ایک زہریلا مادہ نکلتا ہے، اور وہ اُن کیڑون کو مار ڈالتا ہے جو پودون اور درختون کو نقصان پہنچاتے ہین، چند روز ہوے کہ امریکن علمار نے مصنوعی طریقہ پر اس قسم کا زہر ایجاد کیا تھا، لیکن روسیون کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ بعینہ یہ مادہ ان کے ملک کے ایک پودے سے نکل سکتا ہے،

ایران کا ایک جدید تعلیمی فرمان

ایران کی وزارت تعلیم کی جانب سے ایک نیا فرمان جاری ہوا ہے، کہ ایرانی لڑکون کا داخلہ ان پرائمری اسکولون مین نہ کرایا جائے، جو ایران مین غیر ملکون کے ذریعہ چلتے ہین، اس فرمان کے روسے نہ صرف نئے طلبہ کے داخلہ کی ممانعت کیگئی ہے، بلکہ ایسے طلبہ کو بھی ان اسکولون مین واپس جانے سے باز رکھا گیا ہے، جو ان اسکولون کی دوسری یا تیسری جماعتون مین تعلیم پاتے ہین اور اسوقت زیر رخصت ہین اس فرمان کا نفاذ، ۲ ستمبر سے ہوگیا ہے، اسی تاریخ کو وہان کے اسکولون کے سال کا آغاز ہوتا ہے، ایران مین غیر ملکی مدارس دو قسم کے ہین، کچھ ایسے ہین، جو عیسائیون کی تبلیغی انجمنون کے ماتحت جاری ہین، اور کچھ اشتراکی تحریک کے زیر اثر ہین، اسی فرمان مین ان اسکولون کو غیر ایرانی طلبہ کو داخل رکھ کر تعلیم جاری رکھنے کی اجازت بھی دیگئی ہے، اس فرمان سے ایران کی موجودہ حکومت کی قومی و ملی و وطنی بیداری کا پتہ چلتا ہے،

لاطینی زبان کی ترویج کی کوششین،

لاطینی زبان کے درس و تدریس مین اصلاحات معلوم کرنے کیلئے جو ایسوسی ایشن قائم ہے، اسکا سالانہ اجلاس ۲۹ اگست سے ۹ ستمبر تک مسٹر ایف، ار، ڈیل، ہیڈ ماسٹر سٹی آف لندن اسکول کی نگرانی مین لیڈس ٹریننگ کالج مین منعقد ہوا، یہ اجلاس ایک قسم کا تعلیمگاہ بھی تھا، طلبہ کی ایک جماعت اسمین شریک تھی، مختلف اساتذہ نے مختلف عنوانون پر مختلف خطبے دیئے، اور یہ تجویز قرار پائی کہ ایک جماعت، وسی عہد کی یادگار اشیا کی تحقیق و تفتیش کیلئے تیار کیجائے، اس اجلاس مین طلبہ، چھوٹی چھوٹی ٹولیون مین اکٹھا ہو کر لاطینی پڑھتے رہے اور نیز یونانی زبان کا درس بھی دیا گیا، لاطینی اور یونانی زبان کے اشعار ترنم آمیز لہجون مین گائے گئے، ایک مجلس منعقد کی گئی، جسمین لاطینی زبان مین بحث و مباحثہ کیا گیا، یہ اُن قومون کی اپنی مردہ زبانون کیلئے کوششین ہین، جنکی جدید زبانین سیکھ کر ہم اپنی قدیم زبانون کو بھولتے جاتے ہین،

"ر"

کلام احسان

از

جناب مرزا احسان احمد صاحب احسان بی اے ایل ایل بی علیگ، اعظم گڈھ

ہجوم درد مین اور خندہ ہاے زیر لبی
یہ فیضِ غم ہے، یہ ہے لذتِ جفا طلبی

ہزار عشق ہو وارفتۂ جنون لیکن
حریمِ حسن مین جائز نہین ہے بے ادبی

بڑھا نہ ساغرِ رنگین کی سمت دستِ ہوس
کہ اصل بادہ کشی ہے یہ کیفِ تشنہ لبی

تلاشِ منزل و فکرِ وصال و شکوۂ ہجر
یہ سب ہین اے دلِ مضطر دلیلِ کم طلبی

فضاے عالمِ جان جس سے مشتعل ہے تمام
وہ برق نغمہ ہے میری نواے زیر لبی

نظر فروز ہے ہر ذرہ مشہدِ غم کا
سرشتِ عشق ہے جانبازی و جفا طلبی

عطا کیا ہے مجھے غم نے اک گدازِ لطیف
نہ نالۂ سحری ہے نہ اشکِ نیم شبی

اٹھا نگاہ ذرا جوشش کیف مستی مین
ہزار جلوہ بکف ہے یہ غم کی تیرہ شبی

رباعیات اخگر

از

جناب امداد حسین صاحب اخگر مرادآبادی،

توحید

سو رنگ کے ہین پھول چمن ایک ہی ہو سو طرح کے اشجار ہین بن ایک ہی ہے
کثرت مین چھپی رہتی ہے وحدت اخگر اعضار تو بہت سے ہین بدن ایک ہی ہے

زندگی

طے زندگی اسطرح سے کرتا ہون مین جیتا ہون مگر جینے پہ مرتا ہون مین
دریا ہے مری زیست مسافر مین ہون ہر سانس کے پل پر سے گذرتا ہون مین

مسلمان

نادان ہے جاہل ہے پریشان ہے تو انسان نظر آتا ہوا حیوان ہے تو
تو جل نہ مرے سنکے تو کہدون اخگر موجودہ زمانے کا مسلمان ہے تو

خوش خلقی

جب سامنے تیرے کوئی بدخو آئے تجھ مین نہ ذرا فرق سرِ مو آئے
اخگر سے نہین عود سے خوش خلقی سیکھ جو تجھ کو جلائے اسے خوشبو آئے

ہمدردی

دکھ درد مین جو کسی کا غمخوار نہ ہو بے یار و مددگار کا جویار نہ ہو
جنت تو ملے شوق سے اس کو اخگر جنت مین خدا کا اُسے دیدار نہ ہو

بَابُ التَّقْرِيظِ وَالْانْتِقَاد

تفصیل البیان فی مقاصد القرآن

تالیف مولوی سید ممتاز علی صاحب، چھ جلدین، ہیتہ ۰۰۰ دارالاشاعت پنجاب لاہور

عام مسلمانون کو قرآن پاک کے معانی و مطالب کے سمجھنے مین ایک دقت اسلئے بھی پیش آتی ہے کہ ایک قسم کی آیتین اون کے سامنے یکجا نہین ہوتین، چنانچہ آجکل کے مجتہدین قرآن جو اکثر ٹھوکرین کھاتے ہین، اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ قرآن پاک کے الفاظ کی فہرست کو ہاتھ مین لے کر کسی معنی کے لئے اون کو جو لفظ معلوم ہوتا ہے اوس لفظ کو اوس فہرست مین تلاش کرتے ہین وہ جہان جہان مل گیا، اوسکو دیکھکر اپنی تحقیقات کی کمزور عمارت کھڑی کرتے ہین مثلاً نماز کے متعلق اون کو کچھ کہنا ہے تو نماز کے لئے عربی کے مشہور لفظ الصَّلاۃ کو اونھون نے فہرست مین ٹٹولا وہ جہان جہان ملا، اوسکو دیکھ کر اوس کے مسالے سے اپنی تحقیق کا گھروندا بنا ڈالا، اور دنیا کو اپنے اعلان و تحدی سے پرشور کر دیا، حالانکہ قرآن مین نماز کے لئے الصلوۃ کیلئے کبھی ذکر آتا ہے کبھی دعا آتا ہے، کبھی سجود آتا ہے کبھی رکوع آتا ہے کبھی صرف قیام ہی پر اکتفا کی جاتی ہے، پھر یہ الفاظ بھی حرف بدل بدل کر مختلف لفظی صورتون مین آیا کئے ہین، اس لئے جب تک استقصا کر کے ان سب کو نہ دیکھ لیا جائے، اسلامی نماز پر محققانہ گفتگو نہین کی جا سکتی،

اس کا چارہ اگر ہے تو یہ ہے کہ قرآن پاک کے مطالب و معانی کی پوری اور مکمل فہرستین تیار کی جائین، ان چیزون کی طرف سب سے پہلے علمائے اہل حدیث نے توجہ فرمائی، اور اس شوق مین کہ اصل دین کو عوام کے ہاتھون تک

پہنچایا جائے، احادیث و قرآن کے تراجم کی طرف توجہ ہوئی، اس وقت مضامین قرآن کے سلسلہ مین ہمارے سامنے مولوی ابراہیم علی خانصاحب مرحوم زمیندار مواضعات ماناپار پھریا، پرگنہ اترولی کا ایک رسالہ منتخب احکام القرآن ہی جو دوبارہ ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) مین نولکشور مین چھپا ہے، اسمین احکام قرآنی بترتیب فقہ جمع کئے گئے ہین، اس کے بعد اس سے بڑے پیمانہ پر اس جماعت کے مشہور بزرگ مولانا وحید الزمان صاحب حیدرآبادی نے جنھون نے حدیث کی اکثر کتابون کو اردو مین منتقل کیا ہے، تبویب القرآن کے نام سے سات سو صفحون مین قرآنی مضامین کو عقائد، فقہ، قصص اور متفرقات کے چار عنوانون مین فراہم کیا، اور انکا ترجمہ اور حاشیہ لکھا،

اسکے بعد اس کام کو سب سے زیادہ تکمیل کے ساتھ مولانا نذیر احمد صاحب مرحوم نے اپنے ترجمۂ قرآن کے ضمن مین انجام دیا، اور شروع مین مضامین قرآن کی مفصل فہرست لگائی، مگر اونھون نے ایک جلی عنوان قائم کر کے اسکے نیچے آیت کا شروع اور آخر لکھ کر رکوع اور پارہ کا حوالہ دیدیا، اب سے چند سال پیشتر ۱۹۲۲ء مین مولوی محمد ظفر صاحب وکیل گوڑگانوہ نے روح القرآن کے نام سے اسی فہرست کو اس طرح ترتیب دیا، کہ اردو مین ہر عنوان کے نیچے اردو مین آیت کا ابتدائی ترجمہ لکھکر حوالہ تحریر کر دیا،

اب اس سلسلہ کا آخری کارنامہ ہمارے کہنہ صاحب قلم مولوی سید ممتاز علی صاحب (بانی تہذیب النسوان لاہور) کا ہے، جو اس قسم کی فہرست کی ضرورت محسوس فرماکر سالہاسال سے اس کی ترتیب و تبویب مین مشغول تھے، اور اس پیرانہ سالی مین اس محنت کو گوارا کر کے گذشتہ سال اس فہرست کی چار جلدین اور امسال دو نئی جلدین مرتب کر کے شائع کین، اور انکا نام تفصیل البیان فی مقاصد القرآن رکھا، اور حقیقت یہ ہے کہ اپنی عمر گرانمایہ کو اس مین صرف فرماکر بہت سے اہل علم اور اہل تحقیق کے اوقات گرامی کو تلاش و تفحص سے بچاکر بڑا ایثار کیا ہے،

اسوقت تک اس فہرست کی جو چھ جلدین شایع ہوئی ہین ان کے علٰحدہ علٰحدہ مضامین مع تعداد صفحات و قیمت حسب ذیل ہین،

۱۔ **جلد اوّل** کتاب العقائد، اس میں بترتیب وجود خدا و دلائل بر وجود، توحید و دلائل توحید وتنزیہ، وصفات واسماء حسنیٰ، و اوصاف حمیدہ، مشیت باری، اور تقدیر کی آیتیں ہیں، ۱۰۶ صفحے، قیمت:۔ تین روپے دس آنے،

۲۔ **جلد دوم** کتاب الاحکام اس میں ایمان اسلام، دعوت و تبلیغ، اطاعت خدا و رسول تقویٰ، تکذیب دین، شرک کفر ارتداد اور عبادت نماز، نماز اسلام، طہارت، نماز جنازہ استعاذہ، استغفار، ذکر، توبہ، اعمال مغفرت وفلاح، زکوٰۃ، صدقات، روزہ، لیلۃ القدر، حج، کعبہ، احکام مساجد، ہجرت، جہاد، نکاح طلاق خلع، عدت، رجعت، ایلا، لعان، ظہار، رضاع، معاشرۃ النساء، پردہ، وصیت، میراث، قرض و رہن، سود، کتمان حق، شہادت، قصاص و دیت، کبائر قتل، زنا، حد زنا، لوٹ مار، ڈکیتی کی سزا، چوری کی سزا، حد قذف، ناپ تول، شراب خواری، و قمار بازی کی ممانعت، امانت، خیانت، ظلم و فساد، امر معروف، و نہی منکر، ۱۸۴ صفحے، قیمت چار روپے،

جلد سوم:۔ کتاب الرسالۃ اس میں یہ مضامین جمع ہوئے ہیں، نزول قرآن، مقاصد نزول قرآن، اوصاف قرآن، دلائل بر صدق قرآن، مناظرات، مواعظ القرآن، زہد کی ترغیب، متفرق نصائح، خلقت و فطرت انسانی، قرآن کے متعلق کافروں کے اقوال، آداب تلاوت قرآن، تورات، انجیل، صفات رسل، دلائل بر رسالت محمدی، پیشینگوئیاں، کفار کے اوپر اعتراضوں کے جواب، آپ کے مشترکہ اوصاف، آپکے مخصوص اوصاف، آپ کے اور آپکے ساتھیوں کے ساتھ کافروں کی بدسلوکیاں، تکلیف شرعی سے آزادی نہیں، ازواج مطہرات، اصحاب قرآن کی قسمیں، تمثیلات القرآن، قرآن کی دعائیں، ۱۵۰ صفحے، قیمت تین روپے چھ آنے،

جلد چہارم کتاب المعاد کے مضامین دار آخرت، کتابت اعمال، اعمال ضایع نہیں جاتے، جزائے اعمال، موت، بعد الموت، حشر قیامت، آثار قیامت، نفخ صور، حساب، میزان، شفاعت، فیصلہ، دوزخ، اہل دوزخ کی گفتگو، نیکی کا بدلہ، اعراف، جنت، اہل جنت، لذائذ جنت، شرف حضوری، ۱۹۲ صفحے، قیمت للعہ

جلد پنجم، کتاب الاخلاق مین اخلاقی مضامین کی تفصیل پورے استقصا کے ساتھ دی گئی ہے اور مؤلف کو اپنے استقصاء پر ناز ہے، ۲۹۶ صفحے، قیمت چھ روپے،

جلد ششم، بدء الخلق مین آسمان و زمین و کائنات کی پیدائش کے حالات ہین، ۱۰۸ صفحے قیمت: ۱ عہ

دو جلدین ابھی اور باقی ہین جن مین ظہورِ اسلام کے وقت عرب کے دیگر مذاہب کا حال اور سوال و جواب ہوگا،

مضامینِ قرآن کی یہ جامع فہرست اہلِ علم اور عام مسلمانون کے لئے یقیناً مفید ہوگی، مگر اہلِ اجتہاد کو ابھی سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ فہرستین اور اُن کے مضامین کی یہ ترتیبِ عنوانات گو ایک ممتاز شخص کے قلم سے نکلے ہین، تاہم وہ انسانی فکر و کاوش کا نتیجہ ہین، اسلئے جو چیز اون کو ان مین نہ ملے اس کی نسبت یہ فیصلہ نہ کرین کہ قرآن اوس سے خالی ہے، اور جو چیز ان مین مذکور ہے، اوسکے متعلق یہ یقین نہ کرین کہ یہی قرآن کا بھی مقصود ہے تفکر و تدبر اور استناد و تحقیق کی ضرورت ہمیشہ رہے گی، اور اسی سے دماغی و علمی مراتب کا پتہ چلتا رہے گا،

مؤلف نے ان فہرستون کے تیار کرنے مین گو بہت کچھ احتیاط برتی ہے، اور عنوان کے سوا صرف قرآن کی آیتون اور اون کے ترجمون کے سوا کچھ نہین لکھا ہے تاہم عنوانِ باب عنوانِ ضمیر کا پتہ دیتا ہے، ہماری خواہش تھی کہ مؤلف کا یہ کام اس نمایش سے بھی خالی ہوتا، تو بہتر ہوتا،

اس سلسلہ مین مؤلف کی خدمت مین چند معروضات گذارش کے قابل ہین،

۱- ترجمہ پر شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ کو سامنے رکھکر کہین کہین نظرِ ثانی کی ضرورت ہے،

۲- جلدون کی ترتیب، نہ ترتیب طبعی پر ہے، نہ ترتیب منطقی پر،

۳- ہر جلد مین مضامین کی ترتیب بھی کہین کہین بگڑ گئی ہے،

۴- الفاظ و اعراب کی تصحیح کو ہم کیا کہین کہ ہر صاحبِ تصنیف اس جرم کا مرتکب ہے تاہم حق ہے، کہ ہر بھائی ایک دوسرے کو ادھر توجہ دلائے،

ہمکو امید ہے کہ اہل علم اور قرآن پاک کے شائق ان جلدون کو منگوائین گے، اور مؤلف کو اس قابل بنائینگے کہ وہ بقیہ جلدین شایع کر سکے،

مآثر رحیمی ملّا عبد الباقی نہاوندی

مرتبہ و مصححہ شمس العلما مولوی ہدایت حسین صاحب کلکتہ،

آج سے پورے ستائیس برس پہلے کا واقعہ ہے کہ حضرت الاستاذ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۰۶ء مین ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتبخانہ سے عبد الرحیم خانخانان کے حالات و سوانح مین ملا عبد الباقی نہاوندی کی تصنیف مآثر رحیمی کا پتہ لگایا تھا، اور نسخہ مذکور کو اپنے ساتھ لکھنؤ لائے تھے، اور اوس پر ایک مفصل ریویو الندوہ (اپریل ۱۹۰۶ء) مین لکھکر اسکو پبلک سے روشناس کرایا تھا، اس سلسلہ مین اونھون نے اپنے بعض اہل دولت و اہل علم دوستون کو اس کتاب کے چھپوانے کی طرف توجہ دلائی تھی،

بہرحال اونکی یہ تحریک رائگان نہ گئی، اور خود بنگال سوسائٹی کے کارکنون کو اس کتاب کی اشاعت کی فکر ہوئی، اور ہمارے کرمفرما شمس العلما مولوی ہدایت حسین صاحب نے اسکی تصحیح کی خدمت اپنے ذمہ لی اور ۱۹۱۰ء مین اس کتاب کا پہلا حصہ چھپ کر شائع ہوا، اور پچھلے سال ۱۹۳۱ء مین وہ تمام و کمال اتمام کو پہنچی،

کل کتاب تین ضخیم جلدون مین ختم ہوئی ہے، پہلی جلد (۹۳۹) صفحون مین، دوسری جلد (۶۵۳) صفحون مین اور تیسری جلد (۱۶۹۹) صفحون مین تمام ہوئی ہے ضخامت کے لحاظ سے بہتر ہوتا اگر تیسری جلد کو بھی دو جلدون مین منقسم کر دیا جاتا، ہر جلد مین گو مختصر فہرستین الگ الگ شامل ہین، مگر لائق مصحح نے وعدہ کیا ہے کہ آیندہ ان تینون جلدون کی مکمل فہرست ابجدی (اشاریہ) چوتھی جلد کی حیثیت سے شایع کرین گے،

کتاب کی پہلی جلد شروع سے اکبر تک کے ملوک و سلاطین کی عام تاریخ ہے، دوسری جلد مین سپہ سالار اعظم خانخانان کے حالات و سوانح ہین، اور سندھ و گجرات و دکن و خاندیس کے فتوحات اور صوبہ داریون کے تعلق

سے ان کی پچھلی سلطنتوں کے مختصر حالات ہین، اور تیسری جلد مین خانخانی مجلس کے ارکان علم وفن اورارباب شعروسخن کے احوال وتراجم ہین،

ہندوستان مین عموماً جو تاریخین لکھی گئی ہین، وہ ملوک وسلاطین کے فتوحات وحالات کی ہین، یہ خیال مین بھی نہ تھا کہ کسی امیر کی تاریخ اس بسط وتفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہوگی، مگراس کتاب نے اس خیال کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا، اورایک ایسا منظر ہمارے سامنے پیش کر دیا جس سے ہندوستان کی تاریخی دنیا یکسر خالی تھی،

اس اہم کتاب کی اشاعت درحقیقت بنگال سوسائٹی کا کارنامہ اور فاضل مصحح کی علمی خدمات مین سب سے بڑی خدمت ہے، امید ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے ہندوستان کی تاریخ مین اہم معلومات کا اضافہ ہوگا،

قیمت مکمل ع‌۵ سکریٹری صاحب بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نمبر ۱ پارک اسٹریٹ کلکتہ سے مراسلت کرنی چاہئے،

اس کا افسوس کے ساتھ تذکرہ کرنا پڑتا ہے کہ سوسائٹی سے کسی کتاب کو خریدنا بجائے خود ایک تکلیف دہ امر ہے، دفتر خریدارون کو جواب دینے اور فرمایشون کی تعمیل کرنے مین حد درجہ بے پرواہ ہے، یہی سبب ہے کہ اوسکی کتابین ہندوستان مین کم پھیلتی ہین، امید ہے کہ ادھر توجہ کی جائے گی،

"س"

مکتبۃ المعارف بمبئی

شائقین علوم عربیہ کے فوائد کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کتب خانہ مین تمام مذاہب اسلامیہ کے متعلق دینی ادبی فلسفیانہ تاریخی اور سیر تراجم وغیرہ کی قدیم وجدید تصانیف فراہم کی گئی ہین، روایات وقصص وادبیات کا بھی کافی ذخیرہ موجود ہے، قیمت بہت ہی مناسب ہے، ہر آرڈر کے ساتھ چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہئے، تمام خط وکتابت ذیل کے پتہ سے ہونی چاہئے،

سلیمان مرداد سنس،

بھنڈی بازار، محمد علی بلڈنگ بمبئی پوسٹ نمبر ۹

مطبوعات جدیدہ

اقبال نامۂ جہانگیری، معتمد خان بخشی جہانگیر مصححہ مولوی محمد رفیع صاحب فاضل دیوبند،

حجم ۳۲۷، بخط ٹائپ، قیمت عہ ناشر رائے صاحب رام دیال اگروالہ، الہ آباد،

معتمد خان بخشی کی اقبالنامہ جہانگیری، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی جانب سے ۱۸۶۵ء مین، کپتان ولیم ناسلیس کے اہتمام سے شائع ہوئی تھی، اور جناب مولوی عبد الحیٔ و مولوی احمد علی صاحبان نے چند قلمی نسخون سے تصحیح و مقابلہ کرکے اُس نسخہ کو مرتب کیا تھا، اب اسی کا دوسرا اڈیشن رائے صاحب رام دیال اگروالہ نے شائع کیا ہے، اس کتاب کا پہلا اڈیشن اب کمیاب ہے، اس لیے بہر صورت یہ طبع ثانی سودمند ہے، حواشی پر جتنے اختلافِ نسخ ہین، وہ تمام وکمال اسی پہلے اڈیشن سے منقول ہین،

غازیان ہند و تصحیح التاریخ از جناب قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم سیوہاروی، حجم ۱۶۷ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت معمولی، قیمت ۱۲ مولف سے بتوسط مولوی فیض الدین صاحب ایڈوکیٹ محلہ عابد شاب، حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

ہندوستان مین ہندو مسلمانون کے اختلافات بڑھانے مین ہندؤن کے جدید فرقہ آریہ نے جسقدر حصہ لیا ہے، وہ ان اثرات سے بھی متجاوز ہو گیا ہے، جو اسکولون کی درسی کتابون سے نوعمر بچون مین پیدا ہوتے ہین اس کی ضرورت ہے کہ ان جھوٹے پروپگنڈون کے جواب مین مناظرانہ طرز سے علحدہ ایسے محققانہ رسالے شائع کئے جائین، جو ان فرضی داستانون کا پردہ چاک کرین، نہایت خوشی کی بات ہے کہ جناب قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہاروی

نے اس ضرورت کا احساس کیا چنانچہ اس سلسلہ کے مختلف رسالے انھون نے لکھے ہین، جنین سے بعض پہلے شایع ہو چکے ہین، اور دو رسالے "غازیان ہند" اور "تصحیح التاریخ" اس وقت پیش نظر ہین،

غازیان ہند، مین مؤلف نے ہندوستان کے مسلمان حملہ آور سلاطین و سپہ سالار کے سوانح و حالات تلاش و تحقیق سے جمع کئے ہین، اوران حالات کی ترتیب مین خصوصیت سے یہ پیش نظر رکھا ہے کہ ان کے ماخذ قدیم ہندو اور دوسرے غیر مسلم مورخین، اور دور حاضر کے ہندو اہل قلم ہون، رسالہ چند ابواب مین ترتیب دیا ہے، پہلے باب مین محمد بن قاسم، سبکتگین، محمود، شہاب الدین غوری، شاہجہان، عالمگیر، سیواجی، حیدر علی ٹیپو، اور دور حاضر کے مسلمان فرمانرواؤن مین حضور نظام کے حالات درج کئے ہین، اور پھر اسی باب مین دور حاضر مین مسلمانون کے ساتھ ہندوؤن کی روش کو دکھایا ہے، دوسرا باب سکھون کے بیان مین ہے، تیسرے باب مین اسلام اور مسلمان سلاطین کے متعلق مختلف قسم کی پھیلائی ہوئی بدگمانیون کو دور کیا ہے، اوراس ضمن مین جہاد، اشاعتِ اسلام کے طریقے، جزیہ، لوٹ مار، مال غنیمت، ڈولہ، غلامی، اورانہدام معابد وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے، پھر چوتھے باب مین مختلف ہندو اہل قلم کے ایسے شائع شدہ مضامین جمع کئے ہین جنین مسلمان سلاطین اور اسلامی طرز حکومت پر آزادانہ طور پر صحیح تنقید کیگئی ہے،

تصحیح التاریخ مین اُسی پہلے رسالہ غازیان ہند کا پہلا باب "سلاطین" علحدہ سے کسی قدر حذف و اضافہ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، قاضی صاحب نے یہ ایک مفید خدمت انجام دی ہے، جن حلقون مین آریون کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیان پائی جاتی ہین، اوران مین ان رسائل کو زیادہ سے زیادہ تعداد مین شائع کرنا چاہئے، نیز دوسرے رسالہ تصحیح التاریخ کا مطالعہ اسکول کے طلبہ کے لیے سودمند ہوگا، افسوس ہے کہ ان رسالون کو حد سے زیادہ معمولی کاغذ پر شائع کیا گیا ہے جس سے ظاہری شکل و صورت مین بدحیثیتی ٹپکتی ہے،

صدکان گہر، یعنی مجموعہ یک صد رباعیات حضرت عشرت گیاوی مرتبہ جناب سید حسن امام صاحب وارثی ز میس گیا، حجم ۱۲ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۴ر، پتہ:- جناب سید اصغر علی امام حسنین منزل، گیا،

مولوی احمد علی صاحب عشرت، مرحوم گیا کے ایک پختہ مشق شاعر تھے، ۷۱ سال کی عمر میں ۱۳۲۹ھ میں انھون نے وفات پائی، صدکان گہرامحی کی سو رباعیون کا ایک دلآویز مجموعہ ہے، جس کو اُن کے قدردان اور شاگرد جناب سید حسن امام صاحب وارثی رئیس گیا، نے اہتمام سے شائع کیا ہے، ہر رباعی جلی قلم سے لکھی ہوئی صرف ایک صفحہ مین ہے، جو زرد ہے، اور اس کے اردگرد کا کاغذ سفید چھوڑ دیا گیا ہے، مجموعہ کی ابتدا، مرتب کے ایک مختصر تعارف سے ہوتی ہے، جس مین عشرت مرحوم کے مختصر حالاتِ زندگی بھی شامل ہین، اس کے بعد رُباعیان شروع ہوتی ہین، جو عاشقانہ، صوفیانہ، اخلاقی، اور مذہبی ہر قسم کے مضامین پر مشتمل ہین، اور ہر رباعی کا الگ الگ عنوان اوپر لکھدیا گیا ہے، عشرت کی شاعری مین اردو شاعری کے دورِ متاخرین کے شعراء کے کلام کی جھلک نظر آتی ہے، لیکن رُباعیون کے مضامین بلند، اور الفاظ اور ترکیبین متین اور سنجیدہ ہین، جناب سید حسن امام صاحب نے اسکی اشاعت سے شعراے بہار کے دورِ متاخرین کی ایک کڑی سامنے کردی ہے، اس لیے وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہین،

آئینۂ معرفت از جناب سید اعجاز حسین اعجاز ایم اے لکچرر شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی، ضخامت، ۲۰۰ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۸/ ناشر لالہ رام نراین لعل بکسیلر کٹرہ روڈ، الٰہ آباد،

اس کتاب کا اصلی مقصد یہ دکھانا ہے کہ اردو شاعری مین تصوف کا کس قدر حصہ موجود ہے، لیکن اس سے پہلے مصنف نے تصوف کی مفصل تاریخ لکھی ہے، جو اردو، فارسی اور عربی کتابون کے علاوہ انگریزی کتابون سے ماخوذ ہے، اسلام مین تصوف کا سب سے بڑا ماخذ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات کو قرار دیا ہے اور اس کے متعلق انکے خطبات سے بہ کثرت اقوال نقل کئے ہین، لیکن عام خیال یہ ہے کہ یہ خطبے زیادہ تر بے سند ہین، بہرحال اس تاریخ کو اگرچہ بہمہ وجوہ صحیح تو نہین مانا جا سکتا تاہم تصوف کی تاریخ کے متعلق اقوال و آراء کا بہت بڑا ذخیرہ انھون نے جمع کر دیا ہے، اس کے بعد فارسی زبان کی صوفیانہ شاعری کی تاریخ لکھی ہے، پھر اردو کی باری آئی ہے، اور اس کی ابتدا دکن کے اردو شعراء سے کی ہے اور اسکو ڈاکٹر سر اقبال کی ذات پر ختم کیا ہے، اور ہر دور کی صوفیانہ شاعری پر اجمالا ریویو بھی کیا ہے، جابجا کبیر داس کے اشعار بھی نقل کئے ہین، اگرچہ ہمارے نزدیک یہ تاریخ بھی ناممکل ہے، اور جابجا زہد، فقر و تصوف مین امتیاز نہین کیا گیا ہے،

تاہم آیندہ لکھنے والون کیلئے انھون نے داغ بیل ڈالدی ہو، اور آیندہ اس عمارت کو اور زیادہ وسیع پیمانے پر تعمیر کیا جا سکتا ہے،

ثبوت ذکر جہر باحادیث و خبر مؤلفہ مولنا مشتاق احمد صاحب حنفی انبہٹوی، حجم ۳۲ صفحے، قیمت درج نہین، مجلس اشاعت العلوم،

اس رسالہ مین تصوف کے اصطلاحی حلقون مین بآواز بلند ذکر کرنے کے جواز کو ثابت کیا گیا ہے، ثبوت مین اوّلاً صحیحین کی وہ حدیث پیش کیگئی ہے جسمین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جو بندہ مجھے دل مین یاد کرتا ہے، مین اس کو دل مین یاد کرتا ہون، اور جو مجمع مین یاد کرتا ہے مین اس کو اس سے بہتر مجمع مین یاد کرتا ہون" اور دوسری حدیث ترمذی و مسند ابن حنبل کی ہو جسمین حلقہائے ذکر کو "جنت کے باغون" سے تشبیہ دیگئی ہے، لیکن معلوم نہین ان احادیث سے تصوّف کے اصطلاحی ذکر کو مراد لینا کہانتک صحیح ہو سکتا ہے، مؤلف نے آخر مین تصریح کی ہو، کہ اگر یہ ذکر ریا سے ہو تو بآواز بلند ذکر کرنا اچھا نہین،

القول الاظہر فیما یتعلق بالاذان عند المنبر، مؤلفہ مولنا معین الدین صاحب صدر مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر، حجم ۶۴ صفحے، قیمت درج نہین، مجلس اشاعۃ العلوم،

مولنا احمد رضا خانصاحب بریلوی نے اپنے کسی رسالہ مین نماز جمعہ مین خطبہ کی اذان کو منبر کے پاس دینے کو غیر مسنون اور ناجائز ثابت کیا تھا، مولنا معین الدین صاحب نے زیر تبصرہ رسالہ مین اسی رسالہ کی تردید کی، اور عہد قدیم سے دور حاضر تک منبر کے سامنے کھڑے ہو کر اذان دینے کا جو طریقہ جاری ہے، اس کے استحسان کا نہ صرف تعامل و اجماع سے بلکہ کتب احادیث، و آثار و فتاوے فقہیہ سے ثبوت فراہم کیا ہے، اور اپنے مقصد مین کامیاب ہوئے ہین،

سخاوت الشرافت فی کشف اسرار الجہر والمخافتہ۔ از مولنا محمد سلامت اللہ صاحب حجم ۲۵ صفحے، قیمت ۱؍، مجلس اشاعۃ العلوم،

اس رسالہ مین نماز پنجگانہ مین سے تین نمازون مین بآواز بلند قرأت کرنے اور دو نمازون مین آہستہ قرأت کرنے کو بدلائل ثابت کیا گیا ہے، اور پھر اس جہر و سر کے رموز و اسرار کتب تصوف سے بتفصیل بیان کئے گئے ہین، رسالہ کی زبان قدیم وضع کی ہے،

"ر"

جلد سی ام | ماہ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۳۲ء | عدد ۶

مضامین

اسپین کی نئی جمہوریت اسلام اور مسلمانون کے ساتھ اپنے جابر بادشاہون کی تاریخی غلطیون کی تلافی پر آمادہ نظر آتی ہے، ایک اسلامی علمی مجلس اور ایک اسلامی علوم و فنون کی درسگاہ کی تحریک و تجویز آگے بڑھ رہی ہے، اسی طرح مشہور جامع مسجد کو جو مدت سے کلیسا کی شکل مین ہے، مسلمانون کو واپس کرنے کا خیال بھی آیا کرتا ہے، مگر اٹلی، فرانس اور کیتھولک پادریون کی مخالفت کامیابی کی راہ مین حائل ہے تاہم امید یہی ہے کہ مخالفتون کا بادل آہستہ آہستہ چھٹتا جائے، اور قرطبہ اور غرناطہ مین مسلمانون کی نوآبادیان قائم ہوسکین،

یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ دوسرے اسلامی ملکون مین بھی مذہبی اصلاح و خدمت کا جذبہ ترقی کررہا ہے اور اسلام کی عالمگیر برادری کا ٹوٹا ہوا رشتۂ تخیل پھر جوڑا جارہا ہے، مصر مین المنار کے بعد الفتح اس تحریک کا علمبردار ہے، شام مین الرشد اور عراق مین الصراط المستقیم ان خیالات کے پھیلانے مین کوشش کر رہے ہین، ساتھ ہی نوجوان مسلمانون کی انجمن کا جال بھی ہر جگہ پھیل رہا ہے، اور یہ مسلمان نوجوانون کی اخلاقی و دینی اصلاح کا بڑا ذریعہ ثابت ہو رہی ہے،

خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان کی اسلامی سیاست تیزی سے اصلاح پذیر ہوتی جاتی ہے، اور عام طور سے ہندو مسلمان ان مشکلات کے حل کرنے مین کوشان ہین، گو ابھی دونون فرقون مین کچھ ایسے لوگ موجود

ہین جو ہنوز ایک دوسرے پر بھروسہ کرنا نہین چاہتے، لیکن امید یہی ہے کہ جیسے جیسے اخلاص اور نیک نیتی کا اظہار طرفین سے ہوتا جائیگا بدگمانیان دور ہوتی جائینگی، اور اختلافات مٹتے جائین گے، اس کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر صوبہ کی اکثریت اپنے ذاتی حرص و طمع اور اپنے ہی لئے تمام فوائد و منافع کی ٹھیکہ داری کے تخیل سے ہاتھ اٹھائے، اور دوسرے فریق کے مناسب جائز توقعات کے ساتھ ہمدردی کا ثبوت پیش کرے، اگر اس کی چند مثالین بھی عملاً پیش ہوتی رہین، تو ساری بدگمانیان کائی کی طرح چھٹ جائین،

ہم نے پچھلے پرچہ مین "بزم تاریخ ہند" کی جو تجویز پیش کی تھی، اس کے سلسلہ مین سیادت علی خان صاحب (گورنمنٹ کالج جھنگ) نے دو اور نام پیش کئے ہین، علامہ عبد اللہ یوسف علی، اور ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ ایم اے، عبد اللہ یوسف علی یقیناً اس قابل ہین کہ وہ اس معاملہ مین ہماری رہبری کرین، اور شیخ عنایت اللہ صاحب تو ہماری مجلس کے پہلے ہی سے رفیق اعزازی ہین، اور اب بھی اُن کو اس خدمت سے عذر نہ ہوگا،
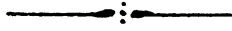
مگر ہم کو رہ رہ کر جو بات کھٹکتی ہے، وہ یہ ہے کہ انجمنون اور جمہوری ادارون کے ذریعہ کام انجام دینے کا سلیقہ ہم کو اب تک نہین آیا ہے، اس راستہ پر چلنے مین ہمیشہ تمہیدون اور طریقون کے خارزارون مین پھنسکر ہم رہ جاتے ہین، اور منزل مقصود تک نہین پہنچتے، خدا کرے کہ اس علمی سفر مین ہم کو اس مشکل سے سامنا نہ پڑے،
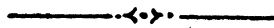
افسوس ہے کہ ہمارے بعض ہندو دوستون کو ہماری گذشتہ تحریرِ بزم تاریخ ہند کے بعض اشارون سے یا فقرون سے بدگمانی پیدا ہوئی ہے، ہمارا منشا یہ نہین ہے کہ ہم ہندوستان کی ایسی تاریخ لکھین جسمین یہان کے مسلمان بادشاہون کو سراپا معصوم اور بے گناہ ثابت کرین، بلکہ یہ مقصود ہے کہ ایسی تاریخ لکھین اور ایسے

طرز مین لکھین جس سے ہندو مسلمان دونون قومون مین منافرت پیدا ہونے کے بجائے یکجہتی اور اتحاد پیدا ہو، تاریخ کچا مواد ہے، اُس سے بنانے والا جو چاہے بنا سکتا ہے، چنانچہ انگریزون کے بعد جب سے ہندو مورخون نے کتابین لکھنی شروع کی ہین انھون نے ہندو دور کو جس آب و رنگ سے لکھنا شروع کیا ہے، اُس کو پڑھ کر ہر ہندو طالب علم مین اپنے بزرگون کی اچھی تقلید کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، ساتھ ہی چھوت چھات اور بودھ جینی ویدک اور آریہ دھرم کے درمیان اتحاد کا خیال بڑھتا ہے، اور اس مین متحدہ ہندو قومی اسپرٹ پیدا کیجاتی ہے، کیا اتنی اصلاحون کے بعد ہمارے ہندو مورخ اتنی اصلاح اور نہین کرسکتے کہ واقعات کو اس رنگ مین لکھین جس سے ہندو مسلم خلیج کا پاٹ بڑھنے کے بجائے گھٹتا جائے،

مثال کے طور پر ہم یہان ایک واقعہ لکھتے ہین، ڈاکٹر ایشوری پرشاد محمود غزنوی کے حملۂ ہند کے سلسلہ مین جہاد کا لفظ بولکر اس پر یہ حاشیہ لکھتے ہین :-

"اہل اسلام کا خیال تھا کہ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کافرون یعنی اسلام نہ ماننے والون سے لڑائی کرکے یا تو اُن کو دائرۂ اسلام مین شامل کرلے یا تلوار کے گھاٹ اُتار دے، اسی لڑائی کو جہاد کہتے ہین،، (صفحہ ۱۲۵ اسٹوڈنٹس ہسٹری)

ڈاکٹر صاحب کی یہ تحقیق بجائے خود کہان تک درست ہے، اس کو الگ رکھئے، جس وقت یہ کتاب اسکول کے کسی درجہ مین پڑھائی جاتی ہوگی، دونون فرقون کے جذبات پر اس تشریح جہاد کا کیا اثر پڑتا ہوگا؟ مسلمان لڑکے یا تو شرم سے عرق عرق ہوجاتے ہونگے یا غصہ مین آکر کتاب اور مدرس کتاب سے لڑنے پر آمادہ ہوجاتے ہون گے، کیا اگر ہم اپنے ہندو مصنفون کو اس طریقۂ تالیف کی اصلاح کا مشورہ دیتے ہین، تو انکے ساتھ بدگمانی کرتے ہین،

مقالات

ہندوستان کی تاریخ

از

جناب پنڈت منوہر لال صاحب زتشی، لکھنؤ

ہم نے معارف کے گذشتہ پرچہ مین "بزم تاریخ ہند" کے عنوان سے جو کچھ لکھا تھا، اس کو پڑھکر سب سے پہلے ہمارے دوست پنڈت منوہر لال زتشی (سابق پرنسپل ٹریننگ کالج لکھنؤ) نے ہم کو حسب ذیل مراسلہ بھیجا ہے، پنڈت صاحب موصوف اردو زبان کے لائق ادیب، اور تاریخ اسلام سے واقف، اور مرنجِ مرنجان بزرگ ہین، امید ہے کہ موصوف کی یہ پہل ہمارے کام کے لئے فال نیک ثابت ہوگی"۔

"معارف"

جنابعالی۔ نومبر ۱۹۳۲ء کے معارف کے پرچے مین آپ نے مقالہ "بزم تاریخ ہند" کے سلسلہ مین ایک نوٹ تحریر فرمایا ہے، اس مین آپ نے پہلے پروفیسر رمن کے خلاف ناراضی کا اظہار کیا ہے کہ انھون نے "یورپ کے الزام کی ایک پارینہ کہانی" کو حضرت عمرؓ کے خلاف کیون دہرایا، اسکے بعد دی لائف آف اے پرنس کے اس بیان کی تردید ہے کہ جہان آرا ایک راجپوت پر عاشق تھی گو اس تردید کی تائید مین آپ نے کوئی دلیل سوائے اس کے نہین پیش کی کہ جہان آرا صوفی تھی اور حضرت خواجہ چشت خواجۂ اجمیر کی معتقد حسن و عشق کی منزل ملت و مذہب سے بالاتر ہے، ممکن ہے کہ دی لائف آف اے پرنس کا یہ بیان غلط ہو اور ممکن ہے کہ صحیح ہو، بہرحال صوفی ہونے سے نہ اسکی تردید ہوتی ہے نہ تائید، اس کے بعد تیسرے پیراگراف مین آپ نے ارشاد فرمایا ہے:-

"پونہ کی "تاریخ آفرین" مرہٹہ سوسائیٹیون مین جو کچھ ہو رہا ہے اس کا رازدان ہمارے دوست سے بڑھکر پورے ہندوستان مین کوئی نہین، پونہ، بمبئی، بنگال اور الہ آباد کے مصنف پروفیسر رمن کی تاریخی تصنیفات مین جو کچھ لکھا جاتا ہے

وہ کسی سے پوشیدہ نہین، آجکل الہ آباد کے پروفیسر ڈاکٹر ایشوری پرشاد کی تاریخ ہند ہمارے صوبہ مین پڑھائی جاتی ہے اس کا صرف وہ باب پڑھنا کافی ہو جس مین عالمگیر اور سیواجی کی داستان لکھی گئی ہے۔"

جہان تک مین نے اس پیراگراف کو سمجھا ہے اس کا روے سخن ہندو مصنفین کی طرف ہے، اور آپکی راے یہ ہو کہ جو ہندو آجکل پونہ، بمبئی، بنگال اور الہ آباد مین تاریخ ہند پر کتابین لکھ رہے ہین وہ جان بوجھ کر غلط بیانیان کرکے مسلمانون کو قابل اتہام بناتے ہین، مین اس کے متعلق چند باتین عرض کرنی چاہتا ہون، کیا یہ ممکن نہین کہ ان لوگون کی نیت خراب نہ ہو اور جس اختلاف کی بنا پر آپ ان سے ناراض ہین وہ واقعی اختلافِ راے ہو، کیا آپ کو پورا یقین ہے کہ آگے چل کر تاریخ ہند کی تصنیف کے واسطے جن بارہ اشخاص کی فہرست آپ نے پیش کی ہو ان مین واقعات تاریخی کے متعلق یا واقعات تاریخی سے گذر کر ان واقعات کے اسباب و نتائج پر راے زنی کرتے وقت کبھی اختلاف نہین ہوگا، مین مانتا ہون کہ عالمگیر مسلمان تھا اور سیواجی ہندو، مگر کیا یہ ممکن نہین کہ اس زمانہ کی تاریخ ڈاکٹر ایشوری پرشاد اور جناب سید سلیمان ندوی دونون ٹھنڈے دل سے صداقت اور قابلیت کیساتھ پڑھین، مگر آخر مین مختلف نتائج پر پہنچین، اور یہ اختلاف بے ایمانی اور بدنیتی سے بری ہو اور ڈرتے ڈرتے عرض کرتا ہون کیا یہ بالکل ناممکن ہے کہ ڈاکٹر ایشوری پرشاد ہی کی راے صحیح ہو اور جناب سید سلیمان ندوی کی راے غلط ہو، آپ پروفیسر رمن سے ناراض ہین کہ انھون نے حضرت عمرؓ کے خلاف ایک ایسے اتہام کو دہرایا جسکو آپ غلط سمجھتے ہین آپکو تو معلوم ہی ہوگا کہ حضرات شیعہ اسی فاتح قیصر و کسریٰ کے بارہ مین کیا راے رکھتے ہین، دنیاے اسلام بارہ تیرہ سو برس سے سنی شیعہ کے اختلافات کی آماجگاہ بنی ہوئی ہو اور اس ہزار دن برس کی لڑائی کی بنا کیا ہو، ان واقعات کے متعلق اختلاف جو مدینہ کے شہر مین بیس تیس برس کے اندر پیش آئے، مین جانتا ہون کہ آپ سنی ہین مگر کیا آپ یہ کہنے کو تیار ہین کہ جتنے شیعہ مورخین اور مصنفین نے اس زمانے کے واقعات کو آپ کے خیال اور آپ کی راے کے خلاف بیان کیا ہے وہ سب بے ایمان تھے اور انھون نے ہر موقع پر جان بوجھکر غلط بیانی کی ہے، مولنا شرر لکھنوی مورخ اور محقق سمجھے جاتے تھے، انکی ایک تصنیف سکینہ بنت حسین پر جو شورش بعض اسلامی حلقون مین ہوئی تھی اس سے تو آپ واقف ہونگے، شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی کی ایک تصنیف ہے امہات الامۃ اس کے متعلق حیات النذیر مطبوعہ ۱۹۱۲ء کے صفحہ ۳۰۸ پر یہ عبارت درج ہے،

" بہرحال مصنف امہات الامۃ کیساتھ جو سلوک کیا گیا وہ یہ تھا اب امہات الامۃ کا حشر سنئے کہ اسکی کل جلدین دہلی کے بعض متاز شخصون

کے کہنے سے ایک تاجر کو دیدی گئین اور ایک وقت معتد کے بعد جلا کر خاک سیاہ کر دگئین ... شمس العلما علامہ شبلی فرماتے تھے ....

علامہ موصوف یہ بھی فرماتے تھے کہ کتاب قابل سوختنی تھی .... ؛

اگر نذیر احمد اور شبلی مین ایسے اہم معاملہ مین اختلاف رائے ہو سکتا ہو تو ڈاکٹر ایشوری پرشاد اور جناب سید سلیمان ندوی مین کیون نہین ہو سکتا، ہان ایک ہی بات ہے اور وہ یہ کہ اول دونون حضرات مسلمان تھے اور آخری دونون حضرات مین ایک ہندو ہین، اور نیز آپ کو علامہ شبلی کی مشہور تصنیف الفاروق کی نسبت شیعہ حضرات کی رائے آپ سے پوشیدہ نہ ہو گی، اور آپکو یہ بھی معلوم ہو گا شعر العجم کی تنقید پنجاب کے بزرگون کیطرف سے کس بری طرح کی گئی ہے،

اس ساری تحریر سے میرا مطلب صرف اسقدر ہی کہ جو کوشش ہندؤن کیطرف سے ہندوستان کی تاریخ لکھنے کی ہو رہی ہے اسکو آپ نے جسطرح یاد کیا ہے وہ آپ کے شایان شان نہین، اور جسطرح سب مرہٹہ سوسائیٹیون اور پونہ، بمبئی، بنگال اور الہ آباد کے کل مصنف پروفیسرون کو آپنے ایک ہی لاٹھی سے ہانکا ہے وہ بے تعصبی اور رواداری کے معیار سے فروتر ہے، ممکن ہی کہ پونہ کی مرہٹہ سوسائیٹیون مین سے کسی نے کہین غلطی کی ہو، یہ بھی ممکن ہو کہ کسی مصنف پروفیسر نے کہین غلط بیانی کی ہو مگر یہ کہان نہین ہوا، اور کہان نہین ہوتا، انسان پھر انسان ہے فرشتہ یا دیوتا نہین ہے، کیا یورپ کی تواریخ مین ایسے اختلافات نہین، کیا خالص اسلامی تاریخ ان سے قطعی بری ہے، اگر ایسا نہین ہے تو ہندؤن کے خلاف اس طنز و تشنیع کے کیا معنی؟ مین جانتا ہون کہ ہندؤن کو برا بھلا کہہ کے واہ واہ حاصل کر لینا آسان ہے، مگر مین اب تک معارف کے معیار کو اور جناب سید سلیمان ندوی کی ذات کو اس سے ارفع سمجھتا تھا اور اب بھی سمجھتا ہون

مین ہندو ہون اور ہندو ہونے پر فخر کرتا ہون مگر مین نے جو کچھ لکھا ہے اس مین تعصب یا جانبداری کو دخل نہین ہندو ہو کر بھی مین نے اپنے خیال اور اپنے اصول کے مطابق ہندؤن کے سوشل رسم و رواج اور مذہبی عقائد کی کمزوریون کو ظاہر کرنے سے کبھی دریغ نہین کیا، مین ان ہندؤن مین نہین جو اپنے گروہ اور اپنے بزرگون کے ہر قول و فعل کو صحیح اور درست سمجھتے ہین، اور کھوٹے اور کھرے مین تمیز کرنے کو گناہ جانتے ہین،

معارف:- ہم نے پنڈت صاحب کے اس خط کو جو اپنے لب ولہجہ اور طعن و طنز کے لحاظ سے قابل شکایت ہے، بجنسہ چھاپ دیا ہے، پنڈت صاحب نے اس مراسلہ مین تین باتین لکھی ہین، ایک نیک نیتی اور بدنیتی کا سوال، دوسرے رائے اور

نظریہ کا اختلاف، تیسرے اسباب و نتائج کے بیان کا اختلاف، ہمیں یہ تینون باتین تسلیم ہین،

سب سے پہلی بات یہ عرض ہے کہ تاریخ کی تعلیم و تصنیف کی دو غرضین ہین، ایک تو حقائق کا اثبات، دوسرے عوام اور طالب علمون کو اپنے ملک و وطن اور اسمین بسنے والی قومون کے آپس کے تعلقات سے باخبر کرنا جس سے مستقبل مین قومون کے درمیان خوشگوار روابط اور تعلقات پیدا ہوسکین، اسکولون مین ہندوستان کی جو تاریخ پڑھائی جاتی ہے، اسکا منشأ "حقائق" کا اثبات نہین، جن کی نفی و اثبات اور اسباب و نتائج مین اہل تحقیق کے مختلف خیالات ہین، کہ طرفین کے دلائل کو رد و قدح کے بعد نقل کرنا اور فیصلہ دینا اسکول کی مختصر کتابون مین ممکن نہین، پھر ایسے واقعات کو لکھنا جن کے اسباب و نتائج مین مختلف قومون کے مختلف خیالات ہین، یا واقعات کو ایسے رنگ مین لکھنا جو کسی قوم کے نزدیک قابل اعتراض ہے اور پھر ایسی کتابون مین لکھنا جو ہر قوم کے بچون کے لیے لکھی گئی ہین کہانتک قابلِ پسند ہے؛

اسکولون مین ڈاکٹر ایشوری پرشاد کی تاریخ اس غرض سے نہین پڑھائی جاتی ہے کہ اُس سے ایک مصنف یا مصنف کی قوم کے خیالات اور نظرئے معلوم ہون، اگر یہ کتاب اس غرض سے ایسے عام اسکولون مین پڑھائی جاتی ہی تو کیون نہ اسی کے ساتھ "جناب سید سلیمان صاحب" کی بھی کوئی تاریخ پڑھائی جائے، تاکہ اُس سے اس مصنف یا اس مصنف کی قوم کے خیالات اور نظرئیے معلوم ہون، "مسلمان بادشاہون اور حکمرانون اور فاتحون کو برا بھلا کہکر واہ واہ حاصل کرلینا آسان ہے، مگر مین اب تک ڈاکٹر ایشوری پرشاد اور دوسرے نیک نیت ہندو مصنفون اور پبلشرون کی ذات کو اس سے ارفع سمجھتا تھا اور اب بھی سمجھتا ہون"

اس قسم کی کتابون کو محض اس بھروسہ پر لکھنا اور اسکولون کے نصاب مین داخل کرنا کہ لکھنے والے مصنف پڑھنے والے طالب العلم، اور چھاپنے والے اصحاب مطابع، اور پبلشر اور کتابون کے چُننے والے ممبر زیادہ تر ہندو ہین' اور انکی واہ واہ اسی طرح حاصل ہوسکتی ہے، کچھ زیادہ منصفانہ اور دانشمندانہ کام نہین ہے،

اب رہ گیا حقائق کے اثبات کا مسئلہ تو اس کے لئے کالجون کا میدان کافی ہے، اور ضرورت ہے کہ ہر صاحب نظر اپنی اپنی تحقیق دلائل کے ساتھ پیش کرے، لیکن ضرور ہے کہ اس مین نامستند تحریرون جعلی دستاویزون، اور مصنوعی

واقعات پر بنیادین کھڑی نہ کیجائین، اس قسم کا کام بعض غرضمند انگریز مصنفون نے شروع کیا، اور بعض ہندو مصنف بلا تحقیق اسکی تقلید کر رہے ہین، جیسا کہ ٹاڈ نے راجستھان مین اور ڈف نے تاریخ مرہٹہ مین کیا ہے، اور اسی طرح کا ڈ طویل خط ہے جس کو کہا جاتا ہے کہ ایک راجہ نے عالمگیر کو بھیجا تھا،

علیٰ ہذا، ان یورپین سیاحون کے بیانات ہین، جو اکبر کے زمانہ سے ہندوستان مین آنے لگے تھے، اور جنمین سے بعض نے شاہی بیگمات کی نسبت نہایت لغو باتین لکھی ہین، ان باتون کو مشرقی آداب و رسوم سے ناواقف کا تو قبول کر سکتا ہے، مگر مشرقی طرز و آداب کو جاننے والے بے سند قبول نہین کر سکتے، مس میو نے ہند یا ہندوستانی معصوم دیویون کی نسبت چند ماہ کے سفرِ ہند مین جو کچھ لکھ ڈالا اسکی نسبت صرف یہ کہدینا کہ انکی تردید مین کوئی دلیل نہین پیش کی گئی، فضول بات ہے،

ظاہر ہے کہ دعوی کو سند اور دلیل سے مضبوط کرکے پیش کرنا مدعی کا کام ہے، اسکی تردید مین اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ یہ واقعہ ثابت نہین، ورنہ ہر شریف سے شریف ہندو مسلمان تاریخی خواتین پر کوئی اخلاقی الزام آج ہر مصنف قائم کر سکتا ہے، اور جواب مین کہہ سکتا ہے کہ مجیب اسکی بدلائل تردید کرے،

"فاتح قیصر و کسریٰ" کی نسبت بے شبہہ حضرات شیعہ دوسری راے رکھ سکتے ہین، لیکن ہر راے کی تائید مین واقعات کا موجود ہونا ضروری نہیں، چنانچہ الفاروق پر تنقیدین بہت لکھی گئین، مگر دوسری راے کے مطابق کوئی الفاروق لکھی نہ جا سکی،

کتبخانۂ اسکندریہ کے الزام کی کیفیت یہ ہے کہ مسلمانون کو چھوڑکر اب خود یورپ کے محققون نے اس کی تردید کر دی ہے، اور کم از کم آٹھ دس مضمون اس الزام کی تردید مین خود اردو مین نکل چکے ہین، اور پھر اب تک وہی سنی سنائی بات غیر نہین، ہمارے بعض ہندو بھائی دہراتے ہین، تو کیا یہ تعجب انگیز نہین،

کسی مصنف کی کتاب مین اتفاقی غلطیون کا پایا جانا فطرت انسانی ہے، شعر العجم مین جو مشرقی تذکرون پر مبنی ہے، سنین اور نام و نسب کی غلطیان مغربی تحقیقات کے مطابق دکھائی گئی ہین، ان مین سے بعض صحیح بھی ہین اور

بعض غلط بھی، لیکن اگر شعر العجم کی تنقید پنجاب کے بزرگون کی طرف سے "بُری طرح" کی گئی، تو اس "بُری طرح" کو تو کسی نے اچھا نہین سمجھا،

مولانا عبد الحلیم صاحب شررؔ اور مولانا نذیر احمد صاحب نے جو کچھ لکھا، اس مین واقعات کا اتنا عیب نہ تھا بلکہ طرزِ ادا اور طریقۂ تعبیر کی افسوسناک غلطیان تھین، بات یہ ہے کہ یہ زیادہ تر افسانہ نویس تھے، افسانہ نویسی کا منجھا ہوا قلم، قابلِ ادب بزرگون کے حالات لکھنے مین بھی شوخ نگاری سے باز نہ آیا، اس کا نتیجہ مسلمانون کی عام برہمی کی صورت مین ظاہر ہوا، امہات الامہ کے بعض فقرے مجھکو اب تک یاد ہین، مثلاً عرض ہے "، فاطمہؓ اور عائشہؓ مین توجوتیون مین دال بٹتی تھی"۔ اس مفہوم کو اگر یون ادا کیا جاتا کہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ مین باہم ملال خاطر تھا، یا ان دونون کے دل باہم صاف نہ تھے، یا ان دونون کے درمیان اختلاف تھا، تو چندان قابلِ اعتراض نہ تھا، لیکن مولوی صاحب مرحوم کی زبان پر یہ محاورہ ایسا چڑھ گیا تھا کہ ایک دفعہ مجھے اُن سے دلّی مین ملنے کا اتفاق ہوا تو شاید ایک نشست مین تین چار دفعہ وہ اس محاورہ کو بولے،

مین نے تمام ہندو مصنفون اور مورخون کی نسبت ہرگز یکسان راے ظاہر نہین کی ہے، سرجدو ناتھ سرکار سے غلطیان ہوئی ہین، مگر ان کو بدنیت نہین کہا گیا ہے، اسی طرح ڈاکٹر بینی پرشاد مصنف جہانگیر کی نسبت سب نے اچھے خیال کا اظہار کیا، ڈاکٹر تاراچند مصنف مقالہ "عرب و ہند" کی سب نے تعریف کی ہے، جٹس رانا ڈے کے مضامین سب نے پسند کئے ہین،

سوء نیت اور حسن نیت کا اندرونی حال کون جانتا ہے، انسان تو ظاہر بین ہے، قرائن سے اندر کا حال دریافت کرتا ہے، وہ قلم جو قبل از اسلام ہند کی تاریخ مین سراپا امن اور شانتی اور اپنے لیے صرف حسنِ عمل کا انتخاب کرتا ہے، اور دوسرے قسم کے واقعات کو نظر انداز کرجاتا ہے، وہی دفعۃً اسلام کے عہد مین آکر اس درجہ انصاف پسند ہوجاتا ہے، کہ اچھے بُرے ہر قسم کے واقعہ کے ذکر کئے بغیر اس کی دیانت داری کا احساس مجروح ہوجاتا ہے، اور ہر معاملہ مین اس کو مسلمان حکمرانون کی صرف برائیان نظر آتی ہین، اور انھین کے پھیلانے مین اس کو لطف آتا ہے،

اور بھلائیون کو اتنا لپیٹ کر بیان کرے، کہ وہ واقعہ کا غیر ضروری پہلو ہوجائے، یہ کہان کا انصاف ہے؟

ابھی پٹنہ یونیورسٹی کی اردو تاریخ کے اقتباسات جریدۂ امارت پھلواری مین شایع ہو چکے ہین، اغلاط نامہ یجی کو چھوڑکر ایک ہی کتاب کی ایک ہی سطر مین اس درجہ غیریت برتی گئی ہے کہ ہندو راجاؤن کے لیے جمع کا صیغہ تعظیم، اور مسلمان بادشاہون کے لیے تحقیر کا صیغۂ واحد شروع سے آخر تک استعمال کیا گیا ہے، کیا اس کو رائے اور نظریہ کا اختلاف کہا جائے،

معارف نے آج جس طرح ڈاکٹر ایشوری پرشاد کی کتاب پر اعتراض کیا ہے، کل اُس نے اسی طرح مرحوم صلاح الدین خدا بخش، اور ڈاکٹر شفاعت احمد خان کی تاریخون پر اعتراضات کئے تھے، مگر کیا آج کا کام ہمارے دوست کے نزدیک اس لیے قابلِ اعتراض ہے کہ وہ مسلمان تھے، اور یہ ہندو ہین،

پنڈت صاحب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میرا قلم ہمیشہ ہندو مسلمانون کے مقابلہ مین بے تعصب رہا ہے، اور ہندوؤن کے علوم و فنون کی مدح مین کمی نہین کی ہے، با این ہمہ اگر مجھ جیسے مسلمان سے، پنڈت منوہر لال زتشی جیسے بے تعصب ہندو کو یہ بے اعتباری اور بدگمانی ہو تو

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

دیباچہ مثنوی تغلق نامہ

بقلم مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی رکن دارالترجمہ حیدرآباد دکن،

تغلق نامہ جو امیر خسرو کی نایاب مثنوی ہے، وہ مولوی سید ہاشمی صاحب کے دیباچہ کیساتھ مجلس مخطوطات فارسیہ کی طرف سے شائع کی جا رہی ہے، چونکہ جناب سید صاحب کا یہ دیباچہ بجائے خود تاریخی اہمیت رکھتا ہے، اس لئے وہ الگ بھی معارف مین شائع کیا جا رہا ہے، سید صاحب کے ممنون ہین کہ وہ ناظرین معارف کو "مشاعرہ" سے پہلے اپنی "غزل" پڑھنے کی اجازت دیرہے ہین،

"معارف"

تغلق نامہ کی تاریخی نوعیت جیسا کہ امیر خسرو کی سوانح، تذکرون اور فارسی تاریخون سے ثابت ہے، اُن کی سب سے آخری تصنیف مثنوی تغلق نامہ ہے، جو انھون نے صاحبِ منتخب التواریخ کے بقول سلطان غیاث الدین تغلق اول کی فرمایش سے تحریر کی تھی، قران السعدین، دول رانی خضر خان، خزاین الفتوح اور نہ سپہر کی طرح یہ بھی اپنے عہد کی نہایت دلچسپ اور مفید تاریخی نظم ہے جس مین سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے قتل، خسرو خان کی چند روزہ بادشاہی اور پھر غیاث الدین تغلق کی فتحمندی اور تخت نشینی کے حالات درج ہین، یہ تمام واقعات شاعر کی زندگی اور بعض اوقات اس کی موجودگی مین ہوئے تھے، اگر کشف الظنون اور مُلا عبد القادر کا قول صحیح مانا جائے کہ یہ مثنوی ۷۲۵ھ ہجری مین نظم ہوئی تو ایک احتمال ہوتا ہے کہ شاید اس مین تغلق اوّل کے عہد بادشاہی کے حالات بھی ہونگے جو کتاب کے آخری اوراق ضائع ہونے کی وجہ سے اب مفقود ہو گئے، لیکن کشف الظنون اور بعض تذکرون مین یہ بھی لکھا ہے کہ

تعداد اشعار اس مثنوی کے کل اشعار کی تعداد تین ہزار تھی، اور جو نسخہ اب ہمیں دستیاب ہوا، اس مین حیاتی کاشی کے (۱۲۹۱)

اشعار وضع کر دینے کے بعد بھی جو اشعار محفوظ ہیں (مع منظوم عنوانات) اُن کی تعداد (۴۲، ۲) بچتی ہے، یہ ٹھیک اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ ابتدائی اشعار جو تلف ہوئے اُن کی تعداد کتنی تھی، تاہم یہ قیاس کرنا بیجا نہوگا کہ آخر کے جو اشعار اب نہیں ملتے وہ کم و بیش دو ۲۰۰ سو ہونگے اور اس کے معنی یہ ہیں، کہ شاعر نے اپنے ممدوح کی تخت نشینی کے بعد اس عہد کے دوسرے واقعات قلم بند نہیں کئے، اور کئے بھی تو بہت سرسری طور پر ان کا ذکر کیا ہوگا،

سنہ تصنیف اس میں شک نہیں کہ امیر خسرو بنگالہ کی فوج کشی تک تغلق اوّل کے ہمراہ اور بادشاہ کے ندیم تھے لیکن ان کی تاریخ وفات ۱۸ شوال ۷۲۵ھ ہجری ہے اور زندگی کے آخری چند مہینے بھی اپنے محبوب و محترم پیر کے ماتم میں گذرے ایس یہ قول کسی قدر مشکوک معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ پوری مثنوی زندگی کے اسی آخری سال میں نظم کی ہو[1]۔

ادبی حیثیت بہر حال چونکہ یہ مثنوی امیر خسرو کے آخری زمانے اور پیرانہ سالی کی تصنیف ہے، دوسرے ایک ایسے بادشاہ کے ایما سے لکھی گئی جس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ اُن کے محترم مرشد سے چنداں حسن عقیدت نہیں رکھتا تھا، بظاہر اسی لیے اس مثنوی میں وہ جوش و ولولہ نہیں پایا جاتا جو حضرت طوطیِ ہند کی سب سے پہلی تاریخی مثنوی قران السعدین کا امتیاز ہے، تاہم کلام کی استادانہ پختگی اور بیان کی حیرت انگیز قوت و قدرت ہر ورق سے نمایاں ہے، تاریخی جزئیات کی صحت کا پاس ہر داستان سے آشکارا ہے اور یہ وہ خصوصیت ہے جس کی بدولت یہ فخر آمیز دعوی کرنا بالکل بجا ہوگا کہ غالبًا دنیا کی کسی قوم نے آج تک ایسا شاعر نہیں پیدا کیا، جس نے طویل اور اہم تاریخی واقعات کو

---

[1] مولوی رشید احمد صاحب مرحوم نے اپنے ناتمام مقدمہ میں کشف الظنون کا یہ قول لکھا ہے کہ "یہ نظم تمام ہونے نہیں پائی تھی کہ حضرت امیر کی وفات ہو گئی"، مگر کشف الظنون (مطبوعہ لائپزگ ۱۸۳۵ء) کی جلد دوم صفحہ ۲۲۳ میں تغلق نامہ کے متعلق صرف یہ عبارت درج ہے،

"تعلق[2] نامہ خسرو الدہلوی المتوفی ۷۲۵ ہجری، و ہو نظم فارسی فی ثلاثۃ آلاف بیت"

اس عبارت سے مولوی رشید احمد صاحب کا قیاس ثابت نہیں ہو سکتا، لیکن ممکن ہے کسی دوسری جگہ کشف الظنون میں ضمنًا کوئی ایسی عبارت آگئی ہو جس سے ان مرحوم نے یہ نتیجہ اخذ کیا،

[2] تغلق کے بجائے "تعلق" صریحًا کشف الظنون کے کاتب کی غلطی ہے، ۱۲

شاعرانہ حسن گفتار کیساتھ اتنی صحت سے نظم کا جامہ پہنانے مین کامیابی پائی ہو جیسی کہ پرانی دہلی کے اس وزباری شاعر کے حصے مین آئی،

مگر جیسا کہ ہم کہہ رہے تھے، تغلق نامے مین شاعرانہ رنگینیان کم ہین، صنائع بدائع جنمین امیر خسرو کو بڑی مہارت حاصل ہے، ان کی مثالین اتفاقی طور پر کہین کہین نظر آجاتی ہین، اور مجموعی طور پر یہ مثنوی ہندوستان کے اس بیمثل ادیب کے بہترین ادبی یا شاعرانہ کارنامون مین شمار نہین ہوسکتی بلکہ یہ محض ایک بیش بہا بلند پایہ تاریخی نظم ہو، دوسری تاریخی مثنویون کے خلاف اس مین بہت تھوڑے زمانے کے حالات نظم کئے گئے ہین، اور سب سے بڑھکر جو بات اس موقع پر ہم جتانا چاہتے ہین وہ یہ ہے کہ اس مثنوی کا بڑا حصہ سلطان قطب الدین کے قتل، سلاطین خلجی کے خاندان کی تباہی اور ایک ادنی درجہ کے نو مسلم، نو دولت کے غصب سلطنت اور پایۂ تخت دہلی کے مسلمانون پر مصائب وشدائد کے درد انگیز حالات پر مشتمل ہے،

نایابی کے اسباب | مسلمانون کے اعلیٰ طبقات مین آج سے سو برس پہلے تک ہفت اقلیم کی بادشاہی کا جو غرور و ناز تھا اور اسی نسبت سے ان کی حمیت اور خودداری جس مرتبہ کی تھی، اگر اس کا لحاظ رکھا جائے تو یہ قیاس محض لایعنی نہو گا کہ تغلق نامہ کی سادہ بیانی سے بڑھکر، اس کا تاریخی موضوع ایسا تھا کہ آج سے چند صدی پہلے کے تعلیم یافتہ مسلمانون مین درجۂ قبول حاصل نہ کرسکا، ادھر پہلے تو سلطان محمد تغلق نے پایۂ تخت دہلی کی آبادی دکن مین منتقل کی اور اس شہر کو بالکل ویران وبے چراغ کردیا، پھر کچھ مدت کے بعد تیمور کے خوفناک حملے اور بعد کی طوائف الملوکی کے ہنگامون مین جہان اور علم وفن کے خزانے غارت ہوئے، وہان بظاہر یہ کتاب بھی قریب قریب مفقود ہو گئی، امیر خسرو کی بعض اور تصانیف زمانے کی اس دست برد سے محفوظ نہین رہین، اور جیسا کہ بعض مبصرین کا اندازہ ہے، ان کا آدھے سے زیادہ کلام بے نشان ہو گیا، اس مین مثنوی تغلق نامہ کو بھی شامل سمجھنا چاہئے، چنانچہ اکبر کے عہد مین جب دوبارہ ہندوستان مین امن وامان اور علم وفن کا چرچا ہوا تو

سلہ سر ہنری ایلیٹ نے بھی اپنی مشہور تاریخ ہند مین ایک انگریزی مستشرق کی قریب قریب یہی رائے نقل کی ہے (جلد سوم ضمیمہ)

اس وقت یہ مثنوی بہت ہی کم یاب ہوگئی تھی،

فیضی کا رقعہ اس بارے مین سب سے دلچسپ اور قیمتی شہادت ملک الشعرا فیضی کے اس رقعہ سے بہم پہنچی ہے جو اس نے راجہ علیخان فاروقی والی خاندیس کو تحریر کیا تھا، یہ رقعہ سرہنری ایلیٹ کے کاغذات کے ساتھ متحف برطانیہ مین محفوظ ہے اور اس تک میری رہنمائی لندن یونیورسٹی کے ایک طالب علم محمد اشرف صاحب نے کی جو خود بھی غالباً امیر خسرو کی شاعری کے متعلق علمی تحقیقات کر رہے تھے، اس معاونت پر مین ان کا دل سے ممنون ہون، رقعہ کی عبارت یہ ہے:-

"بہ سلطنت و ابہت پناہ سید الاقران راجہ علیخان فاروقی والی خاندیس"

امید کہ نواب معلی القاب مزکی اوصاف مؤید و منصور باشید، این ذرۂ بے نام و نشان خاک نشین را چہ یارا کہ دم از اشتیاق . . . . بموجب ضرور استدعا مینماید کہ از کتاب تغلق نامہ کہ از انفاس مقدسۂ امیر خسرو ہست، چند ورق از اوّل و چندے از آخر رفتہ، التفات فرمودہ دو جزاز اوّل و ہمین قدر از آخر بہ یکے از خدمتگاران امر فرمایند کہ بہر خطے مسودہ نمودہ بجہت بندہ مصحوب حاملان عریضہ فرستند، امید کہ مکارم عالیہ را عذر پذیر این جرأت و تصدیع خواہند داشت، ادام اللہ افضالکم،

العبد الاقل فیضی"

اس رقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مثنوی اکبر بادشاہ کے زمانے مین کم سے کم شمالی ہندوستان مین بہت نادر الوجود تھی، دوسرے یہ کہ بظاہر شاہی کتب خانہ مین اس کا جو نسخہ موجود تھا اسکے ابتدائی اور آخری اوراق ضائع ہوگئے تھے،

صاحب فرہنگ جہانگیری اور تغلق نامہ تغلق نامہ کا جو نسخہ مؤلف فرہنگ جہانگیری، جمال الدین انجو کے سامنے تھا، ممکن ہے وہ کوئی دوسرا اور مکمل نسخہ ہو، لیکن اوّل تو اس نے اپنے نسخے کا جس سے کام لیا، کوئی ذکر نہین کیا، دوسرے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ فیضی کو اس نسخہ کا علم نہ ہوا ہو کیونکہ انجو اکبر بادشاہ ہی کے حکم سے اس کے آخری زمانے مین فرہنگ جہانگیری کی تالیف مین مصروف تھا، خود اس مؤلف لغت کا تغلق نامے سے کام لینا ان اشعار سے ثابت ہے جو اس نے سند

مین نقل کئے ہین، اور انھین ہم آگے اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرین گے،

فرشتہ کا قول اس موقع پر محمد قاسم فرشتہ کا قول بھی نقل کر دینا چاہئے، اس نے اپنی مشہور تاریخ ذکم سے کم اس کے ابتدائی مقالے) ۱۰۱۵ھ ہجری یعنی عہد جہانگیری کی بالکل ابتدا مین تحریر کئے ہین اور وہ بھی بیان کرتا ہے کہ تغلق نامہ جسے امیر خسرو نے غیاث الدین تغلق کے نام لکھا تھا کمیاب ہوگیا ہے[1]، اس مورخ نے تغلق نامہ کے چار شعر نقل کئے ہین، جن کا مولوی رشید احمد صاحب نے اپنے مقدمہ مین حوالہ دیا ہے[2]، لیکن یہ شعر معز الدین کیقباد کے حالات کے ضمن مین درج ہین، قطب الدین مبارک، خسرو خان یا خود غیاث الدین تغلق کے حالات مین اس مثنوی کا کوئی شعر نقل نہین کیا، حالانکہ جا بجا دوسرے اشعار اور قطعات موجود ہین، پس یہ گمان ہوتا ہے کہ خود فرشتہ نے اصل مثنوی کا مطالعہ نہین کیا یا اس کے سامنے جو نسخہ تھا وہ بھی ناقص اور ابتر حالت مین تھا،

حیاتی کا بیان مذکورۂ بالا اسباب کو پڑھنے کے بعد حیاتی کاشی کا وہ بیان سمجھنا آسان ہو جائے گا جو اس کے سب سے پہلے نثریہ عنوان مین مذکور ہے، عنوان کی عبارت یہ ہے:-

"آغاز سخن در شرح چگونگی نظم آوردن این چند داستان و باتمام رسانیدن کتاب تغلق نامہ سخن

---

[1] جلد اول ـ مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۳۲، [2] اشعار یہ ہین،

نشاید پادشہ را مست بودن	نہ در عشق و ہوس پیوست بودن
بود شہ پاسبان خلق پیوست	خطا باشد کہ باشد پاسبان مست
شبان چون شد خراب از بادۂ ناب	رمہ در معدۂ گرگان کند خواب
در آئینے کہ رسم ملک داری ست	ثبات کار ہا در ہوشیاری است

(فرشتہ طبع نولکشور جلد اول ص ۸۶)

تغلق نامہ مین ان اشعار کا نمبر ۲۷۹ تا ۲۸۲ ہے،

پیرائے گلزار ہر تازگی و نوی، گنجور خزانہ معنوی امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کہ نہ از نقوش دیباچہ‌اش اثرے بود و نہ از نگارش خاتمہ‌اش خبرے، نہ حدیقۂ حمدش را درہا بازو نہ گلشن مدحت را دستان سرائے باواز"

نسخہ میں "خاتمہ اش" کی بجائے "خامہ اش" درج ہے مگر یہ صریحاً کتابت کی غلطی ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ حیاتی نے صرف "این چند داستان" نظم کرنے کا دعوے کیا ہے، اور کتاب تغلق نامہ کو جس میں دیباچہ، حمد، مدح اور خاتمہ موجود نہ تھا، اتمام کو پہنچایا ہے، نہ یہ کہ پوری کتاب خود لکھنے کا ادعا کیا ہو، اپنی منظوم تمہید میں بھی حمد اور بادشاہ وقت جہانگیر کی صفت و ثنا کے بعد حیاتی لکھتا ہے کہ ۱۰۱۹ھ ہجری میں ایک رات بادشاہ نے امیر خسرو کے تغلق نامے کا ذکر کیا، ع

"کہ[1] در تاریخ سال شش صد واند"

من جملہ اور منظوم تصانیف کے یہ کتاب بھی خسرو نے لکھی مگر اس کے آغاز و آخر کے اشعار غائب ہو گئے ہیں

ازاں دفتر ولے ز آغاز و انجام سخن را نے نشان نے قصہ را نام

اور اسی کمی کو پورا کرنے کا حیاتی کو حکم دیا، حیاتی کے اشعار کی تعداد اور ان کا لب لباب ہم نے اپنے خلاصۂ مثنوی میں لکھ دیا ہے، اور مولوی رشید احمد صاحب مرحوم کے ناتمام مقدمے میں بھی یہ حیثیت خاصی تفصیل سے موجود ہے۔

حیاتی کے اشعار کی تعداد اور ان کا مسئلہ

حیاتی کے ان کل ابتدائی اشعار کی تعداد (۱۰۵) ہے، ممکن ہے کہ اس نے اخیر کے بھی کچھ شعر جنکا وعدہ کیا ہے (دیکھو بیت ۱۶۸ تا ۱۷۷) تحریر کیے ہوں، لیکن وہ اب مفقود ہیں، ان محفوظ تمہیدی اشعار کی تاریخی اہمیت اور معنوی خوبی تقریباً صفر ہے، مگر اس میں شک نہیں کہ ادبی اعتبار سے یہ شعر نہایت صاف و شگفتہ ہیں، کم از کم اس کے ممدوح جہانگیر کو تو وہ اتنے پسند آئے کہ اس نے

[1] یہ جہانگیر یا خود حیاتی کی غلطی ہے، امیر خسرو کی عمر کا بڑا زمانہ "شش صد واند" یعنی ساتویں صدی میں گذرا، لیکن جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور خود مثنوی کے واقعات سے (جو ۷۲۰ھ میں ہوئے) ظاہر ہے تغلق نامہ آٹھویں صدی کی تصنیف ہے۔

حیاتی کو زرِ سرخ و سفید سے تلوا کر اس کے ہموزن روپیہ انعام دیا، مجمع النفائس وغیرہ تذکرون مین سعیدائے گیلانی کا یہ قطعۂ تاریخ بھی اس واقعہ کی یادگار مین نقل کیا ہے:-

چون حیاتی را بزر سنجیدہ شاہنشاہِ عصر ... بادشاہِ عدل گستر شاہِ گردون اقتدار

شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ ... آفتابِ ہفت کشور سایۂ پروردگار

بہرِ تاریخش بروئے کفۂ میزان چرخ ... شاعرِ سنجیدۂ شاہی، رقم زد روزگار
۱۰۱۹ھ

حیاتی کی نظم کا صحیح زمانہ حیاتی کاشی کی نظم کا صحیح سال معلوم ہو جانے سے یہ بات بالواسطہ طور پر قطعی ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ تغلق نامہ جس سے فرشتہ نے ۱۰۱۵ھ مین چار شعر نقل کئے، حیاتی کا لکھا ہوا کلام نہین ہو سکتا کیونکہ حیاتی نے تغلق نامہ مین جو کچھ لکھا وہ فرشتہ سے چار سال بعد ۱۰۱۹ھ کی تحریر ہے،

۲- علیٰ ہذا فرہنگ جہانگیری کی تالیف اکبر کے عہد ۱۰۰۵ھ مین شروع ہوئی اور ۱۰۱۷ھ مین تکمیل کو پہنچی جیسا کہ

"زہے فرہنگ نورالدین جہانگیر"

سال تکمیل کی تاریخ ہے، اگر تغلق نامے کا یہ نسخہ جو ہمارے سامنے ہے حیاتی کاشی کی ۱۰۱۹ھ کی تصنیف ہوتا جیسا کہ مولنا حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی قیاس کرتے رہے تو ظاہر ہے کہ اس کے چند سال پہلے کی تالیف فرہنگ جہانگیری مین اس کے اشعار نقل نہین کئے جا سکتے تھے، دوسرے فرشتہ اور عضد الدولہ انجو دونون تغلق نامہ کے اشعار کو صراحۃً امیر خسرو کے نام سے نقل کرتے ہین اور یہ ناممکن ہے کہ انھون نے اپنے ہمعصر حیاتی کے کلام کو امیر خسرو سے منسوب کر دیا ہو،

تغلق نامے کے اشعار فرہنگ جہانگیری مین فرشتہ کے اشعار ہم اوپر نقل کر چکے ہین، ذیل مین وہ اشعار نقل کرتے ہین جو ایک سرسری تلاش سے فرہنگ جہانگیری مین صراحۃً امیر خسرو کے نام سے ہمین دستیاب ہوئے، اور جو ہمارے نسخۂ تغلق نامہ مین موجود ہین،

---

[1] خزانۂ عامرہ کے تذکرے مین جہان حیاتی کاشی کو انعام دینے کا ذکر لکھا ہو وہان یہ بھی لکھا ہو کہ حیاتی کاشی نے تغلق نامہ کی صرف ایک گم شدہ داستان نظم کی تھی،

اشعار تغلق نامہ جو فرہنگ جہانگیری (مطبوعہ ۱۸۷۶ء مطبع ثمر ہند لکھنو) مین سنداً نقل کئے گئے ہین،

صفحۂ فرہنگ جہانگیری	لفظ جسکے تحت شعر لکھا گیا ہی	حوالہ بیت تغلق نامہ	شعر
۲۳۲	خراب	۲۸۱	شبان چون شد خراب از بادۂ ناب ‏ رمہ در معدۂ گرگان کند خواب
۴۰۵	مردم	۲۸۶	نشاید ہیچ مردم خفتہ درکار ‏ کہ در پایان پشیمانی دہد بار
۳۲۸	چرخ	۶۱۱	کسے کش چشم زخم از چرخ روزی است ‏ رسد گر چشم جہان چرخ دوزی است
۳۲۸	"	۶۱۲	چو زخم از تیر بے تدبیر چرخ است ‏ نہ کمتر تیر چرخ از تیر چرخ است
۴۲۰	بزانہ	۱۱۷۶	ولایت دارم و گنج و خزانہ ‏ سپاہے نیز چون باد بزانہ
۴۰۴	لُر	۱۲۱۱	ملک کز لشکر آفت سگالش ‏ چو موئے سر پریشان دید حالش
"	"	۱۲۱۲	ترش رو بود چون افغان جنگی ‏ وے ہم چون کلاہِ لُر بہ تنگی
۱۷۴	شارک	۱۶۱۴	اگر شاہین زبون گردد ز شارک ‏ کلہ گل مرغ را زیبد تبارک
۹۱	باخہ	۱۸۷۱	لبا بر دل نہنگ از تیغ کینہ ‏ کہ بر دزدیدہ چون باخہ سینہ
			(نوٹ) شمس اللغات چھاپہ بمبئی صفحہ ۲۱۱ مین بھی یہ شعر امیر خسرو کے نام سے درج ہی
۱۴۴	دار	۲۱۳۸	خروش در دہلی و جان راد در داد ‏ تنش در شہر و جان در دارمند و
۴۰۴	لر	۲۱۵۴	لرے کردند ناہموار در پیش ‏ کہ باد از سر برآید در تنگ خویش
۱۲۷	تار = تال	۲۱۹۶	ز سیری بس کہ ہند و سیر خور شد ‏ ہمہ تال برنجش تال زر شد
۱۲۰	پایگاہ	۲۸۴۹	رمہ گرگان ربانید از سپاہش ‏ فرس دزدان برند از پایگاہش
			ذیل کے دو شعرون کے متعلق جو تغلق نامہ کے بیت نمبر ۶۲۴ و ۹۴۶ ہین،
			فرہنگ جہانگیری جلد اوّل صفحہ ۱۵۴ مین یہ عبارت لکھی ہے،

"حکیم (امیر) خسرو این معنی را در کور کردن پسران سلطان السلاطین رقاب الامم ملوک الشرق و العجم علاء الدین والدنیا گفتہ:

"کسے کو برکشید این دیدۂ سر | بسان خستہ شفتالو بود تر
دو چشم او چو دو عناب خستہ | ہمیشہ خستہ و درخون نشستہ"

تغلق نامہ کی دوبارہ نایابی

لیکن حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ جہانگیر کی اس قدر دانی اور کاوش کے باوجود تغلق نامہ کا یہ نسخہ بھی جس کی حیاتی نے تمہید لکھی تھی، ملک مین رواج نہ پا سکا، اور بعد کی تاریخون اور تذکرون مین اس کا بہت ہی مجمل ذکر یا صرف نام باقی رہ گیا ہے، اسی سلسلے مین مجھے متحف برطانیہ مین نواب ضیاء الدین خان نیر دہلوی کی ایک تحریر ملی جو انھون نے امیر خسرو کے حالات اور تصانیف کے متعلق بطور یادداشت قلم بند فرمائی تھی، یہ غالباً ۱۸۳۰ء کی تحریر ہے،

نواب ضیاء الدین خان کا بیان

اور سر ہنری ایلیٹ کے ذخیرے کے ساتھ متحف مذکور مین داخل ہوگئی ہے، نواب صاحب موصوف نے منجملہ اور تاریخی مخطوطات کے امیر خسرو کی تاریخی مثنوی خزائن الفتوح کا ایک نسخہ سر ہنری ایلیٹ کو دیا تھا اور اسی فاضل انگریز کی فرمایش سے خود اپنے قلم سے امیر خسرو کے حالات بھی لکھ کر بھیجے تھے، اس مین نواب صاحب موصوف لکھتے ہین:-

"مثنوی نہمین تغلق نامہ است کہ درحال تغلق شاہ تصنیف نمودہ کہ اب عدیم الوجود است از آخرین تصنیفات اوست"

پھر حاشیہ پر یہ سطر تحریر کی ہے:-

"ہمگی کتب مذکورہ مصنفۂ امیر خسرو بجز تغلق نامہ کہ خبر اسمی مسمٰی ندارد نزد این احقر العباد موجود"

تغلق نامہ کی دریافت

اس طرح اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مثنوی گذشتہ دو صدی مین بھی نایاب رہی اور ۱۹۱۴ء مین جب نواب اسحاق خان مرحوم نے کلیات خسرو کی تلاش اور طبع کا وسیع پیمانے پر اہتمام کیا، تو اس وقت بھی ہندوستان

یا بیرونی ممالک کے کسی مشہور کتب خانے مین اس کتاب کا پتہ نہین چلا، اور یہ محض ایک نادر اتفاق تھا کہ یہ مثنوی مولانا حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی رئیس حبیب گنج کے ذاتی کتب خانے سے اورجہانگیر نامہ کے نام سے برآمد ہوئی، مولانا شروانی صاحب کو ایک مدت تک یہ شبہہ رہا (اور شاید اب بھی ہو) کہ یہ کتاب حقیقت مین امیر خسرو کا تغلق نامہ ہے یا حیاتی کاشی کی بعد کی نظم، لیکن دنیائے ادب کو مولوی رشید احمد صاحب انصاری مرحوم کا احسان مند ہونا چاہئے جنھون نے بہت جلد معلوم کرلیا کہ حیاتی کاشی کی تمہید کے ساتھ اصلی تغلق نامہ یہی ہے، اس عظیم الشان "دریافت" کا فخر انھی مرحوم کو حاصل ہے، پھر انھون نے شروانی صاحب کے نسخے کی اپنے قلم سے نقل کی اور اس پر ایک مقدمہ بھی تحریر کیا جو پورا نہ ہونے پایا تھا کہ ان کا انتقال ہوگیا،

نواب اسحاق خان کے انتقال سے کلیات خسرو کی طبع و اشاعت کا کام بھی معرض التوا مین پڑگیا، اور تغلق نامہ کو شاید اس واسطے اور بھی نظر انداز کردیا گیا کہ اس کی اصلیت ہی مشکوک و مشتبہ تھی،

تین سال ہوتے ہین کہ مولوی رشید احمد صاحب مرحوم کا نسخہ ان کے داماد کی وساطت سے میری نظر سے گذرا اور محض کتاب کی چند داستانین پڑھ کر ہی مجھے یقین ہوگیا کہ یہ امیر خسرو کی گم شدہ مثنوی ہے، یورپ کے سفر مین بھی یہ نسخہ میرے ساتھ تھا اور مین نے کوشش کی کہ وہان کے کسی کتب خانے مین اس کا دوسرا نسخہ ناقص یا کامل ملسکے تو بہم پہنچایا جائے لیکن اس تلاش مین کامیابی نہ ہوئی، اور آخر میں یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ مجلسِ مخطوطاتِ فارسیہ کی طرف سے مولوی رشید احمد صاحب کا نسخہ خرید لیا جائے اور مولٰنا شروانی صاحب کے اصلی نسخے سے اس کا مقابلہ کرکے یہ کتاب بجنسہ چھاپ دی جائے،

مولوی رشید احمد صاحب مرحوم کا ناتمام مقدمہ بھی کتاب کے ساتھ چھاپا جارہا ہے، اور مثنوی کے تاریخی واقعات کا ایک خلاصہ مین نے لکھ کر مقدمہ کے بعد شامل کتاب کردیا ہے،

کتاب کی تاریخی اہمیت تغلق نامہ کی تاریخی اہمیت، اصل مثنوی بلکہ محض اس کے اردو خلاصہ کے مطالعہ سے واضح ہوگی، لیکن یہان مین خاص طور پر اس کی ایک خصوصیت بیان کردینا ضروری سمجھتا ہون اور وہ یہ ہے کہ اس

مثنوی مین سلطان قطب الدین کے قتل، خاندان علائی کی تباہی، خسرو خان کی چند روزہ بادشاہی، تغلق کی سرتابی، بعض امراسے خط وکتابت، دہلی پر چڑھائی اور دو بڑی لڑائیون کے بعد فتح یابی، خسرو خان اور اس کے بھائی کی گرفتاری اور قتل کئے جانے کے متعلق ایسے صحیح اور تفصیلی حالات ملتے ہین جو کسی دوسری تاریخ مین موجود نہین ہین، افریقی سیاح ابن بطوطہ کا بیان بے ربط اور مجمل ہے اور ہمین اس سے زیادہ توقع رکھنے کا حق بھی نہین ہے،

برنی کی تاریخ اور غلطیان | لیکن ضیاء الدین برنی جکی تاریخ محفوظ ہے اور جو ان تمام واقعات کے وقت خود دہلی یا اس کی نواح مین موجود ہوگا، افسوس ہے کہ اس نے بھی ان واقعات کو کچھ اچھی طرح اور پوری صحت و وضاحت کے ساتھ قلمبند نہین کیا، اور اس کی تاریخ مین ان واقعات کا کوئی صحیح مہینہ بلکہ سنہ تک درج نہین ہے، خسرو کی بادشاہی کا زمانہ اس نے ایک جگہ "چار ماہ" اور دوسری جگہ "سہ چار ماہ" لکھدیا ہے[1] معلوم ہوتا ہے اس کی اسی بے احتیاطی سے بعد کے اکثر تاریخ نگارون کو طرح طرح کے مغالطے ہوئے اور قطب الدین کے قتل سے محمد تغلق کی تخت نشینی تک جملہ واقعات کی تاریخین گڈمڈ ہوگئی ہین،

اہم واقعات کی صحیح تاریخین | پس تغلق نامے کے مل جانے سے ہماری تاریخ کا یہی فائدہ کچھ کم نہین کہ اس مثنوی کی بدولت سب تاریخون کی تصحیح ہو جاتی ہے کیونکہ امیر خسرو نے نہایت صراحت سے لکھا ہے کہ قطب الدین کا قتل جمادی الثانی سنہ ۷۲۰ھ کی عین چاندرات کو واقع ہوا[2]۔

"چون تاریخ عرب شد ہفصد وبست | ثبات قطب کم شد جانب زیست
جمادو مین راشد پدیدار | ہلال تیرہ و تاریک دیدار
شد آن مہ بر ہمہ گیہان مبارک | مگر بر طالع سلطان مبارک"

(نمبر ۳۴۵ ونمبر ۳۴۶ ونمبر ۳۴۸)

---

[1] برنی مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۴۱۱ و ۴۲۱، [2] سیر الاولیا اور حضرت سلطان المشائخ کے بعض دوسرے تذکرون مین بھی یہ بات ضمناً تحریر ہے کہ سلطان قطب الدین چاندرات کو مارا گیا، لیکن ان تذکرون میں صحیح مہینہ درج نہین ہے،

اور ٹھیک دو مہینے بعد غازی ملک تغلق غاصب خسرو خان کو شکست دے کر پہلی شعبان ۷۲۰ھ ہجری کو تختِ دہلی پر متمکن ہو گیا،

چو صبح غرۂ شعبان فرخ نمود از تخت گاہِ آسمان رُخ

(۲۵۹۹ تا آخر داستان)

یہ ہفتے کا دن تھا اور خسرو خاں سے آخری لڑائی اس سے ایک دن پہلے یعنی جمعہ کو ہوئی تھی،

"ہمہ شب بود خسرو لشکر آرائے سران و سرکشانش نیز بر پائے

چو صبح جمعہ تیغ تیز بر داشت زمانہ غلغلِ خوں ریز بر داشت"

(۲۲۴۵ و ۲۲۴۶)

دن کا ذکر برنی اور بعد کے مورخوں نے بھی کیا ہے کہ لڑائی جمعہ کو ہوئی اور دوسرے دن تغلق تخت نشین ہوا، مگر ان مین سے کوئی بھی صحیح تاریخ نہین لکھتا،

اس عہد کے رسل و رسائل | اس اہم تاریخی اطلاع کے بہم پہنچ جانے کے بعد ہمین یہ اندازہ کرنے کا بھی موقع ملتا ہے کہ اس زمانے مین رسل و رسائل کا کس قدر عمدہ انتظام تھا کہ صرف دو مہینے کے اندر تغلق بعض اور ہمخیال امیرون کی فوج لے کر لیکر دیپالپور سے لڑتا بھڑتا پائے تخت دہلی تک پہنچ گیا، حتیٰ کہ شروع مین راقم الحروف کو اس دو مہینے کی مدت کو تسلیم کرنے مین اسی لیے تامل تھا کہ اتنے قلیل زمانے مین غازی ملک تغلق کو دور دور کے صوبہ دارون سے خط و کتابت کرنے کی مہلت کیونکر ملی، امیر خسرو نے ان صوبہ دارون کے نام اور مقام اور ان کی مکاتبت کا حال خاصی تفصیل سے تحریر فرمایا ہے، (۱۰۴۷ تا ۱۳۱۵)

پائے تخت دہلی سے خود تغلق کا مستقر (دیپالپور) دو سو میل سے زیادہ فاصلہ پر تھا اگرچہ اس کے صوبہ کی حدود دستی ندی یعنی موجودہ شہر حصار کے قریب تک پھیلی ہوئی تھیں جس کا فاصلہ دہلی سے سو میل سے بھی کم ہے، جن صوبہ دارون کو تغلق نے خط لکھکر خسرو خان کی مخالفت پر ابھارا ان مین سب سے زیادہ دور سہوان (موجودہ

ضلع ٹھٹھا صوبہ سندھ) اور جالور (ریاست جودھپور) کے مقطعے یا والی تھے، نقشے مین دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ دیپالپور سے سہوان کا فاصلہ تقریبا (۴۲۵) میل اور جالور کا (۴۰۰) میل کے قریب ہے، ڈاک چوکی کے عمدہ انتظام کی بدولت اتنے دور کے مقامات تک سرکاری ڈاک کا ہفتہ عشرہ مین پہنچ جانا خلاف قیاس نہین اور ابن بطوطہ کے سفرنامے، نیز برنی وغیرہ مورخون کی تحریرون مین ایسی نظیرین بھی ملتی ہین کہ سرکاری ہرکارون نے اس سے بھی زیادہ سرعت کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام تک اطلاعات پہنچا دین، جیسا کہ مثنوی یا اس کے خلاصے سے معلوم ہوگا، تغلق نے جن صوبہ دارون کو خط لکھے تھے ان مین سے صرف ایک شخص بہرام ابیہ نے اپنی فوج کے ساتھ دہلی پر لشکر کشی مین کارگر حصہ لیا، اسی بہرام کو بعد مین کشلے خان کا خطاب اور پورے سندھ اور ملتان کی صوبہ داری عطا ہوئی تھی،

کتاب کے ادبی محاسن یا صنائع بدائع پر مین نے کچھ نہین لکھا، تغلق نامہ مین ایسے صنائع بہت کم ہین اور مصنف علیہ الرحمۃ کے ان کمالات پر زیادہ واقف اہل ذوق کلیات خسرو کے بعض دیباچون مین بہت کچھ لکھ چکے ہین، البتہ مختصر طور پر یہ لکھنا باقی ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب مرحوم کا نسخہ مجلس مخطوطات کے لیے خریدنے کے بعد اس کی اصل کتب خانہ حبیب گنج سے منگائی گئی اور مخدومی مولانا شروانی رئیس حبیب گنج کی عنایت سے تغلق نامہ کا یہ "دنیا مین واحد" نسخہ کئی ہفتہ میرے پاس رہا، اس عنایت پر مین مجلس کی طرف سے جناب ممدوح کا شکریہ عرض کرتا ہون،

نسخہ حبیب گنج | حبیب گنج کے اس نسخہ مین بھی کاتب کا نام یا کتابت کا سنہ درج نہین ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا آخری اوراق مفقود ہین، آخری صفحہ پر ترک موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگے ضرور کم سے کم ایک یا زیادہ اوراق موجود تھے، اسی خاتمۂ کتاب سے چند ورق پہلے حاشیہ پر ایک عنوان کا شعر تحریر ہے، یہ اسی بحر و قافیہ مین ہے جسمین تغلق نامہ کی داستانون کے دوسرے عنوانات لکھے گئے ہین،

"حدیث چتر و کشور دادن شہزادگان وانگہ بشغل آراستن کار ملوک و بندۂ[1] چاکر"

[1] ک: بہ بندہ و چاکرو ۱۲

اس عنوان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم ایک داستان امیر خسرو کی لکھی ہوئی اور موجود تھی جسمین تغلق کی تخت نشینی کے بعد ملوک و امراکے جدید مراتب و مناصب پانے کا حال تحریر تھا،

نسخے کے اوراق بھی بعض جگہ گڈمڈ ہوگئے ہین، مگران کا سلسلہ تھوڑے سے تردد و تجسس کے بعد مل جاتا ہے، کتابت کی بیشمار غلطیان پائی جاتی ہین جنھین بہت سی مولوی رشید احمد صاحب مرحوم نے اپنی نقل مین درست کردی تھین اور ہم نے اس اصلاح سے کافی استفادہ کیا، کتاب کو بار بار محنت اور غور کے ساتھ پڑھنے سے بہت سی دوسری غلطیان بھی صاف ہوگئین، مگر سوائے بالکل صریحی اور یقینی اغلاط کے، ہم نے متن مین ہر جگہ نسخۂ حبیب گنج کی کتابت کی بجنسہ نقل کردی ہے، اور مولوی رشید احمد صاحب یا اپنی قیاسی تصحیح کو حاشیے مین لکھا ہے، کتاب کی آخری خواندگی اور تصحیح مین مولانا احتشام الدین صاحب حقی دہلوی سے نہایت مفید مدد اور مشورے ملے جس کے لیے مین ان کا منت گزار ہون، ہر بار کی خواندگی اور تصحیح مین مولوی رشید احمد صاحب حیدرآبادی جو مجلس مخطوطات کے دفتر مین کام کرتے ہین، برابر میرے معین و شریک کار رہے اور بعض عمدہ مشورون سے مجھے ممنون کیا،

نسخۂ حبیب گنج کے ایک صفحے کا عکس لے کر شامل کتاب کردیا گیا ہے جس سے اس کی تقطیع اور خط کا اندازہ ہوگا، یہان اتنا اور لکھ دینا چاہئے کہ اس نسخے کے سرورق پر یہ الفاظ تحریر ہین،

"جہانگیر نامہ عطائے حیاتی کاشی"

"اللہ اکبر"

دہلی خانقاہ قطب صاحب،

"مرزا اسکندر بخت"

پہلے جملے سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید یہ نسخہ خود حیاتی کاشی نے لکھوا کر اپنے کسی دوست کو عطا کیا تھا، مگر افسوس ہے اس کی بعد کی سرگذشت نامعلوم ہے اور خود "مرزا اسکندر بخت" کے متعلق بجز اس صریحی قیاس کے کہ تیموری خاندان کے شہزادے ہونگے، اور کچھ حالات معلوم نہین ہوئے، نسخہ مجلد ہے، اگرچہ جلد کچھ بہت پرانی نہین ہے،

البتہ کاغذ یقیناً کم و بیش دو سو سال کا پرانا معلوم ہوتا ہے، جگہ جگہ سے کرم خوردہ اور کہین کہین پانی کی سیل کا نشان بھی موجود ہے، کل صفحات (۱۹۷) ہین، نثر کا پہلا عنوان اور بعد کے منظوم عنوانات، نیز کہین کہین بعض نام سرخی سے لکھے ہوئے ہین،

آخر مین دولت آصفیہ دام اقبالہا کا شکریہ ادا کرنا فرض ہے جس کی امداد سے مجلس مخطوطات فارسیہ اس قابل ہوئی کہ اس نادر و نایاب تاریخی مثنوی کو دنیاے علم کے سامنے چھاپ کر پیش کرتی ہے،

شیخ سعدی کا تخلص سعد کے نام پر ہے؟

از

جناب مولوی محمد اعجاز حسن خان صاحب رئیس پٹنہ،

شیخ سعدی کے معاصر شمس بن قیس رازی کی تصنیف المعجم فی معائیر اشعار العجم، میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی کے ترتیب و تحشیہ سے شائع ہوئی ہے، اس پر میرزا صاحب کا ایک بسیط عالمانہ مقدمہ بھی ثبت ہے،

اس مقدمہ میں میرزا صاحب موصوف نے شیخ سعدی کے تخلص پر اس تقریب سے نظر ڈالی ہے کہ اس معاصر کتاب میں سعدی کے شعر کیوں نہیں ہیں، اور اس سے یہ نتیجہ پیدا کیا ہے کہ شیخ سعدی کا تخلص ابوبکر بن سعد بن زنگی بادشاہِ فارس کے بیٹے شاہزادہ سعد بن ابوبکر کے نام سے ماخوذ ہے، اس کے دادا سعد بن زنگی کے نام سے نہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"و دریں جا لازم ست کہ اشارہ بغلطی مشہور در باب تخلص سعدی شیرازی بنمائیم، و آں این است کہ بسیارے از تذکرہ نویساں کہ اولیں شاں دولت شاہ سمرقندی ست، گفتہ اند کہ شیخ از مداحان اتابک سعد بن زنگی بودہ، و وجہ تخلص او بسعدی نیز از نام ہمیں بادشاہ ماخوذ ست، و ایں امر خطائے محض ست؛ چہ اولاً در تمام کلیات شیخ مدحے یا ذکرے از سعد بن زنگی اصلاً و مطلقاً نیست، ثانیاً مصنف ایں کتاب چنانکہ گفتیم در پنج سال آخر سلطنت سعد بن زنگی و اوائل سلطنت ابوبکر بن سعد بن زنگی در شیراز و در ملازمت دو بادشاہ مذکور بسر می بردہ است، و دریں کتاب (یعنی المعجم فی معائیر اشعار العجم) از اشعار غالب شعرائے متقدمین و متاخرین خود مانند کمال الدین اسمٰعیل متوفی در سنہ ۶۳۵ھ استشہاد آوردہ است

ومع ہذا ہیچ اشارہ و ذکرے از سعدی نمی کند، و گر شیخ معاصر سعد بن زنگی بودہ یعنی در عہد او بشیراز اقامت داشتہ این سکوت مصنف از و با آن کہ ہر دو بنا بر این تقدیر در یک عصر و یک شہر و در خدمت یک بادشاہ بسری بردہ اند، ہیچ وجہے و محلے نخواہد داشت، و صواب قول صاحب تاریخ گزیدہ است کہ شیخ از ملازمان سعد بن ابوبکر بن سعد بن زنگی (کہ در ۶۵۸ھ دوازدہ روز بعد از وفات پدرش وفات یافت) بودہ است و تخلص سعدی نیز از نام ہمیں شاہ زادہ ماخوذ ست و کتاب گلستان را نیز بنام ہمو تالیف کردہ است چنانکہ گوید،

علی الخصوص کہ دیباچۂ ہمایونش　　بنام سعد ابوبکر سعد بن زنگی است

و ظاہر آنست کہ مراجعت شیخ از سفرہاے دور و دراز بوطن خود و استقرار وے در شیراز در اواخر سلطنت ابوبکر بن سعد بن زنگی بودہ است، و در ہماں اوقات کتاب بوستان را بنام آں بادشاہ در ۶۵۵ھ تالیف کردہ است چنانکہ گوید،

ز ششصد فزوں بود پنجاہ و پنج　　کہ پُر دُر شد این نام بردار گنج

و گلستاں را در سال بعد یعنی ۶۵۶ھ چنانکہ گوید،

دراں مدت کہ مارا وقت خوش بود　　ز ہجرت ششصد و پنجاہ و شش بود

و چوں سلطنت ابوبکر بن سعد بن زنگی مدت سی سال یعنی از ۶۲۳ھ الی ۶۵۸ھ طول کشید منافاتے ندارد کہ شمس قیس و شیخ سعدی با وجود آنکہ ہر دو معاصران بادشاہ بودہ اند زمان یکدگر را درک نکردہ باشند چہ شمس قیس اوائل عہد او ادرک کردہ باشد و شیخ سعدی اواخر آنرا واللہ الھادی الی الصواب

ہماری تحقیق مین اگر شیخ کا تخلص "سعد" کے نام سے ماخوذ سمجھا جائے تو وہ سعد، سعد بن زنگی ہے جیسا کہ دولتشاہ نے لکھا ہے نہ کہ سعد بن ابوبکر،

صاحب مقدمہ نے دولتشاہ کے قول کو خطائے محض لکھا ہے، لیکن ہمارے خیال مین خود صاحب مقدمہ کا بیان خطائے محض ہے، چونکہ یہ دعویٰ چند دلائل پر مبنی ہے اس لیے ناظرین پہلے چند امور تنقیح طلب کی تصریح و

تشریح کو بغور ملاحظہ فرمائین، پھر اصل حقیقت خود بخود بے نقاب ہو جائے گی،

۱۔ شیخ سعدی کی معاصرت شاہزادہ سعد بن ابو بکر کے ساتھ ہونا مسلم ہے، مگر یہ معاصرت ایک پیرکہن سال کی ایک شاہزادۂ جوان سال کے ساتھ تھی، یا دونون معاصر ہمعمر بھی تھے،

۲۔ شیخ سعدی کی عمر کتنی ہوئی، اگر صحیح عمر کا پتہ نہ لگ سکے تو شیخ کے حالات و واقعات سے اندازہ کرنا چاہیے جو انھون نے اپنے تصنیفات مین بیان کئے ہین،

۳۔ شیخ نے اتابکانِ فارس مین سے کس کس بادشاہ کا زمانہ پایا،

۴۔ شاعر کب تخلص اختیار کرتا ہے،

۱۔ کتبِ تاریخ اور شیخ کے کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ کی معاصرت شاہزادہ سعد کے ساتھ ایک پیرکہن سال اور ایک نوجوان سال کی معاصرت تھی، شاہزادہ سعد اپنے باپ ابو بکر بن سعد کی وفات کے بارہ[1] دن بعد ۶۵۸ھ مین انتقال کر گیا، باوجود کوشش مجھکو شاہزادہ کی پیدائش کا سنہ معلوم نہ ہوسکا، جس سے اسکی عمر کا اندازہ ہوتا لیکن یہ معلوم ہے کہ بادشاہ ابو بکر بن سعد زنگی ساٹھ اور ستر برس کے درمیان عمر پاکر ۶۵۸ھ مین مرا، اس کا بیٹا سعد حالتِ نوجوانی مین ایک بچہ چھوڑ کر مرا، شیخ سعدی نے نہایت دردناک مرثیہ اس کی وفات کی خبر پاکر لکھا ہے، جو اُن کے کلیات مین موجود ہے، اس مرثیہ کے ان اشعار اور تاریخ کے بعض دوسرے حوالون سے یہ آشکارا ہوتا ہے کہ شیخ اپنا تخلص اس شاہزادہ کے نام پر نہین رکھ سکتے تھے، بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک پیرکہن سال شاعر ایک نوعمر شاہزادہ کے نام پر اپنے تخلص کی بنیاد قائم کرے، شیخ کا کمال اور اُن کی شاعری اور اس کی شہرت شاہزادہ کی پیدائش کے پہلے اور بہت پہلے تمام دنیا مین پھیل چکی تھی،

۲۔ شیخ کی ولادت کا سال کسی کتاب مین نظر سے نہین گذرا، حیات سعدی مین ایک یورپین مصنف کا قول ۵۸۹ھ نقل کیا ہے، مگر یہ محض غلط ہے، مولانا حالی مرحوم نے بھی اس کی تردید کی ہے، مگر شیخ کی ولادت کا سال

---

[1] تاریخ روضۃ الصفا ص ۸۷۹ مطبوعہ نولکشور پریس،

میری طرح مولنا حالی کو بھی معلوم نہ ہوسکا، وفات کا سال ۶۹۱ھ ہے اس پر اکثر مورخین کا اتفاق ہے، مگر صاحب تاریخ گزیدہ ۶۹۰ھ لکھتے ہیں، جب ولادت کا سال معلوم نہیں تو عمر کی تحدید کی تحقیق نہیں ہوسکتی، لیکن بعض محققین کے نزدیک شیخ کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوئی، مولانا حالی اسی کو صحیح جانتے تھے، حیات سعدی میں تحریر فرماتے ہیں :-

"جہانتک ہماری تحقیق سے ثابت ہوتا ہی اُنھے (شیخ نے) ایکسوبیس برس اس قفس عنصری میں بسر کئے ہیں"

علامہ شبلی مرحوم نے شعر العجم میں ایک سو بیس برس کی عمر کو خلاف قیاس تحریر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

"بعض تذکروں میں شیخ کی عمر ۱۲۰ لکھی ہے اگرچہ خارج از قیاس عمر تسلیم کر لیجائے تو اور واقعات کی کڑیاں مل جائینگی لیکن ایک سخت دقت پھر بھی باقی رہتی ہے وہ یہ کہ شیخ نے گلستان میں لکھا ہو کہ جس زمانہ میں سلطان محمود خوارزم شاہ نے خطا سے صلح کی میں کاشغر میں آیا" سلطان محمود ۵۶۸ھ میں مرا ہے، اس لیے اس زمانہ میں اُن کی عمر ۱۰ برس کی ہوگی، لیکن واقعات اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے، کہ شیخ کی شاعری اور کمالات نے کم از کم ۳۰ - ۴۰ برس کی عمر میں شہرت پائی ہے، اسلئے یا تو شیخ نے غلطی سے علاؤالدین تکش خوارزم شاہ کے بجائے محمود خوارزم شاہ کا نام لکھدیا ہے، یا ان کی شاعری کی شہرت ان کے شباب ہی میں ہوچکی تھی"

علامۂ موصوف جیسے وسیع النظر دقیقہ رس محقق کا اس طرح لکھنا سوائے سہو فکر کے اور کیا ہوسکتا ہے؟ قدماء کی تاریخ اور اُن کی تصنیفات میں جو بعض اکابر سلف کی عمریں ایک سو بیس برس کی لکھی ہوئی ہیں، یا اس سے زیادہ کی گئی ہیں اُن سے قطع نظر کرکے میں اپنے زمانہ میں بھی ایسے بزرگوں کے نام بتا سکتا ہوں جن کی عمریں ایک سو بیس برس یا اس سے زیادہ ہوئیں، حضرۃ الاستاذ مولنا الحافظ السید فرزند علی نقشبندی مجددی دہلوی ثم المدنی علیہ الرحمہ کے شیخ طریقت حضرت اقدس سید محمد حبیب اللہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی عمر ایک سو تینتیس ۱۳۳ برس کی ہوئی، آپ اپنے پیر کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں جو کتاب خزینۃ البرکات میں مرقوم ہے:

"از فضائل و کرامات و برکات ایشان ہمین قدر نوشتہ میشود کہ باوجود ضعف قوت و کبر سن

کہ یک صد و پانزدہ تا این تاریخ کہ سنہ ہزار و سہ صد و نہ ۱۳۰۹ ہجری ست رسیدہ قیام بکثرت نوافل و طاعات و اختیار عزیمت بر رخصت و استقامت بر شریعت و اتباع سنت میدارند"

اس کتاب خزینۃ البرکات کی تصنیف و اشاعت کے ۴ برسون بعد حضرت کا انتقال تاریخ ۱۴ محرم ۱۳۱۳ھ مین ہوا، اس حساب سے حضرت کی عمر ۱۳۱۳ھ مین ایک سو تیئس برس کی یا اس کے لگ بھگ مگر ایکسو بائیس برس سے یقیناً زیادہ ہوئی، حضرت مولنا فضل رحمٰن علیہ الرحمہ کی درازیِ عمر پوشیدہ نہین، اگر تلاش و تجسس سے کام لیا جائے تو اس وقت بھی ایسے معمرین ملین گے جن کی عمرین سو برس اور سو برس سے زیادہ ہونگی، ہوش و حواس کیساتھ قوتِ گفتار و رفتار بھی ہوگی، زارو آغا ترک کا حال انگریزی اور ہندوستانی اخبارون مین چھپا تھا، اس کی عمر ۱۹۳۰ء مین ایک سو ساون سال کی تھی، راقم الحروف نے بھی ایک سو بیس برس سے زیادہ عمر کے آدمی کو دیکھا ہے، اور سو برس کے لگ بھگ یا اس سے زیادہ عمر کے چند اشخاص کو دیکھنے کی نوبت آئی ہے، میرے مخدوم اور حضرت الاستاذ کے ہمنام مولنا شیخ فرزند علی ساکن سریا ضلع دربھنگہ علیہ الرحمۃ جو ان کے پیر بھائی بھی تھے ستانوے برس کی عمر مین باوجود اس کے کہ ایک بار فالج کا مرض ہوگیا تھا اس سے بالکل صحت پا کر اکثر سیر و سیاحت مین مصروف رہتے تھے، میرے غریب خانہ پر بھی بارہا تشریف لاتے تھے، ان کو دیکھ کر یقین ہوتا تھا کہ اکابر سلف کی درازیِ عمر و صحتِ قوٰی کا جو ذکر کتابون مین لکھا ہے وہ بالکل سچ ہے، اگر خالقِ کائنات نے اُن کی عمر ایک سو بیس برس کی معین کی ہوتی تو اس عمر کو پہنچکر بھی وہ ایسے ہی قوی ہوتے،

---

[۱] اخبار اسٹیٹسمین مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۰ء میں زارو آغا کا حال شائع ہوا ہے کہ یہ ترک قسطنطنیہ شہر کے سیٹی ہال کا دربان تھا [۲] میں نے ایک گاؤں میں ۱۲۰ برس کے بڈھے کو دیکھا جس کو دوبارہ دانت سو برس کے بعد نکلے تھے، میرے سامنے چنے چبا تا تھا، لگلے وقتوں کے حالات بیان کرتا تھا، مگر چلنے کی قوت نہیں تھی، اس کی اولاد نے گاڑی بنا دی تھی، اسی پر چڑھکر میرے پاس آیا تھا، خوشحال کثیر الاولاد تھا، کئی برس بعد مرا، تھوڑا زمانہ گذرا کہ اس شہر عظیم آباد میں ایک رفوگر ۱۱۶ برس کی عمر پا کر مرے، اس شہر میں کئی آدمی ایسے دیکھے اور سنے جن کی عمریں سو برس سے زیادہ تھیں، گھر کا کام کاج سب اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے، بعض کپڑے بھی سی لیتے تھے، ایسے لوگوں کے نام اور حالات لکھے جائیں تو ایک کتاب بنجائے،

اور صحیح ہے، مگر افسوس کہ سو برس تک نہ پہنچ سکے کلکتہ کے سفر سے واپس آنے پر مرض فالج دوبارہ ہونے پر انتقال کر گئے رحمۃ اللہ علیہ، خود شیخ نے ایک عجمی کے متعلق گلستان میں ایک حکایت بیان کی ہے کہ وہ جامع دمشق مین بیٹھے چند علمار کے ساتھ بحث مین مشغول تھے کہ ایک جوان آیا اس نے کہا۔

"درمیانِ شما کسے ہست کہ زبان فارسی داند، اشارہ بمن کردند، گفتم خیر است، گفت پیرے صد و پنجاہ سالہ در حالت نزع ست و چیزے میگوید کہ مفہوم مانمی گردد، اگر بکرم قدم رنجہ فرمائی مزد یابی" الخ...

شیخ نے اپنے خاندان کے ایک پیرِ کہن سال کا ذکر ایک قطعہ مین کیا ہے جو ان کے دیوان مین موجود ہے، دو شعر اس قطعہ کے یہاں پر لکھے جاتے ہین،

پیرے اندر قبیلۂ ما بود کہ جہاں دیدہ تر ز عنقا بود

صد و پنجہ بزیست با صد و شصت بعد ازاں پشتِ طاقتش بشکست

معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے قبیلہ کے علاوہ اور لوگون کی عمرین بھی عراق عجم مین زیادہ ہوئی ہین، شہر شیراز جو شیخ کا جنم بھوم تھا اس مین ایک پیرِ کہن سال کا ذکر ضمناً بوستان کی ایک حکایت مین آگیا ہے، فرماتے ہین[1]،

شنیدم ز پیران شیرین سخن کہ بود اندرین شہر پیرے کہن

بسے دیدہ شاہان و دوران و امر سر آوردہ عمرے ز تاریخ عمرو

عمرو سے عمرو بن لیث مراد ہے، جو صفاریون مین نامی بادشاہ گذرا ہے، اس کی جامع عتیق شیراز مین مشہور عمارت تھی، اس کی وفات تیسری صدی ہجری کے اخیر مین ہوئی اب غور کرنا چاہئے کہ شیخ کے زمانہ سے عمرو لیث کے زمانہ کے درمیان تین صدیان ہین، ان تین صدیون کے درمیان صرف دو پیرانِ کہن سال کا واسطہ پڑتا ہے، یعنی ایک پیرکہن سال وہ ہے جس نے اُس پیرکہن سال کا حال بیان کیا جس نے بہت سے بادشاہون اور ان کی حکومتون کو دیکھا تھا، خاص کر عمرو بن لیث کی تاریخ پر ایک عمر صرف کی تھی، اگرچہ صاف طور پر نہین لکھا ہے، مگر شعر پڑھنے سے

[1] بوستان باب ششم،

متبادر یہی ہوتا ہے کہ عمرو بن لیث کا زمانہ اُس نے دیکھا تھا، اس کے حالات اس کو بہت یاد تھے، اب ان دونون بڈھون کی عمرین قیاس کرو کیا ہونگی، پھر شیخ کی عمر پر غور کرو کہ جس وقت یہ روایت شیخ نے سنی ہوگی شیخ کی کیا عمر ہوگی، اگرچہ شیخ کی عمر کا پتہ تو نہین چلسکتا کس عمر مین انھون نے سنا مگر ان دونون بڈھون کی عمرین یقیناً ایک سو بیس برس سے بہت زیادہ ہوئی ہونگی،

ان حوالون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ کا ایک سو بیس کی عمر پانا محال و ناقابل یقین نہین،

شیخ کے حالات مین دولتشاہ سمرقندی نے لکھا ہے کہ وہ حضرت غوث الاعظم سیدنا عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے، مولانا حالی اس کو غلط سمجھتے ہین، مین مانتا ہون کہ دولتشاہ نے غور و تحقیق کر کے یہ تذکرہ نہیں لکھا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی گمان نہین کرسکتا کہ دولتشاہ نے قصداً جھوٹ[1] تصنیف کر کے حالات لکھے ہین، اس نے کسی سے سنکر یا کسی تذکرہ مین دیکھکر لکھا ہوگا وہ لکھتا ہے، "درصحبت شیخ عبد القادر عزیمت حج نمود و بعد ازان گویند چہار نوبت حج کردہ بیشتر پیادہ و بغزا و جہاد بطرف روم و ہندرفتہ" مولانا حالی کے غلط سمجھنے کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ حضرت کی رحلت ۵۶۱ھ مین ہوئی تھی، اگر حضرت کی ملاقات شیخ کے ساتھ مان لیجائے تو پھر شیخ کی عمر کو ایک سو بیس برس سے بہت زیادہ مان لینا پڑے گا، اس لیے اس بات کا یقین کر کے کہ شیخ کی عمر ایک سو بیس برس سے زیادہ نہین ہوئی تھی، اس واقعہ کا انکار کیا ہے، فی الحقیقۃ اگر شیخ کی عمر ایک سو بیس برس سے زیادہ نہ ثابت ہوسکے تو بیشک اس واقعہ کا انکار درست ہوگا، اور دولتشاہ کی روایت غلط ہوگی مگر تحقیق کرنے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گی کہ شیخ کی عمر ایک سو بیس برس سے زیادہ تھی، اس کے علاوہ یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ خالق کائنات نے انسان کی عمر کی حد مقرر نہین کی ہے جس طرح اس کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اسی طرح بعض خصائص خاص عطا فرمائے ہین جو دوسرے

[1] معارف:۔ جھوٹ نہین مگر یہ تو ممکن ہے کہ اس نے قلت تحقیق کی بنا پر کسی اور بزرگ کے بجائے شیخ عبد القادر کا نام ہوا لکھ دیا ہو، اور اس قسم کی غلطیاں دولتشاہ مین بکثرت ہیں، شیخ عبد القادر گیلانی کا مرید ہونا بھی دولتشاہ نے لکھا ہے جو ممکن ہے کہ گلستان کے غلط قرأت "دیدم" کے قیاس پر اس نے لکھا ہو،

جانداروں کو نہیں دیئے منجملہ ان خصائص کے یہ بھی ہے کہ اس کی عمر کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے کوئی کم عمری میں مرتا ہے کوئی بڑی عمر پاتا ہے کوئی اتنی بڑی عمر پاتا ہے کہ دور دور اس کا جواب نہیں ملتا[1]،

میں نے گلستان کے جتنے قلمی نسخے دیکھے سوائے دو ایک کے سب نسخوں میں اس طرح لکھا ہے "عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ دیدم" ایک نسخہ ۱۰۲۰ھ کا لکھا ہوا ہے اس میں بھی دیدم ہے اس سے قدیم تر نسخوں میں بھی یہی لکھا دیکھا، اور مطبوعات مختلفہ میں بھی یہی چھپا دیکھا ہے، مگر ایک نسخہ قدیم تر زمانہ کا ہے جو اصل شیخ کے دست خاص کے قلمی نسخہ کی نقل ہے اس میں "دیدند" لکھا ہے، میں بچپن میں گلستان اپنے استاد مولوی حکیم سید میر لکھنوی مرحوم سے پڑھتا تھا مجھے خوب یاد ہے کہ اس میں بھی "دیدند" لکھا تھا، میں نے یہی پڑھا تھا، اس کے علاوہ نسخہ مطبوعہ مطبع نظامی میں بھی "دیدند" لکھا ہے، قدیم مطبوعات میں بھی غالباً "دیدند" چھپا ہے، مگر جتنے قلمی اور مطبوعہ ایرانی خط یا بمبئی کے مطبوعہ نسخے دیکھنے میں آئے سب میں

---

[1] اگر غور کیا جائے تو بعض باتیں کسی شخص خاص یا اس کے خاندان میں ایسی پائی جاتی ہیں جو عموماً کسی میں نہیں پائی جاتیں، مثلاً اپنی چار پشتیں دیکھنے والا شخص ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی نے اپنے پردادا کو دیکھ لیا یا کسی نے اپنے پروتے کو دیکھ لیا، اس کی نظیر بھی مشکل سے ملتی ہے لیکن حال میں ایک شخص لالہ دولت رام کا حال ہندوستانی ٹائمز میں چھپا ہے، اس نے اپنے سگر پوتے کو دیکھ لیا ہے، اس اخبار کا ترجمہ مختصر یہ ہے:-

"لالہ دولت رام جن کی عمر ایک سو برس سے بہت زیادہ ہے، ان کو حال میں سگر پوتا پیدا ہوا ہے، دولت رام کے بیٹے شیو سرن داس کی عمر ستر برس ہے، ان کے بیٹے نونہال چند کی عمر چالیس برس کی ہے، ان کے بیٹے ہرش چندر کی عمر تیئیس برس کی ہے، اور ہرش چندر کے بیٹے کی عمر آٹھ مہینے کی جس کا نام روشن چندر ہے" دولت رام بادام حلوا، پراٹھے دو سیر دودھ روز کھاتے ہیں، عینک نہیں لگاتے، سماعت کی قوت بدستور ہے، دانت ابھی نہیں ٹوٹے، دو تین میل تک روزانہ ٹہلتے ہیں" (منقول از روزنامہ ہندوستانی ٹائمز مورخہ تاریخ ۱۰ جنوری ۱۹۳۲ء)

اسی پر قیاس اگلے زمانے والوں کا کرنا چاہئے،

ویدم ہے، میں اس ویدم کی قرأت کو صحیح نہین جانتا مگر یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ مین حضرت سے شیخ کی ملاقات کی روایت کو غلط سمجھتا ہون، ہان گلستان مین جو حکایت لکھی ہے اس مین "دیدند" کو صحیح اور "دیدم" کو غلط خیال کرتا ہون، اس موقع پر شیخ کی ملاقات حضرت سے ثابت نہین ہوتی،

علامہ شبلی مرحوم کو ایک سو بیس برس کی عمر خلاف قیاس معلوم ہوئی، اس وجہ سے شیخ کی طرف اس غلطی کو منسوب کیا کہ شیخ نے بجائے علاؤ الدین تکش خوارزم شاہ، محمود خوارزم شاہ کا نام لکھا ہے، حالانکہ محمود شاہ خوارزم کا نام ہی لکھنا شیخ کا (بشرطیکہ اس نام کا بادشاہ خوارزم شاہیہ بادشاہون مین گذرا ہو) اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ کی عمر زیادہ ہوئی تھی کیونکہ کوئی صادق القول شخص اقرار کرے کہ مین نے فلان بادشاہ کا زمانہ پایا، اس کو دیکھا اور کوئی محال عقلی درمیان نہ ہو تو اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہین، اس کو ماننا ہی پڑے گا مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نام کا کوئی بادشاہ خوارزم شاہیون مین نہین معلوم ہوتا ہے، تاریخ گزیدہ مین کسی خوارزم شاہی بادشاہ کا نام محمود شاہ خوارزم نہین لکھا ہے، اس تاریخ کا مصنف خوارزم شاہیون کے قریب العہد زمانہ مین گذرا ہے، اگر کوئی بادشاہ اس نام کا ہوتا تو ضرور لکھتا[۱]

میری تحقیق مین یہ بادشاہ محمد بن تکش خوارزم شاہ ہے، شیخ نے بھی گلستان مین محمد خوارزم شاہ لکھا ہے یہ وہی بادشاہ ہے جس نے سنہ ۶۱۴ھ مین ناصر خلیفہ بغداد پر چڑھائی کی تھی[۲] اس کا ارادہ تھا کہ عباسی خاندان کے عوض

---

[۱] نہ تن ملک شاہ از سنہ احدے وتسعین واربع مائۃ ۴۹۱ھ تا شوال سنہ ثمان عشرین وست مائۃ ۶۲۸ھ صد وسی وہشت سال اولین نوشتگین غرجہ است درزمان برکیاروق (نام بادشاہ سلجوقی) وفات کرد پسرش محمد بن نوشتگین باشارت سنجر بن ملک شاہ حاکم ووالی خوارزم گشت بخوارزم شاہ منسوب شد وقطب الدین لقب یافت درسنہ احدے وعشرین وخمس مائۃ درگذشت، سلطان اتسز بن محمد نوشتگین در تاسع جمادی الاخری سنہ احدے وخمسین وخمس مائۃ درگذشت، خوارزم شاہ الپ ارسلان بن اتسز در تاسع رجب سنہ ثمان وخمسین وخمس مائۃ نماند، خوارزم شاہ سلطان شاہ بن الپ ارسلان در تاسع عشر رمضان سنہ تسعین خمس مائۃ نماند، سلطان قطب الدین محمد تکش خان بن الپ ارسلان بن اتسز در سبع عشر وست مائۃ درگذشت، رکن الدین غور سانجی در تسع عشر وست مائۃ شہید گردید، غیاث الدین پیر شاہ وفات او در سبع وعشرین وست مائۃ بود، سلطان جلال الدین منگبرنی بن محمد بن تکش خان در ثمان وعشرین وست مائۃ کشتہ شد وملک بمغول افتاد (ملخصاً از تاریخ گزیدہ مطبوعہ یورپ چاپ عکس)

[۲] روضۃ الصفا مطبوعہ نولکشور پریس صفحہ ۷۰۲، ذکر ناصر خلیفہ،

ایک سید عالی خاندان علاء الملک ترمذی کو خلیفہ بنائے، مگر رستہ میں اس قدر برف پڑی کہ لشکر کو سخت نقصان پہنچا، اس کو واپس ہونا پڑا، اس کے تھوڑے زمانہ کے بعد فتنۂ تاتار کا آغاز ہوا، شیخ گلستان میں یوں فرماتے ہیں:

"در سالے کہ سلطان محمد خوارزم شاہ با خطا برائے مصلحتے صلح اختیار کرد بجامع کاشغر درآمدم پسرے دیدم" الخ

اب دیکھنا چاہئے کہ یہ صلح کس سنہ میں ہوئی، اس صلح کا ذکر تاریخ جہانکشائے جوینی میں اس طرح لکھا ہے:-

"در اثنائے آں خبر رسید کہ لشکر ختائے بدر سمرقند آمدست، و سمرقند را حصار دادہ اند، سلطان (محمد خوارزم شاہ) ہم از جند بداں طرف متوجہ شد، و بجانب ملک رسولان فرستاد و تمامت لشکرہا را کہ در اطراف داشت باز خواند و از ممالک حشر خواست و متوجہ سمرقند شد و لشکر ختائے مدتہا بر در سمرقند بر آب رود خانہ لشکرگاہ ساختہ بودند و ہفتاد نوبت جنگ کردہ بیرون یک نوبت کہ غالب گشتہ بودند و لشکر سمرقند را در شہر راندہ مقہور بودہ اند و لشکر اسلام منصور چوں لشکر خطائے دیدہ اند کہ از محاربت ایشان جز باد بدست ندارند و بر خاک سیاہ خواہند نشست و آبے کہ افتاد دست باز باآں بر نخواہد آمد و از جانب سلطان آوازہ توجہ و از جانب دیگر استیلائے کوچلک خاں رسید بر اسم نہادنہ مراجعت کردند (تاریخ جہانکشائے جوینی مطبوعہ بریل لیڈن صفحہ ۸۰ جلد ثانی)

جہانکشا کے مصنف علاؤالدین عطا ملک جوینی نے جو شیخ سعدی کے ممدوح بھی ہیں، اپنی کتاب میں اکثر مواقع پر سنہ نہیں لکھا ہے، نہیں معلوم ہو سکتا کہ کس سنہ میں صلح وقوع میں آئی مگر قیاس یہ ہے کہ یہ مصالحت ۶۰۶ھ اور ۶۱۲ھ کے درمیان کسی سال واقع ہوئی ہوگی، کیونکہ ۶۰۶ھ کے پہلے خوارزم شاہ نے گور خان کے ایلچی کو اس کی گستاخی پر قتل کر دیا تھا، بنائے مخاصمت خان خطا گور خان سے یہی ہوئی تھی[1] اس واقعہ کے بعد لڑائی اور صلح ہوئی ہوگی، غالباً یہ صلح ۶۰۶ھ یا ۶۰۷ھ میں ہوئی تو شیخ کا ورود کاشغر میں اسی سال میں ہوا ہوگا، اگر شیخ کی

[1] کیونکہ ایلچی کے قتل سے پہلے گور خان سے دوستی تھی، خوارزم شاہ خراج بھی گور خان کو دیتا تھا، اس لیے یہ جنگ ۶۰۶ھ میں یا ۶۰۷ھ میں ہوئی ہوگی، علامہ مرزا محمد قزوینی نے یہی سنہ لکھا ہے، دیکھو (حاشیہ تاریخ جہانکشائے جوینی جلد ثانی صفحہ ۹، مطبوعہ یورپ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۳ پر)

عمر ایک سو بیس برس یقین کرلیجائے تو اس وقت شیخ کی عمر چھتیس سینتیس سال ہوگی، مگر میرا قیاس ہے کہ اس سے زیادہ عمر ہوگی،

کسی صاحبِ کمال کا عہدِ شباب مین شہرت پذیر ہونا چندان حیرت کی بات نہین، اس کی نظیر کتبِ تاریخ مین ملے گی، مگر شیخ کی عظمت اور شاعری کی شہرت ان کے زمانہ مین ایسی عالمگیر ہوئی کہ ایشیا کا وہ حصہ جہان کی زبان فارسی نہین تھی وہان بھی شیخ کی ذات آفتاب کی طرح مشہور تھی کہ مدرسہ کے لڑکے بچے ان سے واقف تھے، البتہ یہ سخت تعجب کی بات ہے کہان شیراز کہان کاشغر، اس حکایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کا مذاق علمی کتنا بلند تھا کہ علم ادب وشاعری کا ذوق ہر طالب العلم کے رگ و پے مین سرایت کرگیا تھا، درحقیقت اس وقت کے مسلمانون کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ ملک پر قبضہ کافرون بت پرستون کا تھا طرح طرح کی مصیبتون کے ساتھ آئے دن تبدیلِ حکومت ہوتی رہتی تھی جس سے امن وامان جو ذریعۂ اطمینان و ترقی کا ہے وہ مفقود تھا، پھر بھی مسلمان اپنی مذہبی زبان کی حفاظت اپنی جان و مال سے بڑھکر کرتے رہتے تھے، اسی وجہ سے ان کا تمدن و مذہب قائم رہا، اور نہ صرف قائم رہا بلکہ کافرون بت پرستون نے اُن کا مذہب و تمدن اختیار کیا، اور اسلام اور مسلمانون کی ترقی کے خواہان رہے،

صلح خطاے و خوارزم شاہ کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ شیخ کا اس زمانہ مین کاشغر مین پہنچنا مسلم ہے، میرے نزدیک یہ واقعہ ۶۰۶ھ، یا ۶۰۷ھ مین تسلیم کیا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ شیخ کی شاعری کی شہرت اور عظمت اُس زمانہ مین ہوچکی تھی، جب زمانہ مین سعد بن ابوبکر پیدا بھی نہین ہوا تھا، بلکہ اتابک ابوبکر عالمِ طفلی و شاہزادگی مین تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ قبل) معارف:- شاہ خطا اور سلطان محمد خوارزم شاہ مین کئی لڑائیان ہوئین، جنمین ایک لڑائی ۶۰۶ھ مین ہوئی (جہانکشا جوینی جلد دوم ص ۸۰) اس مین سلطان کی فتح ہوئی، دوبارہ کچھ دنون کے بعد سمرقند کے باہر پھر طرفین کا مقابلہ ہوا، جو صلحِ مذکور پر ختم ہوئی (جوینی ج ۲ ص ۸۲) اور ۶۱۲ھ مین خوارزمشاہ کو خطا پر کلی فتح حاصل ہوئی، (ابن اثیر ۶۱۲ھ) اسلیے یہ صلح ۶۰۶ھ کے بعد اور ۶۱۲ھ سے پہلے ہوئی، یہ واقعات طبقات ناصری منہاج سراج ص ۳۲۹ مین بھی مذکور ہین، مگر سنہ کا ذکر نہین،

ایسی حالت مین شیخ کا تخلص شاہزادہ سعد بن ابوبکر کے نام پر رکھنا بالکل محال ہے، غالباً شیخ نے اسی صلح کے متعلق اس شعر مین اشارہ کیا ہے،

صلح ست میانِ کفر و اسلام   با ما تو ہنوز در نبردی

دوسرا واقعہ جس سے شیخ کی عمر کا اندازہ ہوگا وہ علامہ ابوالفرج ابن جوزی کا تلمذ ہے، علامہ ابن جوزی نے ۵۹۷ھ مین انتقال کیا تھا، ظاہر ہے کہ اُن کی وفات سے بہت پہلے ان سے شرفِ تلمذ شیخ کو حاصل ہوا، شیخ نے اپنا واقعہ گلستان مین اس طرح پر تحریر فرمایا ہے:۔

"چندانکہ مرا شیخ اجل ابوالفرج ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ بترک سماع فرمودے و بخلوت و عزلت اشارت کردے عنفوان شبابم غالب آمدے و ہوا و ہوس طالب ناچار بخلاف رائے مربی قدمے چند برفتے و از سماع و مخالطت حظے برگرفتمے، و چون نصیحت شیخم یاد آمدے گفتمے،

قاضی گر با ما نشیند برفشاند دست را   محتسب گر مے خورد معذور دارد مست را

تا شبے بمجمع قومے برسیدم و دران میان مطربے دیدم . . . . "

پھر آگے چل کر قوال کی بدآوازی کی مذمت کی ہے، پھر فرماتے ہین:۔

بامداوان بحکم تبرک دستار از سر و دینار از کمر بکشادم و پیش مغنی بنہادم و در کنار گرفتم و بسے شکر گفتم، یاران ارادتِ من در حقِ وے بخلافِ عادت دیدند و بر خفتِ عقلم نہفتہ بخندیدند، یکے ازان میان زبانِ تعرض دراز کرد و ملامت کردن آغاز، کہ این حرکت مناسب رائے خردمندان نکردی کہ خرقہ مشائخ بچنین مطربے دادن کہ ہمہ عمرش درمے در کف نبودہ است و قراضہ در دف . . .

. . . . گفتم زبان تعرض مصلحت آن است کہ کوتاہ کنی بحکم آنکہ مرا کرامت این شخص ظاہر شد، گفت بر کیفیت آن واقف گردان تا ہمچنین تقرب نمایم و بر خطائیست کہ کردم استغفار کنم، گفتم بعلت آں کہ شیخ اجلم بارہا بترک سماع فرمودہ است و موعظہاے بلیغ گفتہ و در سمع قبول من

نیامدہ تا امشب کہ مرا طالع میمون و بخت ہمایون بدین بقعہ رہبری کرد و بدست این مخنی توبہ کردم کہ
بقیت زندگانی گرد سماع و مخالطت نگردم،

یہ حکایت شیخ نے اپنے ایام جوانی کی بیان کی ہے جس پر ساٹھ سترؔ برس کا زمانہ گذر چکا تھا اس حکایت
کے ہر جملہ پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ شیخ پر علامہ ابن جوزی کی خاص نظر شفقت و مہربانی تھی جس طرح
شفیق اور مدبر استاد طلبہ کی جماعت میں سے جن طالب العلموں کو لائق و صاحب مذاق سلیم جانتا ہے ان
پر توجہ زیادہ کرتا ہے، روک ٹوک سے اُن کے اخلاق کو درست کرتا رہتا ہے یہی معاملہ علامہ ابن جوزی کا
شیخ کے ساتھ تھا، یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ اس واقعہ سماع کے وقت شیخ کا زمانہ طالب العلمی کی حد سے گذر چکا تھا،
ان کا شمار طبقہ مشائخ میں ہو چکا تھا جبھی ان کے دوستوں نے خرقہ دینے پر اعتراض کیا، یہ دستور مشائخ کا ہے،
کہ جب قوال کی قوالی سے محظوظ ہوتے ہیں اور وہ وقت سماع کا خوش گذرتا ہے تو صاحب وجد و حال اپنا لباس
قوال کے نذر کرتا ہے کہ اس کی بدولت وقت خوش گذرا اور فیض روحانی بوسیلۂ قوال حاصل ہوا،

شیخ نے اپنی دستار دوسرے خیال سے قوال کو عنایت فرمائی کہ ایسے مربی استاد کی نصیحت کا کچھ اثر نہ ہوا،
مگر قوال کی بدآوازی کی بدولت سماع سے توبہ کرنی پڑی، اور اُس کا شکریہ ادا کرنا پڑا، اس حکایت سے یہ بھی
ثابت ہوتا ہے کہ شیخ اور علامہ کے درمیان زمانۂ دراز تک رابطۂ صحبت و نصیحت کا قائم رہا ہوگا، ممکن ہے کہ یہ
یہ واقعہ علامۂ موصوف کی زندگی میں شیخ کے ساتھ گذرا ہو، جملہ "بارہا فرمودہ است" ہمارے اس خیال کی تائید کرتا ہے
شیخ کی عمر ایک سو بیس برس اسی وجہ سے بعض محققین نے قبول کرلی ہے کہ علامہ ابن جوزی کی شاگردی
بغیر اس حد تک ان کی عمر قبول کئے درست نہیں مانی جاسکتی، مگر ایک دقت یہ ہے کہ شیخ کی عمر علامہ ابن جوزی
کے سالِ وفات تک جو ۵۹۷ھ ہے ۲۶ برس کی ٹھہرتی ہے، اور یہ عمر تعلیم و تربیت و اخذ فیض صحبت کے لئے کافی
سمجھی جاسکتی ہے، لیکن یہ ماننا ذرا مشکل ہے کہ علامۂ ابن جوزی کی وفات کے دس برس بعد وہ کاشغر میں جاتے

لہ گلستان ۶۵۶ھ میں تمام ہوئی،

اور وہان اپنی شہرت وعظمت بچہ بچہ کے دل مین پاتے ہین، اتنی قلیل مدت مین اتنی شہرت دور دور ملکون مین کیونکر ہو سکتی ہے، لامحالہ اُن کی عمر علامہ ابن جوزی کی وفات کے وقت ۵۹۷ھ مین ۲۶ برس سے زیادہ ہوگی،

اب شیخ کا ایک اور واقعہ جو نہایت اہم ہے خود شیخ کی زبان سے لکھتا ہون جس سے ظاہر ہوگا کہ شیخ صلیبی لڑائیون کے زمانہ مین عیسائیون کی قید مین پڑ گئے تھے، حلب کے ایک رئیس نے ان کو پہچانا، کچھ فدیہ دیکر ان کو قید فرنگ سے نجات دلائی، گلستان مین تحریر فرماتے ہین:۔

"از صحبت یاران دمشقم ملالتے پدید آمده بود، سر در بیابان قدس نہادم، و با حیوانات انس گرفتم، تا وقتیکہ اسیر قید فرنگ شدم، و در خندق طرابلس مرا با جہودان بکار گل داشتند یکے از رؤسائے حلب مرا کہ با او سابقہ معرفتے بود گزر کرد و بشناخت، گفت ایں چہ حالت است کہ موجب ملامت ست گفتم چہ گویم

ہمی گریختم از مردماں بکوہ و بدشت | کہ از خدائے نبودم بدیگرے پرداخت
قیاس کن کہ چہ عالم بود دریں ساعت | کہ در طویلۂ نامردم بباید ساخت

بر حالت من رحمت آورد و بده دینار ز قید فرنگم باز خرید و با خویشتن بحلب برد"

شیخ نے جس زمانہ مین شہر دمشق چھوڑ کر بیابان مین رہنا شروع کیا تھا غالبًا یہ وہی زمانہ ہوگا جب کہ مسلمانون اور عیسائیون مین جنگ جاری تھی، طرفین کے آدمی اگر مخالف فریق کے نظر پڑ جاتے ہون گے تو وہ ان کو قید کر لیتا ہوگا، اسی وجہ سے شیخ نے آبادی کو چھوڑ کر بیابان مین رہنا پسند کیا، مگر اس سے بدتر حالت ہو گئی کہ دشمن کی قید مین پڑ گئے، شیخ کو جو روحانی تکلیف اس قید فرنگ سے پہنچی تھی وہ قطعۂ مذکور سے ظاہر ہے، صلیبی عیسائیون کے ظلم وستم سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہین، خود عیسائی مورخین ان عیسائی جنگجویون کی سخت مذمت کرتے ہین، ڈاکٹر لیبان مشہور مستشرق فرانسیسی نے اپنی بے نظیر کتاب تاریخ تمدن عرب[1] مین جہان پر صلیبی عیسائیون کی شقاوت اور بدافعالی کا حال لکھا ہے وہان پر لکھتے ہین کہ شیخ سعدی نے انھین کی نسبت کہا ہے، "کہ انھین آدمی

[1] تمدن عرب ص ۲۹۸،

کتنا انسانیت کے لیے عار ہے،" الغرض جنگ صلیبی کے مشہور فاتح سلطان صلاح الدین جب بیت المقدس کو بتاریخ ۲۷ رجب ۵۸۳ھ فتح کرنے کے بعد دوسرے شہرون کو فتح کرتا رہا اور عیسائیون کے پاس صرف سواحل اور شام کا کچھ حصہ رہ گیا تھا، تو عیسائیون نے صلح کرلی، صلح کے بعد فریقین کے لوگ ایک دوسرے فریق کے ملک مین آمد و رفت کرنے لگے، اور دونون فریق (یعنی عیسائیوں اور مسلمانون کے) شہر امن و سلامتی مین آ سمجھے جانے لگے تو پھر یہ مصیبت جاتی رہی، یہ صلح بدھ کے دن ۲۲ شعبان ۵۸۸ھ مین ہوئی، قاضی ابن خلکان جو شیخ سعدی کے معاصر لیکن عمر مین شیخ سے بہت چھوٹے ہین، اپنی مشہور تاریخ مین لکھتے ہین[۱]:۔

"حاصل یہ کہ دونون کے درمیان صلح ہوگئی، اور اس صلح کا اتمام ۲۲ شعبان ۵۸۸ھ کو ہوا، اور منادی نے اس کا اعلان کیا کہ اب اسلامی اور عیسائی ملک امن اور صلح مین برابر ہین تو جس فریق کا جو آدمی چاہے، دوسرے فریق کے ملک مین بے خوف و خطر جا سکتا ہے، یہ دن خاص حیثیت کا تھا جسمین فریقین کو وہ خوشی ہوئی جسکا اندازہ اللہ تعالیٰ فرما سکتا ہے"؛

اس عبارت کو پڑھنے کے بعد یقین ہوتا ہے کہ شیخ کو یہ مصیبت ۲۲ شعبان ۵۸۸ھ سے پہلے جنگ کے زمانہ مین پیش آئی ہوگی،

اس واقعہ کو جس طرح مین نے لکھا ہے اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ شیخ کی ولادت ۵۷۱ھ اور ان کی عمر بقول اکثر محققین ایک سو بیس برس باور کرنے پر شیخ کی عمر صلح کے زمانہ مین (۵۸۸ھ) سولہ سترہ برس کی ٹھہرتی ہے جو مستبعد و خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے، میرا خیال ہے کہ اسی وجہ سے مولانا حالی مرحوم نے اس[۲] واقعہ کو ساتوین صدی ہجری اور بارہوین صدی عیسوی کے وسط مین قبول کیا ہے، مین کہتا ہون کہ اس وقت سات سو برس پہلے کے واقعات کو اس طرح پر فیصل کرنا جس طرح آجکل کے واقعات یا آج سے سو پچاس برس پہلے کے واقعات کو فیصل کرتے ہین، محال ہے، اس لیے بہ یقین نہین کہہ سکتے کہ یہ واقعہ چھٹی صدی کے اخیر زمانہ کا ہے یا ساتوین صدی کے آغاز کا

---

[۱] تاریخ ابن خلکان مطبوعہ مصر صفحہ ۳۰۰ ۔ [۲] حیات سعدی مطبوعہ دہلی صفحہ ۳۵،

لیکن میرے قیاس کے قرائن یہ ہین کہ شیخ نے دمشق کے دوستون سے رنجیدہ ہوکر بیابان مین رہنا شروع کیا اگر دوسری جگہ امن کی ہوتی تو وہان چلے جاتے، مگر جنگ کی وجہ سے کوئی امن کی صورت کسی شہر و قریہ مین نظر نہین آتی ہوگی، ناچار بیابان مین رہنا شروع کیا، مگر وہان بھی امن نہ ملا، پکڑے گئے، اگر ساتوین صدی مین یہ واقعہ سمجھا جائے تو اس زمانہ مین بیت المقدس پر مسلمانون کا قبضہ برسون سے ہوچکا تھا، مسلمانون کی دھاک بیٹھ چکی تھی، اکثر شہرون پر قبضہ ہوچکے تھے، صرف بلادِ ساحلیہ[1] پر عیسائیون کا قبضہ رہگیا تھا، صلح وامن وامان ہونے کی وجہ سے آمدورفت دونون قومون مین رہتی تھی، ایسے زمانہ مین شیخ پر قید کی مصیبت کا واقعہ بغایت مستبعد معلوم ہوتا ہے، کیونکہ بیت المقدس اور اس کے اردگرد بلاد وقریات سب مسلمانون کے قبضہ مین آچکے تھے، قدس سے طرابلس بہت دور واقع ہے، ان سب حالات پر غور کرکے یہ یقین ہوتا ہے کہ قیدِ فرنگ کا واقعہ چھٹی صدی کے اخیر مین ہوا جیسا کہ اوپر لکھا گیا، اسی ایک واقعہ سے یقین کرنا پڑے گا کہ شیخ کی عمر ایک سو بیس برس سے زیادہ ہوگی،

اتابکان[2] فارس کی سلطنت ۵۴۳ھ سے ۶۸۶ھ تک رہی، اس مدت مین اخیر بیس سال یعنی ۶۶۴ھ کے

---

[1] سلطان صلاح الدین نے طرابلس کا محاصرہ کیا، لیکن بیت المقدس کیطرح اسکو فتح نہ کرسکا، صلح کرلی، پھر ایک صدی کے قریب عیسائی قابض رہے، ملک قلاؤن نے پھر بزور وقوت قبضہ کرلیا، (دیکھو دائرۃ المعارف علامہ بطرس بستانی مطبوعۂ مصر)

[2] اتابکان اول بادشاہ آتابک[1] سنقر بن مودود در سنہ ست وخمسین وخمس ماتہ درگذشت اتابک[2] زنگی بن مودود در ستین درگذشت، اتابک[3] تکلہ بن زنگی بن مودود در سنہ تسعین وخمسین ماتہ درگذشت اتابک[4] طغرل بن سنقر بن مودود در تسع وتسعین وخمس ماتہ بردست سعد بن زنگی گرفتار شد، اتابک[5] سعد بن زنگی بن مودود در ثمان وعشرین وست ماتہ درگذشت، اتابک[6] ابوبکر بن سعد بن زنگی در ثمان وخمسین وست ماتہ درگذشت، اتابک[7] سعد بن ابوبکر بعد از پدر بدوازدہ درگذشت، اتابک[8] محمد بن سعد در سنہ ستین وست ماتہ درگذشت، اتابک[9] محمد شاہ بن سلغر شاہ در احدے وستین وست ماتہ درگذشت، اتابک[10] سلجوق شاہ بعد از سنہ ثلث وستین وست ماتہ در دست مغول گرفتار شدہ کشتہ گشت، اتابک[11] ابش خاتون بنت سعد بن ابوبکر بن سعد بن زنگی بن مودود یک سال حکم کرد و بعد از ان فارس در تصرف مغول درآمد وحکومت بنام او (ابش خاتون) بود، پس از ان نام سلغریان از جہان برافتاد، فقط

(ماخوذ از تاریخ گزیدہ مطبوعۂ یورپ)

بعد دیوان مغول کا تصرف رہا، مگر نام ابش خاتون بنت سعد بن ابوبکر بن سعد زنگی کا تھا، ان بادشاہون مین تین بادشاہون کی مدت سلطنت دراز ہوئی، وہ تین بادشاہ یہ تھے، تکلہ، سعد زنگی اور ابوبکر بن سعد سب سے کم سلطنت شاہزادہ سعد بن ابوبکر کی رہی، صرف بارہ دن، بعض نے شیخ کی ولادت تکلہ کے زمانہ مین لکھی ہے، مگر یہ غلط ہے، تکلہ ۵۶۱ھ مین تخت پر بیٹھا، اور ۵۹۰ھ مین مرا ہے، اس کے زمانہ مین اگر ولادت شیخ کی ہوتی تو ہرگز وہ جنگ صلیبی کے زمانہ مین دمشق مین موجود نہین ہو سکتے تھے، ہان اگر تکلہ کے آغاز سلطنت کے زمانہ ۵۶۱ھ مین شیخ کی ولادت مان لیجائے تو ۵۸۸ھ صلح کے سال مین ۲۷ برس کی ٹھہرتی ہے، اور عمر ایک سو تیس برس کی یقین کیجائے گی، اور ابن جوزی کے سال وفات ۵۹۷ھ مین اُن کی عمر چھتیس برس کی تسلیم کیجائے گی، اس طرح پر ایک سو تیس برس شیخ کی عمر مان لینے مین سب دقتین جاتی رہتی ہین، اور سب واقعات کی کڑیان مل جاتی ہین، مگر یہ عمر مان لینے پر حضرت غوث الاعظم کی ملاقات جس کے راوی صرف دولتشاہ سمرقندی ہین ثابت نہین ہو سکتی، مجھکو تو ان کی عمر ایک سو چالیس بلکہ پچاس ساٹھ برس تک تسلیم کر لینے مین بھی کچھ تامل نہین ہے جب کہ اس عمر کے آدمی ہر زمانہ مین ڈھونڈنے سے مل سکتے ہین، اور کتب تاریخ مین متعدد مثالین مل سکتی ہین، مگر مجھکو شک ہے کہ ناظرین معارف شیخ کی درازی عمر کی نسبت اس قدر حسن ظن ظاہر کر سکتے ہین، بہرحال اتنا تو ضرور قبول اور یقین کرین گے کہ شیخ اپنا تخلص ہرگز شاہزادہ سعد بن ابوبکر کے نام پر نہین رکھ سکتے تھے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ ایک طویل العمر شخص اپنے تخلص کی بنیاد ایک ایسے شاہزادہ کے نام پر قائم کرے جو اس کے پوتے پر پوتے سے بھی چھوٹی عمر کا ہو، اس کی شاعری اس زمانہ مین شہرۂ آفاق ہو جب کہ شاہزادہ کتم عدم سے عالم وجود مین بھی نہ آیا ہو، بلکہ شاہزادہ کا باپ ابوبکر بھی عالم طفلی مین ہو، یا وہ بھی پردۂ عدم مین ہو، ہان ابوبکر کے باپ سعد زنگی کے نام سے (جو شاہزادہ سعد کا دادا تھا) تخلص ماخوذ کہا جائے تو ممکن ہے، اسی بنا پر دولت شاہ سمرقندی کا بیان تمامتر صحیح ہے، علامہ عبدالوہاب قزوینی کا تاریخ گزیدہ کے حوالہ سے یہ لکھنا کہ "تخلص سعدی نیز از نام ہمین شاہزادہ ماخوذ است" بالکل قیاسی بات ہے، صاحب تاریخ گزیدہ نے کہین اپنی تاریخ مین یہ نہین لکھا ہے کہ تخلص سعدی نیز از نام ہمین شاہزادہ ماخوذ است

تاریخ گزیدہ مطبوعۂ یورپ چھاپ عکس اس وقت میرے پیش نظر ہے اس مین اسی قدر لکھا ہے،

"وھو مشرف الدین مصلح الشیرازی وباتابک سعد بن ابی بکر سعد بن زنگی منسوب است، بشیراز

درسابع عشر ذی الحجہ سنہ تسعین وست مائۃ درگذشت، مردے صاحب وقت بود نظم ونثر خوب دارد، و

شہرتے تمام شیوہ غزل براو تمام شد"،

"منسوب" سے مراد یہ ہے کہ شاہزادہ سعد کی سرکار سے ان کو تعلق ہوگا یا کچھ وظیفہ[1] ملتا ہو، اس سے یہ ہرگز

مراد نہین کہ ان کا تخلص شاہزادہ کے نام سے ہو، کیا ایسا ممکن ہے کہ ایک شاعر تو عمر بھر شعر کہتا رہا ہو، اس کی شہرت

دنیا مین اچھی طرح پھیل چکی ہو، مگر اس نے کوئی تخلص اپنا نہین رکھا ہو، اخیر عمر مین اگر ایک نوجوان شہزادہ کے

نام سے اپنا تخلص بنائے یہ ناممکن ہے، شاعر جب شعر کہنے لگتا ہے اسی وقت اپنا کوئی تخلص بھی رکھ لیتا ہے، ہان

ایسا ہوا ہے کہ بعض شعراء نے تخلص پیچھے بدل دیا ہے تو جو تخلص پہلا تھا، اس کو سابق غزلون بھی اسی طرح

رہنے دیا ہے، اساتذہ کے کلام مین دونون تخلص والے اشعار موجود ہین،

عبدالوہاب قزوینی صاحب مقدمہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ علامہ شمس قیس نے کوئی شعر شیخ کا اپنی کتاب المعجم مین

نہیں لکھا، دوسرے معاصرین کا شعر لکھا ہے، اول تو کمال الدین اسمعیل اصفہانی (جو خلاق المعانی کے لقب سے

مشہور ہے) کے صرف ایک دو شعر لکھے ہین، البتہ اُن کے والد کا ایک مسمط جو نعت مین بے مثل ہے پورا نقل کیا ہے،

شیخ کے کلام کو استشہاداً نہین لکھنے کی یہ وجہ ہوگی کہ شیخ اس زمانہ مین شیراز سے باہر ہے، اس کو صاحب مقدمہ نے بھی

قبول کیا ہے، لیکن دوسری وجہ یہ ہے کہ بوجہ معاصرت کے بھی ایک دوسرے کی قدر نہین کرتے، رشک کی یہ کیفیت

بڑے بڑے اکابر مین نمایان ہوتی تھی اور اب بھی ہے، شاعرون کو کون پوچھتا ہے، صاحب کتاب المعجم نے بھی بہت ہی

کم معاصرین کا کوئی شعر لکھا ہے، جمال الدین عبدالرزاق اصفہانی کا مسمط اس وجہ سے نقل کیا ہوگا کہ وہ کتاب کی تحریر

[1] معارف: منسوب ہونے کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہین کہ شیخ کی دونون کتابین گلستان اور بوستان اسی سعد بن ابی بکر بن سعد

کے نام سے لکھی گئی ہین، اور بحالت شہزادگی اسکے نام سے موسوم کی گئی ہین، جیسا کہ گلستان کے دیباچہ مین مذکور ہے،

کے وقت عالم حیات مین نہ ہونگے، شاعرون کے رشک کا تو یہ حال ہے کہ شیخ کی شاعری اور اس کی قبولیت بےمثل ہونے پر بھی اس وقت کے بعض شاعرون نے مجد ہمگر سے پوچھا کہ سعدی و امامی مین کون بڑا شاعر ہے، مجد ہمگر نے کہا،

اگرچہ بہ نطق طوطی خوش نفسیم ۔۔۔ بر شکر گفتہ ہاے سعدی مگسیم
لیکن در شاعری باجماعِ امم ۔۔۔ ہرگز من و سعدی بامامی نرسیم

شیخ نے اس فیصلہ کو سنکر فرمایا،

ہمگر کہ بعمر خود نہ کردست نماز ۔۔۔ شک نیست کہ ہرگز بامامی نرسد

پست مذاقی کی حد ہوگئی کہ شیخ کے کلام کا مقابلہ امامی سے کیا جائے جن کو آج کوئی جانتا بھی نہین وہ تو اپنے وقت مین بھی غیر مشہور تھے شیخ سے ان کو کیا نسبت، مگر اس پست مذاقی اور تعصب کا باعث وہی معاصرت وہمزمانی تھی کہ ایک دوسرے کی لیاقت کا اندازہ نہین کرسکتے تھے، یا کرتے تھے تو زبان سے اس کا اعتراف نہین کرتے تھے ہمگر کے سوا ہمام تبریزی[1] جو ہمگر کی طرح شیخ کے معاصر تھے اور بڑے شاعر تھے ان کو بھی اسکا رشک تھا کہتے ہین،

ہمام را سخنے دلفریب وشیرین است ۔۔۔ ولے چہ سود کہ بیچارہ نیست شیرازی

ان کو بعض اساتذہ نے شیخ کا ہم پلہ قرار دیا ہے مگر آخر کار شیخ کو ترجیح دینا پڑی، الغرض معاصرت کی وجہ سے بھی شیخ کا کلام ممکن ہے کہ کتاب المعجم مین نہ لکھا گیا ہو، ورنہ عقل اس کو باور نہین کرتی کہ شیخ کا شہرہ تمام دنیا مین ہو اور شیراز مین ان کو کم لوگ جانتے ہون جس کی وجہ سے صاحب المعجم کو ان کی شاعری و کمال کا علم نہین ہوا،

---

[1] ہمام تبریزی شیخ کے معاصر تھے تذکرون سے معلوم ہوتا ہے کہ ملاقات دونوں میں ہوتی تھی، یہ بڑے شاعر اور دولتمند بھی تھے، روساے تبریز سے تھے، ان کے اشعار دلآویز وشور انگیز ہوتے ہیں مگر انصاف یہ ہے کہ شیخ کو نہیں پہنچتے، اوپر کا اخیر شعر لکھ چکا ہون پوری غزل ناظرین کی دلچسپی کے لیے یہان پر لکھی جاتی ہے،

بیک کرشمہ توانی کہ کار ما سازی ۔۔۔ ولے بچارۂ بیچارگان نپردازی
در آرزوے خیالت غلام خوابم من ۔۔۔ خنک کسے کہ تو اش ہمنشین وہمرازی
چو ما بدیدن رویت زدور خرسندیم ۔۔۔ نسیم با سر زلفت چرا کند بازی
مکن تفرج سرو سہی ہمان بہتر ۔۔۔ کہ عشق با قد و بالای خویشتن بازی
بگل بگو کہ ز رویم خجل نمیگردی ۔۔۔ کہ در میان ریاحین بحسن می نازی
پیام دہ سوے بلبل کہ با وجود ہمام ۔۔۔ روا بود کہ نواہاے عشق پردازی
ہمام را سخنے دلفریب شیرین ست ۔۔۔ ولے چہ سود کہ بیچارہ نیست شیرازی

شعلۂ طور

(۲)

از مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

گدازِ عشق سوز و گداز تغزل کی روح ہے، اسی سے تغزل کے جسم مین جان پڑتی ہے، گدازِ عشق سے خالی تغزل ایک شراب بے کیف ہے اسلئے کہ تغزل نام ہے حسن و عشق کی واردات کی مصوری کا، اور سوز و گداز ہی عشق مین جلا دیتا ہے، اور اسی برق خرمن سوز سے نخل عاشقی ہرا ہوتا ہے، گدازِ عشق کا بیان فانی کا خاص حصہ ہے، لیکن جگر نے بھی ایک درد آشنا دل پایا ہے، اسلئے اُنکے اشعار بھی اس برق خرمن سوز کی شرر باریون سے خالی نہین ہین، اور کبھی کبھی انکے ٹوٹے ہوئے دل سے بھی آہِ سوزان نکل جاتی ہے، ہوس پیشہ عشاق کیلئے دردِ عاشقی ایک مصیبت ہے، لیکن جگر کا درد پسند دل اس سے لذت یاب ہوتا ہے، اور کمال لذت کے لیے سراپا درد بنجانا چاہتا ہے،

ایک کیفِ ناتمام درد کی لذت ہی کیا　　　درد کی لذت سراپا درد بنجانے مین ہے

اس کی محرومیون کی یہ انتہا ہے کہ سکون کیا اضطراب بھی میسر نہ ہوا،

جہانِ شوق کی محرومیان نہ پوچھ جگر　　　سکون تو کیا کہ میسر نہ اضطراب ہوا

دل کی بربادی،

اس ایک دل کی حقیقت کا آہ کیا کہنا　　　جو لاکھ بار بنا اور پھر خراب ہوا

دردِ غم کی وسعت اور پہنائی،

اللہ اللہ ترے غم کی وسعتین　　　کوئی عالم درد سے خالی نہین

بھری ہوئی ہین فضائین جہانِ غم تمام　　　گناہگار نظر لذتِ عذاب اٹھا

اس کا درد آشنا دل عیشِ وصال کو بھی شباہتِ غم کی وجہ سے قبول کرتا ہے،

کر لیا دل نے عیش وصل قبول پا گیا کچھ شباہت غم کیا

غم حسن کی ایک امانت ہے اور حق امانت اسکی غمخواری ہے اس لیے وہ عام عشاق کے برعکس شب ہجر کی درازی کی دعا مانگتا ہے،

تری امانت غم کا تو حق ادا کر لون خدا کرے شب فرقت ابھی دراز رہے

شب فرقت مین عشاق کم سے کم یار کے تصور ہی سے دل بہلاتے ہین، لیکن جگر کو یہ بھی گوارا نہین،

چاہئے ترے تصور سے بھی ایسے مین گریز کیون کرے تجھکو شریک غم ہجران کوئی

عام شعرار کے یہان غم عاشقی جانگسل ہے لیکن جگر کا غم عشق جان نواز ہے،

ترے بغیر تو جینا روا نہین لیکن مین کیا کرون جو ترا غم ہی جان نواز رہے

غالب نے کہا ہے،

آئے ہے بیکسی عشق پہ رونا غالب کس کے سر جائیگا سیلاب بلا میرے بعد

جگر کہتا ہے،

جب حسن وعشق دونون رُسوا کرینگے مجھکو وہ بھی جگر زمانہ نزدیک آ رہا ہے

میرے نزدیک اس شعر مین جگر کا تخیل غالب سے بہت آگے بڑھ گیا، غالب کو خود اپنے بعد اور تنہا عشق کی بیکسی پر رونا آتا ہے، لیکن جگر کے بعد حسن اور عشق دونون بے یار و مددگار ہو جائینگے،

عاشق کی جستجو کی آخری حد ناکامی ہے،

یہ حد آخری ہے عاشق کی جستجو کی بن بن کے مٹ رہی ہی ہر شکل آرزو کی

یہ نیا تخیل ملاحظہ ہو گو جگر خود رہین درد ہے لیکن اسکی تسلی کے لیے غم یار کی شگفتگی کافی ہے،

مین رہین درد سہی جگر مجھے اور جائیے جگر غم یار ہے مرا شیفتہ مین فریفتہ غم یار پر

غم کی مداومت اس سے زیادہ بلیغ پیرایہ مین کیا دکھائی جا سکتی ہے،

فانی نے کہا ہے،

مآلِ سوزِ غمہائے نہانی دیکھتے جاؤ بھڑک اٹھی ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ

جگر کہتا ہے،

مری سمت سے اسے اے صبا یہ پیامِ آخرِ غم سنا ابھی دیکھنا ہو تو دیکھ جا کہ خزاں ہے اپنی بہار پر

عشق کا خوش آیند آغاز اور اس کا حسرتناک انجام،

عجب انقلابِ زمانہ ہے مرا مختصر سا فسانہ ہے یہی اب جو بار ہے دوش پر یہی سر تھا زانوئے یار پر

موجودہ دورِ تجدید و اصلاح کی بہت سی بد مذاقیون مین سے ایک بد مذاقی یہ بھی ہے کہ رنگین نوائی کو مذاقِ سلیم کے منافی سمجھا جاتا ہے، میرے نزدیک رنگینیٔ خیال اور رنگینیٔ ادا بھی شاعری کا ایک نہایت ضروری عنصر بلکہ رخسارِ شاعری کا گلگونہ ہے، کہ شاعری مین روح کی بیداری، اور دل کی تڑپ کے ساتھ لبون کے تبسم اور چہرہ کی شگفتگی کا سامان بھی ضروری ہے ورنہ شاعری محض محفلِ وجد و حال کے لیے رہجائیگی، ہان اس مین اعتدال اور سلامت مذاق البتہ ضروری شرط ہے تاکہ وہ محض پر لطف شوخی تک محدود رہے، بازاری پھکڑ نہ بننے پائے، اس لحاظ سے جگر کی شاعری ان نغمہائے لاہوتی اور وادی ایمن کی شرر باریون کیساتھ جو روح کو بیدار اور جذباتِ ماسوا کو جلا کر خاکستر کر دیتے ہین، اس رنگین عنصر کی لطیف آمیزش سے خالی نہین ہے اور انھون نے اپنی خوش مذاقی سے اس عنصر کو ایسا کھپایا ہے کہ کہین سے رنگ پھوٹنے نہین پاتا، انتخابات ملاحظہ ہون،

جوانی کا کتنا صحیح اور پر کیف مرقع ہے،

قدم ڈگمگائے نظر بہکی بہکی جوانی کا عالم ہے سرشاریان ہین

کس قدر بلیغ اور شاعرانہ تشبیہ ہے،

ان لبون کی جان نوازی دیکھنا منہ سے بول اٹھنے کو ہے جامِ شراب

کس قدر پرکیف التجا ہے،

مین اپنی جان تو قربان کرچکون تجھپر یہ چشمِ مست ابھی نیم باز رہنے دے

حسن یار کی بہار آفرینی دیکھئے،

دوڑا کے حسنِ یار کی ہلکی سی اک لہر کانٹون کو مین نے رشکِ گلستان بنا دیا

حسنِ تصور کا فریب رنگ و بو ملاحظہ ہو،

ہاے یہ حسنِ تصور کا فریبِ رنگ و بو مین یہ سمجھا جیسے وہ جانِ بہار آہی گیا

نگاہِ مست کے دور کا کیف،

کیفِ شباب و سرخوشیِ بادۂ حیات کیا دور تھا تری نگہ مست ناز کا

خیالات کی رعنائی کا پرتو،

حسن کے ہر جمال مین پنہان میری رعنائیِ خیال بھی ہے

دوسرے الفاظ مین یہ کہ سکتے ہین کہ حسن کو عشق کی رنگین نظرون نے حسن بنایا،

نگاہِ گستاخ کا اثر،

ہاے وہ چہرہ اور آئینہ وہ تڑپتی بجلیان کاش اک دن پھر انھین گستاخ بنکر دیکھئے

نگاہِ مست کی مے باری،

جھک گیا ایک ایک میکش اُس نگاہِ مست سے تم ادھر دیکھا کئے اور لٹ گیا میخانہ آج

حسن کا جواب،

فروغِ بادہ ترے حسن کا جواب ہوا سنبھالنا مجھے ساقی مین بے نقاب ہوا

بعض بعض غزلین پوری کی پوری خیالات اور بیان کی رنگینی مین ڈوبی ہوئی ہین لیکن لطافتِ ادا کی وجہ سے ان کی رنگینی بالکل گران نہین گذرتی،

خیال رنگین، نظام رنگین، کلام رنگین، پیام رنگین قدم قدم پر روش روش پر نئے نئے گل کھلا رہے ہین

شراب آنکھون سے ڈھل رہی ہے نظر سے مستی ابل رہی ہے چھلک رہی ہے اچھل رہی ہے پئے ہوئے ہین پلا رہے ہین

وہ روے رنگین وہ موجِ نسیم کہ جیسے دامانِ گل پہ شبنم یہ گرمیِ حسن کا عالم عرق عرق مین نہا رہے ہین

خود اپنے نشے مین جھومتے ہین وہ اپنا منہ آپ چومتے ہین خرابِ مستی بنے ہوئے ہین ہلاکِ مستی بنا رہے ہین

یہ موجِ دریا یہ ریگِ صحرا یہ غنچہ و گل یہ ماہ و انجم ذرا جو وہ مسکرا دیئے ہین یہ سب کے سب مسکرا رہے ہین

اب آگے جو کچھ بھی ہو مقدر رہیگا لیکن یہ نقش دل پر ہم ان کا دامن پکڑ رہے ہین وہ اپنا دامن چھڑا رہے ہین

خمریات موجودہ دور مین خمریات حضرت ریاض کا مخصوص حصہ سمجھا جاتا ہے اور ایک حد تک یہ صحیح بھی ہے جو شاعر یہ شعر

اتنی پی ہو کہ بعد توبہ بھی بے پئے بیخودی سی رہتی ہو

کہہ سکتا ہے اس کی خمریات کے نشہ مین کسی کو شبہہ نہین ہو سکتا، لیکن ریاض جگ بیتی کہتے ہین اور جگر آپ بیتی کہتا ہے، وہ قال ہے اور یہ حال، اس لیے قدرۃً دونون کے کیف اور اثر مین نمایان فرق نظر آتا ہے، خمخانۂ ریاض کی مے بھی پر کیف ہے، لیکن جگر کی "خانہ سازہ" جیسی نشہ آور اور ہوشربا نہین ہے، جگر جو کچھ کہتا ہے عالم مستی مین کہتا ہے اس لیے اس کے رندانہ اشعار بادۂ ناب کے لبریز جام کا اثر رکھتے ہین جنکا ایک ہی جرعہ دوسرون کو بھی مست بنا دیتا ہے، میرے نزدیک اگر جگر کے خمریات کے مقابل مین کسی کو پیش کیا جا سکتا ہے تو وہ شاد عظیم آبادی ہین جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا، جگر کے خمخانہ مین ہر رنگ و بو ہر مزہ اور ہر درجہ کی شراب ہے اور اس کے اثرات بھی مختلف ہین کسی مین سرخوشی کی حد تک نشہ، کسی مین مستی اور کسی مین بدمستی تک لیکن اس عالم بدمستی مین بھی جہان بڑے بڑے پاکبازون کے قدم ڈگمگا جاتے ہین جگر اپنے حواس قائم رکھتا ہے اور بڑبڑانے نہین لگتا، جس خمخانہ کا جگر مے نوش ہے اس کی مے نوشی کیلئے کچھ خاص قواعد و شرائط ہین چنانچہ سب سے مقدم شرط یہ ہے،

اسی کے واسطے بھی ہے مے کشی بھی جگر جسے خبر نہین مے کیا ہے مے کشی کیا ہے

شادؔ نے کہا ہے،

میں نثار اپنے خیال پر کہ بغیر مے کے ہیں مستیاں | نہ تو خم ہے پیشِ نظر کوئی نہ سبو ہے پاس نہ جام ہے

اور

دردِ و صافی کا لحاظ آفتِ جانِ تھا ساقی | ولے ان بادہ کشوں پر جنھیں یہ ہوش نہ تھا

اس کی مے پرستی بلا وجہ نہیں بلکہ اس کا سبب یہ ہے،

نگاہِ خاص سے چھلکا رہا ہے مے کوئی | وہ پاکباز نہیں اب جو پاکباز رہے

اس سے بھی زیادہ صاف کہتا ہے،

پیتا بغیر اذن یہ کب تھی مری مجال | در پردہ چشمِ یار کی شہ پا کے پی گیا

شادؔ نے کہا ہے،

میں فدائے ساقیِ مہ لقا یہی میکشی کا ہے مسئلہ | وہی حکم دے تو حلال ہے وہی روک دے تو حرام ہے

جگرؔ کی مے پرستی اس فلسفۂ اخلاق کے ماتحت ہے،

دل بدست آور کہ حج اکبر است | از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است

آزردگیِ خاطرِ ساقی کو دیکھ کر | مجھکو یہ شرم آئی کہ شرما کے پی گیا

شادؔ نے کہا ہے،

ناصاف بھی دی ہے تمھیں ساقی نے تو رندو | لے لو بہ ادب کچھ نہ کہو پیرِ مغان سے

ترکِ شراب کی بے کیفی رندِ قدح نوش کے لیے موت سے کم نہیں اس لیے جگرؔ اپنی مے نوشی کے جواز کے لیے یہ عذرِ شرعی پیش کرتا ہے،

بے کیفیوں کے کیف سے گھبرا کے پی گیا | توبہ کے ہر خیال کو ٹھکرا کے پی گیا

شرب بالاضطرار شریعت میں معاف ہے اس لئے جگرؔ کہتا ہے،

اے رحمت تمام میری ہر خطا معاف میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گیا

مے پرستی کا منتہائے کمال یہ ہے،

اس جانِ میکدہ کی قسم بارہا جگر کل عالمِ بسیط پہ میں چھا کے پی گیا

خمریات کی بعض بعض کیفیتیں ناقابلِ تشریح ہیں،

جھک گیا ایک ایک میکش اس نگاہِ مست سے تم ادھر دیکھا کئے اور لٹ گیا میخانہ آج

یہی تخیل کسیقدر ترمیم کے ساتھ شاد کے یہاں بھی موجود ہے،

دیکھا کئے وہ مست نگاہوں سے بار بار جب تک شراب آئی کئی دور چل گئے

مختلف نمونے:

کھینچ کر اک آہ کس نے رکھدیا جامِ شراب دیدنی ہے اضطرابِ ساقی و پیمانہ آج

بادۂ ناب عجب چیز ہے ساقی لیکن اور ہی کچھ ترے ہاتھوں سے مزا آتا ہے

پی کے اک جامِ شرابِ شوق آنکھیں کھل گئیں دیکھتا ہوں جسطرف میخانہ ہی میخانہ ہے

شوخیِ رندانہ

رندوں اور واعظوں میں بہت پرانی نوک جھونک چلی آتی ہے اور جب تک ان دونوں کا وجود دنیا میں باقی رہیگا دونوں کی چپقلش چلی جائیگی؛ اس لیے کہ نہ اس کے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی چھوٹیگی اور نہ حضرت واعظ اپنے مذہبی فریضہ سے چوکینگے، اور حشر تک یہ زور آزمائی قائم رہے گی، واعظ کے پند اور رندوں کی چوٹوں میں بڑا فرق ہے، حضرت واعظ اپنا فرض ادا کر کے خاموش ہوجاتے ہیں اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی، لیکن رندوں کی شوخ پھبتیاں گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں پھیلکر شوخ طبع بے فکروں میں واعظ کو سامانِ تفریح بنا دیتی ہیں، بعض بے باک رندوں نے تو عالمِ مستی میں واعظ کی پگڑی تک اچھال دی ہے اور اس کی قبائے زہد پر مے گلگوں کے چھینٹوں کی گلکاری سے بھی باک نہیں کیا، اور بعضوں کی شوخیاں محض رندانہ چوٹوں تک محدود رہتی ہیں، جگر بھی انھیں مذہب رندوں میں ہے، اس نے بھی

واعظون پر نہایت لطیف اور ظریفانہ پھبتیاں کہی ہین لیکن تہذیب کا دامن کہین ہاتھ سے نہین چھوٹنے پایا ہے
واعظ جو کچھ کہتا ہے وہ اپنی کتابی پونجی کے بل پر کہتا ہے، لیکن جگر اپنے سامانِ رندی کے مقابلہ
مین واعظ کے "بار علم" کی یہ حیثیت سمجھتا ہے،

کدھر سے برق چمکتی ہے دیکھین اے واعظ مین اپنا ساغر اٹھاتا ہون تو کتاب اٹھا

واعظ بدمست جگر کو اٹھانے کے لیے بڑھتا ہے جگر یہ شوخ و رندانہ جواب دیتا ہے،

مجھے اٹھانے کو آیا ہے واعظِ نادان جو اٹھ سکے تو مرا ساغرِ شراب اٹھا

"اٹھ سکے" کے لفظ سے واعظ کی کتنی تحقیر ہوتی ہے یعنی ساغر کا بار علم کے بار سے بڑھ کر ہے، شہاد
نے اسی مضمون کو کسی قدر ترمیم کے ساتھ اس سے زیادہ شوخ کہا ہے،

بار سبو وہی اٹھائے جسپہ ہو فضلِ مے فروش زاہد خشک یہ بھی کیا بوجھ ہو جانماز کا

زاہد بادۂ کوثر کی لو لگائے ہوے ہے جگر اُس کے لئے مَےنوشی کے جواز کا یہ پہلو نکالتا ہے
اور در پردہ اس کے انتظار بادۂ کوثر پر چوٹ بھی کرتا ہے،

پی بھی جا زاہد خدا کا نام لیکر پی بھی جا بادۂ کوثر کی بھی اک موج پیمانہ مین ہے

زاہد کے چہرہ کے نور کا کیسا رندانہ اور دلچسپ سبب بیان کرتا ہے،

ہو گیا کیا مریدِ مے زاہد اب تو چہرہ پہ نور رہتا ہے،

جگر نے عالمِ بدمستی مین زیادہ سے زیادہ مبالغہ و زہد مین جو بے ادبی کی ہے اسکا نمونہ یہ ہے،

غرق کردے تجھکو زاہد تیری دُنیا کو خراب کم سے کم اتنی تو ہر میکش کے میخانہ مین ہو

اخلاق جگر غزل گو شاعر ہین جس کا کام صرف جذبات کی مصوری ہے وہ کوئی معلمِ اخلاق، حکیم اور واعظ نہین کہ
اخلاقی درس دینا اس کا فرض ہو، اس لیے اس کی شاعری مین اخلاق کا حصہ بہت کم ہے، لیکن اس حیثیت
سے کہ اخلاق بھی ایک حد تک شاعری کے حدود مین داخل ہے اس لیے جگر کا کلام درسِ اخلاق سے بالکل

خالی نہین ہے،

رہِ طلب مین نہ کر خوفِ لغزشِ پا سے — یہان جو گر کے اٹھا بس وہ کامیاب اٹھا

مجھے آغوشِ طوفان ہی جگر آغوشِ مادر ہے — وہ کوئی اور ہونگے اہنِ ساحل دیکھنے والے

ہر طرف بے فائدہ کیون سعیِ پیہم کیجئے — تشنگی سے اپنی پیدا بحرِ اعظم کیجئے

فضاے عالمِ ہستی پہ جب کرینگے نظر — ہر ایک موج کو موجِ سراب دیکھینگے

پروردۂ طوفان کو کشتی کی نہین حاجت — موجون کے تلاطم مین ساحل نظر آتا ہی

مختلف نمونے — اوپر مختلف سرخیون کے ماتحت کافی منتخب اشعار لکھے جاچکے ہین پھر بھی ابھی بہت سا حصہ رہا جاتا ہے، اس لیے آخر مین ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لیے چند منتخب اشعار بلا کسی ریویو کے نقل کیے جاتے ہین،

ہر تڑپ کے ساتھ اک جلوہ نمایان ہوگیا — آج ثابت یار کا قربِ رگِ جان ہوگیا

کس نظر سے آج وہ دیکھا کیا — دل مرا ڈوبا کیا اچھلا کیا

آہ یہ عالمِ کثرت تری رعنائی کا — ایک مرکز نہ رہا چشمِ تماشائی کا

نگاہِ شوق کی جذب و کشش ارے توبہ — جس آئینہ پہ نظر کی ترا جواب ہوا

عین قربت بھی عین فرقت تھی — ہائے وہ قطرہ جو حباب ہوا

جز ترے کچھ نظر نہیں آتا — آرزو بن گئی مجسم کیا

کمالِ عشق مین احساس اتنا تیز ہو جاتا — جو چھو جاتی ہوا دل دردسے لبریز ہو جاتا

آلودہ خاک ہی مین رہنے دی اسکو ناصح — دامن اگر جھٹک دون جلوہ کہان سمائین

جو دل سے اٹھتے ہین شعلے وہ رنگ بن بنکر — تمام منظرِ فطرت پہ چھائے جاتے ہین

مین اپنی آہ کے صدقے کہ میری آہ مین بھی — تری نگاہ کے انداز پائے جاتے ہین

بھڑکا رہا ہون آتشِ عصیان ہر ایک سمت — پھیلا رہا ہون رحمتِ پروردگار کو

خمستانِ فارس "خمخانۂ ہندی" کی شراب ناب کے بعد ناظرین "بادۂ شیراز" کا بھی تھوڑا سا مزہ چکھ لیں جگر نے فارسی کلام مین حافظ شیراز کے تتبع کی کوشش کی ہے اور جہانتک بیان کی رنگینی اور خیالات کی باریکیون کا تعلق ہے نہایت کامیاب چہرہ اڑایا ہے لیکن ابھی "بادۂ شیراز" سے کہین کہین پر "شراب ہندی" کی بو آتی ہے، اور زبان مین خالص فارسیت نہین پیدا ہوئی ہے، اور اسمین کافی مشق و ممارست اور فارسی اساتذہ کے کلام کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے تاہم جگر کا فارسی کلام بھی لطف سے خالی نہین ہے، یہ حصہ نہایت مختصر ہے یعنی صرف چند غزلین اور بعض مسلسل نظمین ہین اس لیے اسپر مستقل تبصرہ کی گنجایش نہین صرف نمونۃً کچھ اشعار نقل کر دیئے جاتے ہین "خطاب بہ مسلم" کی مسلسل اور سبق آموز نظم خوب ہے غزل کا نمونہ یہ ہے

شراب و ساغر و سبو گل و بہار و آب جو | دو صد جہان رنگ و بو نمودِ یک جہان ما
بیا بنوش جامِ مے چہ جامِ مے تمام مے | کہ ما و اذنِ عامِ مے خوش است ارمغانِ ما

آوارہ ہر نگاہ ز جرمِ نگاہ کیست | دیدن گناہ است نہ دیدن گناہ کیست
دیوانہ وار جان بہ فشاندن گناہ ماست | بیگانہ وار رخ نہ نمودن گناہ کیست
صد نقش سجدہ تا درِ بت خانہ دیدہ ایم | این ہم جگر اشارۂ طرفِ کلاہ کیست

بے کیفیت عاشق صد کیف و اثر دارد | زین سرِ نہان لیکن ہر کس نہ خبر دارد
در عین وصالِ او یا بم اثرِ دوری | اے پیر رہِ عشقم این پردہ کہ بر دارد
مفتی بحق منصور بنوشت عجب فتوی | کافی است پئے قتلش این جرم کہ سر دارد
من عاشقِ آن شوخم کو از سرِ محبوبی | مانوس دلے دارد بیگانہ نظر دارد

غافل ز دلم منشین جانان ز سرِ مستی | صد نغمہ برانگیزد سازے کہ تو بشکستی
بلبل ہمہ تن خون شد گلہا ہمہ تن چاک | اے وائے بہارے اگر این ست بہارے
اغیار بدل خندہ زن دل بتو مشغول | غلطے پس دیوانہ و دیوانہ بکارے

تلخیص و تبصرہ

اسلام مڈگاسکر مین

"مڈغاسکر، بحر ہند مین سواحل افریقہ کے قریب اسلام کا بت پرانا مرکز ہے، یہان پہلے عمانی عربون اور بعد کو خلیج فارس کے ایرانی تاجرون کی آبادی ہی، یہان اسلامی سلطنتین بھی قائم ہوچکی تھین، آج کل جو اسکی کیفیت ہے، اوسکا حال امریکہ کے عیسائی مشنری رسالہ "اسلامی ورلڈ" سے معلوم ہوگا، امید ہے کہ ہمارے ناظرین اوسکو نگاہ عبرت سے پڑھین گے،"

عرب جہازرانون مین اس جزیرہ کا نام قنبلو مشہور تھا، ایک خیال یہ ہے کہ مدغاسکر اصل مین مدعسکر تھا یعنی لشکر کی آخری مسافت، کیونکہ عرب جہازران اپنے سواحل سے چلکر اس جزیرہ سے آگے نہین بڑھتے تھے یعنی اس سمندر مین اس سمت مین یہی اون کی آخری حد تھی،

مڈگاسکر کی آبادی جو اپنی وسعت کے لحاظ سے دنیا کا تیسرا جزیرہ ہے تخمیناً تیس لاکھ سے زیادہ ہے، مسینان (Massignon) ۱۹۱۸ء کی مردم شماری کے مطابق وہان کی آبادی کی تعداد (۳۵۴۵۵۷۵) بتاتا ہے لیکن اسمین جزائر کومورو کے باشندے بھی شامل ہین، مسلمانون کی تعداد (۶۶۹۲۰) ہے یعنی کل آبادی مین اٹھارہ فی صدی، اگرچہ باعمل مسلمانون کا شمار در اصل اس سے بہت کم ہے، کثرت تعداد اون لوگون کی ہے جو کائنات کی ہر شے مین حیات کے وجود کے قائل ہین، حالانکہ تبلیغی کوششون کی ترقی کے ساتھ دین مسیحی کی نشر و اشاعت بھی وہان یقینی ہے،

اس جزیرہ کے جو حالات عرب جغرافیہ دانون نے لکھے ہین ان مین سب سے زیادہ قدیم[1] اور مفصل بیان ادریسی کی

[1] معارف :- یہ غلط ہے ادریسی سے دو سو برس پہلے اسکا حال مسعودی نے مروج الذہب کی پہلی جلد مین لکھا ہے،

کی کتاب نزہتہ المشتاق (۱۱۵۴ء) مین ملتا ہے، اہل یورپ مین سب سے پہلے ایک پرتگالی جہازران ڈیگو ڈایس
(Deigo Dias) نے سینٹ لارنس کے دن (۱۰ اگست ۱۵۰۰ء) مڈگاسکر کو دیکھا، اسی وجہ سے
کچھ دنون تک اس جزیرہ کو سینٹ لارنس کہتے تھے، دین مسیحی کی ابتدا وہان اول اول پرتگالی پادریون نے کی،
ماہرین علم انواع البشر نے مڈگاسکر کے باشندون کی دو قسمین کی ہین، (۱) ملائی اور افریقی پہلی شاخ مین ہلکے
رنگ کے نسل ہووا (Hovas) کے لوگ ہین جو صاحب اثر واقتدار ہین، اور جودسوین صدی عیسوی
کے قریب اس جزیرہ مین پہنچے تھے، نیز دوسری قومین بھی شامل ہین مثلاً بٹسیلیو (Betsileo) اور بٹسیمارکا
(Betsimaraka) دوسری شاخ مین سیاہ فام افریقی النسل سکلاوا (Sakalava)
ہین، متعدد دوسری قومین مثلاً تیمورو (Taimoro) تیفاسی (Taifasi) اور تانوسی
(Tanosi) انھی دونسلون سے مخلوط ہین، اور ساحلوں پر کثرت سے سواحلی عرب اور ہندوستانی
آباد ہین، اگرچہ فرانس نے ۱۶۴۲ء ہی مین اس جزیرہ پر قبضہ کا دعویٰ کیا تھا، لیکن اوسکے حقوق ۱۸۸۵ء مین ایک
صلحنامہ کی رو سے متعین کئے گئے، آج بھی اس کا اثر دار السلطنت انٹانانا ریوو (Antananarivo)
سے جو گورنر جنرل کی جائے قیام ہے، زیادہ دور تک نہین پہنچا ہے،

فرانسیسی فاضل مسیناں، مڈگاسکر اور اوسکے اثر زیر فرمان جزائر کومورو کی فرانسیسی نوآبادی کے اصلی باشندون
کو تین گروہون مین تقسیم کیا ہے،

۱- کومورو کے اصلی باشندے (۱۰۹۶۰۵) جو سب کے سب پرجوش مسلمان ہین، مع اون لوگون کے جو ساحل پر
رہتے ہین اور تقریباً مسلمان ہو چکے ہین،

۲- شمال مشرق اور مغرب کے سکالوا، جنمین مسلمانون کی تعداد (۲۰۹۰۰۰) ہے،

۳- جنوبی مشرقی اقوام صوبہ جات فارافنگانا، منانجارا، فورٹ ڈافین، اور بڑو کا مین
(۷۵۳۰۰۰ مسلمان)

۱۔ جزائر کوموروکی پوری آبادی مسلمانون کی ہے، یہ مذہب شافعی کے پیرو ہین، اور اونکی علم زبان سواحلی ہی،
اونھون نے اوّل اوّل خلیج فارس کے تاجرون کی وساطت سے نوین صدی عیسوی مین اسلام لانا شروع
کیا، کومورو کے نام سے مڈگاسکر کے قدیم عربی نام جزیرۃ القمر کا پتہ لگتا ہی، جسے غلطی سے جزیرۃ القمر سمجھ لیا
گیا، یہی نام پندرہوین صدی کے عرب جغرافیہ دان ابن ماجد نے اپنی کتاب الفوائد مین لکھا ہے، مڈگاسکر
مشتق ہے مارکوپولو کے میڈی گاسکر سے جس کے متعلق فران (Ferrand)کا خیال ہے کہ
یہ دراصل میڈی گاس بار بمعنی "ملاگاسیون کا ملک" تھا، ٹھیک اوسی طرح جس طرح زینری بار کے معنی
ہین "زنگیون کا ملک"،

جزائر کومورو مین چہین چار آتشفشانی جزیرے انگازجا (Angazija) انزوان
(Anzuan) مایوتا (Mayota) اور موہیلی (Moheli) شامل
ہین، سولھوین صدی سے جدا جدا سلاطین کی حکومت ہے،

الف ۔ سلطان انگازجا (غازجا) موروني مین رہتا ہے، جہان مسینا کے بیان کے مطابق فرقہ شاذلیہ
کے درویشون کی ایک بڑی خانقاہ ہی،

(ب) سلاطین انزوان شیرازی خاندان سے ہین، جسے ۱۵۰۶ء مین محمد بن عیسیٰ نے قایم کیا
تھا، اونھون نے دوموني کی قدیم مسجد جس کی محراب سفید مونگے کی ہے، اور سلطان عبداللہ ثالث کا
محل بمباؤ مین بنوایا،

(ج) سلاطین مایوتا عیسیٰ بن محمد کی اولاد سے ہین، جو انزوان کے پہلے سلطان کا بیٹا تھا، دار السلطنت
مین ۱۵۶۶ء کی بنی ہوئی ایک مسجد اور آمنہ متوفیہ ۱۵۹۶ء کا ایک مقبرہ ہے، جو نیلے رنگ کی چینی کا
بنا ہوا ہے، عرب خاندان کے ایک مختصر دورِ حکومت کے بعد آخری سلطان کے وارث نے اس جزیرہ
کو فرانس کے حوالہ کر دیا،

(۵) سلاطین موہیلی کا جو شیرازی الاصل تھے، جانشین ۱۸۳۰ء مین ایک جلاوطن ہوا ہوا جس نے اسلام قبول کر لیا تھا، اور جس کا نام رامانلاکا (Ramanelaka) تھا،

۲- سکالوا شمال اور جنوب دونون کے اثرات سے اسلام سے آشنا ہوئے، شمال مین اونھون نے موجنگا سے ملی ہوئی نوسی لنگانی (Nosi Langany) کی مختصر عرب سلطنت کا اثر قبول کیا لیکن یہ اثر کچھ زیادہ نہ تھا، موجنگا کی دونون مسجدین سکالوا کے لئے نہین ہین، بلکہ ایک سنی زنجباریون اور کومورو کے اصلی باشندون کے لئے اور دوسری ہندوستانی اہل تشیع کے لئے ہے، مسینان اس حصۂ ملک کے بہت سے قدیم مسلمانون کے مقبرون کا بھی ذکر کرتا ہے، سکالوا کے ہان عربی تقویم رائج ہے، اور ان کا علم رمل اُن عربی کتابون سے جو بظاہر علم جفر کی ہین نیز شیخ محمد زناتی کی کتاب الفصل فی اصول علم الرمل سے ماخوذ ہے، یہ لوگ رمضان مین روزے نہین رکھتے، اور اون کے ہان شراب نوشی بھی جائز ہے،

۳- ۱۸۴۸ء مین ملایا کے بعض مسلمان خاندان حج بیت اللہ سے لوٹتے ہوئے منانجارا مین مستقل طور پر قیام پذیر ہوگئے، اون کی آمد کا اثر بھی مڈگاسکر کے جنوبی مشرقی حصہ پر پڑا، اون کی اولاد کے پاس عربی رسم خط مین لکھی ہوئی اسلامی کتابون کے اکثر ترجمے ملاگاسی زبان مین موجود ہین یہ قلمی مسودات آیات قرآنی اسمای باری تعالیٰ، ملائکہ احادیث نبوی، طب، سحر کاری، اور علم نجوم سے متعلق ہین،

یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان مین آیات قرآنی کی ترتیب حضرت عثمانؓ کی ترتیب کے مطابق نہین ہے[۱]

مذکورۂ بالا مسودات کو غور سے دیکھنے کے بعد مڈگاسکر مین مسلمان نوواردون کی متعدد آمد کے متعلق قرآن حسب ذیل نتائج پر پہنچا ہے،

(۱) عربون کی آمد چھٹی صدی سے نوین صدی تک جب کہ بہتیرے اصلی باشندون نے اسلام

---

[۱] معارف:- یہ اس لئے ہے کہ وہ مکمل قرآن نہین، بلکہ منتخبات سُور ہین، جیسے پنج سورہ وغیرہ کا رواج ہندوستان مین ہے،

(غالباً سنی مذہب قبول کیا)،

(۲) فرقۂ اثنا عشریہ کے ایرانی شیعہ جو علی الرضا کے دورِ حکومت (۸۴۵ء تا ۸۵۱ء) کے بعد پہنچے،

(۳) دوسرے عرب نووارد جو آخری عباسی خلیفہ مستعصم کے عہدِ حکومت مین تیرہوین صدی کے وسط مین آئے،

اور جو باتین اہل مڈگاسکر نے عربی ماخذون سے لین، وہ یہ ہین :۔

(۱) ہفتہ کے دنون کے نام،

(۲) بارہ مہینون کے نام جو منطقۃ البروج کے عربی نامون کی نقل ہین،

(۳) قمری مہینہ کے اٹھائیس دنون کے نام،

(۴) جفر و رمل کے مشکل قواعد،

(۵) غسل کی عظیم الشان سالانہ تقریب جو مسلمانون کی عید الفطر سے مشابہ ہے،

فران یہ بھی لکھتا ہے کہ مڈگاسکر کے قدیم پرتگالی سیاحون کا بیان ہے، کہ وہان کے جنوبی مشرقی حصہ کے رہنے والے مسلمان رمضان مین روزے رکھتے تھے، نمازین پڑھتے تھے، اور قرآن کی تلاوت کرتے تھے، لیکن شراب پیتے تھے، اور سور کا گوشت کھاتے تھے، مڈگاسکر کے مسلمانون کے ضعفِ ایمان کی مزید شہادت اس امر سے بھی ملتی ہے، کہ جب وہان فرانس کا قبضہ ہوگیا، تو یہ لوگ اپنے حکام کو خوش کرنے کے خیال سے کثیر تعداد مین عیسائی ہونے کے لئے تیار ہوگئے، حکومت فرانس کو اونھین یہ بتانا پڑا، کہ ہر شخص اپنے ذاتی مذہب کی پیروی کے لئے آزاد ہے، بشرطیکہ وہ قوانین ملک کی پابندی کرے، یہ تمام باتین وہان کے لوگون کی ذہنیت کے عین مطابق ہین، چنانچہ نتیجہ یہ ہے کہ اگر حکومت کی طرف سے متعین طور پر اونھین مذہبی تعلیم نہ دی جائے تو مذہب کی جانب سے اون کی لاپروائی سرعت کے ساتھ پھیلتی جائے گی، یہان تبلیغی کوششون کے لئے بہت وسیع میدان ہے، اور یہ صورتِ حال خود

مسلمانون کی نظرون سے بھی پوشیدہ نہین ہے،

زمانۂ حال مین احمدیہ اور اسمٰعیلی فرقہ کے لوگون نے اس جزیرہ مین تبلیغ اسلام کی کوششین کی ہین لیکن صرف مغربی ساحل ہی ایک ایسا مقام ہے جہان اسلام قریب المرگ نہین ہے، تمدّنی حیثیت سے وہان کی غیر مسلم قومین اپنے مسلمان بھائیون سے زیادہ ترقی کر رہی ہین، اور جہان تک خود مڈگاسکر کا تعلق ہی، وہان کی مسلم اقلیت نسبتہً ناقابل لحاظ ہی،

"مسلم ورلڈ" "ع ز"

سلطان التمش کا صحیح نام

سلطان شمس الدین التمش جو ہندوستان کا تیسرا غلام بادشاہ تھا، اور جس نے ۶۰۷ھ سے ۶۳۳ھ تک دہلی کے تخت پر حکمرانی کی، اس کا صحیح نام کیا تھا؟ ہندوستان کے اکثر ابتدائی بادشاہ ترکی النسل تھے، اسلئے اون کے نام بھی ترکی ہوتے تھے جنکی اصلیت سے ہندوستانی مورخین کم واقف ہوتے تھے،

سلطان شمس الدین کا نام عام طور سے التمش مشہور ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ لفظ ترکی ہے لیکن ترکی مین یہ لفظ اپنی موجودہ صورت مین بے معنی ہی، ابھی حال مین اسکول اور نٹیل اسٹڈیز لندن کے بلیٹن (جلد ۶ حصہ ۴ صفحہ ۱۱۱) مین ایک مختصر نوٹ چھپا ہے جسمین صاحب قلم نے یہ بتایا ہے، کہ التمش کا صحیح ترکی تلفظ ایلتیتمش ہے، اور اوسکے معنی کشور کشا، یا عالمگیر اور جہانگیر کے ہین،

ہندوستان کی فارسی تاریخون مین یہ نام "التمش" کی صورت مین ملتا ہے، صحیح نام کی دریافت کے لئے سلطان کے سکون کی طرف توجہ کی گئی، برٹش میوزیم ۱۸۸۴ء کے سلاطین دہلی کے سکون مین اس سلطان کا ایک سکہ ہے جس پر ناگری خط مین اوس کا نام "ٹی تیمی" پڑھا جاتا ہے، میوزیم کے کیٹلاگ مین پورا نام ناگری خط کے سکون پر سری سلطان تیمی ۱۲۶۳ سمت پڑھا جاتا ہے،

مضمون نگار نے برٹش میوزیم کے محقق آثار مسٹر الان (ALLAN) سے دریافت کرنے

پر یہ جواب پایا،

"میں سمجھتا ہوں کہ التمش نام برٹش میوزیم کیٹلاگ سلاطین دہلی نقش ۲، نمبر ۳ کے بے احتیاطانہ پڑھنے کے سبب سے ہوا ہے، اس سکہ میں نقاش سے جگہ کی کمی کے باعث کچھ حرف کٹ کر رہ گئے ہیں، سکوں پر عربی خط میں یہ نام دو طرح سے واقع ہوتے ہیں "التمش" اور "التیتمش" دو "ت" ہونے میں کوئی شک نہیں،......... ناگری خط کے کئی سکوں کے ملانے سے نام اس طرح پڑھا جاتا ہے، سری سلطانا ایلی تیتمشی ۱۲۸۳ سمت (ہندی سنہ)........."

مضمون نگار کہتا ہے کہ طبقات ناصری میں (جو سلطان کی معاصر تاریخ ہے،) اوسکے کلکتہ اڈیشن میں یہ نام دو جگہ شعراء کے دو قصیدوں میں آیا ہے، ان دونوں مقاموں پر اس اڈیشن میں التمش چھپا ہے، مگر شعروں کے وزن کا اقتضا یہ ہے کہ اوسکو التمش کے بجائے التتمش پڑھا جائے،

صفحہ ۱۹۱ میں طبقات ناصری کے مصنف قاضی سراج نے سلطان معز الدین بہرام شاہ ابن شمس الدین التمش کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا تیسرا شعر یہ ہے:-

اگر سلطانی ہند است ارث دودہ شمسی

بحمد اللہ فرزندان توئی التمش ثانی

پھر طبقات کے صفحہ ۲۰۲ پر قاضی منہاج نے اپنا دوسرا قصیدہ لکھا ہے، جس کا مطلع یہ ہے،

آن شہنشاہی کہ حاتم بذل و رستم کوشش است

ناصر دنیا و دین محمود بن التمش است

ان دونوں شعروں میں وزن کا اقتضا ہے کہ التمش کے بجائے التتمش پڑھا جائے،

معارف:- اس دوسرے شعر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ التتمش کی میم کو زبر کے بجائے جو مشہور ہے، زیر کے ساتھ پڑھنا چاہیئے، تاکہ "کوشش" کا ہم قافیہ ہو سکے، پورے قصیدہ میں تمام قافیے اسی طرح ہیں، جن میں

ش سے پہلے کا حرف زیر کے ساتھ ہی،

التمش کے بجائے التتمش کے صحیح ہونے کی ایک مزید شہادت یہ ہے کہ مورخ ابن اثیر نے جو سلطان کا معاصر تھا اپنی تاریخ کامل مین اوس کا نام شمس الدین الترمش لکھا ہے، (کامل ابن اثیر جلد ۱۲ ص ۳۰۳ مطبوعۂ بریل یورپ و جلد ۱۲ ص ۱۲۰ مطبوعہ ۱۳۰۳ھ مصر) ایک اور دوسرے ترکی کا نام اوس نے "الدتمش الترکی" لکھا ہے، (کامل ابن اثیر جلد ۱۲ ص ۲۵۷ بریل) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی ت کے بعد ایک اور حرف ہے، جو عربی تلفظ مین کہین "ر" اور کہین "د" ہو گیا ہے،

"س"

رسالہ معراج النبیؐ

مولفہ حضرت مولانا مولوی احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور،

مسلمانون کا فرض ہے کہ اسلامی رسوم اور دینی تہوارون کو اللہ تعالےٰ اور اوسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق ادا کرین، ورنہ خطرہ ہے کہ مال بھی لٹائین اور خدا تعالی کو بھی ناراض کر بیٹھین، لہذا اگر آپ چاہتے ہین، کہ معراج نبوی کی اصلی حقیقت قرآن اور حدیث کی روشنی مین دکھین، اور اوس کے اصلی اور نقلی دلائل سے آگاہ ہون اور آسمانی تحفۂ معراج کا پتہ لگائین، تو مندرجہ ذیل پتہ پر ایک آنہ کا ٹکٹ محصول ڈاک و پیکنگ بھیجکر رسالہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم مفت منگوا کر ملاحظہ فرمائین، بلکہ ہوسکے، تو زیادہ ٹکٹ بھیج کر زیادہ تعداد مین منگوائین اور دوست احباب مین تقسیم فرما کر اشاعت و تبلیغ کا ثواب پائین،

المعلن

ناظم شعبۂ تالیف و اشاعت انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور،

حالت خواب مین دماغ کی مصروفیت

مفکرین، ارباب علم و فضل، ماہرین فنون و صنائع اور موجدین و مخترعین نے بار بار اسکو بیان کیا ہی کہ انھین کسی مسئلہ کا حل، کسی صنعت لطیف کا محرک، کسی مشکل خیال کا سلجھاؤ جسے باوجود ہفتون کی سعی و کاوش کے وہ حالت بیداری مین حاصل نہ کرسکے تھے، دفعۃً اور بالکل غیر متوقع طور پر بحالت خواب مین ہاتھ آگیا، لیکن دوسری طرف وہ ممتاز اہل علم ہین جنکو اس کے امکان سے انکار ہے، اور وہ اسے دھوکا یا قوت حافظہ کی غلطی کہتے ہین، اس مسئلہ کے متعلق پروفیسر بیچ (PROF. BAEGE) جنا یونیورسٹی کی رائے ہے کہ "جو شخص خواب مین قوائے طبعی کا کوئی خاص مظہر دیکھتا ہے وہ اول الذکر خیال کو تسلیم کرنے کی طرف مائل ہوگا، لیکن جو حالت خواب مین کامل دماغی سکون پاتا ہے جبکہ تمام دماغ گویا بالکل معطل ہوجاتا ہے، وہ ضرور اس خیال کی تردید کرے گا کہ سونے کی حالت مین کسی قسم کا دماغی کام ممکن ہے، نیند کے متعلق جدید تحقیقات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ان دو متضاد نقطہائے نظر مین سے کوئی بھی اصلی واقعات کے مطابق نہین ہے، حالت خواب مین خاص قوائے طبعی کام نہین کرتے اور نہ دماغ کی تمام مصروفیت نیند کی حالت مین موقوف ہوجاتی ہے، بلکہ گہری نیند کی حالت کے علاوہ جو صرف گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ رہتی ہے، ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ دماغ کا کوئی ایک ہی حصہ حالت سکون مین ہوتا ہے اور اس کے دوسرے حصے آرام نہین کرتے بلکہ خصوصًا ایسی صورت مین کہ حالت بیداری مین دماغ حد سے زیادہ زور اور محنت برداشت کرچکا ہے، اپنی مصروفیت کو جاری رکھتے ہین" پروفیسر ہوش (HOCHE)

فرائی برگ یونیورسٹی نے ایک سو یونیورسٹی پروفیسرون کی رائین اس مسئلہ سے متعلق حاصل کی ہین، وہ لکھتے ہین:-

"ایک پروفیسر کا بیان ہے کہ ڈاکٹر کی ڈگری کے لیے جو مقالہ اس نے پیش کیا تھا اسمین اُسے ریاضی کی دقتون کا سامنا ہوا، ایک روز رات کو وہ بہت مغموم ہو کر سونے کے لیے بستر پر گیا، کیونکہ وہ اس دقت کو حل کرنے مین کامیاب نہ ہو سکا تھا، اُسے اچھی نیند نہ آئی، دوران خواب مین بھی وہ اس مسئلہ پر غور و خوض کرتا رہا جب دوسرے روز صبح کو وہ بیدار ہوا تو اس نے وہ مسئلہ حل کر لیا تھا، دوسرا فاضل لکھتا ہے کہ دن مین وہ ایک قبطی تحریر کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا جس کا ایک لفظ خاص طور پر مشکل تھا، جب وہ سو نے گیا تو خواب مین بھی اُسنے وہی تحریر پڑھنی شروع کی اور پھر اُسی مشکل لفظ پر آکر رکا، دفعتہً اس کے ذہن مین یہ بات آئی کہ ممکن ہے یہ لفظ لغت مین فلان مقام پر مل جائے، وہ جاگا، فوراً اُٹھ کر لغت دیکھا اور اسی وقت اُس دقت کو رفع کر لیا" آرٹ یا سائنس کے بعض مسائل جو بظاہر حالت خواب مین حل ہوتے ہین اُنکی صورت یہ ہوتی ہے کہ مقدمات اور ان کے نتیجہ کا آخری درمیانی تعلق جو بیداری کی حالت مین نہ مل سکا تھا، نیم بیداری کی حالت مین قائم ہو جاتا ہے،

جھوٹون کی گرفت

جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو ساتھ ساتھ اس سے اور بہت سی باتین بھی عمل مین آتی ہین جنکی گرفت اگر ہم کرسکین تو اس کے جھوٹ کو بھی پکڑ سکتے ہین، علم کی یہ جدید شاخ صرف دس بارہ سال قبل دریافت کی گئی اور سرعت کے ساتھ ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کرتی جاتی ہے تفتیش کے اس جدید طریقہ کو عمل مین لانے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بے گناہ بری ہو جاتے ہین، جس وقت کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے اس کے خون کا دباؤ بہت بڑھ جاتا ہے، اسکی نبض کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور اسکی سانس بدل جاتی ہے، یہ کیفیت ایک آلہ کے ذریعہ سے معلوم ہو جاتی ہے جسے مشتبہ شخص کے جسم پر لگاتے ہین، اس آلہ کو "پولی گراف" (POLYGRAPH) کہتے ہین

امریکہ مین ہزارون مشتبہ اشخاص کی جانچ اس آلہ کے ذریعہ سے کی گئی، اور اسطرح بہتیرے خفیہ جرائم کا پتہ لگایا گیا، سیکڑون جرائم از قسم سرقہ، ڈاکہ، تغلب و غبن، جرائم جنسی، قتل و خونریزی وغیرہ وغیرہ کا اقرار اسی آلہ کے ذریعہ سے حاصل کیا گیا، تفتیشِ جرائم کا یہ طریقہ اگرچہ گذشتہ دس سالون سے ہزارون مجرمون اور مشکوک لوگون پر کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جارہا ہی تاہم ابھی اس مین ترقی کی بہت کچھ گنجایش باقی ہے، اور برابر اس مین اصلاحین کیجارہی ہین، روز بروز یہ طریقہ زیادہ قابلِ اعتماد ہوتا جاتا ہے اور امید کیجاتی ہی کہ ایک روز یہ بھی عدالتون اور پولیس کے محکمون مین اسی وثوق کے ساتھ استعمال کیا جاسکے گا، جسطرح انگوٹھے کے نشانات آج استعمال کئے جارہے ہین،

عقدہ کی عقدہ کشائی

اُس رسی یا ڈور کی گرہین جو کسی جرم کے سلسلہ مین پائی جاتی ہین، اب امریکہ مین جرائم کی تفتیش کرنیوالے اسی احتیاط سے رکھتے ہین جس احتیاط کے ساتھ انگوٹھے کے نشانات رکھے جاتے ہین، ان لوگون کا تجربہ ہے کہ اکثر اوقات گرہون کی نوعیت سے مجرم کی شناخت ہو جاتی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ مختلف قسم کے لوگ عادۃً مختلف قسم کی گرہین دیتے ہین، چنانچہ کپڑا بننے والے، مویشی اور گھوڑے رکھنے والے، لکڑی اور گاڑی والے، اطباء، کاشتکار اور جہازران، یہ سب جدا جدا قسم کی گرہین دیتے ہین، یہ اور بہت سی دوسری قسم کی گرہون کے نمونے تفتیش کرنے والے اپنے پاس رکھتے ہین، یہ لوگ گرہون کو ایک دوسرے سے ملا کر مجرم کا پتہ لگاتے ہین، اور اکثر کامیاب ہوتے ہین، چنانچہ ایک معاملہ مین تقریباً تمام شہادتین اس امر کا ثبوت بہم پہنچاتی تھین کہ مقتول کو کسی جہازران نے کشتی پرسے دریا مین پھینک دیا، لیکن ایک ہوشیار جاسوس نے یہ ثابت کردکھایا کہ جو گرہین اس کے پیرون مین دی گئی تھین وہ ایسے شخص کے ہاتھ کی تھین جو جہازران نہ تھا، اسی طرح ایک دوسرے معاملہ مین مسکرات کے خردہ فروشون کا ایک گروہ گرفتار کیا گیا، جو گرہین ان لوگون نے بنڈلون مین دی تھین وہ ان گرہون سے مشابہ تھین جو اس واقعہ سے قبل اسی قسم کے جرم کی تفتیش

مین معلوم ہو چکی تھین، اس فن کا ماہر یہ بھی معلوم کر لیتا ہے کہ گرہ داہنے ہاتھ سے دی گئی ہے، یا بائین ہاتھ سے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض آدمی عادۃً گرہ مین دو ایک پھندا اور دیدیتے ہین، ایسی صورت مین تفتیش کرنے والے ملزم سے اپنے سامنے کسی رسی مین گرہ دینے کو کہتے ہین اور گرہ دیکھ کر اس کے مجرم ہونے یا نہ ہونے کا پتہ لگا لیتے ہین،

جرمنی کا ادارۂ صحت

جرمنی کے شہر ڈرسڈن مین ایک مشہور و معروف ادارۂ صحت (HYGIENEMUSEUM) قائم ہے، اول اول اسکا خیال ۱۹۰۳ء مین وہان کے ایک بڑے کارخانہ دار ڈاکٹر لنگنر (DR LINGNER) کے ذہن مین آیا، انھون نے ایک ایسے ادارہ کی تعمیر جس سے ہر عامی بھی فائدہ اٹھا سکے ضروری خیال کی، ۱۹۱۱ء مین ڈاکٹر موصوف نے ایک نمایش صحت ترتیب دی جو کامیاب ہوئی اور اس معاملہ مین انھون نے اطباء، حکومت اور عوام کا اعتماد حاصل کر لیا، جو سامان ۱۹۱۱ء مین نمایش صحت کے لیے فراہم کیا گیا تھا، وہی ادارۂ صحت کی بنیاد قرار پایا، ۱۹۱۶ء مین ڈاکٹر لنگنر کا انتقال ہو گیا، خیال یہ تھا کہ انھین کے ساتھ اس ادارہ کا خیال بھی فنا ہو جائے گا، لیکن خوش قسمتی سے ڈاکٹر موصوف نے اپنے ساتھ کام کرنے والون مین اس کے متعلق اتنا اعتماد پیدا کر دیا تھا، کہ ان لوگون نے ہر طرح کی دقتون کے باوجود اس کام کو جاری رکھنے کا عزم کر لیا، غرض اسکا سنگ بنیاد ۱۹۲۷ء مین رکھا گیا، اور اس کا افتتاح مئی ۱۹۳۰ء مین ہوا، ڈاکٹر لنگنر نے اپنی بیاض مین لکھ چھوڑا تھا کہ یہ ادارہ تمام لوگون کے لیے بطور ایک تعلیم گاہ کے ہوگا، چنانچہ اس منشا کے مطابق یہ نہ صرف اہل جرمنی کے لیے بلکہ دوسرے ممالک کے باشندون کے لئے بھی کھلا ہوا ہے، اس کے بعد موجودہ ڈاکٹر سائرنگ (DR SEIRING) ہین جنھون نے سالون ڈاکٹر لنگنر کے ساتھ کام کیا ہے،

"ع ز"

ادبیات

یوم الوصال

از حکیم الشعراء جناب سید احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی،

ہر سانس مین پیغام حبیب آتا ہے
جو دن جاتا ہے، تو قریب آتا ہے،

کب تک سہے کوئی ہجر کا غم آخر
کھینچ کر آنکھون مین آگیا دم آخر

دل بے سبب آج میرا بیکل کیون ہے
شدت سے مرے سینے میں ہلچل کیون ہے

کیا بات ہے کیون ماہی بے آب ہے دل
کس کیلئے آج اتنا بے تاب ہے دل

اس سینۂ بریان مین تپش کسکی ہے
اعضاء کی کشاکش مین کشش کسکی ہے،

کیون چبھتی ہین آج برچھیان سینے مین
کیون بال پڑے ہین دل کے آئینے مین

جان، جسم مین آج اجنبی سی کیون ہے
سارے اعضا مین آج کپکپی سی کیون ہے

ہے منتظر، اے دل شکستہ! کس کا
اے آنکھ! تو دیکھتی ہے رستہ کس کا

کیون جاتا ہے سانس بالا بالا میرا
کیا آنے کو ہے رفیق اعلیٰ میرا

آخر مرا وقت آگیا، خوب ہوا،
وہ آکے مجھے بلا گیا، خوب ہوا،

اس موت نما حیات سے ڈرتا ہون
زندہ ہونیکے واسطے مرتا ہون،

صد شکر، کہ مجھ سے میرا پیچھا چھوٹا
تھی جس مین خودی کی مے وہ ساغر ٹوٹا

اب طائر پربستہ کے پر کھلتے ہین ؛ مایوسی مین امید کے در کھلتے ہین،

اب تیرگی دیدۂ و دل جاتی ہے، وہ موت کی روشنی نظر آتی ہے،

اب آگئی آخری گھڑی راحت کی صورت نظر آرہی ہے "بےصورت" کی

جادو نظرے، عشوہ گرے می بینم بے پردہ جمال دلبرے می بینم

اکنون کہ بجلوہ گاہ نازش ہستم برہر سرموے نیشترے می بینم

ہان پیش نظر جلوۂ قدوس ہے آج ناقابل احساس بھی محسوس ہے آج

یہ آتا ہے آج کون تقدیس پناہ ہر جزو بدن کہتا ہے سبحان اللہ

دامن مین گل گلشن ہو، بھرتا ہون ناقابل لمس کو بھی مس کرتا ہون،

خوشبوے مسیحا نفسے می آید،

اے روح زتن بر،کہ کسے می آید،

معرکہ سکون و عمل

یا

فریب سکون.

از مولوی محمد حسین صاحب محوی صدیقی لکھنوی لکچرار مدراس یونیورسٹی.

جہاد زندگی مین کیون تلاش ہے سکون کی ارے تغافل آشنا یہان عمل کا کام ہے

خراب آرزو نہ ہو، یہ باتین ہین جنون کی یہ کارگاہ سعی ہے جہان جس کا نام ہے

فروغ خاطر و سکون قلب جس کا نام ہے یہ سامعہ فریب ہے، وہ باصرہ نواز ہے

ہر ایک ان کی جستجو مین آج تیز گام ہے کسے خبر کہ مرحلہ یہ سخت جان گداز ہے

یہ لفظ ہین نہین مگر وجود ان کا دہر مین ہزاران کو ڈھونڈیے نہ آئین گے کہین نظر

نہ بحر مین، نہ لہر مین، نہ دشت مین، نہ شہر مین
عبث نہ کھو عزیز جان ان کی دھن مین بے خبر

امیر ہو، غریب ہو، فقیر ہو کہ شاہ ہو
ہر ایک ان کا شیفتہ ہے بزم کائنات مین

ذرا بھی عقل و ہوش ہو تو کیون کوئی تباہ ہو
میسر آئی ہے کسے یہ نعمت اس حیات مین

ملے گی بعد مرگ ہی اگر یہ چیز مل سکی
پھر اس دوروزہ زندگی مین اس کی جستجو ہی کیون

کہ گوشۂ قبور مین ملی ہے یہ، جسے ملی ہے
ہزار حیف کھوئی تو نے اپنی زندگی جو یون

سکون کہتے ہین جسے ہے ایک نام موت کا
یہان سکون کی آرزو بھی ہم نفس گناہ ہے

وہی رہا، وہی جیا کہ جس نے کام کچھ کیا
کیا نہ جس نے کچھ یہان وہ خوار ہے تباہ ہے

یہ شور شین یہ ولولے ہی زندگی کی جان ہین
سکوت اور سکون مین کہان مزہ حیات کا

اُٹھ اور کرکے کچھ دکھا جو ہمتین جوان ہین
نہین تو چھوڑ معرکہ یہ بزم کائنات کا

نہ بد رقے کی فکر کر، نہ خوف مشکلات کا
جو سعی و محنت و عمل ترے رفیق راہ ہین

ترا ثبات عزم خود کفیل ہے نجات کا
یہ نارسائیون کے وہم دل مین خواہ مخواہ ہین

فریب راحت و سکون نہ کھا جو کامگار ہے
شراب زہر دار ہے یہ آدمی کے واسطے

نہ دام یاس و بے دلی مین آ جو ہوشیار ہے
عذاب خوش گوار ہے یہ زندگی کے واسطے

بہادرون سے چھین لی ہین اوس نے دل کی قوتین
جمال راحت و سکون عدوے عقل و ہوش ہے

مبارزون کی توڑ دی ہین معرکون مین ہمتین
یہ دل پہ چھا گیا تو پھر نہ ہوش ہے نہ جوش ہے

کیا ضعیف اس نے عزم رستم نبرد کو
اسی نے کھوئین عظمتین کلاہ تاجدار کی

اسی نے دل مین دی جگہ خیال گرم و سرد کو
اسی نے ڈھائین طاقتین سپاہ بے شمار کی

یہ رہزن حیات ہے یہ دشمن نشاط ہے
سنبھل، اُٹھ، اپنی طاقت نہان کو آشکار کر

قوی ہے تیرا عزم دل تو غم کی کیا بساط ہے
بہا کے اپنا خون اس زمین کو لالہ زار کر

باب التقریظ والانتقاد

انتخاب دیوان شمس تبریز

مؤلفہ مولوی عبدالمالک صاحب آروی، شایع کردہ ایوان اشاعت گورکھپور، ضخامت ۲۳۵ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت :- عہ

ڈاکٹر نکلسن جنکو ہمارے صوفیانہ ادبیات سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے، انھون نے اپنی طالب علمانہ محنت کے ثمرۂ اولین کے طور پر ۱۸۹۸ء مین دیوان شمس تبریز کی چند غزلون کا انتخاب پیش کیا تھا، اوراس پر طالب علمانہ حیثیت سے کچھ خیالات مقدمہ کے طور پر لکھے تھے، ایک نوجوان مستعد صاحب قلم مولوی عبدالمالک صاحب آروی نے بھی اپنے طالب علمانہ ثمرۂ اولین کے طور پر اسی کو پسند کیا ہی، اوراس مقدمہ کو اپنے الفاظ مین ترجمہ کرکے، ہم اپنے خیال مین تنقید فرمائی ہے، اوراس کا نام انتخاب دیوان شمس تبریز رکھا ہے،

اس کتاب کا نام انتخاب دیوان شمس تبریز رکھنا بالکل ہی غیر موزون ہے، یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۲۳۵ صفحون پر مشتمل ہے جنمین سے دیوان کا انتخاب صرف ۲۵ صفحون مین ہے، ایسی حالت مین اس کتاب کا صحیح نام "نقد بر دیوان شمس تبریز" رکھنا صحیح ہوگا، نہ کہ انتخاب دیوان شمس تبریز، پھر ضروری تھا کہ ان غزلون کے اصول انتخاب پر بحث ہوتی، جن لوگون نے اصل دیوان شمس تبریز پڑھا ہے، اُن کو معلوم ہے کہ یہ دیوان کم از کم (نولکشور ہندوستان مین) ۴۳۵ طویل صفحون اور خفی سطرون مین چھپا ہے، اوراس مین ہزارون غزلین ہین، پھر

وہ کون سا معیار ہے جس کی بنا پر ڈاکٹر نکلسن نے یا ہمارے مترجم و مبصر نے ۵۳۴ مین سے ۵۰ صفحون کو، اور ہزارون غزلون مین سے صرف ستائیس غزلون کو انتخاب کے لائق سمجھا ہے،

ڈاکٹر نکلسن کی یہ کتاب صرف اسی قدر اہمیت رکھتی ہے کہ یہ انکی آیندہ علمی کوششون کا دیباچہ ہے، ورنہ تحقیق و تفتیش کے لحاظ سے کسی خاص قدردانی کی مستحق نہین، ہمارا خیال ہے کہ ہمارا نوجوان صاحب قلم اگر ڈاکٹر نکلسن کے افکار سے بے نیاز ہو کر خود محنت کرتا تو شاید مغربی صاحب قلم سے یہ مشرقی صاحب قلم زیادہ کامیاب رہ سکتا،

کتاب مین تصنیف، تحقیق، زبان اور طریقۂ ادا کی خامیان بکثرت ہین، مثلاً ملا مین وائنا کو اٹلی مین بتایا گیا ہے، حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ یہ آسٹریا کے پایۂ تخت کا نام ہے، مولانائے روم کے والد اثنائے سفر مین آرمینیہ کے ایک شہر ارزنجان نامی مین کئی برس ٹھہرے تھے، ڈاکٹر نکلسن نے اس شہر کا نام ارزنجان، اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مضمون نگار نے ارزنگان لکھا ہے، جو ظاہر ہے کہ پہلے لفظ کی فارسی شکل ہے، مگر مؤلف نے ان دونون کو غلط اس لیے بتایا ہے کہ آرمینیہ مین اس نام کا کوئی شہر نہین ہے، اس لیے اس کے نزدیک صحیح آذربائجان ہے، کیونکہ برٹش آرٹ کے اندر جو انگریز مستشرقین کی جدید الشیوع تصنیف ہے ..... صوبۂ آرمینیہ کے حدود مین آذربائجان لکھکر دکھایا گیا ہے" حالانکہ آج عام اخبار خوانون کو بھی معلوم ہوگا کہ آرمینیہ اور آذربائجان دو مستقل ملک پہلے بھی تھے اور آج بھی ہین، اور ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق نہین،

اور یہ کہنا کہ آرمینیہ مین ارزنجان کوئی شہر نہین، قلتِ تلاش کا نتیجہ ہے، خود مولانائے روم کے معاصر یاقوت کی مشہور کتاب معجم البلدان مین ہے: "ارزنجان جس کو وہان کے باشندے ارزنگان کہتے ہین، آرمینیہ کا ایک عمدہ مشہور سرسبز و شاداب شہر ہے، بلادِ روم اور خلاط کے درمیان رومی ارزن کے قریب واقع ہے" (جلد اول صفحہ ۱۹۰، مصر)

عہد رومی کے سیاسیات کا جو باب مؤلف نے اضافہ کیا ہے، وہ تمام تر غیر صحیح لکھا ہے (صفحہ ۵۳)

"رومی کا وہ زمانہ تھا جبکہ غزنویہ کا بڑھا ہوا زور کم ہو رہا تھا، عباسیہ کا جاہ و جلال زوال پذیر تھا، اور

دنیاے اسلام مین ایک تیسری قوم ترقی کر رہی تھی، جسے آل سلجوق کہتے ہین"

اس کے بعد ہسٹری آف سارا سنس امیر علی اور پرشین آرٹ ایک جدید فنی کتاب سے دو بے جوڑ اقتباسات نقل کئے ہین،

" مولنا رومی کی ولادت ۶۰۴ھ مین اور وفات ۶۷۲ھ مین ہوئی، یہ وہ وقت ہے جب کہ غزنویہ کا بڑھنا

ہوا نہین، بلکہ ٹھہرا ہوا زور بھی ساحل فنا کو پہنچ چکا تھا، اور مولانا کی پیدایش سے سات برس پیشتر غزنویہ کا چراغ گل

ہو چکا تھا، اور غوری خاندان کی نئی حکومت قائم ہو چکی تھی، اور اس وقت عباسیہ کا جاہ وجلال زوال پذیر ہی نہ

تھا، بلکہ بغداد مین بھی وہ موجود نہ تھا، وہ مولنا کی زندگی ہی مین ۶۵۶ھ مین تاتاریون کے ہاتھون تاراج ہو چکا

تھا، اور تیسری قوم جس کو آل سلجوق کہتے تھے، ترقی نہین کر رہی تھی، بلکہ اسکی جڑ اصل حکومت سلجوقی واقعۂ ایشیا پوس

(اصفہان) کٹ چکی تھی، اور طوائف الملوکی نے اس کا خاتمہ کر دیا تھا، ایک طرف خوارزمشاہ کی حکومت تھی، اور

دوسری طرف متفرق اتابکان موصل و دیار بکر و فارس وغیرہ کی، اور روم یعنی ایشیائے کوچک مین سلجوقیون

کی ایک شاخ جس کو سلاجقۂ روم کہتے ہین، اپنی انتہا کو پہنچکر زوال پذیر ہو رہی تھی، اور مولنا کی زندگی ہی

مین تاتاریون سے شکست کھا کر وہ انکی باجگذار بن چکی تھی،

زبان کا انداز ان فقرون سے ہوگا،

رومی کی غزلیات کے اندر کس قدر بے پایان کیفیات، کیسا والہانہ نغان، ... ...

حسیات، کیسے جمیل نوامیس شعری پائے جاتے ہین" ص ۲۵

شاعر عہد صبوت ہی سے ایک عجیب وغریب ہستی رکھتا تھا ص ۳۲، ابتدائے چھٹی صدی ص ۳۷ کا ایک

مسلّمہ صوفی شاعر تھے، ص ۳۵ اعہد مین وفات کی ص ۱۸۱،

طرز گفتار ہر جگہ انانیت اور صیغۂ واحد متکلم کے اظہار و ترفع مین ہے، جو کسی صاحب علم کے آغاز تصنیف

کے شایان شان نہین،

حضرت سلطان نظام الاولیاء کے مناظرہ کی جو روداد (جسکا یہان کوئی تعلق نہین) تاریخ فرشتہ

سے نقل کیگئی ہے، وہ قطعاً غلط ہے، حالانکہ اسکی تصحیحات معارف مین دو سال ہوے کہ شایع ہو چکی ہین،

"نفس سماع کی حقیقت" کے عنوان سے ایک بے محل باب مین مذکور ہے کہ "سماع کے باب مین امام غزالی کی بحث نیم مولویانہ و نیم فلسفیانہ رنگ رکھتی ہی" کاش امام غزالی کی نیم مولویانہ بحث پر اعتراض کے بجاے اسکو سمجھنے کی کوشش کی جاتی،

صفحات ۱۰۴ و ۱۰۵ نیز صفحات ۱۹۴ و ۱۹۵ مین ایک کے اوّل کو دوسرے کے شروع سے کوئی تعلق نہین،

"حضرت غوث اعظم" اور خواجہ معین الدین چشتی کے دواوین اور اُنکی غزلون کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے، کہ گویا یہ واقعی اُن کے دواوین ہین، حالانکہ اس کے ثبوت کے لیے دلائل کی ضرورت ہے، پھر اُن پر تنقید کا یہ طریق،

"لیکن حضرت غوث اعظم کے پورے دیوان مین صوفیانہ اشعار اسی مولویانہ غلو کی آمیزش کے ساتھ ہین" (۱۳۹)

نازیبا ہے،

حضرت خواجہ معین الدین کی طرف جس دیوان کی نسبت کیگئی ہی، وہ مولانا معین الدین فراہی صاحب معارج النبوۃ کی تصنیف ہے، نہ کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی،

"پیر کا عقیدہ" کے عنوان سے چند صفحے لکھے ہین، جو تمامتر بے محل ہین، اور جو معلومات ہندوستان اور شیعی شعراء وغیرہ کے متعلق صرف کیے ہین، وہ موضوع سے سراسر خارج ہین، اور جو نتیجہ پیدا کیا ہی وہ گو نکلسن اور انسائیکلوپیڈیا نام کسی سوب کن کتاب کے مضمون نگار کی تائید مین ہے، تاہم وہ صد درجہ گمراہ کن ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نوجوان مؤلف کو چند مختلف کتابین ہاتھ آگئی ہین، وہ اُنکے معلومات کو یکجا کر کے، ایک کتاب بنانے پر تلے ہوئے ہین، وہ کتابین یہ ہین، انگریزی مین ڈاکٹر نکلسن کا مقدمہ انتخاب دیوان، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنس اینڈ اتھکس، ہسٹری آف سارا سنس اور پرشین آرٹ

فارسی مین نفحات الانس، تاریخ فرشتہ اور کیمیاے سعادت،

مؤلف کی اس تحقیق کی نسبت معلوم نہین اہل نظر کیا کہینگے:-

"ابتدائے (کذا) چھٹی صدی سے قبل فارسی زبان مین صوفیانہ شاعری کا پتہ نہین" ص ۱۳۱

کم از کم کیا سلطان ابو سعید ابو الخیر المتوفی ۴۴۰ھ اس سے پہلے نہین گذر چکے؟ ہان یہ کہتے کہ صوفیانہ مسائل کی تعبیر سنائی المتوفی ۵۴۵ھ سے پہلے فارسی شاعری مین داخل نہین ہوئی تو یہ ایک حد تک صحیح ہے،

تذکرہ دولت شاہ سمرقندی کے متعلق مؤلف یا نکلسن کی راے ہے، کہ "اس کا مصنف مستند اور پابند ضابطہ تسلیم کیا جاتا ہے" بہ ظاہر اُن کی ابتدا سے طلب علم کا تجربہ ہوگا، ورنہ باتفاق ناقدین فن یہ تذکرہ خرافات اور تاریخی اغلاط سے لبریز، اور اسی لیے غیر مستند ہے، چنانچہ خود اسی دولت شاہ کے گب اڈیشن کے انگریزی دیباچہ مین پروفیسر براؤن نے لکھا ہے کہ یہ مصنف نہ تو قدیم العہد ہے اور نہ بالکل مستند ہے" (ص ۷) مولنا شبلی شعر العجم جلد اول مین اس کے متعلق رقم فرما ہین، "مشہور تذکرہ ہے، اور گو اکثر جگہ غلطیان کی ہین، تاہم دلچسپ اور مفید ہے" (ص ۱۱)

اس نقل کفر کے لیے مؤلف کے پاس جسکو ہم مسلمان جانتے ہین کیا عذر ہے،

"جس نے اسلام کی بنجر زمین مین ابتدائً جڑ پکڑ رکھا تھا" ص ۱۲۱

کیا اسلام پر "زمین شور" کا طعنہ بلا تردید یا تصحیح خیال ایک مسلمان صاحب قلم کو ادا کرنا چاہئے؟

فیہ ما فیہ مولانا روم کی نثر مین ایک تصنیف ہے، ڈاکٹر نکلسن کو اپنی اس طالب علمانہ کتاب لکھتے وقت تک اس کتاب کا، یا اُس کے وجود کا علم نہ تھا، اس لیے اُن کی کتاب مین اس کا نام آشنایانہ تذکرہ برانہ تھا، مگر اس اردو انتخاب دیوان سے چند سال پہلے مولنا کی یہ کتاب مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی تصحیح سے معارف پریس سے چھپکر عام ہو چکی ہے، اس لیے ہمارے مؤلف کی اس سے نا آشنائی تعجب انگیز ہے،

اس کتاب مین اصل بحث جس کے دیکھنے کے ہم متمنی تھے یہ تھی کہ یہ دیوان جو شمس تبریز کے نام سے موسوم ہے، دراصل کس کا ہے، اور اس بات پر کہ یہ اصل مین مولانا روم کی تصنیف ہے، کیا قدیم شہادتین موجود ہین،

مگر اس مسئلہ کیطرف اس کتاب مین کوئی اشارہ تک نہین کیا گیا ہے،

مگر بہر حال اس کتاب کے اوراق مین مؤلف کی ذہانت، تیز طبعی اور سعیِ پرواز کی علامتین بہت کچھ نمایان نظر آتی ہین، اس لیے امید ہے کہ اگر وہ غور و فکر، تحقیق و تفتیش، تلاش و جستجو اور وسعتِ مطالعہ سے کام لینگے تو ہماری زبان کی وہ قابل قدر خدمت بھی آیندہ انجام دیسکتے ہین،

"م"

سیرۃ النبیؐ جلد چہارم

(منصب نبوّت)

جس مین اوّلاً

مقدمہ مین منصب نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصائص پر بحث ہے، پھر قبل از اسلام دنیا کے متمدن ممالک اور خصوصًا عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت کی تفصیل ہے،

اور اس کے بعد

نبوت محمدیؐ نے دنیا اور عرب کیلئے جس عظیم الشان اصلاح کا فرض انجام دیا، اسکا اجمالی بیان ہے، اصلاح کی مشکلات، ان کا انسداد، تبلیغ و دعوت، اور اسکی کامیابی، عرب کے عقائد کی اصلاح، شرک کے ہر پہلو کی تردید، توحید کی تکمیل، اسلامی عقائد کی تشریح، خدا اور اس کے صفات کاملہ، ملائکہ، انبیاء، کتب الٰہی، روز جزاء، اور تقدیر پر ایمان کے مباحث، اور ان کے ضمن مین متعدد اہم مسائل کی تشریح،

اگر آپ کو

اسلام کی اس حقیقت کو سمجھنا ہے، جو وحی محمدی مین بیان کیگئی ہے، تو سیرۃ کی اس جلد کا مطالعہ فرمائین،

ضخامت ۸۰۰ صفحے، تقطیع کلان، قیمت قسم اعلیٰ آٹھ روپیہ، قسم دوم چھ روپیہ، محصولڈاک ایک روپیہ بارہ آنہ پیکنگ وغیرہ معاف،

"منیجر"

رموز حکمت :۔ مؤلفہ مولانا محمد شریف صاحب صدر مدرس مصباح العلوم الہ آباد، انوار المطابع لکھنؤ، ص ۲۲۵ قیمت :۔

یہ اردو مین فلسفۂ قدیم کی ایک صاف اور سلجھی ہوئی ابتدائی کتاب ہے، شروع مین فلسفہ کی اور مسلمانون مین اوسکے شیوع کی تاریخ ہے، پھر فلسفہ کی تعریف اور تقسیم ہے، قدیم فلسفہ ابتداءً حکمت عملی اور حکمت نظری پر منقسم ہے حکمت نظری پھر متعدد اقسام مین منقسم ہے، جن مین سے دو مشہور قسمین طبعیات اور الٰہیات ہین، زیر نظر کتاب فلسفۂ قدیم کی ان تینون شاخون حکمت عملی طبعیات اور الٰہیات پر مشتمل ہے، اور حکمت عملی مین ایک بڑا حصہ اخلاق کو دیا گیا ہے، اس طرح یہ فلسفۂ اخلاق طبعیات اور الٰہیات کے مباحث پر مشتمل ہے،

مصنف کتاب ہمارے قدیم فلسفہ کے ماہر اور ہماری قوم کے پچھلے اساتذۂ علم وحکمت مولانا ہدایت اللہ خان صاحب اور مولینا حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی کے شاگرد رشید ہین، اسلئے فلسفہ کے مسائل کے بیان مین اونکا قلم پوری طرح منجھا ہوا ہے، مصنف کا میلان حضرت محی الدین ابن عربی کے فلسفہ کی طرف پورے اخفاء کے باوجود نمایان ہے،

یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہمارے عربی خوان مدارس کے طلبہ اس کا مطالعہ کرین اور منشی فاضل کے طلبہ اوسکو درس مین رکھین اور ساتھ ہی قدیم فلسفہ کا شوق رکھنے والے اوسکو پڑھین،

تعجب ہے کہ مصنف نے غلط دان انگریزی خوانون کی طرح شہر فاس کو فیض لکھا ہے، ص ۱۱

نظام علی خان :۔ مولفہ جناب محمد سراج الدین صاحب طالب شمس الاسلام پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن ص ۱۰۶، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ۱۲؍

نظام الملک آصفجاہ ثانی نظام علی خان کی سوانح عمری اگرچہ اس سے پہلے "آصفجاہ ثانی" کے نام سے شایع ہوچکی ہے لیکن "نظام علی خان" کے مؤلف نے اسی موضوع پر مزید تالیف کی اسلئے ضرورت محسوس کی کہ سوانح "آصفجاہ ثانی" مین اُن کے تخت نشین ہونے کے اسباب پر روشنی نہین ڈالی گئی ہے، اور دراصل اس عنوان بحث کے تشنہ رہ جانے سے سیرت آصفجاہ ثانی کی تکمیل نہین ہوسکتی، مؤلف نے "نظام علی خان" مین یہ اور اسی قسم کے مباحث کو پھیلا کر لکھا ہے اس وقت اسکا پہلا حصہ پیش نظر ہے، اسمین ولادت سے تخت نشینی تک کے حالات ہین، اور اس حصہ مین دو مباحث خصوصیت سے زیر بحث رہے ہین، اولاً سلطنت آصفیہ سے فرانسیسی اور انگریزی کمپنی کے تعلقات جس مین فرانسیسی کمپنی کے تعلقات کا آغاز، انگریزون کی ریشہ دوانیان، فرانسیسی تعلقات کا انقطاع، انگریزون سے معاہدہ کا انعقاد، پھر فرانسیسی تعلقات کا احیا، وغیرہ اور اون کے داخلی اور حقیقی اسباب بیان کئے ہین، اور دوسرا مبحث نظام علی خان کے پیشرو فرمانروا یا ناظم دکن صلابت جنگ اور نظام علی خان کے تعلقات کو پھیلا کر دکھایا ہے، اور پھر صلابت جنگ کے معزول کرنے کے اسباب بیان کئے ہین، آخر مین نظام علی خان کے اس عہد تک کے حالات پر اجمالی تبصرہ کیا ہے اور دکھایا ہے کہ اونھین حصول سلطنت کا خیال کب اور کیونکر پیدا ہوا، اور صلابت جنگ کے معزول کرنے مین وہ کہان تک حق بجانب ہین،

مؤلف نے فرانسیسی و انگریزی اثر و اقتدار کے عروج و زوال اور صلابت جنگ اور نظام علی خان کے باہمی تعلقات کے بیان مین واقعات سے جو قیاسات قائم کئے ہین، متضاد بیانون مین تطبیق دیکر اپنے نظریہ کی جو تائید حاصل کی ہے اون مین اگرچہ کہین کہین تشفی نہین ہوتی، تاہم اکثر مقامات پر لائق مؤلف کامیاب ہوئے ہین، اگرچہ ایسے مواقع بھی ہین جہان محض قیاسات پر حقائق کو منطبق کرنا چاہا ہے، اور تاریخی استناد و استشہاد کو محض قیاسی دلائل سے رد کیا ہے، اور اسمین یہ قیاسات درایت کی حیثیت سے بھی برمحل نظر نہین آتے، لیکن مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہین، کہ نظام الملک آصفجاہ ثانی کی سیرت مین حصول سلطنت کے پہلے تک کی زندگی پر تحقیق و تدقیق اور اختلافات کے حل کرنیکی ایک مستحسن کوشش کیگئی ہے، لیکن افسوس ہے کہ زبان مین، طریق ادا، الفاظ کے صحیح استعمال جملون کی ترکیبون اور کہین کہین تذکیر و تانیث کی غلطیان اور خامیان نظر آتی ہین، جو ہمین ایسی صاف ستھری چھپی ہوئی کتابون مین جو غور

دنکر اور تحقیق سے لکھی گئی ہون، اور زیادہ بُری معلوم ہوتی ہین،

سکّہ اور شرح مُبادلہ

مؤلفہ جناب سید محمد احمد صاحب کاظمی بی ایس سی ایل ایل بی علیگ ناشر نظامی پریس بدایون ۱۹۳۱ء قیمت ۱۲؍

سال گذشتہ ماہ ستمبر مین انگلستان کی وزارت کی تبدیلی کے بعد انگلستان اور ہندوستان مین سونے اور مبادلہ کے متعلق جو ہنگامی قوانین نافذ کئے گئے تھے، اون کی تشریح کے لئے اردو کے اخبارات مین سکہ اور شرح مبادلہ پر مضامین نکلے تھے، اسی سلسلہ مین جناب سید محمد احمد صاحب کاظمی نے اخبار ذوالقرنین بدایون مین ایک سلسلہ مضامین لکھا تھا لیکن اوسکی تکمیل نہ ہوسکی، اس لئے نظامی پریس کی طرف سے اوسکو رسالہ کی شکل مین شایع کیا گیا ہے، اس رسالہ مین سکّہ اور شرح مبادلہ کو اصولاً بیان کرنے کے بعد ہندوستان مین حکومت انگلشیہ کے قیام کے بعد سے سکہ پر جو مختلف دور گذرے ہین، اونھین بیان کیا ہے، اسلئے انگریزون کے عہد کے ہندوستانی سکہ کی مفصل تاریخ منضبط ہوگئی ہے اور اسی ذیل مین ایسٹ انڈیا کمپنی، انگلستان، اور حکومت ہند کے درمیان سکّہ اور شرح مبادلہ پر اب تک جو مراسلتین ہوئین، جو مباحث ہوئے، جو قوانین نافذ کئے گئے، جو کمیشن مقرر ہوئے اور مختلف عہدون مین سکہ کی قیمتون مین جو اوتار چڑھاؤ رہا، اور اوسکے جو اسباب وعلل رہے، اور سوراج پارٹی کے عہد مین اسمبلی مین جو مباحث ہوئے سب کو اجمالاً پیش کیا ہے، اور حکومت ہند اور ہندوستانی محب وطنون کے زاویۂ نگاہ مین سکون کے متعلق جو اختلافات رہے ہین اونھین تفصیل سے بیان کیا ہے، اور آخر مین دکھایا ہے، کہ جب تک ہندوستان مین سونے کے سکے رائج نہ کئے جائین، یا چاندی کے سکون کی قیمتین فرضی قرار دئے جانے کے بجائے واقعی نہ قرار پاجائین یعنی مثلاً ایک روپیہ مین واقعی ایک روپیہ کی چاندی داخل نہ کی جائے، اوس وقت تک ہندوستانی سکہ کا صحیح حل نہ ہوسکے گا، اور بازار مین اوسکی واقعی قیمت قائم نہ ہوسکے گی، اور اوس کی وجہ سے ہندوستان کو ہمیشہ نقصانات اوٹھانا پڑین گے، ملک کے تجارت پیشہ اصحاب اور لین دین کرنے والے اشخاص اور نیز سیاسیات سے دلچسپی رکھنے والون کے لئے یہ ایک کارآمد رسالہ ہے اس سے پیچیدہ اقتصادی مسائل پر روشنی پڑتی ہے لیکن جنھین اقتصادیات سے دلچسپی نہین اونھین

رسالہ کسی قدر وقت نظر سے پڑھنا پڑیگا،

مے دوآتشہ۔ یعنی ترجمۂ رباعیات عمر خیام از [illegible] جناب سید محمد علی صاحب ناشر [illegible]

ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن، [illegible] تقطیع چھوٹی قیمت [illegible]

عمر خیام کی رباعیون کے کئی منظوم اور غیر منظوم ترجمے اردو [illegible] ہین لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ شاید اوسکے منظوم ترجمہ کی ابتدا سب سے پہلے جناب شوکت [illegible] لیکن وہ چند رباعیون کا ترجمہ کرکے رہ گئے، اب انھی منظوم مترجم رباعیون کا مجموعہ دوآتشہ [illegible] جناب سید محمد علی صاحب بلگرامی نے مرتب کرکے شایع کیا ہے، مجموعہ کی ابتدا مین مرتب کی جانب سے مترجم کے مختصر حالات ہین، اور پھر اس منظوم ترجمہ اور اوس کے ماسبق ترجمہ مین موازنہ کیا ہے، اور ایک ہی رباعی کے دونون ترجمے یکجا دکھائے ہین اوس کے ترجمہ پر چند اکابر نواب حیدر یار جنگ بہادر طباطبائی، یمین السلطنہ سرکشن پرشاد بہادر، نواب عماد الملک بلگرامی، نواب صدر یار جنگ بہادر، اور شمس العلما، نواب سید امداد امام صاحب اثر کی تقریظین مندرج ہین جن مین سے بعض مین خیام کے حالات اور بعض مین اوسکے فلسفہ اور بعض مین اس اردو منظوم ترجمہ پر اظہار خیال کیا گیا ہے، اور آخر مین رباعیان اور اون کے ترجمے اس ترتیب سے درج ہین، کہ ایک صفحہ پر فارسی رباعی اور اوس کا انگریزی ترجمہ اور اوسکے مقابل کے صفحہ پر شوکت کا اردو ترجمہ ہے، مترجم نے اس ترجمہ مین لفظی پابندیون کے بجائے معنوی پابندی رکھی ہے، اور فارسی رباعی کا مفہوم اردو کی رباعی مین ادا کیا ہے، اس مین شبہ نہین کہ اب تک جو منظوم ترجمے چھپے ہین، مجموعی حیثیت سے یہ ترجمہ اون [illegible] سبقت لے گیا ہے، اگرچہ فی الجملہ یہ بھی صحیح ہے کہ دوسرے ترجمون مین لفظی پابندی [illegible] رکھا گیا ہے، جس سے جدید منظوم ترجمہ خالی ہے،